حسب و نسب (جلد پنجم) الموسوم بہ

۱۲ بارہ امام علیہم السلام

حضرت امام علی علیہ السلام
حضرت امام حسن علیہ السلام
حضرت امام حسین علیہ السلام

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام
حضرت امام محمد باقر علیہ السلام
حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام
حضرت امام علی رضا علیہ السلام
حضرت امام محمد تقی علیہ السلام

حضرت امام علی نقی علیہ السلام
حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام
حضرت امام مہدی علیہ السلام

تالیف:

مفتی غلام رسول جماعتی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

زاویہ پبلشرز
زاویہ پبلشرز
دربار مارکیٹ، لاہور

بسم الله الرحمن الرحيم

حسب و نسب (جلد پنجم) الموسوم بہ

۱۲ بارہ امام علیہم السلام

○ حضرت امام علی ○ حضرت امام حسن ○ حضرت امام حسین
○ حضرت امام زین العابدین ○ حضرت امام محمد باقر ○ حضرت امام جعفر صادق
○ حضرت امام موسیٰ کاظم ○ حضرت امام علی رضا ○ حضرت امام محمد تقی
○ حضرت امام علی نقی ○ حضرت امام حسن عسکری ○ حضرت امام مہدی

○

تالیف:
مفتی غلام رسول جماعتی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

○

زاویہ پبلشرز
8-C دربار مارکیٹ - لاہور
Ph: 042-37248657- 37112954
Mob: 0300-9467047- 0321-9467047- 03004505466
Email:zaviapublishers@gmail.com

2014ء

بار اول..................... 1100

ہدیہ..................... 550

ناشر......... نجابت علی تارڑ

﴿لیگل ایڈوائزرز﴾

محمد کامران حسن بھٹہ ایڈووکیٹ ہائی کورٹ (لاہور) 0300-8800339

رائے صلاح الدین کھرل ایڈووکیٹ ہائی کورٹ (لاہور) 0300-7842176

﴿ملنے کے پتے﴾

زاویہ پبلشرز



ظہور ہوٹل، دکان نمبر 2
داتا دربار مارکیٹ، لاہور
042-37248657 042-37249558
Email: zaviapublishers@gmail.com

مکتبہ برکات المدینہ، کراچی	021-34219324
مکتبہ رضویہ آرام باغ، کراچی	021-32216464
احمد بک کارپوریشن، کمیٹی چوک، راولپنڈی	051-5558320
اسلامک بک کارپوریشن، کمیٹی چوک، راولپنڈی	051-5536111
اشرف بک ایجنسی، کمیٹی چوک، راولپنڈی	051-5551519
مکتبہ قاسمیہ برکاتیہ، حیدر آباد	022-2780547
مکتبہ متینویہ، پرانی سبزی منڈی روڈ، بہاول پور	0301-7728754
نورانی ورائٹی ہاؤس، بلاک نمبر 4، ڈیرہ غازی خان	0321-7387299
مکتبہ بابا فرید چوک چشتی قبر پاکپتن شریف	0301-7241723
مکتبہ غوثیہ عطاریہ اوکاڑہ	0321-7083119
اقرا بک سیلرز، فیصل آباد	041-2626250
مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد	041-2631204
مکتبہ العطاریہ لنک روڈ صادق آباد	0333-7413467

تذکرۂ مصنف

فخر المدرسین جامع المعقول والمنقول حضرت مفتی غلام رسول جماعتی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت 1923ء میں موضع ڈھینگرانوالی (کوٹلی خورد) تحصیل پھالیہ ضلع گجرات میں ہوئی۔ آپ کا نسبی تعلق قوم جنجوعہ سے ہے۔ آپ کے والد گرامی جلال الدین ایک نہایت متقی پابند صوم وصلوٰۃ بزرگ تھے۔ جن کی تربیت نے اس گوہر تابدار کی چمک دمک کو بڑھانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

ابتدائی تعلیم

مفتی صاحب نے کم عمری میں "للہ شریف" ضلع جہلم کی دینی درسگاہ میں حفظ قرآن حکیم مکمل کیا اور ابتدائی کتب کا درس لیا۔

اساتذہ کرام

آپ نے حاصلانوالہ ضلع گجرات میں برصغیر کے مشہور ومعروف ماہر فنون عالم دین استاذ الاساتذہ حضرت مولانا سلطان احمد رحمۃ اللہ علیہ سے درسِ نظامی کا مروجہ نصاب اول تا آخر پڑھا۔ مولانا سلطان احمد کا شمار رئیس المناطقہ حضرت مولانا میر محمد اچھروی لاہور کے ممتاز شاگردوں میں ہوتا ہے۔ حضرت اچھروی کے استاذ رئیس العلماء حضرت شیخ الجامعہ غلام محمد گھوٹوی ہیں اور حضرت شیخ الجامع حضرت مولانا فضل حق رامپوری رحمۃ اللہ علیہ کے لائق ترین شاگرد ہیں۔ حضرت فضل حق رامپوری رحمۃ اللہ علیہ مولانا عبدالحق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ

کے شاگرد ہیں اور وہ حضرت امام المناطقہ علامہ فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین تھے۔ یوں حضرت صاحب کا علمی سلسلہ علمائے خیرآباد سے جا ملتا ہے۔

تدریس

تحصیل علوم سے فراغت کے بعد آپ نے چار سال تک جامعہ غوثیہ لالہ موسیٰ گجرات میں تدریس کے فرائض سرانجام دیے۔ اس کے بعد آپ دارالعلوم نقشبندیہ، دربارِ عالیہ علی پور سیداں شریف، نارووال سیالکوٹ میں بحیثیت صدر مدرس و مفتی 26 سال تک فرائض سرانجام دیے۔ مسلک کے نامور ممتاز علماء و دانشور حضرات نے وہاں آپ سے اکتسابِ علم کیا۔ صاحبزادگانِ علی پور شریف کے علاوہ محقق العصر علامہ مفتی محمد خان قادری (لاہور)، علامہ محمد رشید گجراتی، علامہ محمد بشیر رضوی (کھاریاں) اور متعدد علماء نے آپ سے کسبِ فیض کیا۔ درس و تدریس اور فتویٰ نویسی پر دن رات کام کرنے کی وجہ سے آپ علیل ہو گئے تو 1983ء میں علاج کے لیے برطانیہ تشریف لے گئے۔ صحت یاب ہونے کے بعد دوبارہ علی پور شریف تشریف لائے۔ 1985ء میں علاج کے سلسلہ میں دوبارہ برطانیہ چلے گئے۔ دورانِ علاج جامع مسجد مہر ملت برمنگھم میں خطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ 1985ء میں ہی علماء اہلِ سنت کی متفقہ رائے سے سنی حنفی شرعی کونسل قائم کی گئی جس میں فتویٰ نویسی کے لیے مقرر ہوئے۔

تصنیف

آپ نے برطانیہ میں مسلمانوں کو پیش آنے والے مسائل پر 800 صفحات پر مشتمل فتاویٰ برطانیہ تصنیف فرمایا۔ جو فقہ حنفی کا اہم ذخیرہ ہے۔ بعد ازاں آپ لندن تشریف لے گئے۔ مفکر اسلام شہزادہ غوثِ اعظم حضرت پیر سید عبدالقادر جیلانی مدظلہ

العالی کے حکم پر دارالعلوم قادریہ جیلانیہ والتھم سٹو لندن میں صدر مدرس مقرر ہوئے اور تادمِ آخر وہاں تدریس وفتویٰ نویسی کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ برطانیہ میں اقامت کے دوران دو ہزار سے زائد فتاویٰ آپ کے قلم سے لکھے گئے۔ مفتی صاحب نے درجنوں کتب تصنیف فرمائی ہیں جن کی فہرست کتاب ہذا کے آخر میں موجود ہے۔ مفتی صاحب کی زندگی کی آخری کتاب "مسئلہ تفضیل" پر ہے۔ جس کا مسودہ مکمل کرنے کے بعد جلد ہی آپ کا وصال ہو گیا۔ انشاءاللہ عنقریب منظرِ عام پر آ رہی ہے۔

بیعت

آپ حضرت پیر سید افضل حسین شاہ جماعتی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ مئی 1993ء میں آپ کے پیر و مرشد سجادہ نشین علی پور شریف نے سالانہ عرس کے موقع پر دستارِ خلافت عطا فرمائی۔

محبت اہلِ بیت

مفتی صاحب حقیقی معنیٰ میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق تھے، اہلِ بیت کے خادم و وفادار تھے۔ جب ان پاک ہستیوں کا تذکرہ ہوتا تو آپ کی آنکھیں چھم چھم برسنا شروع کر دیتی تھیں۔ مفتی صاحب قبلہ کو اپنے والدین اور اساتذہ کی تربیت نے ایسا رنگ چڑھایا کہ آپ کی ساری زندگی آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف اور ان کی عزت و ناموس کے دفاع کے لیے وقف تھی۔

وصالِ باکمال

18 اکتوبر 2010ء بروز جمعۃ المبارک 87 سال کی عمر میں لندن میں آپ کا وصال ہوا۔ آخری وقت مفتی صاحب کو وضو کروایا گیا، آپ نے ناخن کاٹنے کا حکم فرمایا،

پھر نماز ادا فرمائی اور ساتھ ہی آپ کی روح جسمِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

آپ کی نعش اقدس آپ کے آبائی گاؤں لائی گئی اور وہیں دفن کیے گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے جنازہ مبارک کے روح پرور مناظر دیکھنے کے لیے مندرج ذیل ویب سائٹس ملاحظہ فرمائیں:

www.google.com:-Janaza of Mufti Ghulam Rasool

1: www.sunnionline.com

2: www.yanabi.com

3: www.qadrimedia.com

اللہ تعالیٰ اہلِ بیت پاک کے صدقے مفتی صاحب کی قبر پر کروڑوں رحمتوں کا نزول فرمائے۔ (آمین)

سید محمد انور حسین شاہ کاظمی

مہتمم دارالعلوم قادریہ جیلانیہ

شاہدرہ ٹاؤن لاہور

فہرست

⁂ ⁂

تاثرات

از قلم

پیر طریقت، رہبر شریعت عالی جناب صاحبزادہ پیر سید

صابر حسین شاہ صاحب گیلانی

دامت برکاتہم العالیہ۔ ایم اے فاضل فارسی

(ایم۔او۔ایل)

....

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عالمِ نبیل فاضل جلیل حضرت علامہ مولانا حافظ مفتی غلام رسول صاحب جماعتی کی ذات اور اُن کی تحریر کردہ کتاب حسب ونسب المعروف بہ بارہ امام کا تعارف کرانا میرے بس کی بات نہیں البتہ اتنا ضرور جانتا ہوں کہ مفتی صاحب قبلہ ایک عالم باعمل اور زہد و تقویٰ کے پیکر ہیں۔ آپ کی شخصیت مرنجاں مرنج، رواداری اور خلوص و محبت کا مرقع ہے۔ ادب اولیاء اور حب اہلِ بیت رسول آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔ چنانچہ آپ کی تحریر و تقریر میں عشق رسول اور محبتِ اہلِ بیت کے جام چھلکتے نظر آتے ہیں۔ چونکہ اغیار کی یہ کوشش رہی ہے کہ وہ افرادِ ملت کے دلوں سے محبتِ اہل بیت کو نکال کر ویران کرتے ہوئے دشمنوں کو زیادہ سے زیادہ طاقتور اور دلیر بنا دیں۔ حضور نبی کریم ﷺ اور آپ کی آلِ پاک کے ساتھ والہانہ وابستگی اور محبت وارفتگی کی حد تک ملت کی

روح سمجھی جاتی رہی اسی لیے دشمنانِ دین وملت کا ہدف بھی یہی ذواتِ عالیہ ہی رہی ہیں۔ باطل قوتیں کبھی نجدیت اور خارجیت کے روپ میں شانِ رسالت مآب ﷺ اور ناموسِ اہلِ بیت پر حملے کرتے ہیں اور کبھی سُنّیت کے لبادے میں خارجیت اور ناصبیت کا کردار ادا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان خارجیوں اور ناصبیوں نے یزیدیوں کو بھی شرما دیا ہے۔ کیونکہ ظلم واستبداد کے پہاڑ توڑنے کے باوجود بھی یزید پلید کو بھی یہ جرأت نہ ہو سکی جس طرح کی جسارت آج کل کے ناصبی کر رہے ہیں۔ واقعہ کربلا کے بعد جب اسیرانِ کربلا کا قافلہ دربار یزید میں پہنچا تھا تو اس وقت بھی ایک شامی مردود نے حضرت فاطمہ بنت علی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ امیر یہ لڑکی مجھے دے دو۔ جس پر فاطمہ بنت علی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے چمٹ گئیں تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے پکار کر کہا: کمینے، ذلیل تیری یہ جرأت کہ ناموس رسول ﷺ پر آنکھ اُٹھاتا ہے۔ بے شرم اس کا حق نہ تجھے ہے نہ تیرے امیر کو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ ہرگز حق نہیں دیا کہ بناتِ رسول ﷺ کو مالِ غنیمت جان کر آپس میں تقسیم کرو۔ مگر موجودہ ناصبی تو مالِ غنیمت کے بغیر بھی اپنے ساتھ بناتِ رسول کو منسوب کرنے کے لیے بے تاب نظر آتے ہیں۔ ایسے پرفتن اور بھیانک دور میں حضرت مفتی غلام رسول صاحب قبلہ سینہ تان کران باطل قوتوں کے سامنے سینہ سپر ہو جاتے ہیں۔

بعض غیر ذمہ دار سادات نے جان بوجھ کر یا اپنی غلط فہمی سے صرف اپنا اور اپنے مقدس اور پاکیزہ خاندان کا ہی گریبان چاک نہیں کیا بلکہ ناموسِ اہلِ بیت رسول کے حسین وجمیل اور سدابہار گلستان کو بھی خزاں آشنا کرنے کی ناکام کوشش کی پھر کیا تھا کہ "گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے" کے مصداق بغضِ اہلِ بیت کی آگ میں جلنے والوں کو اپنی راحت کا سامان مل گیا۔ پھر اپنے بغض وعناد کی بھڑاس نکالنے کے لیے ناموسِ اہلِ بیت پر ہر طرف سے سیف ہائے ناصبیت نیام سے نکل آئیں اور

تحقیقات کے وار پہ وار ہونے لگے اور ناموسِ اہلِ بیت رسول کے جسدِ پاک کو گھائل کرنے کی لاحاصل کوشش کی گئیں بعض نام نہاد محققین اپنی بے جا تحقیق کے پردے میں اغیار کے ہاتھوں کو مضبوط کر رہے ہیں اور وہ اس امر سے بالکل بے خبر ہیں کہ ان کی غیر دیانتدارانہ تحقیقات ملتِ اسلامیہ پر کیا قیامت ڈھا رہی ہیں۔ اس قسم کی تحقیقات محمود عباسی، خارجی نے پیش کیں۔ پھر ناصبی اُس کے خوشہ چین بنے۔ ان دونوں کا فضلہ اکٹھا کرنے کے لیے فضلاء، ساون کے مینڈکوں کی طرح ٹراں ٹراں کرتے ہوئے پاکستان کے کونے کھدروں سے بغلیں بجاتے ہوئے نکل آئے اور تحقیقات کے انبار لگا دیے ان تحقیقات میں اہانت اہل بیت کی سر توڑ کوششیں کی گئیں۔ اہلبیت پاک پر رکیک حملے کیے گئے۔ ان تحقیقات کا لب لباب حضرت خاتونِ جنت کی بیٹیوں کو موچیوں اور جولاہوں سے منسوب کرنا تھا۔ جس کا ان نام نہاد سنیوں نے حق ادا کر دیا۔ ان تمام دشمنانِ اہلِ بیت کا منہ توڑ جواب دینے کے لیے مفتی اعظم برطانیہ حضرت مفتی غلام رسول صاحب قبلہ نے پانچ جلدوں میں کئی ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی حسب ونسب کتاب لکھی۔ اس تحقیق انیق میں علم و آگہی کے وہ درخشندہ باب ہیں جن میں لفظ لفظ ناگزیر اور ازلی صداقتیں فروزاں ہیں۔ مسائل آئینہ کی طرح قاری کے ذہن میں نقش ہو رہے ہیں۔ موضوع اپنی وسعت میں کئی نئی تحقیق اور تدقیق کے نئے دائرے کھول رہا ہے۔ مفتی صاحب قبلہ صدیوں پر محیط ظلم و استبداد میں جکڑی ہوئی تاریخ کی دبیز تہوں سے حقائق کو پوری تابانی سے منصہء شہود پر لائے ہیں آپ کے ذوق تحقیق نے قرآن و احادیث اور روایات و واقعات کا ایسا کھوج لگایا ہے کہ حقیقتوں کو اتنا اجاگر فرما دیا جن کی تردید مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ متنازعہ عبارات کے وہ روشن حل پیش کیے جو براہین قاطعہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ متصادم اور پراگندہ تخیلات کے لیے ایسے ایسے نکتے پیش کیے جن سے ذہنوں کو

اطمینان اور تازگی ملتی ہے۔

میں مفتی صاحب قبلہ کے قلم کو سلام کرتا ہوں جو ناموسِ اہلِ بیت کے لہلہاتے ہوئے گلشن کی طرف ہر اٹھنے والی بادِ سموم کے سامنے ایک نہ شکستہ ہونے والا حصار بن جاتا ہے۔ میں مفتی صاحب قبلہ کے قلم کو سلام کرتا ہوں جو عشقِ مصطفیٰ اور حبِ اہلِ بیت میں ہمہ وقت رواں دواں رہتا ہے۔ میں مفتی صاحب قبلہ کے فکر و خیال کو سلام کرتا ہوں جو ذہن سے ابھرتے ہیں تو عشقِ مصطفیٰ اور حبِ اہلِ بیت میں ڈوب کر اُبھرتے ہیں۔ میں مفتی صاحب قبلہ کے جسم و جاں کو سلام کرتا ہوں جو حضرت سیدۃ النساء خاتونِ جنت کی عزت و ناموس کے گلستان کی باغبانی کرتے ہیں۔ میں مفتی صاحب قبلہ کے جسم و جان کو سلام کرتا ہوں جو ہمہ وقت ذکرِ مصطفیٰ اور ذکرِ مرتضیٰ میں محو رہتے ہیں۔

یہ کتاب عشق و محبت، تحقیق و تدقیق اور روحانیت کی فردوس جمیل ہے جو دل کی دھڑکنوں اور دل کی بے قراری کا قرار بن رہی ہے۔ تحقیق و تدقیق کا ایک بحرِ بیکراں ہے کہ ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ گوناگوں اور لاتعداد بحثوں اور دلائل کا ایک صحیفہ فیصل ہے جس کی ان شاء اللہ کوئی تردید نہیں لا سکے گا۔ اس کتاب کو اپنے موضوع کے لحاظ سے حرفِ آخر کہنا بے جا نہ ہوگا۔ اس نہ ختم ہونے والے کارنامے کے سبب قبلہ مفتی صاحب کے نام اور کام دونوں رہتی دنیا تک زندہ و تابندہ رہیں گے۔ یہ کتاب اپنے موضوع اور تحقیق کے اعتبار سے عالمِ اسلام کی اہم ترین کتب میں سے ایک ہو سکتی ہے جنہیں ہر دور میں عوام و خواص نے پذیرائی بخشی ہے۔ تحریر میں قوت ہے۔ اظہار میں صداقت ہے اور دلائل میں ندرت اور اچھوتا پن ہے۔ اس لیے میرے محترم و مکرم اور میرے برادر مکرم و معظم مفکرِ اسلام سید عبدالقادر جیلانی شاہ صاحب جیلانی کے محبوب ساتھی جناب قبلہ حافظ مفتی غلام رسول صاحب مدظلہ العالی قلب و روح کی اتھاہ

گہرائیوں سے نکلنے والی تہنیت اور مبارک باد کے مستحق ہیں جنہوں نے گلشن خاتونِ جنت کی اپنے خون جگر سے آبیاری کر کے سدا بہار بنا دیا۔ میرا خیال ہے اس موضوع پر اس قدر تحقیق سے مزین برمحل اور منضبط مواد کے ساتھ اتنی بڑی کتاب اور ایسا عظیم مرقع آج تک نہیں لکھا گیا ہوگا۔

دعا ہے کہ خدائے ذوالمنن بحق پنجتن، مفتی صاحب قبلہ کی مساعی جمیلہ کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ مفتی صاحب قبلہ دونوں جہانوں میں پنجتن پاک کے سایۂ عاطفت میں رہیں۔

صاحبزادہ سید صابر حسین شاہ گیلانی
ایم اے فاضل فارسی (ایم۔او۔ایل)
(لندن)

تعارف

اس کتاب "حسب ونسب" کا بنیادی موضوع بحث یہ ہے کہ سید زادی کا نکاح غیر سیّد کے ساتھ منعقد نہیں ہوتا خواہ اس کا ولی وارث راضی ہو یا نہ ہو کیونکہ جس روایت پر فتویٰ ہے وہ حسن بن زیاد کی روایت ہے جس کا منطوق اور مفہوم یہ ہے کہ نکاح غیر کفو میں بالکلیہ منعقد نہیں ہوتا خواہ ولی راضی ہو یا نہ ہو یہ مقالت مطلق ہے۔ صاحب تنویر الابصار اور قاضی خان اور دیگر فقہاء نے اس کو بحوالہ حسن بن زیاد عن ابی حنیفہ روایت کیا ہے اس میں ولی وارث کی رضا یا عدم رضا کا ذکر تک نہیں ہے اور صاحب ہدایہ نے اس مفتیٰ بہا، مختار اور معتمد علیہ روایت کو بایں الفاظ ذکر کیا ہے

"عن ابی حنیفة وابی یوسف انه لایجوز فی غیر الکفوء لانه کم من واقع لا یرفع ویروی رجوع محمد الی قولهما یعنی امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف سے روایت ہے کہ نکاح غیر کفو میں جائز نہیں ہے کیونکہ نکاح جب غیر کفو میں ہو جاتا ہے تو عدالت سے اس نکاح کے فسخ ہونے میں مشکلات پیدا ہوتے ہیں۔ نکاح فسخ نہیں ہوتا۔ ولی ذلیل ہوتا ہے لہٰذا یہ نکاح بنیادی

طور پر منعقد نہیں ہوگا۔ اسی قول کی طرف آخر میں امام محمد نے بھی رجوع کر لیا ہے کہ نکاح غیر کفو میں بنیادی طور پر منعقد نہیں ہوگا اور اسی قول کو قاضی خان نے صحیح کہا ہے اور اسی کو قابل فتویٰ قرار دیا ہے اور صاحب مبسوط نے بھی کہا کہ نکاح غیر کفو میں منعقد نہ ہونے پر مکمل پابندی ہے اور یہی متون کی روایت ہے اس کے مقابلے میں نہ ظاہر روایت کا اعتبار ہے اور نہ ہی حواشی اور شروح کا اعتبار ہے ہمارے قارئین حضرات اس کے تفصیلی مباحث حسب ونسب کی پہلی چار جلدوں میں پڑھ چکے ہیں اور جب حسب ونسب کی چار جلدیں منظر عام پر آگئیں تو عوام و خواص نے حسب ونسب کو بے حد پسند کیا کیونکہ لوگ سمجھتے تھے کہ اس کتاب میں اہل بیت اطہار کی عزت وعظمت کے تذکرے ہیں جو کہ اسلام اور ایمان کی دولت ہے۔ اگر کسی کے دل میں حضور پاک اور حضور پاک کی اولاد کے حسب ونسب کا احترام اور ادب نہیں ہے تو اس کا دل ودماغ ایمان کی چاشنی سے خالی ہے نیز منکرین کفو ونسب نے اپنے رسالہ جات میں بار بار اس کی رٹ لگائی ہے کہ اسلام میں نہ کفو کا اعتبار ہے اور نہ نسب کا اعتبار ہے بلکہ ان میں سے حافظ محمد یونس چکوالوی اور اس کے حواریوں نے بار بار تکرار کیا کہ سیدزادی کے ساتھ موچی اور جولاہ بھی نکاح کر سکتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب دوسرے تمام قریش اور عربوں کے نسب کے برابر ہے۔ حضور کے نسب کو دوسرے قریش کے نسب پر کوئی فوقیت اور فضیلت نہیں ہے۔ بایں وجہ ہم نے حسب ونسب پانچویں جلد لکھی جس میں ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب آپ کے والد ماجد سے لے کر حضرت آدم علیہ السلام تک اس میں جتنے آپ کے آباؤ اجداد آئے ہیں وہ تمام مومن موحد تھے اس طرح کا نسب کسی دوسرے کا نہیں ہے۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی اولاد کا نسب جو حضرت امام مہدی علیہ السلام تک ہے

وہ بھی دوسرے لوگوں کے نسب سے جدا اور ممتاز ہے کہ یہ نسب حضرت خاتون جنت کی طرف منسوب ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب اپنی بیٹی خاتون جنت سے چلا ہے اور دوسرے لوگوں کے نسب اپنے بیٹوں سے چلتے ہیں۔ غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک دوسرے لوگوں کے نسب سے جدا اور ممتاز ہے۔ آپ کے برابر کسی کا نسب نہیں ہے اور نہ ہی آپ کے نسب کا کوئی دوسرا نسب والا ہم کفو ہے جب کوئی نسب بھی حضور کے نسب کا ہم کفو نہیں ہے تو اگر کسی غیر سید نے سیدزادی کے ساتھ نکاح کیا تو یہ نکاح غیر کفو میں ہونے کی بنا پر منعقد نہیں ہوگا۔

مفتی غلام رسول

(لندن)

نذرانۂ عقیدت

بحضور

اہلِ بیت اطہار

جن کے نسب کی عظمت و طہارت پر قرآن شاہد ہے

مفتی غلام رسول

(لندن)

نص صریح

امام عیسیٰ بن امام زید شہید بن امام زین العابدین علیہم السلام نے ارشاد فرمایا

"کہ غیر سیّد مرد، سیّد زادی کا کفو نہیں ہے اور غیر سیّد کا نکاح سیّدہ سے جائز نہیں ہے"!

(ابوالفرج الاصفہانی المتوفی ۳۵۶ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ

الحمد للّٰہ الذی خلق الخلق فاختار منہم العرب، واختصہم بان جعلہم قبائل وشعب، ومیزہم بان رفع بہم منارا لادب فحازوا قصبات السبق فی مضمار الفخار المحبوک باعلیٰ الحسب لاسیّما وقد اصطفیٰ نبیّہ من خیر قبائلہم وانتخبہ من اشرف عشائرہم فہو اطہرہم ذمۃ، وازکاہم فرعا وجرثومۃ، واسماہم عشیرۃ و قبیلۃ، وادناہم بطنا وفصیلۃ، اللّٰہم فصل وسلم علیہ صلوٰۃ وصومًا یلیقان بجنابہ الاعلیٰ، ویحیطان بکمال ذاتہ الاجلیٰ وعلیٰ آلہ اولی الشرف والبراعۃ واصحابہ ذوی الصولۃ والشجاعۃ۔

(سبائک الذھب فی معرفۃ قبائل العرب)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تقدیم

اس کتاب "حسب ونسب" کا موضوع بحث یہ ہے کہ سید زادی کا نکاح غیر سید کے ساتھ منعقد نہیں ہوتا خواہ اس کا ولی وارث راضی ہو یا نہ ہو کیونکہ سید زادی اولاد رسول سے ہے اور اولاد رسول اپنے نسب کے لحاظ سے تمام سے افضل وبرتر ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب اپنی بیٹی سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا سے چلا ہے کسی اور کا نسب اس طرح نہیں ہے لہٰذا اولاد رسول کا ہم کفوٗ سوائے اولاد رسول کے کوئی نہیں ہے۔ اگر سیدزادی نے کسی غیر سید کے ساتھ نکاح کیا تو یہ ہرگز منعقد نہیں ہوگا ہمارے بعض معاصرین اور منکرین کفو یعنی حافظ عطا محمد بندیالوی، حافظ محمد یونس چکوالوی اور مولوی سعیدی نے لکھا کہ اسلام میں نسب اور کفوء کا اعتبار نہیں ہے تمام لوگ برابر ہیں۔ اگر اعتبار ہے تو تقویٰ کا ہے ان کا یہ قول جہالت محضہ پر مبنی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حزم اندلسی المتوفی ۴۵۶ھ لکھتے ہیں فھو علم فاضل لا ینکر حقہ الا جاھل او معاند (جمہرۃ انساب العرب ص۲) کہ علم نسب ایک بہترین علم ہے اس کی حقانیت کا انکار یا تو جاہل کرتا ہے یا معاند کرتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ نسب

اور علم نسب کا انکار کرنا اور یہ کہنا کہ اسلام میں اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ یہ قول یا تو جاہلوں کا ہے یا پھر متعصب اور معاندین کا ہے۔

اسلام میں نسب کی اہمیت :

اسلام میں نسب کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے۔

یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ وجعلناکم شعوباً وقبائل لتعارفوا اِنَّ اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ (پ ۲۶ سورۃ ۴۹) اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں شاخیں اور قبیلے کیا کہ آپس میں پہچان رکھو! بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے، یہ بات درست ہے کہ اللہ تعالے کے نزدیک زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے لیکن جہاں تک لوگوں کی آپس میں پہچان کا تعلق ہے وہ نسب سے ہے اس کا تعلق تقویٰ اور پرہیزگاری سے نہیں ہے۔ اللہ تعالے کا یہ فرمان کہ تمہارے شعوب اور قبائل بنائے یہ صراحتہً دلالت کر رہا ہے کہ اللہ تعالے کے ہاں نسب کی کوئی حیثیت اور حقیقت ہے غرضیکہ اقوام کی پہچان نہ تو تقویٰ اور پرہیزگاری سے ہے اور نہ ہی کفر و عصیان سے ہے بلکہ ان کی پہچان صرف شعوب و قبائل سے ہے۔ بایں وجہ علامہ ابن حزم اندلسی لکھتے ہیں کہ علم نسب ایک عظیم علم ہے اس کی عظمت کا انکار تو کوئی جاہل اور معاند ہی کرتا ہے۔ نیز لکھتے ہیں کہ کئی چیزیں ایسی ہیں جن کا مسلمان کے لیے جاننا فرض ہے اور ان کا تعلق علم نسب سے ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالے نے جن و انسان کی طرف مبعوث فرمایا ہے اور آپ محمد بن عبداللہ قرشی، ہاشمی ہیں آپ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اور

جو انسان یہ کہے کہ مجھے اس بات میں شک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قریشی ہیں یا یمنی ہیں یا تمیمی ہیں یا عجمی ہیں وہ کافر ہے اس کو چاہیے کہ وہ بالیقین جانے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم محمد بن عبداللہ ہیں اور آپ قریشی ہاشمی ہیں اور علم نسب سے یہ بھی فرض ہے کہ انسان کو علم ہو کہ خلافت صرف فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ کی اولاد کا حق ہے یعنی قریش کا اگر انسان کو علم نہ ہو کہ خلافت قریش کا حق ہے تو ممکن ہے کہ خلافت کا دعویٰ وہ شخص کر دے جس کا حق نہیں ہے اور قریشی اور غیر قریشی کے درمیان فرق علم نسب سے معلوم ہو سکتا ہے نیز انسان کو اپنے ماں باپ اور اپنے رشتہ داروں کا پہچانتا بھی لازم ہے تاکہ پتہ لگ سکے کہ کس رشتہ دار عورت کے ساتھ نکاح حلال ہے اور کس کے ساتھ حرام ہے اور کس کو وراثت ملتی ہے اور کس کو نہیں اور کس کے ساتھ صلہ رحمی کرنا ہے اور کس کو نفقہ دینا ہے۔ ان تمام کا علم نسب سے ہی ہوگا اگر ان کا اس کو علم نہیں ہوگا تو متعدد فرائض اور واجبات ضائع ہو جائیں گے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تعلموا من انسابکم ما تصلون به ارحامکم کہ اپنے نسبوں کو سیکھو جس کے ساتھ تم اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرسکو نیز ابن حزم اندلسی لکھتے ہیں کہ امہات المومنین ازواج کے اسم گرامی کا جاننا بھی ضروری ہے کیونکہ مسلمانوں پر ان کے حقوق کی ادائیگی فرض ہے اور تمام مومنوں کے لیے ان سے نکاح کرنا حرام ہے اور اکابر صحابہ مہاجرین وانصار کے اسماء کا جاننا بھی ضروری ہے کیونکہ ان کی محبت ضروری ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آیۃ الایمان حب الانصار وآیۃ النفاق بغض الانصار کہ انصار کی محبت ایمان کی نشانی ہے اور انصار کے ساتھ بغض وعداوت رکھنا نفاق کی نشانی ہے یہ تمام علم نسب سے پتہ لگے گا اسی طرح یہ جاننا بھی

ضروری ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذوی القربیٰ سے کس کے لیے خمس کا حق ہے اور کس کے لیے نہیں اور کس پر صدقہ حرام ہے اور کس پر نہیں۔ ان تمام کی معرفت علم نسب سے ہی ہو گی۔ علامہ ابن ابی عتبہ المتوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں کہ آیت کریمہ قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربیٰ بھی صراحتہً نسب کے ثبوت پر دلالت کرتی ہے کہ وہ کونسے ذوی القربیٰ ہیں جن کی مودت اور محبت لازم اور ضروری ہے (عمدۃ الطالب ص۱۳) ابن حزم لکھتے ہیں کہ قرآن پاک نے انبیاء کرام اور ان کی اولادوں کا ذکر کیا ہے یہ بھی علم نسب سے ہے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نسب ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا نحن بنو النضر بن کنانہ کہ ہم بنو نضر بن کنانہ ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے قبائل کا تفاضل کے طور پر ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ پہلے بنو نجار پھر بنو عبد الاشہل پھر بنو حارث بن خزرج پھر بنو ساعدہ نیز بنو تمیم اور بنو عامر بن صعصہ اور بنو غطفان کا ذکر کیا اور فرمایا انصار اچھے ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ بنو عنبر بن عمرو بن تمیم حضرت اسماعیل کی اولاد سے ہیں اور جب آیت وانذر عشیرتک الاقربین کا نزول ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے ہر قبیلے کو ان کے نام لے کر انذار فرمایا اور یہ کل ہی علم نسب ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ حنین کے موقع پر ارشاد فرمایا۔ انا النبی لا کذب، انا ابن عبد المطلب، یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دادا پاک کا نام لے کر اپنا نسب ذکر فرمایا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ علم نسب کے بہت بڑے عالم اور ماہر تھے وکان اعلم العرب با نساب قریش وما کان فیہا من خیر او شر (ابو بکر صدیق ص۱۱ مؤلفہ محمد رضا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت المتوفی ۵۴ھ سے فرمایا کہ قریش کے نسب کے علم کو ابو بکر صدیق المتوفی ۱۳ھ سے حاصل کرو

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ المتوفی ۲۳ھ بھی علم نسب کے عالم تھے چنانچہ علامہ ابن خلدون المتوفی ۸۰۸ھ لکھتے ہیں قال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تعلموا النسب ولا تکونوا کنبط السواد اذا سئل احدھم عن اصلہ قال من قریۃ کذا (مقدمہ ابن خلدون صـ ۱۰۹) کہ علم نسب سیکھو اور دیہاتی لوگوں کی طرح نہ ہو کہ جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تم کس قبیلہ سے ہو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم فلاں گاؤں کے رہنے والے ہیں اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا اور حضرت عثمان غنی اور ابو الجہم بن حذیفہ عدوی، اور جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف یہ تمام علم نسب میں مہارت تامہ رکھتے تھے چنانچہ حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی المتوفی ۳۵ھ، اور حضرت علی المرتضیٰ المتوفی ۴۰ھ، نے تمام قبائل کے دیوان اور رجسٹر تیار کیے جن میں ان کے نام اور ان کے قبائل کے نام لکھے گئے یہ تمام علم نسب ہی ہے اگر ان کے نسبوں کا علم نہ ہوتا تو پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا، سعید بن المسیب المتوفی ۹۴ھ، اور ان کا بیٹا محمد بن سعید المتوفی سنہ ھ، اور ابن شہاب زہری المتوفی ۱۲۵ھ، علم نسب کے عالم تھے نیز امام شافعی رضی اللہ عنہ المتوفی ۲۰۴ھ، بھی علم نسب کے زبردست عالم تھے اور ابی عبید القاسم بن سلام المتوفی ۲۲۴ھ، بھی علم نسب میں مہارت رکھتے تھے۔

علم نسب اسلامی تاریخ کا ایک حصہ ہے؟:

علم نسب کا اگرچہ موضوع قبائل، افخاذ اور فصائل وغیرہ کی معرفت ہے لیکن درحقیقت علم نسب اسلامی تاریخ کا ایک جز اور حصہ ہے کیونکہ کسی کے نسب کا علم بھی تاریخ سے ہوتا ہے۔ علامہ سخاوی المتوفی ۹۰۲ھ، نے

تاریخ کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اصل اور لغت کے اعتبار سے تاریخ کے معنے ہیں وقت کے متعلق اطلاع اور علامہ جوہری المتوفی ۳۹۸ھ نے بھی تاریخ کا معنے اسی معنے کے قریب ہی بیان کیا ہے کہ تاریخ وقت کے تعین کا نام ہے، اور علامہ ابن خلدون المتوفی ۸۰۸ھ، نے تاریخ کا اصطلاحی معنے یہ ذکر کیا ہے کہ تاریخ گذشتہ اقوام کے حالات اور ان کے اخلاق و رسوم اور اندازِ سیاست کے بیان کا نام ہے کہ دنیا میں قوموں نے کن کن حالات میں اپنی زندگی بسر کی ہے، انبیاء کرام اور اللہ کے برگزیدہ بندوں نے لوگوں کو کیا کیا ہدایات دیں اور بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے کیا طرزِ عمل اور نمونہ چھوڑا ہے نیز ابن خلدون نے لکھا ہے کہ تاریخ کے عالم اور فاضل کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ تاریخ کے متعلقہ علوم سے واقف ہو اور اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ حکومت کرنے اور سیاست کے کیا اصول ہیں کہ مختلف اقوام کی مزاجی کیفیت کس نوعیت کی ہے، مکان اور زمان کے اختلاف سے لوگوں کے حالات اور رسم و رواج پر کیا اثرات پڑتے ہیں۔ مختلف فرقوں اور مذہبوں میں کس حد تک اختلاف ہے اور کس حد تک اتحاد ہے نیز ابن خلدون نے لکھا ہے کہ تاریخ کے عالم فاضل کو اس کا بھی علم ہونا چاہیے کہ حال کیا ہے اور حال اور ماضی میں کون سی چیز قدر مشترک ہے اور کس امور میں وہ باہم دگر مختلف ہیں تاکہ موجود سے معدوم اور حال سے ماضی کی تشریح و توضیح ہو سکے (مقدمہ ابن خلدون ص۱)

علامہ مسعودی المتوفی ۳۴۶ھ، لکھتے ہیں کہ تاریخ کوئی جامد چیز نہیں ہے بلکہ قومیں سیاسی تبدیلیوں سے بدلتی رہتی ہیں اس لیے تاریخ کے عالم کا یہ منصب ہے کہ وہ اس بات کا بھی خیال رکھے کہ کس حکومت کی تبدیلی سے قوم میں کیا تغیر و تبدل رونما ہوا ہے (مروج الذہب ص۳ ج۱) وہ علوم اور فنون جن کو مسلمانوں

نے خود مدون و مرتب کیا ہے ان میں سے علم تاریخ بھی ہے۔ چنانچہ اسلامی تاریخ لکھنے کا آغاز پہلی صدی ہجری سے ہی ہو گیا تھا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت رسالت کے بعد عرب میں معاشرتی، مذہبی، اخلاقی اور سیاسی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کے حالات، ہجرت، حکومت الہیہ کی بنیاد غزوات، سرایا، عرب کے قبائل کی وفود کی آمد، فتح مکہ اور اس قسم کے دوسرے تاریخ ساز واقعات ظہور پذیر ہوئے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت راشدہ کا جب دور آیا تو عہد صدیقی میں عرب میں فتنہ ارتداد پھیلا، مانعین زکوٰۃ اور مدعیان نبوت نے پورے ملک میں فساد اور انتشار پھیلایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس فتنہ پر قابو پایا اس کے بعد اسلامی افواج کا عرب سے نکل کر عراق اور شام کی طرف پیش قدمی کرنا اور عہد فاروقی میں اسلامی سلطنت کی حدود، عرب کے سرحدوں سے پھیل کر مغرب میں طرابلس، افریقہ وغیرہ اور مشرق میں مکران و خراسان تک وسیع ہو گئیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شام و جزیرہ کی ایرانی قلمرو کو مطلقاً اسلام کے زیر نگیں کر دیا عراق و ایران کے علاقے اسلامی مملکت میں شامل کر لیے چنانچہ قادسیہ، مدائن، جلولہ، اور نہاوند وغیرہ میں بھی اسلامی پرچم لہرانے لگا اسی طرح شام کے علاقے بھی اسلامی سلطنت میں شامل کر لیے گئے اگرچہ شام کی طرف جنگ کا آغاز خلیفہ اول کے زمانہ میں ہو چکا تھا لیکن اسلامی فوجوں نے جب دمشق پر حملہ کیا اور اس کا محاصرہ کر لیا تو ابوبکر صدیق فوت ہو گئے پھر عہد فاروقی میں دمشق کے علاوہ بعلبک، حمص، یرموک، انطاکیہ، اور بیت المقدس وغیرہ بھی اسلامی سلطنت میں شامل کیے گئے، اور عہد عثمانی میں بحریہ کا قیام اور مملکت اسلامیہ کی مزید توسیع کی گئی اور عہد مولا علی المرتضیٰ میں داخلی شورشوں کا آغاز طرح طرح کی گروہ بندیاں

جنگ جمل جس میں حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر کا حضرت امیرالمومنین علی المرتضیٰ کے مقابلہ میں آنا طلحہ اور زبیر کا شہید ہونا، اور جنگ صفین میں حضرت معاویہ کا حضرت امیرالمومنین علی المرتضیٰ کے مقابلہ میں آنا اور واقعہ تحکیم اور خوارج کی بغاوتوں کے سلسلے پیش آئے۔ اس کے بعد حضرت امام حسن علیہ السلام کا خلیفہ منتخب ہونا اور ان کے مقابلہ میں حضرت معاویہ کا آنا پھر حضرت معاویہ کا چند شرائط پر امام حسن علیہ السلام سے صلح کرنا اور امام حسن کا خلافت سے علیحدہ ہونا اور حضرت معاویہ کا حکومت کی باگ ڈور سنبھالنا اور حکومت اموی کی بنیادیں مضبوط کرنا اور حکومت بنوامیہ کا نئے نئے تغیرات پیدا کرنا اور دنیائے اسلام میں گروہ بندی کا دور شروع ہونا اور حضرت معاویہ کا اپنی وفات سے قبل اپنے نالائق لڑکے کو ولی عہد مقرر کرنا اور اس کے لیے بیعت لینا اور حضرت معاویہ کے بعد یزید خبیث کا بادشاہ بننا اس کے کہنے پر امام حسین علیہ السلام کی کربلا میں شہادت ہونا نیز خلافت و حکومت عبداللہ بن زبیر اور خروج مختار ثقفی اور بغاوتوں کے سلسلے رونما ہوئے۔ ان تمام واقعات و حوادث نے تاریخ نویسی کے لیے بیشمار مواد مہیا کیا۔ چنانچہ اسی صدی کے اختتام اور دوسری صدی کے آغاز پر ہی علم تاریخ کو مدون و مرتب کرنے کا کام شروع ہو گیا اور بعض نے لکھا ہے کہ تقریباً ۳۵ افراد پہلی صدی ہجری میں موجود تھے جنہوں نے اسلامی تاریخ و علم نسب کو اپنا موضوع بحث بنایا ہے۔ ان حضرات میں عقیل بن ابی طالب المتوفی ۵۰ھ بھی تھے یہ انساب عرب کے بہت ماہر تھے اور باقاعدہ مسجد نبوی میں نسب کے موضوع پر لیکچر (LECTURE) دیا کرتے تھے اور دوسری صدی میں محمد بن سائب کلبی المتوفی ۱۴۶ھ نے کتاب الانساب میں عربوں کے نسبی حالات جمع کیے یہ کلبی امام باقر علیہ السلام المتوفی ۱۱۴ھ کے شاگرد تھے انہوں نے نسب قریش

ابو صالح سے اور انہوں نے عقیل بن ابی طالب سے حاصل کیا تھا اور ابو المنذر ہشام بن محمد بن سائب کلبی المتوفی ۲۰۶ھ نے اس فن میں متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ نیز انہوں نے ملوک حمیر کے تذکرے میں ایک الگ کتاب لکھی انہوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام المتوفی ۱۴۸ھ اور اپنے باپ ابو النضر محمد بن سائب کلبی سے علم نسب حاصل کیا، دوسری صدی ہجری میں محمد بن عمر واقدی المتوفی ۲۰۷ھ نے تصانیف کیں یہ مغازی اور سیرت کے مشہور عالم تھے اور ابن مقفع المتوفی ۱۳۹ھ نے سیر ملوک العجم کو مرتب کیا، اور تیسری صدی ہجری میں علم انساب پر وسیع پیمانے پر کتابیں مرتب کی گئیں۔ چنانچہ مصعب الزبیری المتوفی ۲۳۵ھ نے کتاب نسب قریش لکھی اور احمد بن یحیٰی بلاذری المتوفی ۲۷۹ھ نے انساب الاشراف لکھی۔ اس نے مختلف قبائل عرب کے نسبی تعلقات کے بیان کا ہی ذکر نہیں کیا بلکہ خلفاء حکام اور سیاسی قائدین کے حالات زندگی بھی بیان کیے۔ بلاذری نے کتاب الانساب میں تاریخ ادب اور انساب کو ملا دیا ہے۔ علامہ بلاذری نے ایک اور مشہور تصنیف فتوح البلدان لکھ کر لوگوں کو فتوحات اور مغازی و سیرت کی کتابوں کی تحقیق سے روشناس کرایا اگرچہ پہلی صدی ہجری میں عروہ بن زبیر المتوفی ۹۳ھ۔ وہب بن منبہ المتوفی ۱۱۰ھ اور عامر بن شراحیل شعبی المتوفی ۱۱۰ھ، اور دوسری صدی ہجری میں موسیٰ بن عقبہ المتوفی ۱۴۱ھ، اور محمد بن اسحاق المتوفی ۱۵۱ھ، عبد الملک بن ہشام المتوفی ۲۱۳ھ، محمد بن عمر واقدی المتوفی ۲۰۷ھ اور تیسری صدی ہجری میں عبد الرحمان بن عبد اللہ بن عبد الحکم المتوفی ۲۵۷ھ وغیرہم نے سیرت اور مغازی اور فتوحات پر کتابیں لکھیں لیکن بلاذری نے فتوح البلدان لکھ کر پہلے لوگوں کو اپنے پیچھے چھوڑ دیا۔ بلاذری کی جیسے کہ فتوح البلدان ایک جامع کتاب ہے۔ اسی طرح اس کی انساب الاشراف بھی ایک جامع کتاب ہے۔ اس کے بعد ہر صدی میں علماء نے تاریخ

اور نسب پر کتابیں تصنیف کیں ہیں۔

علم نسب کا موضوع :

علم نسب کا موضوع قبائل، افخاذ، اور فصائل وغیرہ کی معرفت ہے۔

نسب کے طبقات :

عربوں کی تقسیم قبائل کے لحاظ سے چھ طبقات پر ہے طبقۂ اولیٰ شعب، طبقۂ ثانیہ قبیلہ، طبقۂ ثالثہ عمارہ، طبقۂ رابعہ بطن، طبقۂ خامسہ فخذ، طبقۂ سادسہ فصیلہ، پس شعب جمع کرتا ہے قبائل کو قبیلہ جمع کرتا ہے عمائر کو، عمارہ جمع کرتا ہے بطون کو اور بطن جمع کرتا ہے۔ افخاذ کو فخذ جمع کرتا ہے فصائل کو پس خذیمہ شعب ہے کنانہ قبیلہ ہے، قریش عمارہ ہے، قصی بطن ہے۔ ہاشم فخذ ہے۔ اور عباس فصیلہ ہے یعنی تمام سے بڑا شعب ہے اور تمام سے چھوٹا فصیلہ ہے اور بعض علماء نے ساتواں طبقہ بھی ذکر کیا ہے جو کہ عشیرہ ہے پس عشیرہ سے مراد نسب مذکور میں عبد مناف ہوں گے یعنی عشیرہ بطن اور فخذ کے درمیان آئے گا بطن سے چھوٹا اور فخذ سے بڑا ہوگا یہ تحقیق المعلم بطرس البستانی نے محیط المحیط میں ذکر کی ہے اور علامہ ابو الفوز محمد امین بغدادی لکھتے ہیں کہ نسب کے چھ طبقات ہیں

(۱) طبقۂ شعب ہے۔ یہ عربوں کا بعیدی نسب ہے جیسے کہ عدنان یہ عرب اور قریش کے بعیدی جد امجد ہیں۔

(۲) قبیلہ یہ وہ ہے جس میں شعب منقسم ہوں جیسے کہ ربیعہ اور مضر اس میں انساب کا تقابل ہے اور قبیلہ قبائل پر جمع ہوتا ہے۔

(۳) عمارہ ہے یہ وہ ہے جس میں قبیلہ کے انساب منقسم ہوں جیسے قریش اور کنانہ ہیں یہ عمائر پر جمع ہوتے ہیں۔

(۴) بطن ہے جس میں عمارہ کے انساب منقسم ہوں جیسے کہ بنو عبد مناف اور بنو مخزوم یہ بطون اور بطن پر جمع ہوتے ہیں۔

(۵) فخذ ہے جس میں انساب، بطن پر منقسم ہوں جیسے کہ بنو ہاشم اور بنو امیہ یہ جمع افخاذ پر ہوتے ہیں۔

(۶) فصیلہ ہے یہ وہ ہے جس میں انساب فخذ منقسم ہوں جیسے کہ بنو عباس اور بنو عبد المطلب۔

خلاصہ یہ ہے کہ فخذ جمع کرتا ہے فصائل کو اور بطن جمع کرتا ہے۔ افخاذ کو اور عمارہ جمع کرتا ہے بطون کو اور قبیلہ جمع کرتا ہے۔ عمائر کو اور شعب جمع کرتا ہے قبائل کو۔ (سبائک الذھب فی معرفتہ قبائل العرب صہ۱۳)

نسب کی تقسیم:

نسب کی چند قسمیں ہیں۔

(۱) صحیح النسب۔ جو نسب تمام علماء نسابہ کے نزدیک صحیح ثابت ہو جائے اس کو صحیح نسب کہا جاتا ہے۔

(۲) مقبول النسب جو علماء نسابین کے نزدیک ثابت ہو اور کچھ لوگ اس کا انکار کریں پس یہ مقبول اس اعتبار سے ہوا کہ علماء نسابین نے اس کو قبول کیا ہے۔

(۳) مردود النسب یہ ہے کہ ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ میں فلاں قبیلہ سے ہوں حالانکہ ان میں سے نہیں ہے پھر تحقیق کی اور اس سے بھی پتہ چلا کہ یہ

شخص اس قبیلہ سے نہیں ہے تو یہ علماء نسابہ کے نزدیک مردود النسب ہے۔

(۴) مشہور النسب۔ یہ ہے کہ ایک شخص کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ سادات سے ہے لیکن اس کے نسب کا علم نہیں ہو سکا تو اس کا حکم علماء نسابین کے نزدیک مشہور ہوگا اور عام لوگوں کے نزدیک مجہول ہے۔

نسب دور جاہلیت میں:

جیسے کہ اسلام اور علماء کے نزدیک نسب کا اعتبار اور نسب کی تقسیم ہے اسی طرح ایام فترت اور دور جاہلیت میں بھی نسب کا اعتبار اور نسب کی تقسیم تھی فرق صرف یہ ہے کہ اسلام میں نسب کی معرفت کا ذریعہ کتابیں اور شجرات ہیں اور دور جاہلیت میں اگر کسی کے نسب میں شک ہوتا تو وہ اس کے ازالہ کے لیے اور نسب کی معرفت کے لیے پانسوں اور تیروں کی طرف رجوع کرتے۔ چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ ایام جاہلیت میں بھی نسب کا اعتبار تھا اگر کسی کے نسب میں شک پڑتا تو پانسوں کے ذریعہ اس کی تحقیق کرتے چنانچہ ایک جاہلی دستور تھا کہ پانسوں کے ذریعے قسمت معلوم کرتے تھے جس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ اہل عرب اپنے زمانہ جاہلیت میں جب سفر پر جانا چاہتے یا تجارت کرنا چاہتے یا نکاح کا ارادہ کرتے یا ان کے درمیان نسب کے معاملے میں یا کسی مقتول کے بارے میں یا دیت کا بار ڈالنے یا ان کے علاوہ کسی اور بڑے معاملہ میں اختلاف ہوتا تو وہ ہبل کے پاس آتے جو مکہ میں قریش کا سب سے بڑا بت تھا اور کعبہ میں نصب تھا اور پانسہ دار (صاحب القداح) کو بطور نذرانہ سو درہم پیش کرتے تاکہ وہ ان کے لیے فال نکالے اس مقصد کے لیے سات طول و عرض میں

ساوی پانسے کعبہ کے محافظ و خادم کے پاس محفوظ تھے جن پر کچھ علامات اور تحریر ثبت تھی ان میں سے ایک پر امرنی ربی (میرے رب نے مجھے حکم دیا) کا فقرہ کندہ تھا اور ایک پر نہانی ربی (میرے رب نے مجھے منع کیا) اور ایک پر منکم (تم میں سے) کا لفظ مرتسم تھا اور ایک پر من غیرکم (تمہارے غیر میں سے) کا اور ایک پر ملصق (ملا ہوا) کا اور ایک پر عقل (دیت) کا اور ایک پر غفل یعنی اس پر کچھ نہیں ہے) کا چنانچہ جب وہ چاہتے جس کام کا وہ عزم رکھتے ہیں اس کے مستقبل اور انجام کی بابت معلوم کریں کہ وہ ان کے لیے باعث خیر ہو یا شر کا موجب ہوگا تو پانسوں کا محافظ امر و نہی والے تیروں سے ان کے لیے فال نکالتا اگر امر کا نکلتا تو جنگ یا سفر یا شادی یا ختنہ و تعمیر مکان وغیرہ سے متعلق اپنے عزم کو عملی جامہ پہناتے اور اگر نہی والا نکلتا تو اس کام کو ایک سال ملتوی کر دیتے۔ جب وہ مدت گزر جاتی تو پھر اسی طرح فال نکالتے۔ اسی طرح جب عقل یعنی مقتول کی دیت کے بارے میں قاتل کے مشتبہ ہو جانے کی بنا پر ان کے درمیان نزاع ہوتا تو اس شخص کو لایا جاتا جس پر قتل کی تہمت لگائی ہوتی اور دیت اور عقل والے پانسے نکال لیے جاتے اور محافظ ان کے لیے فال نکالتا۔ اگر دیت والا پانسہ نکلتا تو اس پر دیت کا بار ڈالتے۔ اور اگر غفل (یعنی اس پر کچھ نہیں ہے) نکلتا تو سال کے بعد دوبارہ فال نکالتے یہاں تک کہ وہ پانسہ نکلے جس پر عقل یعنی دیت مکتوب ہو اگر ان میں سے کسی کے نسب کے بارے میں جھگڑا ہوتا تو پانسوں کے محافظ ان تیروں سے جن پر منکم اور من غیرکم اور ملصق کے الفاظ مرتسم ہوتے فال نکالتا اگر منکم (تم میں سے) والا نکلتا تو اس آدمی کو صاحب عزت قرار دیتے جس کے نسب میں شبہ اور جس کے معاملہ میں جھگڑا کیا گیا تھا اور اس کا انتہائی احترام کرتے اگر من غیرکم (تمہارے سوا سے)

والا نکلتا تو اس آدمی سے نفرت کرنے لگتے اور اس سے کنارہ کشی اختیار کرتے اور اگر ملحق والا نکلتا تو پھر وہ شخص ان کے نزدیک مجہول النسب قرار پاتا یہ سارا کام ہبل بت کے پاس ہوتا اس ہبل بت کو عمرو بن لحی شام سے ہو کر لایا تھا چنانچہ ابوالفدا اسماعیل بن علی ایوبی المتوفی ۷۳۲ھ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ اہل مکہ میں سے عمرو بن لحی ملک شام کے شہر بلقاء گئے وہاں اس نے دیکھا کہ لوگ بتوں کی پوجا کرتے ہیں یہ دیکھ کر ان لوگوں سے بتوں کی بابت سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ ہمارے رب ہیں یہ مجسمے بڑی بڑی شخصیات کے ہیں ہم ان سے مدد طلب کرتے ہیں تو مدد پاتے ہیں اور ان ہی سے شفا کی درخواست کرتے ہیں نیز ان ہی سے پانی (بارش) کے لیے التجا کرتے ہیں عمرو بن لحی کو یہ طریقہ پسند آگیا۔ چنانچہ اس نے ان لوگوں سے ایک بُت مانگا تو انہوں نے ہبل اس کے حوالے کردیا جسے وہ لے کر مکہ مکرمہ آیا اور کعبہ میں نصب کردیا اور اپنے ساتھ دو بت اور بھی اٹھا لایا جو اساف اور نائلہ سے موسوم تھے پھر اس نے لوگوں کو بتوں کی تعظیم اور ان بتوں کا تقرب حاصل کرنے کی دعوت دی جسے اہلِ مکہ نے قبول کرلیا اور مکہ میں بھی بت پرستی شروع ہوگئی پھر یہ لوگ بت پرستی پر قائم رہے یہاں تک کہ اسلام آیا مقصد یہ ہے کہ ایام جاہلیت میں بھی نسب کا اعتبار تھا پھر جب اسلام آیا تو اسلام نے اپنے قانون اور حدود کے مطابق نسب کی اہمیت کو واضح کیا اور اس کو برقرار رکھا۔ قرآن و حدیث میں اس کا ذکر کرکے اس کو ثابت کیا۔ علماء اسلام نے نسب کے موضوع پر کتابیں لکھیں اور یہ بھی لکھا کہ تمام دنیا سے بہترین نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے اولاد ابراہیم علیہ السلام سے اسماعیل علیہ السلام کو پسند کیا اور اولاد اسماعیل سے بنو کنانہ کو اور بنو کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم سے مجھ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو پسند کیا اور یہ نسب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت آدم علیہ السلام کی بہ نسبت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب امام مہدی

کی بہ نسبت جو قیامت تک ہے وہ امام حسن اور امام حسین سے جاری ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب تمام نبیوں سے افضل و برتر ہے۔

رسول اللہ کے نسب کی فضیلت :

عابدین شامی المتوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں کہ امام حاکم نے اپنی سند کیساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت انس المتوفی ۹۰ھ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے رب نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ میری اہل بیت سے جو بھی اللہ تعالےٰ کی توحید اور میری رسالت کا اقرار کرے گا اللہ تعالےٰ اس کو عذاب نہیں دے گا۔ امام حاکم المتوفی ۴۰۵ھ نے کہا کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ امام دیلمی المتوفی ۵۰۵ھ نے عمران بن حصین المتوفی ۵۲ھ سے روایت کی ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میری اہل بیت سے کسی کو دوزخ میں داخل نہ کرے تو اللہ تعالےٰ نے میرے سوال کو قبول کر لیا۔ امام طبرانی المتوفی ۳۶۰ھ نے معجم کبیر میں حضرت ابن عباس المتوفی ۶۸ھ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء کو ارشاد فرمایا کہ اے فاطمہ، اللہ تعالےٰ نہ تجھے عذاب دے گا اور نہ تیری اولاد کو۔ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں، امام احمد المتوفی ۲۴۱ھ، امام حاکم المتوفی ۴۰۵ھ۔ حافظ بیہقی المتوفی ۴۵۸ھ، ابوسعید خدری المتوفی ۷۴ھ سے روایت کرتے ہیں کہ ابوسعید نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ منبر پر کھڑے ہو کر کہا۔

لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب

والا نکلتا تو اس آدمی سے نفرت کرنے لگتے اور اس سے کنارہ کشی اختیار کرتے
اور اگر ملحق والا نکلتا تو پھر وہ شخص ان کے نزدیک مجہول النسب قرار پاتا یہ سارا
کام ہبل بت کے پاس ہوتا اس ہبل بت کو عمرو بن لحی شام سے مکہ مکرمہ لایا تھا چنانچہ ابوالفداء اسماعیل بن علی
ایوبی المتوفی ۷۳۲ھ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ اہل مکہ میں سے عمرو بن لحی ملک شام کے شہر بلقا گیا
وہاں اس نے دیکھا کہ لوگ بتوں کی پوجا کرتے ہیں یہ دیکھ کر ان لوگوں سے بتوں کی بابت سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ ہمارے رب ہیں یہ مجسمے بڑی
بڑی شخصیات کے ہیں ہم ان سے مدد طلب کرتے ہیں تو مدد پاتے ہیں اور ان بتوں سے
شفا کی درخواست کرتے ہیں نیز ان ہی سے پانی (بارش) کے لیے التجا کرتے ہیں
عمرو بن لحی کو یہ طریقہ پسند آگیا۔ چنانچہ اس نے ان لوگوں سے ایک بت مانگا
تو انہوں نے ہبل اس کے حوالے کر دیا جسے وہ لے کر مکہ مکرمہ آیا اور کعبہ میں
نصب کر دیا اور اپنے ساتھ وہ دو بت اور بھی اٹھا لایا جو اساف اور نائلہ سے موسوم
تھے پھر اس نے لوگوں کو بتوں کی تعظیم اور ان بتوں کا تقرب حاصل کرنے کی دعوت
دی جسے اہلِ مکہ نے قبول کر لیا اور مکہ میں بھی بت پرستی شروع ہو گئی پھر یہ لوگ
بت پرستی پر قائم رہے یہاں تک کہ اسلام آیا مقصد یہ ہے کہ ایام جاہلیت
میں بھی نسب کا اعتبار تھا پھر جب اسلام آیا تو اسلام نے اپنے قانون اور حدود
کے مطابق نسب کی اہمیت کو واضح کیا اور اس کو برقرار رکھا۔ قرآن و حدیث میں
اس کا ذکر کر کے اس کو ثابت کیا علماء اسلام نے نسب کے موضوع پر کتابیں
لکھیں اور یہ بھی لکھا کہ تمام دنیا سے بہترین نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے
چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے اولاد ابراہیم
علیہ السلام سے اسماعیل علیہ السلام کو پسند کیا اور اولاد اسماعیل سے بنو کنانہ
کو اور بنو کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم سے مجھ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو پسند کیا اور یہ نسب حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت آدم علیہ السلام کی بہ نسبت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب امام مہدی

کی بہ نسبت جو قیامت تک ہے وہ امام حسن اور امام حسین سے جاری ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب تمام نسبوں سے افضل و برتر ہے۔

رسول اللہ کے نسب کی فضیلت:

عابدین شامی المتوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں کہ امام حاکم نے اپنی سند کیساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت انس المتوفی ۹۳ھ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے رب نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ میری اہل بیت سے جو بھی اللہ تعالیٰ کی توحید اور میری رسالت کا اقرار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو عذاب نہیں دے گا۔ امام حاکم المتوفی ۴۰۵ھ نے کہا کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ امام دیلمی المتوفی ۵۰۹ھ نے عمران بن حصین المتوفی ۵۲ھ سے روایت کی ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میری اہل بیت سے کسی کو دوزخ میں داخل نہ کرے تو اللہ تعالیٰ نے میرے سوال کو قبول کر لیا۔ امام طبرانی المتوفی ۳۶۰ھ نے معجم کبیر میں حضرت ابن عباس المتوفی ۶۸ھ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء کو ارشاد فرمایا کہ اے فاطمہ، اللہ تعالیٰ نہ تجھے عذاب دے گا اور نہ تیری اولاد کو۔ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں، امام احمد المتوفی ۲۴۱ھ، امام حاکم المتوفی ۴۰۵ھ۔ حافظ بیہقی المتوفی ۴۵۸ھ، ابو سعید خدری المتوفی ۷۴ھ سے روایت کرتے ہیں کہ ابو سعید نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر کہا

لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب

قیامت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کو فائدہ نہیں دے گا،
ہاں اللہ کی قسم میرا نسبی رشتہ دنیا اور آخرت میں موصول ہے اور اے لوگو بے شک
میں تمہارا حوض (کوثر) پر تمہارے لیے فرط (پہلا پہنچا ہوا) ہوں گا۔ حافظ ابونعیم المتوفی
نے معرفتہ الصحابہ میں حضرت عمر فاروق المتوفی ۲۳ھ سے روایت کی ہے
وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل سبب
ونسب منقطع یوم القیامۃ الا سببی ونسبی وکل ولد آدم فان عصبتھم
لابیھم ماخلا ولد فاطمۃ فانی انا ابوھم وعصبتھم کہ ہر سبب
اور نسب قیامت کے دن منقطع ہو جائے گا مگر میرا سبب اور نسب منقطع نہیں
ہوگا اور تمام اولاد آدم کے لیے عصبہ ان کے باپ ہیں مگر اولاد فاطمہ کے لیے
میں عصبہ اور باپ ہوں یہ تمام احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کا نسب آپ کی اولاد کے لیے فائدہ بھی دے گا اور منقطع بھی نہیں
ہوگا۔

سوال :۔

قرآن پاک میں ہے فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینھم یومئذ
ولا یتساءلون (پ ۱۸ سورۃ ۲۳) تو جب صور پھونکا جائے گا تو نہ ان میں رشتے
رہیں گے اور نہ ایک دوسرے کی بات پوچھے یعنی قیامت کے دن رشتہ داری
وغیرہ نہیں رہیں گی۔ اب اس آیت کریمہ سے ثابت ہے کہ قیامت کے دن
نسب وغیرہ فائدہ نہیں دے گا۔

جواب :۔

یہ آیت کریمہ کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ کافروں کے باہمی
نسب فائدہ نہیں دیں گے جیسے کہ آیت کا سیاق وسباق اس پر دلالت کرتا ہے

لہذا آیت عام نہیں ہے بلکہ کافروں کے حق میں خاص ہے یعنی کافروں کے نسب فائدہ نہیں دیں گے البتہ مؤمنوں کے نسب فائدہ دیں گے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے واما الجدار فکان لغلٰمین یتیمین فی المدینۃ وکان تحتہٗ کنزلھما وکان ابوھما صالحا (پ ۱۶ سورۃ ع۱۸) رہی وہ دیوار وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ نیک آدمی تھا ترمذی کی حدیث میں ہے کہ اس دیوار کے نیچے سونا چاندی مدفون تھا یعنی یہ دیوار دو یتیم لڑکوں کی تھی جس کی حفاظت اللہ تعالےٰ نے نبیوں کے سپرد کی اور یہ دونوں ایک صالح باپ کے بیٹے تھے جو کہ ان کی ساتویں پشت میں گذرا تھا جب ان کی یہ حفاظت نسبی رشتہ داری کی وجہ سے ہوئی تو اولاد رسول اس کی زیادہ مستحق ہے چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں احفظوا فینا ماحفظ العبد الصالح فی الیتیمین وکان ابوھما صالحا کہ ہمارا اس طرح لحاظ کرو جیسے ان دو یتیموں کا لحاظ ان کے باپ صالح کی وجہ سے ہوا تھا علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں کہ میرے بعض مشائخ کے مشائخ نے خبر دی ہے کہ وہ مکہ مکرمہ میں مجاور تھے اور اسباق بھی پڑھتے تھے جب ایک دن اس آیت انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرًا (پ ۲۲ سورۃ ع۲۳) اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو! کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں پاک کرکے خوب ستھرا کردے۔ پر پہنچے تو بعض علماء نے اس آیت سے استدلال کیا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے اس دنیا سے کوئی انتقال کرتا ہے تو اچھی حالت میں انتقال کرتا ہے۔ اس دلیل کو انہوں نے قوی پایا پھر انہوں نے اس بات کو بعض اہل مکہ کے کہنے پر بعید سمجھا کہ ضروری نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی ہر اولاد اچھی حالت میں انتقال کرے تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اعراض فرمایا۔ نیز ارشاد فرمایا کہ تم میری اولاد کا ایمان اور اچھی حالت پر مرنا بعید سمجھتے ہو جب وہ بیدار ہو گئے تو انہوں نے اس بات سے توبہ کی۔

سوال:۔ قرآن پاک میں ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم کہ بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے اس سے ظاہر ہے کہ اللہ کے نزدیک اعتبار تقویٰ اور پرہیز گاری کا ہے نسب کا اعتبار نہیں ہے۔

جواب:۔

اگر کوئی انسان تقویٰ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم ہے تو اس سے نسب کے فائدہ مند ہونے کی نفی نہیں ہوتی، تقویٰ ایک علیحدہ امر ہے اور نسب کا قیامت کے دن نفع دینا ایک علیحدہ بات ہے، ایک کے ثبوت سے دوسرے کی نفی لازم نہیں آتی یعنی اس بات کے ثبوت سے کہ تقویٰ والا شخص اللہ کے نزدیک مکرم و محترم ہے نسب کے فائدہ مند ہونے کی نفی نہیں ہوتی نیز نسب سے انسان کی پہچان ہوتی ہے، تقویٰ سے انسان کی پہچان نہیں ہوتی۔

سوال:۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کو فرمایا تھا انقذوا انفسکم من النار فانی لا املک لکم من اللہ شیئاً کہ تم عمل کرکے دوزخ کی آگ سے نجات حاصل کرو، میں تمہارے لیے اللہ کی طرف سے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، یعنی میں تم کو نسب کے لحاظ سے فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

جواب :۔

علامہ ابن عابدین نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ میں کسی کے لیے نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں ذاتی طور پر مالک نہیں ہوں میں تو اللہ کے مالک بنانے سے مالک ہوں ۔ اللہ تعالےٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے قریبی رشتہ داروں کو شفاعت کا مالک بنایا ہے عوام اور خواص کی شفاعت کرنے کا مالک بنایا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں کے مالک ہیں جن کا اللہ تعالےٰ نے آپ کو مالک بنایا ہے اسی لیے فرمایا الا سببی ونسبی اب سبب اور نسب کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی طرف نسبت کر کے ثابت فرمایا ہے کہ جو سبب اور نسب میرا ہے جس کا میں مالک ہوں وہ میری وجہ سے ہی فائدہ دے گا ۔

سوال :۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اولیائی یوم القیامۃ المتقون من کانوا کہ قیامت کے دن میرے دوست متقی لوگ ہوں گے جو بھی ہوں گے نیز فرمایا انما ولی اللہ وصالح المومنین کہ میرا ولی ۔ اللہ تعالیٰ اور صالح مومن ہیں ۔ اب یہاں نسب کا اعتبار نہیں کیا گیا ۔

جواب :۔

ان احادیث سے نسب اور نسب کے فائدہ دینے کی نفی نہیں ہوتی ۔ ان احادیث کا مفہوم صرف یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو متقی اور صالح لوگ ہوں گے وہ قیامت کے دن میرے دوست ہوں گے میری شفاعت ان کو فائدہ دے گی ۔ اس سے رشتہ داری اور نسب کی نفی ہرگز مفہوم نہیں ہے ۔ چنانچہ علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں ولا ینفی نفع رحمہ واقاربہ

کہ اس سے نسب اور رشتہ داری کی نفی نہیں ہوتی۔

سوال :۔

حدیث میں آتا ہے من بطاء بہ عملہ لم یسرع بہ نسبہ کہ جس کو عمل مؤخر کرے گا اس کو نسب مقدم نہیں کرے گا یعنی عمل نہ ہوئے تو نسب فائدہ نہیں دے گا۔

جواب :۔

ابن عابدین لکھتے ہیں کہ یہ حصول نجات کے منافی نہیں ہے یعنی جس کے اعمال میں کمی ہو گی اس کو بلندی درجات کے حصول میں دقت ہو گی نہ یہ کہ اس کو نجات حاصل نہیں ہو گی یعنی نجات تو حاصل ہو گی۔ ہماری اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ نسب اسلام کے ظہور سے پہلے بھی لوگوں میں معتبر تھا اور جب اسلام آیا تو اسلام نے بھی اس کا اعتبار کیا جن لوگوں نے کہا ہے کہ اسلام میں نسب متروک ہے یا غیر معتبر ہے اور پھر اس پر یہ غلط نتیجہ مرتب کیا ہے کہ جب نسب اور کفو کا اعتبار ہی نہیں ہے تو پھر ہر مسلمان سید زادی کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے یہ ان کا قول جہالت پر مبنی ہے چنانچہ علامہ ابن حزم اندلسی نے کہا ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام میں نسب کا اعتبار نہیں ہے وہ یا تو جاہل ہیں یا متعصب اور معاند ہیں اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی المتوفی سنہ ۱۳۴۰ھ نے لکھا کہ جو شخص یہ کہے کہ سید یعنی آل نبی کی دختر ہر ایک کو پہنچ سکتی ہے یعنی ہر مسلمان سے عقد جائز ہے شخص مذکور جھوٹا، کذاب اور بے ادب گستاخ ہے۔ (فتاویٰ رضویہ صد ۲۹۳ ج ۵)۔ غرضیکہ جو شخص نسب کا انکار کرتا ہے وہ بقول علامہ ابن حزم جاہل ہے اور جو شخص نسب کا انکار کر کے اس پر یہ نتیجہ مرتب کرتا ہے کہ ہر مسلمان سید زادی کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے وہ بقول اعلیٰ حضرت

فاضل بریلوی جھوٹا، کذاب، اور بے ادب گستاخ ہے۔

سادات کرام کا نسب :

سادات چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہیں لہذا سادات کرام کا نسب وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب امام مہدی علیہ السلام کی بہ نسبت قیامت تک ہے اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب کے خصائص وفضائل ہیں وہی سادات کرام کے نسب کے خصائص وفضائل ہیں ہمارے بعض معاصرین نے کہا ہے کہ سادات کرام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد نہیں ہیں بلکہ حضرت علی کی اولاد ہیں یہ قول باطل اور مردود ہے۔ چنانچہ ابن حجر مکی المتوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں ان اولاد فاطمة وذریتهم یسمون ابناءه وینسبون الیه نسبة صحیحة نافعة فی الدنیا والآخرة (صواعق محرقہ صد ۱۵۳) کہ حضرت فاطمۃ الزہرا کی اولاد اور ذریت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے ہیں اور آپ کی طرف وہ نسبت صحیحہ کے ساتھ منسوب ہیں جو کہ دنیا اور آخرت میں ان کے لیے نافع ہے۔ امام طبرانی المتوفی ۳۶۰ھ نے حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء سے روایت کی ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اولاد فاطمہ کا میں عصبہ اور باپ ہوں۔ علامہ زکریا دیوبندی لکھتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کا سلسلہ حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہرا سے چلا اور ان شاء اللہ قیامت تک چلتا رہے گا (حکایات صحابہ صد ۱۸۲) اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی لکھتے ہیں شرع مطہر میں نسب باپ سے لیا جاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت خاص امام حسن وامام حسین اور ان کے حقیقی بھائی بہنوں کو عطا فرمائی

رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کہ وہ رسول اللہ کے بیٹے ٹھہرے پھر ان کی جو خاص اولاد ہے ان میں بھی وہی قاعدہ عام جاری ہوا کہ اپنے باپ کی طرف منسوب ہوں اس لیے سبطین کریمین (امام حسن، امام حسین) کی اولاد سیّد ہیں۔ نہ بنات فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد کہ وہ اپنے والدوں ہی کی طرف نسبت کی جائیں گی (فتاویٰ رضویہ ص۶۶۷) اب اس سے ظاہر ہوا کہ امام حسن اور امام حسین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے اور حضور کی اولاد ہیں اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ سادات صرف اور صرف وہی ہیں جو امام حسن اور امام حسین کی اولاد سے ہیں۔ حضرت فاطمۃ الزہرا کی بیٹیوں کی اولاد سیّد نہیں ہے اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ کی دوسری بیویوں سے جو اولاد ہے وہ بھی سیّد نہیں ہیں۔ غرضیکہ صرف امام حسن اور امام حسین کی اولاد سادات ہیں۔ ان کے سوا کوئی اور سیّد نہیں ہے۔ سادات چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہیں جیسا ان کا نسب ہے اس طرح دنیا میں کسی اور کا نسب نہیں ہے۔ یہ نسب حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور پاک تک اور حضور پاک سے لے کر حضرت امام مہدی علیہ السلام یعنی قیامت تک طیب وطاہر اور متصل ہے۔

سوال:۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو اپنا نسب ذکر فرمایا ہے وہ اپنے سے لے کر حضرت عدنان تک ذکر کیا ہے اور حضرت عدنان سے حضرت آدم علیہ السلام تک عام طور پر محدثین نہیں ذکر کرتے نیز یہ بھی مشہور ہے کہ: ب النسابون مافوق العدنان کہ جو حضرت عدنان سے اوپر نسب بیان کرتے ہیں وہ جھوٹے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب صرف عدنان تک بیان کرنا جائز ہے لیکن آپ نے حسب ونسب جلد دوم میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کا نسب حضرت آدم تک بیان کیا ہے۔

جواب :-

ابن اسحاق، ابن جریر، امام بخاری اور دیگر علماء کا مذہب یہ ہے کہ حضور پاک کا حضرت آدم علیہ السلام تک نسب بیان کرنا جائز ہے نیز امام شافعی المتوفی ۲۰۴ھ کے نزدیک بھی جائز ہے۔ چنانچہ علامہ سیوطی نے اپنی کتاب رحلۃ الشافعی میں ہارون الرشید اور امام شافعی کا مکالمہ ذکر کیا ہے کہ ہارون الرشید نے کہا کہ تم اپنی بات بتاؤ تو امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنا نسب بیان کرنا شروع کر دیا حتیٰ کہ میں نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے جا ملایا (رحمۃ اللعالمین ص۴۲ ج ۲) اس سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب آدم علیہ السلام تک بیان کرنا جائز ہے۔ رہا یہ کہ لوگوں میں مشہور ہے کذب النسابون مافوق العدنان یہ کوئی صحیح روایت نہیں ہے اگر صحیح ہوتی تو یہ بڑے بڑے محدثین امام بخاری المتوفی ۲۵۶ھ، امام ابن اسحاق المتوفی ۱۵۱ھ، امام ابن جریر المتوفی ۳۱۰ھ اور دیگر علماء بھی جواز کا قول ذکر تے ان کا اس کو جائز کہنا اور بیان کرنا ہی اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ یہ روایت کذب النسابون مافوق العدنان غلط اور بے بنیاد ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب حضرت آدم علیہ السلام تک بیان کرنا جائز ہے۔

سادات کی تعظیم :

چونکہ سادات کرام کا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب ہے اور سادات کرام حضور پاک کی اولاد ہیں لہٰذا سادات کرام کی عزت و عظمت لازم ہے چنانچہ علامہ تقی الدین مقریزی نے کہا کہ مجھے شمس الدین محمد بن عبداللہ نے یہ واقعہ

بیان کی کہ میں ایک دن قاضی جمال الدین محمود کے پاس گیا جو قاہرہ کے محتسب دگورنر
تھے مجھے قاضی نے کہا کہ ایک دن میں بادشاہ ملک ظاہر کے سامنے بیٹھا ہوا تھا
تو سید عبدالرحمان طبا طبائی تشریف لے آئے اور مجھ سے بلند جگہ پر بیٹھ گئے
میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ بادشاہ کی مجلس میں مجھ سے بلند جگہ پر کیوں بیٹھے ہیں
رات کو میں سویا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجھے زیارت ہوئی تو آپ
نے فرمایا قاضی محمود تو اس بات کو عار محسوس کرتا ہے کہ میری اولاد سے نیچے
بیٹھے جب صبح قاضی اٹھے تو اپنے نائبوں اور خادموں کو ساتھ لے کر سید
عبدالرحمن طبا طبائی کے گھر گئے اور مجھے بھی ساتھ لے گئے ان سے اجازت طلب
کی وہ اپنے گھر سے باہر آئے تو ان کو قاضی محمود دگورنر کے آنے پر حیرت ہوئی
سید طبا طبائی ان کو اندر لے گئے اور ہم بھی اندر چلے گئے جب بیٹھ گئے تو
قاضی نے کہا کہ حضور مجھے معاف فرمائیے سید عبدالرحمان طبا طبائی نے پوچھا
جناب کیوں معاف کر دوں تو قاضی نے کہا کہ جناب کل آپ بادشاہ کے پاس
تشریف لے گئے تھے میں بھی وہاں تھا اور آپ وہاں بلند جگہ پر بیٹھے تھے میں
نے عار محسوس کی رات کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں
زیارت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا محمود تم اس بات
کو عار محسوس کرتے ہو کہ میری اولاد بلند جگہ پر بیٹھے اور تم نیچے بیٹھو اس لیے
معافی کے لیے حاضر ہوا ہوں تو سید عبدالرحمن طبا طبائی یہ سن کر رو پڑے اور کہا
کہ میں کون ہوں کہ رسول پاک مجھے یاد کریں یہاں تک تمام اہل مجلس رونے لگے
تو پھر قاضی نے واپس آنے کی اجازت طلب کی آپ نے اجازت فرمائی۔ اسی
طرح ایک اور واقعہ علامہ ابن حجر مکی نے لکھا ہے کہ عراق کا ایک امیر سادات
محبت رکھتا تھا اور ان کی انتہائی تعظیم و عزت کرتا اس کی مجلس

میں جب کوئی سید موجود ہوتا تو ان کو سب سے آگے بٹھاتا ایک مرتبہ ایک سید اس امیر کی مجلس میں آئے اس وقت وہاں ایک بہت بڑا عالم بھی موجود تھا سید صاحب کو بیٹھنے کے لیے جو جگہ ملی وہ اس عالم کی جگہ سے اونچی تھی وہ اس جگہ بیٹھ گئے وہ اس کے مستحق بھی تھے اور جانتے تھے کہ امیر اس سے ہی راضی ہوگا مگر اس عالم کے چہرے پر عار اور ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے اور اس عالم نے نامناسب گفتگو شروع کر دی۔ امیر نے اس بات پر توجہ نہ دی اور دوسری بات شروع کر دی کچھ دیر بعد جب یہ معاملہ بھول گیا تو امیر نے اس عالم کے بیٹے کے متعلق دریافت کیا جو تحصیلِ علم میں مصروف تھا اس عالم نے کہا کہ وہ متون یاد کرتا ہے۔ اسباق پڑھتا ہے اس نے یہ پڑھا ہے وہ پڑھا ہے۔ اس کا ایک سبق صبح کے وقت مقرر ہے اور ایک سبق دوسرے وقت مقرر ہے اسی طرح اس کے دیگر حالات بیان کرتا رہا فقال له هلا رتبت له نسبا وعلمته شرفا حتى يكون من اولاد النبي صلى الله عليه وآله وسلم پس امیر نے اس عالم کو کہا کیا تو نے اس کے لیے ایسا نسب بھی مہیا کیا ہے اور اسے ایسی شرافت بھی سکھائی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اولاد میں سے ہو جائے عالم اپنی حرکت فراموش کر چکا تھا اس نے کہا یہ فضیلت فراہم کرنے اور سکھانے سے حاصل نہیں ہو سکتی یہ تو اللہ کی عنایت ہے اس میں کسب کو دخل نہیں ہے فصاح به الامير انا كنت هذا يا خبيث فلما ذا انفت من جلوس الشريف فوقك والله لا تطاء مجلسي ابدًا ثم امر بطرده فطرد پس امیر نے بڑے زور سے کہا او خبیث جب تجھے یہ بات معلوم ہے تو تو نے سید صاحب کے اونچی جگہ بیٹھنے کو کیوں ناگوار محسوس کیا بخدا آئندہ تم میری مجلس میں نہیں آؤ گے پھر حکم دیا اور اسے وہاں سے

نکلوادیا (الشرف المؤبد صفحہ ۹۸، ترجمہ برکات آل رسول صفحہ ۲۶۹) اب اس سے ظاہر ہوا کہ جو آدمی رسولِ پاک کی اولاد سادات کرام کی عزت کرنے میں عار محسوس کرتا ہے وہ خبیث ہے نیز یہ بھی ظاہر ہوا کہ کوئی شخص اپنے علم و فضل اور تقویٰ کے لحاظ سے سادات کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے ہونا یہ فضیلت ان کے ساتھ ہی خاص ہے۔ اب جو یہ کہے کہ سادات کے علاوہ دوسرے لوگ بھی سادات ہیں یا سادات کی طرح ہیں یا نسب و کفو میں سادات کے برابر ہیں وہ بھی خبیث بلکہ اخبث ہے۔ حافظ محمد یونس چکڑالوی نے اپنی کتاب سیف الاعوان میں اپنی خباثت اور گندگی پھیلاتے ہوئے بار بار لکھا ہے کہ تمام لوگ سید ہیں۔ ہم نے اس کی مکمل تردید اپنی کتاب حسب و نسب جلد چہارم میں کی اور حافظ محمد یونس چکڑالوی کے استاد حافظ عطا محمد بندیالوی اور اس کے شاگردوں نے اپنی کتاب سیف العطا میں لکھا کہ سید زادی کے ساتھ موچی اور جولاہا بھی نکاح کر سکتا ہے۔ اس کی تردید ہم نے حسب و نسب جلد سوم میں کی ہے ہمارے قارئین حضرات وہاں ان کی تردید ملاحظہ کریں۔ ومن اللہ التوفیق والهداية وعليه التوكل فى البداية والنهاية وهو حسبى ونعم الوكيل۔

مفتی غلام رسول

(لندن)

باب اوّل

نسب رسول

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اللہ تعالےٰ وحدہ لاشریک نے تمام سے پہلے بلا واسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور پیدا کیا پھر اسی نور کو تمام کائنات کے مخلوق کرنے کے لیے واسطہ بنایا اور عالم ارواح میں ہی اس روح سراپا نور کو وصف نبوت سے سرفراز فرمایا۔ چنانچہ صحابہ کرام نے آپ سے سوال کیا کہ آپ کب نبی بنائے گئے تو فرمایا وآدم بین الروح والجسد یعنی میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے یعنی روح نے اپنے جسم سے تعلق نہیں پکڑا تھا جب اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو اپنے حبیب پاک کے نور کو ان کی پشت مبارک میں ودیعت رکھا اور یہ نور آپ کی پیشانی میں اس طرح چمکتا تھا جیسے کہ سورج آسمان میں چمکتا ہے اور ان سے عہد لیا گیا کہ نور انور کو پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہونا چاہیئے اور اس کے انوار حضرت حوا کی پیشانی میں نمودار ہوئے ان کے ہاں حضرت شیث علیہ السلام پیدا ہوئے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ تھا کہ حضرت شیث علیہ السلام اکیلے پیدا ہوئے جب حضرت شیث علیہ السلام پیدا ہوئے تو یہ

نور حضرت شیث علیہ السلام کی پشت میں منتقل ہو گیا اسی طرح یہ نور انور پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوا یہاں تک کہ یہ نور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ علیہ السلام تک پہنچا اور ان سے بنا پر قول اصح ایام تشریق میں جمعہ کی رات کو آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ علیہا السلام کے رحم پاک میں منتقل ہوا اس نور کے پاک وصاف رکھنے کے لیے اللہ تعالٰے نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام آباو امہات کو کفر وشرک کی نجاست اور جاہلیت کی آلودگی سے پاک رکھا ہے اسی نور کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام آبا واجداد نہایت حسن وجمال کے مالک تھے اسی نور کی برکت سے حضرت آدم علیہ السلام ملائکہ کے مسجود بنے۔ اسی نور کے وسیلے سے ان کی توبہ قبول ہوئی اسی نور کی برکت سے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان میں غرق ہونے سے بچی۔ اسی نور کی برکت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آتش نمرود گلزار ہو گئی۔

(سیرت رسول عربی صفحہ ۲۲ تا صفحہ ۲۴)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد پاک کا اسم گرامی حضرت عبداللہ ہے۔ حضرت عبداللہ حضرت عبدالمطلب کے فرزند ارجمند ہیں حضرت عبدالمطلب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم کے فرزند ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام:

حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل تقریباً اکیس سو

سال شہر سوس میں پیدا ہوئے۔ اس وقت نمرود بن کوش بن حام کا دورِ حکومت تھا یہ بہت متکبر اور سرکش بادشاہ تھا۔ اس نے خدائی کا دعویٰ کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام جب تیس سال کے ہوئے تو نمرود کا مقابلہ شروع کیا آپ کو نمرود نے جب آگ میں ڈالا تو آپ کی عمر اکیاون سال تھی۔ آپ چالیس دن آگ میں رہے۔ تمام کافروں نے دیکھا ان میں سے صرف اس وقت ایک ہزار ایمان لائے۔ نمرود اور آذر وغیرہ نے انکار کیا آپ کی امت صرف پانچ ہزار تھی اور آپ کی ساری قوم چھ لاکھ تھی، نمرود اور اس کی قوم نے ابراہیم علیہ السلام پر جب زیادتیاں شروع کیں تو آپ اپنے والد حضرت تارخ اور اپنے دو بھائیوں کے ساتھ ملک شام کی طرف ہجرت کر گئے اور وہاں ہی آپ کی پہلی شادی حضرت سارہ سے ہوئی جو کہ آپ کی ماموں زاد تھی آپ کافی دیر تک ملک شام میں رہے اور جب ملکِ شام میں قحط پڑا تو آپ اپنی بیوی حضرت سارہ اور اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ ملک مصر کی طرف چلے گئے۔ حضرت سارہ عمر کے لحاظ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دس سال چھوٹی تھیں۔ آپ بہت خوبصورت تھیں۔ اس وقت مصر کا بادشاہ علوان تھا۔ یہ ہود علیہ السلام کی نسل سے تھا اور حضرت ہود علیہ السلام کا نام عابر تھا اور ہود آپ کا لقب تھا اور آپ کی والدہ کا نام علعب بنت عویلم بن سالم بن نوح تھا اور آپ کے والد کا نام شالخ بن ارفخشد بن سالم بن نوح علیہ السلام ہے اور حضرت ہود علیہ السلام کی عمر مبارک ۴۶۴ سال تھی جب آپ فوت ہوئے تو مکہ مکرمہ میں دفن کیے گئے اور بعض نے کہا ہے کہ حضر موت میں دفن ہوئے (آباد النبی صفہ ۵ ج ۲) مصر کا بادشاہ علواق نہایت جابر اور ظالم تھا۔ شہر میں جو خوبصورت عورت آتی اس کو جبراً اپنی بیوی بنا لیتا۔ اگر اس کے ساتھ خاوند ہوتا تو خاوند کو قتل کرا دیتا اور وہ

بیوہ ہو جاتی اس کو بیوی بنا لیتا اگر کنواری ہوتی اور اس کے ساتھ اس کا بھائی یا والد ہوتا تو ان کو مال وغیرہ دے کر اس کو بیوی بنا لیتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب مصر شہر میں داخل ہوئے تو آپ کو بذریعہ نبوت علوان بادشاہ کے کرتوتوں کا علم ہو گیا تو آپ نے حضرت سارہ سے فرمایا جب تم سے بادشاہ دریافت کرے کہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ تو تم نے کہنا ہے کہ میرے ساتھ بھائی ہے اور دل میں دینی بھائی کا ارادہ کر لینا۔ چنانچہ بادشاہ کے مخبروں نے بادشاہ کو حضرت سارہ کے بارے میں بتایا بادشاہ نے ان کو اپنے محل میں بلوایا اور حضرت سارہ سے پوچھا کہ جو تمہارے ساتھ ہے وہ تمہارا رشتہ میں کیا لگتا ہے۔ حضرت سارہ نے جواب دیا وہ میرا بھائی ہے پھر حضرت ابراہیم کو بلا کر پوچھا تو آپ نے فرمایا وہ میری بہن ہے پھر بادشاہ نے سارہ کو اپنے پاس تخلیہ میں بلایا اور آپ کو ہاتھ لگانے لگا تو اس کا ہاتھ شل ہو گیا۔ بادشاہ بہت پریشان ہوا اور سارہ کی خدمت میں عرض کی کہ آپ میرے لیے دعا کریں۔ حضرت سارہ نے دعا کی تو بادشاہ کا ہاتھ ٹھیک ہو گیا۔ بادشاہ پھر ہاتھ لگانے لگا تو اس کا ہاتھ مفلوج ہو گیا یہاں تک کہ یہ سات مرتبہ بادشاہ کے ساتھ ہوا پھر کہنے لگا کہ تو جادوگرنی ہے۔ چلی جا حضرت سارہ جب جانے لگیں تو آپ نے فرمایا میں جادوگرنی نہیں ہوں بلکہ میں نبی کی بیوی ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی ہیں۔ ہم نے تیرے ظلم سے بچنے کے لیے اپنے آپ کو دینی بہن بھائی ظاہر کیا ہے۔ اب تم نے ابراہیم کو کچھ نہیں کہنا۔ بادشاہ بڑا متاثر ہوا اور اپنی سگی بیٹی ہاجرہ حضرت سارہ کی خدمت میں دے دی۔ حضرت ابراہیم پھر ملک شام کی طرف تشریف لائے اور ملک شام میں اقامت پذیر ہو گئے۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد حضرت سارہ نے حضرت ابراہیم سے عرض کی کہ آپ اس شہزادی حضرت ہاجرہ سے نکاح کر لیں، شاید اللہ تعالیٰ ہم کو

کوئی اولاد عطا کردے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ہاجرہ کنیز تھیں۔ بہر صورت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ سے نکاح کر لیا۔

سوال :۔

اس واقعہ میں ذکر ہوا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زوجہ محترمہ کو اپنی بہن کہا تھا یہ بات خلاف واقع ہے۔ خلاف واقع بات کرنا شانِ نبوت وعصمت کے خلاف ہے۔

جواب :۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خلاف واقع بات نہیں کی بلکہ آپ نے اپنی اس کلام میں "توریہ" کیا ہے اور عربی کلام میں توریہ استعمال کرنا جائز ہے۔ علماء نے توریہ کے بارے میں لکھا ہے کہ "توریہ" یہ ہے ان یطلق لفظ له معنیان احدهما قریب والآخر بعید ویراد البعید منهما کہ لفظ بولا جائے اس کے دو معنے ہوں۔ ایک قریب اور دوسرا بعید اور مرادی معنے بعید ہو یہ "توریہ" خلاف واقع نہیں ہوتا بلکہ حقیقت کے عین مطابق ہوتا ہے چونکہ بظاہر خلاف واقع معلوم ہوتا ہے سطحی نظر والا اس کو خلاف واقع سمجھتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سارہ کو بہن کہنا بظاہر تو خلاف واقع معلوم ہوتا ہے لیکن دراصل یہ حقیقت کے عین مطابق ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سارہ کو بہن کہہ کر بعیدی معنے مراد لیا ہے کہ یہ بہن دین میں ہے اور سائل نے سمجھا کہ بہن حقیقی ہے حالانکہ حضرت سارہ ابراہیم علیہ السلام کی حقیقی بہن نہیں تھیں۔

سوال :۔

آپ نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی زوجہ محترمہ کو بہن کہنا

خلاف واقع نہیں ہے یہ غلط ہے کیونکہ یہ صرف خلاف واقع ہی نہیں بلکہ اس کو تو صحیح حدیث میں کذب (جھوٹ) کہا گیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لم یکذب ابراھیم النبی فی شئی قط الا فی ثلاث قولہ انی سقیم وقولہ لسارۃ اختی وقولہ بل فعلہ کبیرھم ہذا۔ البخاری و مسلم والترمذی ذا للفظ للترمذی وقال حدیث حسن کہ ابراہیم جو نبی تھے کبھی کذب (خلاف واقع) تین بار کے علاوہ نہیں بولا ایک بار جب کفار نے انہیں اپنے میلے میں شرکت کی دعوت دی تو آپ نے کہا انی سقیم (میری طبیعت ناساز ہے) دوسری بار جب انہوں نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت سارہ کو اپنی بہن کہا، تیسری مرتبہ جب اُن سے پوچھا گیا کہ ان بتوں کو کس نے توڑا تو آپ نے فرمایا کہ یہ کام بڑے بُت نے کیا ہے۔ اب اس حدیث میں صراحتہً کذب کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف نسبت کیا گیا ہے اور کذب (خلاف واقع) کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف نسبت کرنا آپ کی شان کے خلاف ہے کیونکہ آپ نبی معصوم ہیں۔

جواب:۔

جھوٹ گناہ کبیرہ ہے اس کی نسبت انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف ناجائز ہے کیونکہ نبی معصوم ہوتے ہیں سائل نے سمجھا ہے کہ کذب اور جھوٹ یا تو دونوں مساوی ہیں یا دونوں مترادف ہیں حالانکہ نہ یہ دونوں مساوی ہیں اور نہ ہی دونوں مترادف ہیں بلکہ ان دونوں میں سے کذب عام ہے اور جھوٹ خاص ہے کذب متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے جن میں سے صرف ایک معنے کے لحاظ سے جھوٹ کا مترادف ہے جو کہ گناہ کبیرہ ہے۔ دیگر معانی میں کذب گناہ کبیرہ نہیں ہے اور اس حدیث (ابوہریرہ) میں کذب جھوٹ کے

معنے میں استعمال نہیں ہوا جو کہ گناہ کبیرہ ہے بلکہ ایک دوسرے معنے میں استعمال ہوا ہے جس معنے کے اعتبار سے گناہ کبیرہ نہیں کہ ہے۔ چنانچہ سید مرتضیٰ زبیدی المتوفی ۱۲۰۵ھ تاج العروس میں لکھتے ہیں کہ (علامہ) ابن انباری المتوفی ۳۲۷ھ نے کہا کہ کذب کی پانچ قسمیں ہیں۔ اول متکلم نے جو کچھ سنا ہے اس کے خلاف اگر روایت کرے تو اسے بھی کذب کہتے ہیں۔ اس معنے میں کذب جھوٹ کا ہم معنیٰ ہے اور یہ گناہ کبیرہ ہے۔ اور یہ شرافت انسانی کے منافی ہے۔

دوم ان یقول قولاً یشبہ الکذب ولا یقصد بہ الا الحق ومنہ حدیث کذب ابراهیم ثلاث کذبات ای قال قولا یشبہ الکذب وھو صادق فی الثلاث۔ یہ قول مشابہ کذب کے ہوتا ہے لیکن اس سے مراد حق ہوتا ہے۔ اس معنے میں کذب کا لفظ اس حدیث میں استعمال ہوا ہے جہاں ابراہیم علیہ السلام کی طرف تین کذبات کی نسبت کی گئی ہے یعنی آپ کا قول مشابہ بالکذب تھا اور حقیقت میں آپ تینوں باتوں میں سچے تھے۔

سوم کذب خطاء کے معنے میں بھی استعمال ہوتا ہے اور کلام عرب میں یہ کثیر استعمال ہے۔

چہارم، آرزو اور امید کے خاک میں مل جانے کو بھی کذب کہتے ہیں جیسے کہ کہا جاتا ہے کذب الرجل یعنی اس مرد کی امید خاک میں مل گئی۔

پنجم۔ کذب بمعنے اغراء یعنی کسی کو دھوکہ میں رکھنا بھی مستعمل ہے، اب کذب کے ان معانی سے دوسرا معنے حدیث میں مراد ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تینوں اقوال بظاہر خلاف واقع نظر آتے ہیں لیکن اگر غور وفکر کیا جائے تو ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ تینوں اقوال بالکل درست ہیں چونکہ تینوں اقوال میں معنے قریبی بھی تھا اور بعیدی بھی۔ سائل نے قریبی معنے لے کر غلطی کی ہے مراد تو بعیدی معنے

تھا گویا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے تینوں اقوال میں "تعریض" سے کام لیا ہے
چنانچہ صاحب "معارف القرآن" نے مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے
کہ ایک سوال اب یہ رہ جاتا ہے کہ صحیح احادیث میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم نے فرمایا ہے ان ابراهيم عليه السلام لم يكذب غير
ثلاث (رواہ البخاری ومسلم) یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کبھی
جھوٹ نہیں بولا بجز تین جگہوں کے پھر ان تینوں کی تفصیل اسی حدیث میں
اس طرح بیان فرمائی کہ ان میں سے دو جھوٹ تو خالص اللہ کے لیے
بولے گئے ایک آیت بل فعلہ کبیرھم میں ذکر کیا ہے کہ بتوں کا توڑنا
یہ بڑے بت نے کیا ہے تم خود ان سے دریافت کر لو اگر یہ بول سکتے ہوں
اور دوسرا بروز عید قوم سے یہ عذر کرنا کہ انی سقیم میں بیمار ہوں اور تیسرا اپنی زوجہ
کی حفاظت کے لیے بولا گیا وہ یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اہلیہ محترمہ
حضرت سارہ کے ساتھ سفر میں تھے مصر میں جب پہنچے وہاں کا بادشاہ
ظالم بدکار تھا جب کسی شخص کے ساتھ اس کی بیوی کو دیکھتا تو بیوی کو پکڑ لیتا
(اور اس کے آدمی کو قتل کر دیتا) مگر یہ معاملہ اس صورت میں نہ کرتا تھا جب کوئی
بیٹی اپنے باپ کے ساتھ یا بہن اپنے بھائی کے ساتھ ہو (باپ اور بھائی کو
قتل نہ کرتا بلکہ ان کو مال دے کر بیٹی بہن کو پکڑ لیتا) حضرت ابراہیم علیہ السلام
کے اس شہر میں مع اہلیہ کے پہنچنے کی مخبری اس بادشاہ کے سامنے کر دی گئی
تو اس نے حضرت سارہ کو گرفتار کر کے اپنے پاس بلوا لیا۔ پکڑنے والوں نے حضرت
ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ عورت رشتہ میں تم سے کیا تعلق رکھتی ہے۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بادشاہ کے ظلم سے بچنے کے لیے یہ فرما دیا کہ یہ
میری بہن ہے (یہی وہ چیز ہے جس کو حدیث میں تیسرے جھوٹ سے تعبیر

کیا گیا ہے، مگر اس کے باوجود وہ پکڑ لیے گئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ کو بھی بتا دیا کہ میں نے تم کو اپنی بہن کہا ہے تم بھی اس کے خلاف نہ کہنا اور وجہ یہ ہے کہ اسلامی رشتہ سے تم میری بہن ہو اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نماز پڑھنا شروع کر دیا حضرت سارہ جب بادشاہ کے پاس پہنچیں تو اس نے حضرت سارہ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اللہ تعالےٰ نے اس بادشاہ کو اپاہج اور معذور کر دیا، اس پر اس نے حضرت سارہ کو کہا کہ تم دعا کرو کہ یہ میری معذوری دور ہو جائے میں تمہیں کچھ نہ کہوں گا ان کی دعا سے اللہ تعالےٰ نے اس کو صحیح وسالم کر دیا مگر بادشاہ نے عہد شکنی کی پھر ہاتھ ڈالنا چاہا پھر اللہ تعالےٰ نے اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا اس طرح تین مرتبہ (یا سات مرتبہ) یہ واقعہ پیش آیا تو اس نے حضرت سارہ کو واپس کر دیا۔ بہرحال اس حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف تین جھوٹ کی نسبت کی گئی ہے جو شان نبوت وعصمت کے خلاف ہے مگر اس کا جواب خود اسی حدیث کے اندر موجود ہے وہ یہ کہ دراصل ان میں سے ایک بھی حقیقی معنے میں جھوٹ نہ تھا بلکہ "توریہ" تھا جو ظلم سے بچنے کے لیے حلال وجائز ہوتا ہے وہ جھوٹ کے حکم میں نہیں ہوتا (جو کہ گناہ کبیرہ ہوتا ہے) اس کی دلیل خود حدیث مذکور میں یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ سے کہا تھا کہ میں نے تمہیں اپنی بہن بتلایا ہے تم سے پوچھا جائے تو تم بھی مجھے بھائی بتلانا اور بہن کہنے کی وجہ ان کو بتلا دی کہ ہم دونوں اسلامی برادری کے اعتبار سے بہن بھائی ہیں اسی کا نام توریہ ہے کہ الفاظ ایسے بولے جائیں جن کے دو مفہوم ہو سکیں۔ سننے والا اس سے ایک مفہوم سمجھے اور بولنے والے کی نیت دوسرے مفہوم کی ہو اور ظلم سے بچنے کے لیے یہ تدبیر "توریہ" باتفاق فقہاء جائز ہے۔ یہ

شیعہ رافضیوں کے تقیہ سے بالکل مختلف چیز ہے۔ تقیہ میں صریح جھوٹ بولا جاتا ہے اور اس پر عمل بھی کیا جاتا ہے۔ توریہ میں صریح جھوٹ نہیں ہوتا بلکہ جس معنے سے متکلم بول رہا ہے وہ بالکل صحیح اور سچ ہوتے ہیں جیسے کہ اسلامی برادری سے بھائی بہن ہونا اسی طرح کی توجیہہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے دونوں کلاموں میں ہو سکتی ہے "بل فعلہ کبیرھم" کہ ان کو بڑے بُت نے توڑا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مجازاً اس فعل کو بڑے بُت کی طرف نسبت کیا کیونکہ اس کام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آمادہ کرنے والا یہی بُت تھا اور اس کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ ان کی قوم اس بُت کی بہت زیادہ تعظیم کرتی تھی اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کوئی چور کی سزا میں اس کا ہاتھ کاٹ دے اور پھر کہے کہ میں نے نہیں کاٹا بلکہ تیرے اس عمل نے کاٹا ہے کیونکہ ہاتھ کاٹنے کا سبب اس کا عمل ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عملی طور پر بھی بتوں کو توڑنے کو بڑے بُت کی طرف منسوب کیا تھا جیسے کہ روایات میں ہے کہ جس تبر یا کلہاڑے سے ان کے بُت توڑے تھے، یہ کلہاڑا بت کے کاندھے پر یا اس کے ہاتھ میں رکھ دیا تھا کہ دیکھنے والے کو یہ خیال پیدا ہو کہ اس نے یہ کام کیا ہے اور قولاً اس کی طرف منسوب کیا تو یہ ایک اسناد مجازی ہے جیسے کہ عربی کا مشہور مقولہ انبت الربیع البقل اس کی معروف مثال ہے یعنی موسم ربیع کی بارش نے کھیتی اگائی ہے۔ اگرچہ اگانے والا درحقیقت اللہ تعالٰی ہے مگر اس کے ایک ظاہری سبب کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے اور اس کو کوئی جھوٹ نہیں کہہ سکتا اسی طرح حضرت ابراہیم کا بڑے بُت کی طرف اس فعل کو عملاً اور قولاً منسوب کر دینا جھوٹ ہرگز نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول بل فعلہ کبیرھم

میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس فعل کو بڑے بُت کی طرف منسوب فرمایا اور یہ اسناد مجازی کے طور پر فرمایا تو اس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے۔ اسی طرح تیسرے قول انی سقیمؐ (کہ میں بیمار ہوں) کا لفظ ہے کیونکہ سقیم کا لفظ جس طرح ظاہری طور پر بیمار کے معنے میں آتا ہے اسی طرح رنجیدہ و غمگین و مضمحل ہونے کے معنے میں بھی بولا جاتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے اس دوسرے معنیٰ کے لحاظ سے انی سقیم فرمایا تھا۔ مخاطبوں نے اس کو بیماری کے معنے میں سمجھا اور اسی حدیث میں جو یہ الفاظ آئے ہیں کہ ان تین کذبات میں دو اللہ کی ذات کے لیے تھے یہ خود قرینہ قویہ اس کا ہے کہ یہ کوئی گناہ کا کام نہ تھا ورنہ گناہ کا کام اللہ تعالیٰ کے لیے کرنے کا کوئی مطلب نہیں ہو سکتا اور گناہ کا کام نہ ہونا جبھی ہو سکتا ہے جبکہ وہ درحقیقت کذب نہ ہو بلکہ ایسا کلام ہو جس کے دو معنے ہو سکتے ہوں ایک قریبی، اور دوسرا بعیدی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تینوں اقوال میں توریہ ہے۔

(۱) بل فعلہ کبیرھم میں اسناد مجازی ہے کہ بڑے بُت کی طرف دیگر بتوں کے توڑنے کی نسبت مجازاً کر دی ہے جیسے کہ سبزی کے اگانے کی نسبت مجازاً موسم بہار کی طرف کر دی جاتی ہے۔

(۲) اور انی سقیم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوسرا معنے رنجیدہ اور مضمحل ہونا لیا ہے۔

(۳) اور حضرت ابراہیم کا حضرت سارہ کو بہن کہنے سے مراد اسلامی برادری کے لحاظ سے بہن ہے۔ اب ان تینوں اقوال میں کوئی معنے بھی جھوٹ جو گناہ کبیرہ ہے مراد نہیں ہے۔ خود اسی حدیث کی بعض روایتوں میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں

ما منہا کذبۃ الا ماحل بہا عن دین اللہ کہ ان میں سے کوئی جھوٹ ایسا نہیں ہے جو اللہ کے دین کی مدافعت اور حمایت میں نہ بولا گیا ہو ان الفاظ نے خود یہ واضح کر دیا ہے کہ یہاں کذب اپنے عام معنے سے جدا مفہوم رکھتا ہے (معارف القرآن ص۱۹۸ تا ص۲۰۰ ج ۶) غرضیکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ان تین اقوال میں کوئی جھوٹ نہیں تھا بلکہ آپ نے اپنی کلام میں کنایہ اور توریہ کا استعمال کیا ہے جس میں ایسے الفاظ ذکر ہوتے ہیں جن کے دو مفہوم ہو سکیں، سننے والا اس سے ایک مفہوم سمجھے اور بولنے والے کی نیت دوسرے مفہوم کی ہو اس میں کذب بمعنے جھوٹ گناہ کبیرہ نہیں ہوتا کیونکہ کذب کے پانچ معنے ہیں ان میں سے حدیث میں وہ ہے جو بظاہر خلاف واقع نظر آتا ہے اگر غور کیا جائے تو واقع کے مطابق نظر آتا ہے۔ اگر جھوٹ بمعنے گناہ کبیرہ ہوتا تو یہ اللہ تعالےٰ کے لیے نہ ہوتا اور نہ ہی اس میں دین کی حمایت ہوتی جب ان کذبات میں دین کی حمایت ہے تو ثابت ہوا کہ یہ کذبات بمعنے جھوٹ گناہ کبیرہ نہیں ہیں بلکہ یہ "توریہ" ہے جو کہ جائز ہے، علامہ زمخشری المتوفی ۵۳۸ھ حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی المتوفی ۱۲۲۵ھ نے بھی لکھا ہے کہ حدیث ابوہریرہ میں جن تین کذبات ابراہیم کا ذکر ہے ان سے مراد توریہ اور تعریضات ہیں والمراد بالکذبات التعریضات والتوریۃ والنعیم ان الکذب حرام الا اذا عرض وورّی (تفسیر کشاف ص۲۴۳، ج ۳۔ تفسیر ابن کثیر ص۱۳ ج ۴۔ تفسیر مظہری ص۱۲۲ ج ۷، ۸) کہ کذب اور جھوٹ حرام ہے مگر جب تعریض اور توریہ کیا جائے تو جائز ہے۔ بہرصورت حدیث ابوہریرہ میں جن کذبات کا ذکر ہے اس سے مراد جھوٹ نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ظاہری طور پر مذکورہ بات خلاف واقع نظر آتی ہے لیکن اگر سوچا جائے تو

بات واقع کے مطابق ہے اس کو کوئی بھی کذب بمعنے جھوٹ نہیں کہتا بلکہ اس کو کنایہ اور توریہ کہتے ہیں جو کہ تمام کے نزدیک جائز ہے۔ البتہ امام فخر الدین رازی نے اس حدیث کی صحت میں کلام کی ہے اور کہا کہ کذب کی نسبت حضرت ابراہیم کی طرف کرنے کی بجائے راویوں کی طرف کرنی چاہیے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والدین مومن تھے:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والدین مومن و موحد تھے آپ کی والدہ کا نام متلی بنت نمر تھا اور والد گرامی کا نام تارخ بن نحور تھا، علامہ آلوسی بغدادی المتوفی سنہ ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں وقال الزجاج لیس بین النسابین اختلاف فی ان اسم ابی ابراهیم تارح بتاء مثناة فوقیه والف بعد ها راء مهملة مفتوحه وحاء مهملة وهو الذی بالتاء المعجمة واخرج ابن المنذر بسند صحیح عن ابن جریج ان اسمه تیرخ او تارخ، (روح المعانی صد ۲۸۲ الجز ۷) اور زجاج نے کہا کہ علماء نسابین کے نزدیک اس میں اختلاف نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد ماجد کا نام تارخ تھا اور ابن منذر نے ابن جریج سے سند صحیح کے ساتھ روایت کی ہے کہ آپ کا نام تیرخ یا تارخ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والدین کے مومن ہونے پر بہت بڑی دلیل قرآن پاک کی یہ آیت کریمہ ہے ربنا اغفر لی ولوالدی وللمومنین یوم یقوم الحساب (پ ۱۳۔ سورۃ ۱۴ع ۱۷) اے ہمارے رب بخش دے مجھے اور میرے ماں باپ اور ان سب مومنوں کو جس دن حساب قائم ہوگا اب اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والدین کے لیے دعا مغفرت کرنے کا ذکر ہے اگر آپ کے ماں باپ مومن نہ ہوتے تو ابراہیم علیہ السلام کبھی بھی ان کے لیے دعا مغفرت نہ کرتے ان کے لیے دعا مغفرت کرنا ان کے مومن ہونے پر کھلی دلیل ہے۔ صاحب "ضیاء القرآن" بحوالہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی

لکھتے ہیں کہ اس آیت سے پتہ چلتا ہے آپ کے والدین مسلمان تھے آپ کے والد کا نام تارخ تھا اور آزر آپ کا چچا تھا "اب" کا لفظ چچا پر عموماً بولا جاتا ہے لیکن والد کا لفظ حقیقی باپ کے لیے مخصوص ہے اس لیے یہاں ابوی کا لفظ ذکر نہیں کیا بلکہ والدی کا لفظ ذکر کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہاں حقیقی ماں باپ مراد ہیں اور مجازی باپ (چچا) وہ مقصود نہیں ہے اور وہ اس کا مستحق نہیں تھا کہ اس کے لیے طلب مغفرت کی جائے (ضیاء القرآن ص۵۲۲ ج ۲) ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں لِاَبِیہِ سے مراد آزر ہے جو آپ کا چچا تھا۔ آپ کے والد کا نام تارخ تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد میں کوئی کافر نہ تھا۔ حضور سے بسند صحیح مروی کہ حضور نے فرمایا بعثت من خیر قرون بنی آدم قرناً فقرناً حتی بعثت فی القرن الذی کنت فیہ رواہ البخاری فلا یمکن ان یکون کافراً فی سلسلۃ آبائہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ مجھے بنی آدم کے بہترین زمانہ میں مبعوث فرمایا گیا اس لیے ناممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد میں کوئی کافر گذرا ہو (ضیاء القرآن ص۲۶۹ ج ۲) صاحب تفسیر نعیمی والے زیر آیت (ربنا اغفرلی ولوالدی) لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا اپنے سگے والدین کے لیے مانگی تھی اور آزر آپ کا چچا تھا اس کے لیے ایک مرتبہ اس کی زندگی میں دعا مغفرت کی تھی اس سے آپ کو منع کیا گیا تھا

اور والدین کے لیے ممانعت نہیں ہوئی بلکہ ان کے لیے دعا مانگی ہے اور یہ دعا تعمیر کعبہ کے بعد آخری عمر میں مانگی ہے اس کے بعد ممانعت نہیں ہوئی ممانعت تو جو آزر کے لیے دعا مانگی تھی اس کے بعد ہوئی ہے اور آزر کے لیے جو مغفرت کی دعا مانگی تھی یہ دعا نار نمرود سے پہلے مانگی تھی۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام

جوان تھے ابھی آپ نے عراق سے فلسطین کی طرف ہجرت بھی نہیں کی تھی اس سے آپ کو منع کیا گیا اور جو آپ نے والدین کے لیے دعا مانگی جس کا ذکر اس آیت ربنا اغفرلی ولوالدی میں ہے یہ بڑھاپے کی حالت میں تعمیر کعبہ کے بعد کی ہے جب آپ کو اللہ تعالےٰ نے اسماعیل اور اسحاق بیٹے عطا فرمائے۔ آپ نے اللہ تعالےٰ کا شکریہ ان الفاظ میں ادا کیا الحمد للہ الذی وھب لی علی الکبر اسماعیل و اسحاق اور ساتھ ہی یہ بھی دعا کی ربنا اغفرلی ولوالدی اب اس دعا میں والدیّ فرمایا ہے ابویّ نہیں فرمایا اس سے مراد آپ کے والد تارخ اور والدہ متلی بنت نمر ہیں اور یہ دعا دونوں ماں باپ کے لیے ہے ذکر صرف چچا کے لیے اسی وجہ سے قرآن میں لفظ والدیّ ہے چچا کو والد نہیں کہا جاتا بلکہ اب کہا جاتا ہے قرآن نے جہاں بھی آزر کا ذکر کیا ہے وہاں صرف اب یا ابی واحد کا لفظ ذکر کیا ہے ابویّ کہہ کر ماں کو شامل نہیں کیا یہاں والدی میں والد اور والدہ دونوں کا ذکر ہے آپ کی والدہ کے مومنہ ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے یہاں اگر آزر کو والد کہا جاتا تو یہاں واحد ہوتا ماں کو شامل نہ کیا جاتا لیکن یہاں والدی کہہ کر دونوں ماں باپ مراد لیے ہیں کہ آپ کے والدین مومن ہیں اور جن لوگوں نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا میں والدیّ سے مراد حضرت آدم اور حوا ہیں انہوں نے سخت غلطی کی ہے کیونکہ لفظ والد اور والدہ سگے ماں، باپ پر بولے جاتے ہیں اور یہ لفظ ماں باپ کے لیے مخصوص ہیں والد، والدہ، ولد کا تعلق ولادت سے ہے، دادا، دادی، نانا نانی کو والد، والدہ نہیں کہا جاتا۔ چنانچہ حضرت آدم اور حوا کے بارے میں اللہ تعالےٰ نے سورہ اعراف آیت ۲۷ میں فرمایا ہے کما اخرج ابویکم من الجنۃ

ماں لفظ ابوی کہا ہے والدی نہیں کہا اگر اس دعا میں حضرت حوا اور آدم مراد ہوتے یہاں بھی ابوی ہوتا جس سے ثابت ہوا کہ دعا میں حضرت آدم اور حوا مراد لینا غلط ہے بلکہ حضرت ابراہیم کے والدین مراد ہیں جو کہ مومن تھے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ الفاظ ولد، والد، والدہ منفرد معنے رکھتے ہیں ولد، نطفہ والی نسل، والد، نطفہ جنانے والا، والدہ نطفہ جننے والی، ان کا ایک ہی معنے ہے اور اب کا معنے مشترک ہے اس کا معنے مالک، والد، چچا، دادا، پڑدادا، نانا وغیرہ ہے اسی طرح ابن کا معنے بیٹا، غلام، خادم، داماد، بھتیجا، بھانجہ، جب اب کا لفظ کئی معنوں میں مشترک ہے اور اس کا چچا پر بھی اطلاق ہوتا ہے تو بایں وجہ آذر کے لیے لفظ اب استعمال کیا گیا ہے کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا ہے والد نہیں ہے اور والد کا لفظ چونکہ مخصوص المعنے ہے یہ وہاں بولا جائے گا جہاں مادہ ولادت ہوگا لہٰذا حضرت ابراہیم کے والد تارخ ہیں۔ بایں وجہ اس دعا میں والدی کا لفظ استعمال ہوا ہے جس سے ثابت ہوا کہ آپ کے والدین مومن تھے، درحقیقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کا تعلق ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد سے ہے گویا کہ اس دعا میں یہ بتایا گیا ہے کہ جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد میں کوئی مشرک نہیں ہوا بلکہ تمام مومن موحد بلکہ عابد و زاہد ہوئے ہیں (تفسیر نعیمی صـ۹۸ پ۱۳) قاضی ثناء اللہ پانی پتی المتوفی ۱۲۲۵ھ زیر آیت (ربنا اغفرلی ولوالدی) لکھتے ہیں ھذہ الایۃ تدل علی ان والدیہ علیہما السلام کانا مسلمین وانما کان آذر عما لہ وکان اسم ابی ابراھیم تارخ کما ذکرنا فی سورۃ البقرہ (تفسیر مظہری صـ۲۶۹ ج۵) کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے والدین مسلمان تھے

اور آزر آپ کا چچا تھا اور حضرت ابراہیم کے والد کا نام تارخ تھا جیسے کہ ہم نے سورہ بقرہ میں ذکر کیا ہے۔ نیز انہوں نے کہا ہے کہ آیت کریمہ میں لفظ والدی ہے ابوی نہیں ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ اس سے مراد آپ کے والدین کریمین ہیں جو کہ مومن، موحد اور مسلمان تھے۔ علامہ آلوسی بغدادی حضرت ابراہیم کے والد کے بارے میں اپنی تحقیق لکھتے ہوئے فرماتے ہیں والذی عول علیہ الجم الغفیر من اھل السنۃ ان آزر لم یکن والدا ابراھیم علیہ السلام وادعوا انہ لیس فی آباء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافر اصلا لقولہ علیہ الصلاۃ والسلام و لم ازل انقل من اصلاب الطاھرین الی ارحام الطاھرات والمشرکون نجس اور جو بات جمہور اہلِ سنت کے نزدیک معتمد علیہ ہے وہ یہ ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں تھا اور انہوں نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد میں کوئی بالکل کافر نہیں ہوا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل ہوتا رہا ہوں۔ (تفسیر روح المعانی ص۲۸۳ الجزء السابع) جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد میں کوئی کافر اور مشرک نہیں تھا تو ثابت ہوا کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں تھا کیونکہ وہ مشرک تھا یہ آپ کا چچا تھا اور آپ کے والد حضرت تارخ تھے جو موحد اور مسلمان تھے۔

سوال :۔

حدیث پاک میں جو طاہرین اور طاہرات کے الفاظ آئے ہیں اس سے مراد کفر و شرک سے پاک ہونا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد سفاح (زنا) بے احتیاطی سے پاک ہونا مراد ہے تو اس سے آباؤ اجداد کا مومن ہونا ثابت نہ ہوا۔

جواب:-

حدیث میں عموم مراد ہے یعنی وہ کفر و شرک سفاح وغیرہ سے پاک ہیں۔ کیونکہ تخصیص پر کوئی دلیل نہیں چنانچہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں وتخصیص الطھارۃ بالطھارۃ من السفاح لادلیل لہ یعول علیہ والعبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب کہ طہارت کی تخصیص سفاح کے ساتھ کرنے پر کوئی قابل اعتماد دلیل قائم نہیں ہو سکی اور اعتبار تو عموم الفاظ کا ہوتا ہے۔ خصوص سبب کا نہیں جب طاہرین اور طاہرات کے الفاظ عام ہیں تو عام مراد ہوگا کہ وہ کفر و شرک و نجاست سفاح وغیرہ سے پاک ہیں جب کفر و شرک سے پاک اور طاہر ہوئے تو مومن ہوئے۔ علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ امام فخر الدین رازی نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام آباؤ اجداد (موحد، مومن) تھے نیز کہا کہ آزر حضرت ابراہیم کا والد نہیں تھا کیونکہ آزر کافر تھا اور انبیاء کے آباؤ اجداد میں کوئی کافر نہیں ہوا۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے الذی یراک حین تقوم و تقلبک فی الساجدین اور دیکھتا ہے نمازیوں میں تمہارے دورے کو فالآیۃ دالۃ علی ان جمیع آباء محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کانوا مسلمین۔ پس آیت دلالت کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباؤ اجداد مسلمان تھے (الرسائل العشر صہ ۱۶۴)

غرضیکہ حضور پاک کے تمام آباؤ اجداد مسلمان تھے اور آزر آپ کا چچا ہے اور آپ کے والد تارخ ہیں۔ علامہ زجاج نے کہا ہے کہ علماء نسابین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ ہے۔ بہر صورت تحقیق یہی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والدین مومن اور مسلمان تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب جو حضرت آدم تک ہے ان میں کوئی بھی کافر

اور مشرک نہیں ہوا بلکہ تمام موحد مومن بلکہ عابد و زاہد تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد:

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ سے نکاح کر لیا تو اللہ تعالٰی نے آپ کو بیٹا حضرت اسماعیل علیہ السلام عطا فرمایا چونکہ ابھی تک حضرت سارہ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ حضرت سارہ نے حضرت ابراہیم کو کہا کہ آپ ہاجرہ اور ان کے بچے اسماعیل کو یہاں سے کسی اور جگہ لے جا کر چھوڑ آؤ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس بارے میں اپنے اللہ تعالٰی سے پوچھا تو اللہ کی طرف سے جواب ملا جیسے سارہ کہتی ہیں اسی طرح کرو اور ان کو فاران کی پہاڑیوں صفا و مروہ کے قریب چھوڑ آؤ۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عاشورہ کے دن اپنے گھر سے نکلے اور بوقت عصر مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ کے پاس پہنچے اور حضرت ہاجرہ اور اسماعیل کو یہاں ٹھہرایا اور ایک تھیلا کھجوروں کا اور ایک مشکیزہ پانی کا دیا اور آپ خود واپس ہوئے حضرت ہاجرہ نے دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو واپس جا رہے ہیں۔ عرض کی اے خلیل علیہ السلام کیا آپ ہم کو ویرانہ جنگل میں چھوڑے جا رہے ہیں جہاں نہ پانی ہے نہ سایہ ہے نہ کوئی مکان وغیرہ ہے آپ ہم کو کس کے سہارے چھوڑے جا رہے ہیں متعدد مرتبہ ہاجرہ نے یہ کلمات فرمائے لیکن حضرت ابراہیم نے کوئی جواب نہ دیا، حضرت ہاجرہ نے کہا کیا آپ کو رب نے اس کا حکم دیا ہے اور کیا آپ ہم کو اللہ تعالٰی کے سہارے چھوڑے جا رہے ہیں تب آپ نے فرمایا ہاں حضرت ہاجرہ واپس لوٹ آئیں، کہا کہ اب ہم کو کوئی فکر و اندیشہ نہیں ہے۔ اللہ تعالٰی ہم کو ضائع نہیں فرمائے گا۔ تین چار دن اس پانی اور کھجوروں

کے ساتھ گذارا گیا پھر ختم ہونے کے بعد حضرت ہاجرہ کو فکر ہوا کیونکہ گرمی شدت سے پڑ رہی تھی۔ پانی قریب قریب تک نہیں تھا حضرت اسماعیل بھی بھوک اور پیاس کی وجہ سے نڈھال ہو رہے تھے۔ حضرت ہاجرہ نے حضرت اسماعیل کو ایک جگہ لٹا دیا اور آپ کوہ صفا کی طرف دوڑیں۔ کوہ صفا پر چڑھ کر ارد گرد دیکھا کہ شاید کوئی آدمی آتا جاتا نظر آئے لیکن دور دور تک کوئی نظر نہیں آیا۔ پھر آپ وہاں سے اتر کر مروہ پر چڑھیں وہاں بھی نہ کوئی آدمی نظر آیا اور نہ کوئی گھر نظر آیا۔ اس طرح آپ نے سات چکر لگائے اور ہر چکر میں حضرت اسماعیل کو بھی دیکھ جاتی تھیں جب نیچی جگہ ہوتی تو حضرت اسماعیل نظر نہ آتے تو بے تاب ہو کر دوڑ پڑتی تھیں۔ آج یہ ہی سنت ہاجرہ جاری ہے۔ بوقت سعی تمام لوگ حج کرنے والے اس سنت ہاجرہ پر عمل کرتے ہیں اس کے ساتھ ہی سعی کی تکمیل ہوتی ہے جب ہاجرہ کا ساتواں چکر پورا ہوا تو آواز سنائی دی اور آپ نے آواز سنی تو حضرت اسماعیل کی طرف دوڑ پڑیں جب حضرت اسماعیل کے پاس پہنچیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ حضرت اسماعیل کے قدموں کی جگہ پانی کا چشمہ ابل رہا ہے آپ بے حد خوش ہوئیں اور ریت کی دیوار بنا کر چاروں طرف پانی کو حکم دیا زمزم زمزم۔ ٹھہر جا ٹھہر جا۔ حدیث پاک میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر حضرت ہاجرہ زمزم زمزم نہ فرماتیں تو یہ ایک بہتا ہوا چشمہ ہوتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام تھے یہ حضرت سارہ کے شکم مقدس سے پیدا ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو ملک شام عطا فرمایا تھا۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے آگے دو بیٹے تھے۔

(۱) حضرت عیص (۲) حضرت یعقوب

یہ دونوں ایک وقت پیدا ہوئے تھے ان کی والدہ کا نام حمصہ تھا حضرت عیص بہت امیر تھے ان کی اولاد کثرت سے ہوئی۔ مدت دراز تک ان کی نسل پھیلی رہی اور حضرت یعقوب علیہ السلام کنعان میں اقامت پذیر ہوئے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے جن کو اسباط بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی پہلی بیوی لیا بنت لابان بن ثبوال بن ناحور سے آپ کے چھ بیٹے ہوئے۔ (۱) روبیل (۲) لاوی (۳) شمعون (۴) یہودا (۵) زابلون (۶) یسا خار، اور دو بیٹے زلفی سے ہوئے (۱) دان (۲) نفثالی، اور دو بیٹے بلہہ سے ہوئے (۱) غاد (۲) آشر اور دو راحیل بنت لابان سے ہوئے۔ (۱) بنیامین (۲) حضرت یوسف علیہ السلام، ان میں سے لاوی کی اولاد سے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام ہوئے ہیں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے والد گرامی کا نام عمران بن قاہث بن لاوی تھا اور لاوی بن یعقوب کی اولاد سے حضرت یحیٰی بن زکریا علیہما السلام بھی تھے، اور یہودا کی اولاد سے حضرت داؤد علیہ السلام تھے اور حضرت داؤد علیہ السلام کا نسب یہ ہے۔ داؤد بن ایشا ی بن عوبید بن بوعز بن سلمان بن نحشون بن عینا ذاب بن ارام بن حصرون بن فارص بن یہودا بن یعقوب۔ اور اس پر ابن حزم نے کلام کیا ہے اور ابراہیم علیہ السلام کے تیسرے بیٹے مدین تھے ان کی والدہ کا نام قطورا تھا اور بعض نے لکھا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام مدین کی اولاد سے تھے۔

(جمہرۃ انساب العرب ص ۱۰۵)

حضرت اسماعیل علیہ السلام:

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام

کے فرزند ارجمند ہیں اور حضرت اسماعیل کا نسب یہ ہے اسماعیل بن ابراہیم بن تارخ بن ناحور بن سروج بن رعو بن فالیج بن عابر بن ارفکشار بن سام بن نوح (علیہ السلام) بن لامک بن متوشالخ بن ادریس (علیہ السلام) بن یارد بن مھلل بن قینان بن آنوش بن شیث (علیہ السلام) بن آدم علیہ السلام۔ بعض علماء نے اس سلسلہ نسب میں عابر بن ارفکشاد کے ناموں میں ایک نام کا اضافہ کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے لکھا ہے عابر بن شالخ بن ارفخشد (ارفکشاد) بن سام بن نوح جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ مکرمہ میں لاکر آباد کیا اور عرب کی زمین ان کو عطا فرمائی تھی، اب یہاں پانی بھی تھا یہاں سے ایک قبیلہ جرہم گذر رہا تھا انہوں نے ایک پرندہ دیکھا تو انہیں تعجب ہوا کہ بیابان اور جنگل میں پرندہ کیسے شاید کہیں پانی کا چشمہ نمودار ہوا ہو جستجو کی تو دیکھا کہ زمزم میں پانی موجود ہے یہ دیکھ کر ان لوگوں نے وہاں بسنے کی اجازت چاہی حضرت ہاجرہ نے اس شرط پر اجازت دی کہ پانی میں تمہارا حق نہیں ہوگا وہ لوگ وہاں بسے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہوگئے تو ان لوگوں نے آپ کا صلاح و تقویٰ دیکھ کر اپنے خاندان میں شادی کردی اور حضرت ہاجرہ کا انتقال ہوگیا، بوقت انتقال ہاجرہ کی عمر نوے سال تھی اور سارہ کی عمر ۱۲۷ سال ہوئی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۱۷۵ سال ہوئی ہے اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی کل عمر ۱۸۰ سال ہے اور حضرت اسماعیل کی کل ۱۳۷ سال ہوئی ہے۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنی والدہ کے پہلو میں مطاف کعبہ کے اندر مدفون ہوگئے،

حضرت اسماعیل کی اولاد :

حضرت اسماعیل کے بارہ بیٹے تھے۔ (۱) نجیت (۲) ادبیل (۳) بسام (۴) دومشر (۵) سماع (۶) مشار (۷) حدر (۸) تیمہ (۹) وطور (۱۰) نفیس (۱۱) قدمنتر (۱۲) قیدار۔ یہ بارہ اپنی امتوں کے رئیس تھے۔

قیدار بن اسماعیل علیہ السلام :

حضرت قیدار بن اسماعیل بہت ہی نامور ہوئے ہیں۔ ان کی اولاد خاص مکہ مکرمہ میں ہی آباد رہی ہے، اور قیدار کی اولاد سے عدنان ہوئے ہیں۔

عدنان :

عدنان کے باپ کا نام اُدد ہے اور ان کا سلسلہ نسب یہ ہے عدنان بن ادد بن ھمیسع بن سلامان بن عوص بن بوز بن قموال بن ابی بن عوام بن ناشد بن حزا بن بلداس بن یدلاف بن طابخ بن جاحم بن ناحش بن ماخی بن عیفی بن عبقر بن عبید بن الدعا بن حمدان بن سنبر بن یثربی بن یحزن بن یلحن بن ارعویٰ بن عیفی بن دیشان بن عیصر بن اقناد بن ایہام بن مقصر بن ناحث بن زارح بن سمی بن مزی بن عوض بن عرام بن قیدار بن اسماعیل (علیہ السلام)

عدنان نہایت اولوالعزم شخص ہوئے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجداد میں اکیسویں پشت میں ہیں۔ ان کا من جانب اللہ محترم ہونا اس طرح ثابت ہے کہ بخت نصر نے جب عرب پر پہلا حملہ کیا تب ارمیا اور برخیا علیہما السلام نے بخت نصر کو بتا دیا تھا کہ وہ عدنان پر حملہ نہ کرے۔ دیگر قبائل پر حملہ کرنے کی

اسے اجازت ہے۔ بخت نصر نے عدنان کو چھوڑ کر دیگر قبائل پر حملہ کیا اور ان کو اسیر کر کے لے گیا اور وادی فرات پر جا کر آباد کیا، اور عدنان کے دو بیٹے تھے (۱) لمک۔ انہوں نے حجاز سے اٹھ کر یمن میں اپنی سلطنت قائم کی تھی۔
(۲) معد ان کا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب میں آتا ہے۔

معد بن عدنان:

بخت نصر نے جب عرب پر دوسرا حملہ کیا تو بنو عدنان یمن چلے گئے تھے مگر حضرت معد کو حضرت یرمیاہ اپنے ساتھ شام لے گئے تھے جب عرب سے بخت نصر کا اقتدار ختم ہو گیا تب معد عرب میں واپس آگئے انہوں نے بنو جرہم کے خاندان کی تلاش کی تو معلوم ہوا کہ صرف جرہم بن جلہم باقی ہے تب انہوں نے اس کی لڑکی سے شادی کی جس سے نزار پیدا ہوئے۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمۃ اللعالمین میں لکھتے ہیں کہ عیسائی محققین کی تحقیقات میں حضرت یرمیاہ (ارمیاہ) علیہ السلام کا زمانہ/ ۵۸۸ سال قبل مسیح ہے چونکہ معد بن عدنان حضرت یرمیاہ کے معاصر تھے اس لیے ثابت ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عدنان کے درمیان/ ۱۱۵۸ سال کا زمانہ ہے علامہ ابن حزم اندلسی لکھتے ہیں کہ معد بن عدنان کے تین بیٹے تھے۔
(۱) نزار بن معد (۲) ایاد بن معد (۳) قنص بن معد۔

نزار بن معد:

نزار کا نام عمود نسب نبوی میں آتا ہے۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا نسب بھی حضرت نزار سے جا ملتا ہے۔ چنانچہ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے،

احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن اسد بن ادریس بن عبداللہ بن حیان بن عبداللہ بن انس بن عوف بن قاسط بن مازن بن شیبان بن ذھل بن ثعلبہ بن عکابہ بن صعب بن علی بن بکر بن وائل بن قاسط بن ہنب بن اقصیٰ بن دعمی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار بن معد بن عدنان حافظ ابن جوزی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں کہ آگے نزار کے چار لڑکے تھے۔

(۱) مضر بن نزار (۲) ربیعہ بن نزار (۳) ایاد بن نزار (۴) انمار بن نزار۔

تمام قبائل عرب ان چار کی اولاد سے ہیں۔ مضر و ربیعہ کی نسل وسط عرب میں انمار کی اولاد نجد اور اطراف حجاز میں اور ایاد کی اولاد ثغور واطراف میں پائی جاتی ہے۔ نزار نے اپنی وفات سے پہلے مضر کو اونٹ اور سرخ خیمہ اور ربیعہ کو اسپ و سلاح اور ایاد کو بھیڑ بکری اور انمار کو حمار تقسیم کر دیے تھے مضر اور ایاد کی والدہ سودہ بنت عک ہے اور ربیعہ و انمار کی والدہ خدالہ بنت وحلان جرہمی ہے۔ اور نزار بن معد کے چاروں بیٹے نہایت ذہین، عقلمند اور سمجھ دار تھے۔ چنانچہ علامہ دمیری المتوفی ۸۰۸ھ نے بحوالہ حافظ ابن جوزی تفصیل سے لکھا ہے کہ نزار بن معد کے چار لڑکے تھے (۱) مضر (۲) ربیعہ (۳) ایاد (۴) انمار۔ جب نزار فوت ہونے لگے تو انہوں نے اپنا مال و دولت وغیرہ چاروں میں تقسیم کر دیا اور انہوں نے مال کی تقسیم کا ایک انوکھا طرز اپنایا اپنے ان چاروں بیٹوں کو بلا کر کہا کہ یہ جو سرخ خیمہ ہے یا اس قسم کا جو بھی مال ہو مضر تمہارا ہے اور یہ جو سیاہ خیمہ ہے اور جو اس کے مشابہ حال ہو وہ ربیعہ کا ہے اور یہ خادم و نوکر اور جو اس کے مشابہ حال ہو ایاد کے لیے ہے اور یہ تھیلی اور نشست گاہ انمار کے لیے ہے ثم قال لھم ان اشکل علیکم الامر فی ذالک فاختلفتم فی القسمۃ فعلیکم بالافعیٰ بن الافعی الجرھمی

پھر نزار نے ان کو کہا اگر تم لوگوں کو کسی معاملہ میں مشکل پیش آئے یا کسی بات میں اختلاف ہونے لگے تو تم افعیٰ بن افصیٰ الجرہمی کے پاس جا کر فیصلہ کرالیں، چنانچہ نزار فوت ہو گئے تو ان بھائیوں میں اختلاف ہو گیا تو انہوں نے افعیٰ بن افصیٰ شاہ نجران کے پاس جانے کا ارادہ کر لیا چنانچہ جب یہ گئے تو راستہ میں مضر نے دیکھا کہ ایک گھاس چرا ہوا ہے، تو مضر نے کہا کہ جو اونٹ اس گھاس میں چرا ہے وہ کانا ہے، ربیعہ نے کہا نہیں یہ تو ٹیڑھا اور سینے کا پتلا ہے۔ ایاد نے کہا نہیں یہ تو دُم کٹا ہے، انمار نے کہا نہیں یہ تو شرود یعنی بدکتا ہے جب یہ آگے چلے تو ان کی ایک آدمی سے ملاقات ہو گئی تو انہوں نے اس آدمی سے اونٹ کے سلسلے میں فیصلہ کرانا چاہا کہ یہ اونٹ کیسا ہے۔ چار بھائیوں نے اپنا اپنا خیال اور نظریہ بیان کیا مضر کہنے لگا کہ وہ کانا ہے اس آدمی نے کہا کہ مضر تم صحیح کہتے ہو ربیعہ نے کہا وہ ٹیڑھا اور سینے کا پتلا ہے اس آدمی نے کہا یہ بھی صحیح ہے ایاد نے کہا کہ وہ دم کٹا ہے اس آدمی نے کہا یہ بھی ٹھیک ہے انمار نے کہا کہ وہ بدکتا ہے اس آدمی نے کہا کہ یہ بھی ٹھیک ہے اس کے بعد اس آدمی نے کہا کہ جس اونٹ کے یہ اوصاف ہیں وہ تو میرا ہے یہ سنتے ہی تمام بھائیوں نے قسم اٹھائی کہ ہم نے تو کوئی اونٹ دیکھا نہیں آخر کار ان تمام بھائیوں کے انکار کے باوجود اس آدمی نے ان کا پیچھا نہیں چھوڑا ان کے پیچھے لگا رہا۔ یہاں تک کہ یہ نجران آگئے اور پھر تمام شاہ نجران افصیٰ بن افعیٰ جرہمی کی خدمت میں حاضر ہو گئے تو وہ شخص جو اونٹ کی تلاش میں تھا اس نے بادشاہ کو کہا کہ ان لوگوں نے میرا اونٹ دیکھا ہے نیز ان لوگوں نے میرے سامنے اونٹ کے اوصاف بھی بیان کیے ہیں لیکن یہ لوگ پتہ نہیں بتاتے کہ وہ کہاں ہے اتنے میں ان تمام بھائیوں نے یہ کہا کہ بادشاہ سلامت ہم نے اس کے اونٹ کو نہیں دیکھا

تو اس کے اوصاف کیسے بیان کیے تو سب سے پہلے مضر نے کہا کہ میں نے جب گھاس دیکھا ایک طرف چرا ہوا ہے اور ایک طرف چھوٹا ہوا ہے تو میں نے سمجھا کہ اونٹ کانا ہے، ربیعہ نے کہا کہ مجھے اونٹ کے ایک ہاتھ میں کمزوری محسوس ہوئی ہے تو میں نے سمجھا کہ اس نے ٹیڑھے اور بینے کے پتلے ہونے کی وجہ سے جفتی کرتے وقت ایک ہاتھ کمزور کر لیا ہے۔ اور ایاد نے کہا کہ میں اس کی لعرانت رمینگنیاں اکٹھا پڑی ہوئی دیکھی ہیں تو میں نے سمجھا کہ وہ دم کٹا ہے۔ اگر وہ دم کٹا نہ ہوتا تو وہ دم مارتا تو مینگنیاں بکھری ہوئی ہوتیں، اور انمار نے کہا وہ گھاس چرتے ہوئے ڈھال دار زمین کی طرف مڑ گیا ہے۔ تو میں نے سمجھا کہ وہ بد کتا ہے تو شاہ نجران نے اس اونٹ والے کو کہا کہ یہ لوگ تمہارے اونٹ کو نہیں جانتے جاؤ تم تلاش کرو پھر شاہ نجران ان کی طرف متوجہ ہوا کہا آپ لوگ کون ہیں میں تم لوگوں سے واقف نہیں ہوں۔ چنانچہ ان لوگوں نے اپنا تعارف کرایا یہ سنتے ہی شاہ نجران نے ان کو خوش آمدید کہا اور ان کے کھانے پینے کا انتظام کیا، جب یہ کھانے پینے سے فارغ ہوئے تو مضر نے کہا کہ آج کی شراب تو بہت عمدہ ہے ایسی میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ کاش کہ یہ قبرستان کی نہ ہوتی، ربیعہ نے کہا کہ گوشت تو بہترین تھا لیکن جس جانور کا گوشت ہے اس کو کتیا کا دودھ پلایا گیا ہے۔ ایاد نے کہا کہ آج کی طرح کسی آدمی کو رات میں زیادہ چلنے والا میں نے نہیں دیکھا کاش کہ یہ اپنے اس باپ کا بیٹا ہوتا جس کی طرف یہ منسوب ہے انمار نے کہا کہ میں نے آج کی طرح اتنی بہترین روٹیاں نہیں کھائیں بشرطیکہ اس آٹے کو حائضہ عورت نہ گوندھتی شاہ نجران نے اس سے پہلے عقلمندی کا ثبوت دیتے ہوئے ان لوگوں کے پاس اپنا ایک وکیل بنا کر بھیج دیا تھا۔ چنانچہ وہ ان سب لوگوں کی گفتگو سنتا رہا پھر

اس نے شاہ نجران کو ان لوگوں کی ساری گفتگو کی اطلاع دی کہ ان لوگوں نے کھانا کھانے کے بعد اس قسم کی گفتگو کی ہے تو شاہ نجران نے ان باتوں کی تحقیق کے لیے شراب والے کو بلا کر کہا کہ تم نے کیسی شراب بنائی ہے اس نے کہا کہ وہ ایسے انگوروں کی شراب ہے جن کو تمہارے باپ کی قبر پر لگایا گیا تھا پھر گوشت والے کو بلایا اس سے پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ میں نے ایسی بکری کا گوشت دیا ہے جس کو کتیا کا دودھ پلایا گیا تھا اور اس سے موٹی بکری ہمارے پاس کوئی اور نہیں تھی۔ پھر شاہ نجران نے اس لونڈی سے پوچھا جس نے روٹیاں پکائی تھیں کہ تم نے کس حالت میں روٹیاں پکائی تھیں وہ کہنے لگی کہ میں حالت حیض میں ہوں پھر بادشاہ اپنی ماں کے پاس گیا اس سے اپنے باپ کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ میں ایک ایسے بادشاہ کے نکاح میں تھی جس سے کوئی اولاد نہیں ہوتی تھی تو میں نے ایک دوسرے آدمی کے ساتھ مباشرت کی جس سے یہ اولاد ہوئی۔ جب بادشاہ نے تحقیق کر لی تو بادشاہ ان لوگوں کی گفتگو سے حیران ہوا اور اپنے وکیل کو کہا ان سے پوچھو کہ تم لوگوں کو ان باتوں کا کیسے علم ہوا تو وکیل نے جب پوچھا تو پہلے مضر نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ در اصل میں شراب کی اس حقیقت سے واقف ہوا ہوں کہ شراب کی خاصیت یہ ہے کہ شراب پینے کے بعد تمام قسم کے غم دور ہو جاتے ہیں لیکن اس شراب کو پیا تو غم دور نہیں ہوا، بلکہ اور غم کا احساس ہونے لگا۔ ربیعہ نے کہا کہ میں گوشت کی حقیقت سے وہ کسی ایسی بکری کا گوشت ہے جس نے کتیا کا دودھ پیا ہے اس لیے واقف ہو گیا کہ ہر قسم کے گوشت کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ چربی گوشت کے اوپر ہوتی ہے سوائے کتوں کے گوشت کے کہ ان کی چربی گوشت کے اندر کے حصہ میں

ہوتی ہے چنانچہ جب ہم نے گوشت کھایا تو اس گوشت کی تمام گوشتوں کے برعکس کیفیت تھی اس لیے میں نے پہچان لیا کہ یہ کسی ایسی بکری کا گوشت ہے جس کو کتیا نے دودھ پلایا ہے ایاد نے کہا کہ باپ کی حقیقت سے میں اس لیے واقف ہو گیا کہ انہوں نے کھانا تیار کرا کر ہمارے لیے بھیج دیا ہے لیکن انہوں نے خود ہمارے ساتھ کھانا نہیں کھایا تو میں نے اندازہ لگایا کہ ان کے والد تو اس طرح نہیں تھے اور نہ ہی ان کے ایسے اخلاق تھے۔ انمار نے کہا یہ روٹیاں حائضہ عورت کے ہاتھ گوندھی ہوئی ہیں اس سلسلے میں اس لیے واقف ہو گیا کہ صورت یہ ہوتی ہے جب روٹی کے ٹکڑے بنا لیے جاتے ہیں تو کھاتے وقت ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔ یہاں ان روٹیوں کا حال دوسرا تھا تو میں نے یہ سمجھا کہ آٹے کو کسی حائضہ عورت نے گوندھا ہے۔ وکیل نے یہ سب باتیں شاہ نجران کو بتائیں تو شاہ نجران ان کے پاس آیا اور کہا کہ تم کس مطلب کے لیے آئے ہو تو انہوں نے سارا واقعہ بیان کیا اور اپنے باپ (نزار بن معد) کی وصیت کا بھی ذکر کیا اور یہ بھی ذکر کیا کہ ہمارے باپ نے کہا کہ اگر کسی معاملہ میں اختلاف ہو جائے تو اس کا فیصلہ آپ سے کرائیں پھر ان لوگوں نے اپنا اختلافی مسئلہ وراثت کے بارے میں شاہ نجران کے سامنے پیش کر دیا تو شاہ نجران نے جواب دیا کہ جو مال سرخ خیمہ کے قسم سے ہو وہ مضر کا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے حصہ میں دینار اور اونٹ وغیرہ بھی آجائیں گے اس لیے کہ دینار تو سرخ ہوتے ہیں اور بعض اونٹ بھی سرخ رنگ کے ہوتے ہیں جن کا شمار اسی قسم کے مالوں میں ہوتا ہے اور جو سیاہ خیمہ اور اس کے مشابہ قسم کا مال ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دیگر جانور اور مال گھوڑے وغیرہ ربیعہ

کے ہیں اس لیے کہ بعض گھوڑے سیاہ بھی ہوتے ہیں اور جو مال خادم (ڈوکرسا) کے مشابہ ہو اور خادم کھچڑی بالوں جیسا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مویشی جانور اور چتکبرے گھوڑے وغیرہ ایاد کے ہیں اور باقی دراہم اور زمین انمار کے لیے ہیں فاردوا من عندہ علیٰ ذالک پس وہ یہ فیصلہ سن کر افعی (شاہ نجران) کے پاس سے چلے آئے۔ (حیات الحیوان صہ۳۱ ج۱)

مضر بن نزار:

جو عدنان میں سے حجاز میں سب سے بڑھ کر صاحب دولت وثروت تھے، باپ نے تقسیم کے وقت تمام سرخ رنگ کی چیزیں، سرخ خیمہ، سرخ دینار، سرخ اونٹ وغیرہ ان کو دی تھیں اس لیے ان کا نام مضر الحمراء مشہور ہے اونٹوں کے لیے حدی ان کی ایجاد ہے جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام آباؤ اجداد موحد مومن تھے اسی طرح مضر بھی موحد مومن اور دین حنیف پر تھے، اور مضر کے دو لڑکے تھے (۱) الیاس بن مضر (۲) قیس عیلان بن مضر، ان دونوں کی والدہ کا نام امیٰ بنت سود بن اسلم بن الحارث بن قضاعہ ہے۔

الیاس بن مضر:

الیاس کی کنیت ابو عمرو تھی جب یہ فوت ہو گئے تو ان کی بیوی نے اتنا غم کیا کہ پھر تمام عمر سائے میں نہ بیٹھی۔ ان کا لقب کبیر قوم تھا ان کے تین لڑکے تھے (۱) مدرکہ (عامر) (۲) عمرو (طابخہ) (۳) عمیر (قمعہ) ان کی والدہ کا نام خندف تھا جو کہ بنو قضاعہ سے تھیں۔

مدرکہ بن الیاس:

آگے مدرکہ کے تین لڑکے تھے (۱) خزیمہ بن مدرکہ (۲) ھذیل بن مدرکہ (۳) غالب بن مدرکہ۔

خزیمہ بن مدرکہ:

خزیمہ بن مدرکہ نے اپنے پیچھے تین بیٹے چھوڑے تھے (۱) کنانہ بن خزیمہ (۲) اسد بن خزیمہ (۳) ہون بن خزیمہ۔

کنانہ بن خزیمہ:

کنانہ بن خزیمہ نے اپنے پیچھے چار بیٹے چھوڑے تھے (۱) نضر بن کنانہ (۲) ملک بن کنانہ (۳) ملکان بن کنانہ (۴) عبد منات۔

نضر بن کنانہ:۔

نضر بن کنانہ نے اپنے پیچھے دو بیٹے چھوڑے تھے۔ (۱) مالک بن نضر (۲) یخلد بن نضر۔ اور اس یخلد بن نضر کا ایک لڑکا بدر بن یخلد تھا اور اس بدر کی طرف مقام بدر نسبت ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا مقابلہ قریش مکہ کے ساتھ ہوا تھا اور اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فتح ونصرت عطا فرمائی تھی اور قریش مکہ کو شکست فاش ہوئی تھی۔

مالک بن نضر:

مالک بن نضر کے دو بیٹے تھے (۱) فہر بن مالک (۲) صلت بن مالک

فہر بن مالک :

حضرت فہر بن مالک بڑے نامی گرامی ہوئے ہیں۔ آپ کا لقب قریش ہے یہ عرب کے سردار تھے ان کا ہم عصر حسان بن عبد کلال حمیری تھا اس نے ارادہ کیا کہ کعبہ کے پتھر اٹھا کر یمن میں لے جائے تاکہ حج کے لیے وہاں کعبہ بنایا جائے جب وہ اس ارادے سے قوم حمیر وغیرہ کو لے کر یمن سے آیا اور مکہ مکرمہ سے ایک منزل پر مقام نخلہ میں قیام کیا تو فہر (قریش) نے قبائل عرب کو جمع کر کے اس کا مقابلہ کیا قوم حمیر کو شکست فاش ہوئی، اور حسان گرفتار ہوا اور تین سال کے بعد فدیہ دے کر رہا ہوا۔ اس واقعہ سے فہر (قریش) کی ہیبت و عظمت کا سکہ اہل عرب کے دلوں پر بیٹھ گیا اور آپ کو بہادری کی وجہ سے قریش کہا جانے لگا نیز قریش کی وجہ تسمیہ ہم "حسب و نسب" جلد سوم میں ذکر کر چکے ہیں، اور فہر بن مالک نے اپنے پیچھے تین بیٹے چھوڑے ہیں (۱) غالب بن فہر (۲) محارب بن فہر (۳) حارث بن فہر۔

غالب بن فہر (قریش) :-

غالب بن فہر صاحب شرافت تھا۔ اس نے اپنے پیچھے تین بیٹے چھوڑے ہیں (۱) لوی بن غالب (۲) تیم بن غالب (۳) قیس بن غالب۔

لوی بن غالب :-

لوی بن غالب صاحب شرافت تھے اور انہوں نے اپنے پیچھے چھ بیٹے چھوڑے ہیں۔ (۱) کعب بن لوی (۲) عامر بن لوی، (۳) سامر بن لوی (۴) سعد بن لوی (۵) عوف بن لوی (۶) حارث بن لوی اس حارث کو جشم بھی کہتے ہیں۔

کعب بن لوی:۔

کعب بن لوی صاحب شرف بھی ہیں اور ان کی آگے اولاد کثرت سے ہوئی ہے۔ انہوں نے اپنے پیچھے پانچ بیٹے چھوڑے ہیں (۱) مُرہ بن کعب (۲) عدی بن کعب (۳) ھصیص بن کعب (۴) سہم بن کعب (۵) جمح بن کعب، اور ان میں سے عدی بن کعب کا لڑکا رزاح ہے ان کی نسل سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ دوم ہوئے ہیں، حافظ ابن کثیر نے ان کا سلسلہ نسب یہ لکھا ہے۔ عمر بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (قریش)

(البدایہ والنہایہ صہ ۱۳۳ ج ۷)

مرہ بن کعب:۔

مرہ بن کعب کی کنیت ابو یقظہ ہے۔ انہوں نے اپنے پیچھے تین بیٹے چھوڑے ہیں (۱) کلاب بن مرہ (۲) تیم بن مرہ (۳) یقظہ بن مرہ، ان میں سے تیم بن مرہ کی نسل سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ اول ہیں چنانچہ ان کا نسب یہ ہے ابوبکر (عبداللہ) بن عثمان (ابو قحافہ) بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (قریش)

کلاب بن مرہ:۔

کلاب کا نام حکیم تھا اور کنیت ابو زہرہ اور انہوں نے شکاری کتے زیادہ پال رکھے تھے۔ اسی وجہ ان کا لقب کلاب ہو گیا۔ ان کے دو بیٹے تھے (۱) قصی بن کلاب (۲) زہرہ بن کلاب اور آگے زہرہ بن کلاب کے دو بیٹے تھے (۱) حارث (۲) عبد مناف، اور عبد مناف بن زہرہ کے دو بیٹے تھے۔ (۱) وہب (۲) وہیب اور وہب کی صاحبزادی سیدہ آمنہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ ہیں اور وہیب کا لڑکا عبد یغوث بن وہب ہے
ور عبد یغوث کے دو لڑکے تھے (۱) ارقم (۲) اسود، اور ارقم بن عبد یغوث کا
لڑکا عبداللہ صحابی تھا۔ (۱) اور اسود بن عبد یغوث کافر مرا ہے اور یہ حضور
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ استہزا کیا کرتا تھا اور اس کا لڑکا عبدالرحمن
بن اسود صحابی تھا اور وہیب بن مناف بن زہرہ کے دو لڑکے تھے (۱) نوفل
(۲) مالک (ابو وقاص) تھے اور ایک لڑکی ہالہ تھی یہ ہالہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب
کی ماں ہے اور نوفل بن وہیب کا لڑکا مخرمہ ہے۔ یہ صحابی ہے اور مولفۃ القلوب
سے تھا اور اس کا آگے لڑکا مسور بن مخرمہ ہے اور مالک ابو وقاص بن وہیب
بن عبد مناف بن زہرہ کے متعدد لڑکے ہیں (۱) سعد بن ابی وقاص (۲) عمیر بن
ابی وقاص (۳) عمارہ بن ابی وقاص (۴) عامر بن ابی وقاص (۵) عتبہ بن ابی
وقاص۔ ان میں سے عمیر بن ابی وقاص مسلمان ہو گیا اور بدر میں شہید ہوا اور
اس کی عمر سولہ سال تھی اور عامر بن ابی وقاص نے حبشہ کی طرف ہجرت کی
تھی اور عتبہ بن ابی وقاص نے جنگ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
پر وار کی تھی اور حضور پاک زخمی ہو گئے تھے۔ یہ کافر مرا ہے اور سعد بن وقاص
کا آگے لڑکا عمرو بن سعد ہوا ہے۔ یہ امام حسین کا قاتل ہے اس کو مختار ثقفی نے
قتل کیا تھا نیز مختار ثقفی نے عمرو بن سعد کے لڑکے حفص بن عمرو کو قتل کیا تھا۔

قصی بن کلاب:

قصی کا اصلی نام زید ہے یہ ابھی ماں کی گود میں تھے کہ ان کے والد کا
انتقال ہو گیا اس نے دوسرا نکاح ربیعہ بن خرام العذری سے کر لیا اس کا
قبیلہ شام کی سرحد پر رہتا تھا قصی اپنی ماں کے پاس وہیں پرورش پائی

جب جوان ہوئے تو واپس مکہ مکرمہ آگئے۔ زہرہ ان کے بڑے بھائی تھے ان کی آنکھیں جاتی رہی تھیں۔ قصی کی آواز کو باپ کی آواز کے مشابہ پاکر انہوں نے قصی کو اپنا بھائی تسلیم کر لیا اور جائیداد تقسیم کر دی ان دنوں مکہ پر بنو خزاعہ کی حکومت تھی حلیل سردار مکہ نے اپنی بیٹی مسماۃ حبی قصی سے بیاہ دی اور جہیز میں تولیت بیت اللہ کا حق بیٹی کو عطا کیا اور ابو عبشان کو بیٹی کا وکیل مقرر کیا۔ حلیل کے مر جانے کے بعد ابو عبشان نے حق وکالت قصی کے پاس شراب کے ایک مشکیزے کے بدلے فروخت کر دیا اور اس طرح قصی کا قبضہ بیت اللہ پر ہوا بنو خزاعہ نے اس فروخت کو صحیح تسلیم نہ کیا اور قصی کے ساتھ جنگ چھڑ گئی۔ دونوں جانب سے لوگ قتل ہوئے۔ آخر لعیر بن عوف کو فریقین نے اپنا منصف مان لیا۔ لعیر نے فیصلہ کیا کہ بنو خزاعہ کے جتنے آدمی مارے گئے ہیں قصی ان سب کا خون بہا دے بنو خزاعہ شہر کی حکومت چھوڑ کر مکہ سے باہر چلے جائیں۔ آئندہ حکومت قصی کرے۔ اس فیصلہ پر عمل ہوا شہر پر حکومت ہو جانے کے بعد قصی نے اولاد فہر (قریش) کو ہر جگہ سے طلب کیا اور مکہ مکرمہ میں آباد ہونے کی ترغیب دی۔ اس وقت اولاد فہر (قریش) کی بارہ شاخیں ہو گئی تھیں۔ قصی کی کوشش سے وہ سب مکہ مکرمہ میں آبسے اور قریش (اولاد فہر) کی عزت سارے ملک میں مسلم ہو گئی، قصی کو قصی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ بچپن میں اپنے وطن سے دور جا پڑے تھے اور ان کو مجمع اس لیے کہتے ہیں کہ انہوں قبائل قریش کو پھر مکہ میں جمع کیا تھا۔ قصی نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ ایک کمیٹی گھر (دار الندوہ CONSULTATION HOUSE) قائم کیا مزدلفہ پر روشنی قائم کی تاکہ عرفات نظر آئے ایام حج میں غریب حاجیوں کے لیے کھانے پینے کا انتظام کیا کعبہ سے متعلق امور کو حسن طریقہ

سے سرانجام دینا شروع کیا بڑی مدت کے بعد کعبہ پر اولاد اسماعیل علیہ السلام کا قبضہ ہوا تھا کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد بیت اللہ پر بنو جرہم کا قبضہ ہو گیا تھا۔ بنو جرہم حضرت اسماعیل کے سسرال تھے۔ صدیوں تک انہی کی حکومت مکہ پر اور بیت اللہ پر قبضہ رہا پھر عمالقہ کا قبضہ ہوا ان کے بعد پھر بنو جرہم نے قبضہ لے لیا جب وہ ظلم کرنے لگے تو عمرو بن لحی خزاعی نے جو بنو جرہم کا ہمشیرہ زاد تھا ان کو مکہ سے نکال دیا۔ بنو جرہم کا ظلم تو جاتا رہا مگر عمرو بن لحی نے یہ ظلم کیا کہ اس نے ۲۰۷ء عیسوی میں بت پرستی کو رواج دیا وہ اس طرح کہ اس نے شام میں عمالقہ کو بت پرستی کرتے دیکھا تھا اور سنا تھا کہ ان بتوں کے طفیل سے ان کی مرادیں پوری ہوتی ہیں اس لیے وہاں سے ایک بت مانگ کر اٹھا لایا تھا۔ اس بت کا نام ہبل تھا اس بت کو خانہ کعبہ کے اوپر نصب کر دیا تھا آخر میں اللہ تعالےٰ نے حضرت اسماعیل کی اولاد پر نظر عنایت فرمائی تو قصی کے وقت میں خانہ کعبہ کی تولیت تقریباً ۴۴۰ء میں ان کو عطا فرمائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک میں بیت اللہ کو قبلہ ہونے کا شرف ملا اور سب بت باہر پھینک دیے گئے اور قصی کے چار بیٹے تھے (۱) عبد مناف (۲) عبدالعزیٰ (۳) عبدالدار (۴) عبد۔ اور عبد جو چھوٹا بیٹا تھا اس کی آگے نسل نہیں چلی اور عبدالدار سے عثمان بن طلحہ کا نسب جا ملتا ہے جس کو نبی پاک نے کعبہ کی چابیاں دی تھیں۔ عثمان بن طلحہ کا سلسلہ نسب یہ ہے عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ (عبداللہ) بن عبدالعزیٰ بن عثمان بن عبدالدار بن قصی ہے اور عبدالعزیٰ بن قصی کا لڑکا اسد ہے اور اسد کے چھ لڑکے تھے (۱) حارث (۲) حویرث (۳) حبیب (۴) المطلب (۵) نوفل (۶) خویلد اور خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی کے تین لڑکے تھے (۱) حوام بن

خویلد (۲) حزام بن خویلد (۳) نوفل بن خویلد اور تین لڑکیاں تھیں (۱) خدیجہ بنت خویلد (۲) ہالہ بنت خویلد (۳) رقیقہ بنت خویلد، اور آگے عوام بن خویلد کے لڑکے زبیر بن عوام ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حواری ہیں اور عشرہ مبشرہ سے ہیں اور حزام بن خویلد کا لڑکا حکیم بن حزام ہے اور حکیم صحابی ہے اور نوفل بن خویلد کو اسد قریش کہا جاتا ہے اور نوفل کی ماں قبیلہ عدی بن خزاعہ سے تھی اور نوفل بن خویلد کو جنگ بدر میں حضرت علی اسد اللہ کرم اللہ وجہہ نے قتل کیا تھا، اور خدیجہ بنت خویلد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کیا تھا اور تمام سے پہلے اسلام قبول کیا اور ام المومنین کے نام سے مشرف ہوئیں اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد سوائے حضرت ابراہیم کے اُن کے بطن اطہر سے ہوئی اور ہالہ بنت خویلد کے لڑکے ابوالعاص بن ربیع ہیں جو کہ رسول اللہ کے داماد ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بڑی بیٹی حضرت زینب کا نکاح ابوالعاص بن ربیع کے ساتھ کیا تھا ان کے نسب کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

عبد مناف بن قصی :

حضرت عبد مناف اپنے تمام بھائیوں سے اشرف و محترم تھے یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد رابع ہیں ان کا اصلی نام مغیرہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کی جھلک ان کی پیشانی میں ایسی تھی کہ ان کو قمر البطحا یعنی مکہ مکرمہ کا چاند کہا کرتے تھے ایک بار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں کسی شاعر کے چند اشعار سنائے جن کا ترجمہ درج ذیل ہے ۔

اگر گٹھڑی اٹھا کر جانے والے تو عبد مناف والوں کے ہاں کیوں نہ جا اترا
اگر وہاں چلا جاتا تو تیری ناداری و تنگ دستی کو وہ دور کر دیتے وہ تو امیر و غریب
سے یکساں سلوک کرتے ہیں اور فقیر و محتاج کو غنی کر دیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ اشعار سن کر مسرور اور خوش ہوئے۔ حضرت عبد مناف ؓ کے والد
حضرت قصی جب بوڑھے ہو گئے تو انہوں نے عبد الدار کو کہا کہ میں تجھے تیرے
بھائیوں کے برابر کر آتا ہوں۔ یہ اس لیے فرمایا کہ عبد الدار اگرچہ عمر میں سب
سے بڑا تھا مگر شرافت و وجاہت میں اپنے بھائیوں کے ہم پلہ نہیں تھا چنانچہ
حرم شریف کے تمام مناصب اس کے سپرد کر دیے۔ قصی کے رعب و ہیبت
کی وجہ سے اس وقت کسی نے اعتراض نہیں کیا مگر قصی کے بعد جب عبد الدار
اور عبد مناف کا بھی انتقال ہو گیا تو عبد مناف کے بیٹوں حضرت ہاشم، عبد شمس
مطلب اور نوفل نے اپنا حق ظاہر کیا اور چاہا کہ حرم شریف کے وظائف
عبد الدار کی اولاد سے چھین لیں اس پر قریش میں سخت اختلاف ہو گیا۔ بنو اسد
بن عبد العزیٰ اور بنو زہرہ بن کلاب اور بنو تیم بن مرہ اور بنو حارث بن فہر یہ
سب بنو عبد مناف کی طرف ہو گئے اور بنو مخزوم اور بنو سہم اور بنو جمح
اور بنو عدی بن کعب عبد الدار کی طرف ہو گئے اور بنو عبد مناف اور ان
کے حلیفوں نے قسمیں کھا کر معاہدہ کیا کہ ایک دوسرے کا ساتھ نہ چھوڑیں
گے اور اتحاد و یک جہتی کے اظہار کے لیے ایک پیالہ خوشبو سے بھر کر
حرم شریف میں رکھا اور سب نے اس میں انگلیاں ڈبو دیں اسی لیے
ان پانچ قبائل کو مطیبین کہتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے فریق نے بھی باہم
معاہدہ کیا اور ایک پیالہ خون سے بھر کر اس میں انگلیاں ڈبو کر چاٹ لیں
اس لیے ان پانچ قبائل کو لعقۃ الدم (خون کے چاٹنے والے) کہتے ہیں۔

غرض ہر دو فریق لڑائی کے لیے تیار ہو گئے مگر اس بات پر صلح ہو گئی کہ سقایت ورفادت وقیادت تو عبد مناف کو دی جائے، اور حجابت، ولواء وندوہ بدستور عبد الدار کے پاس رہے، چنانچہ ہاشم کو جو بھائیوں میں سب سے بڑے تھے سقایت (حاجیوں کو آب زمزم پلانا) ورفادت (حاجیوں کے کھانے پینے کا انتظام کرنا) ملی حضرت ہاشم کے بعد مطلب کو اور مطلب کے بعد حضرت عبد المطلب کو اور عبد المطلب کے بعد حضرت ابو طالب کو ملی اور ابو طالب نے اپنے بھائی حضرت عباس کے حوالہ کر دی، اور قیادت (امارت لشکر) عبد شمس کو دی گئی۔ عبد شمس کے بعد اس کے بیٹے امیہ کو پھر امیہ کے بیٹے حرب کو پھر حرب کے بیٹے ابو سفیان (صخر) کو عطا ہوئی اس لیے جنگ احد اور احزاب میں ابو سفیان ہی قائد تھا جنگ بدر کے وقت وہ قافلہ قریش کے ساتھ تھا اس لیے عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس امیر لشکر تھا اور دار الندوہ (کمیٹی گھر) عبد الدار کی اولاد میں رہا یہاں تک کہ عکرمہ بن عامر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار نے حضرت معاویہ کے ہاتھ فروخت کر دیا انہوں نے دار الامارت بنا لیا اور آخر کار حرم میں شامل ہو گیا اور حجابت (کعبہ کی کلید برداری) بھی آج تک عبد الدار کی اولاد میں ہے جنہیں بنو شیبہ بھی کہتے ہیں کیونکہ عثمان بن طلحہ کے لڑکے کا نام شیبہ تھا اور لواء بھی اس کی اولاد میں رہا۔ چنانچہ جنگ اُحد میں جھنڈا ان ہی کے ہاتھ میں تھا۔ جب ایک قتل ہو جاتا تو دوسرا اس کی جگہ لیتا اس طرح ان کی ایک جماعت قتل ہو گئی،

اور حضرت عبد مناف بن قصی کے چھ لڑکے تھے۔ (۱) مطلب (۲) نوفل (۳) ابو عمر (۴) ابو عبیدہ (۵) عبد شمس (۶) حضرت ہاشم۔ اور مطلب بن عبد مناف بن قصی کی اولاد اپنے کو مطلبی کہلاتے ہیں اور مطلب کے

درج ذیل بیٹے ہیں (۱) مخرمہ بن مطلب (۲) ابورھم بن مطلب (۳) انیس بن مطلب (۴) ہاشم بن مطلب (۵) ابوعمرو بن مطلب (۶) ابوشمران بن مطلب (۷) حارث بن مطلب (۸) عمرو بن مطلب (۹) عباد بن مطلب (۱۰) محصن بن مطلب (۱۱) علقمہ بن مطلب۔ ان میں سے آگے حارث بن مطلب کے تین بیٹے ہیں (۱) ابوالحارث عبیدہ بن حارث بن مطلب (۲) طفیل بن حارث بن مطلب (۳) حصین بن حارث بن مطلب یہ تینوں بدری صحابی ہیں اور حضرت عبیدہ بن الحارث بن مطلب جنگ بدر میں شہید ہو گئے تھے اور حضرت طفیل بن الحارث بن مطلب اور حصین بن الحارث بن مطلب ۳۲ھ میں فوت ہو گئے تھے اور مطلب کے جو بیٹے ہاشم ہیں ان کی اولاد سے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۲۰۴ھ ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے ابو عبداللہ الشافعی محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان بن شافع بن السائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن المطلب بن عبد مناف بن قصی، اور حضرت عبد مناف کے دو لڑکوں ابوعمرو بن عبد مناف اور عبیدہ بن عبد مناف کے حالات کا ذکر مورخین نہیں کرتے اور عبد مناف کے بیٹے نوفل بن عبد مناف کی اولاد اپنے کو نوفلیون کہلاتے ہیں اور عبد شمس بن عبد مناف کے آٹھ بیٹے تھے۔

(۱) حبیب بن عبد شمس (۲) امیہ اکبر (۳) عبد امیہ (۴) امیہ اصغر (۵) نوفل (۶) عبد العزیٰ (۷) ربیعہ (۸) عبداللہ بن عبد شمس۔ ان میں سے حبیب بن عبد شمس کے آگے لڑکے سمرہ بن حبیب اور ربیعہ بن حبیب ہوئے ہیں اور ان دونوں کی آگے نسل چلی ہے اور امیہ اکبر بن عبد شمس کے بارہ لڑکے تھے اس کا ایک لڑکا حرب تھا جس کا لڑکا ابوسفیان (صخر) بن حرب بن عبد شمس ہوا ہے۔ اور عبد امیہ بن عبد شمس کے چار لڑکے تھے (۱) اسد (۲) معقل (۳) عقیل

(۴) احوص۔ اور امیہ اصغر بن عبد شمس کی بھی آگے اولاد ہے جو اپنے کو عبلات کہلاتے ہیں اور نوفل بن عبد شمس کا ایک لڑکا ابو العاص بن نوفل بن عبد شمس تھا جو کہ کفر کی حالت میں بدر میں مقتول ہوا تھا۔ اس نوفل کے اور بھی بیٹے تھے اور عبد العزیٰ بن عبد شمس کے دو بیٹے تھے (۱) ربیع (۲) ربیعہ اور آگے ربیع بن عبد العزیٰ بن عبد شمس کا بیٹا ابو العاص بن ربیع ہے۔ ابو العاص کا نام قاسم ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا داماد ہے۔ اس نے اسلام قبول کر لیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی بہت تعریف فرمایا کرتے تھے آپ کا ایک لڑکا ہوا تھا جس کا نام علی بن ابو العاص تھا، یہ جب قریب البلوغ ہوئے تو فوت ہو گئے اور ایک لڑکی تھی جس کا نام امامہ بنت ابو العاص تھا۔ حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہرا کی وفات کے بعد حضرت علی نے امامہ بنت ابو العاص کے ساتھ نکاح کیا تھا اور حضرت ابو العاص بن ربیع کی وفات ۱۲ھ کی ہوئی اور ان کی آگے نسل جاری نہیں ہوئی اور ان کے دوسرے بھائی ربیعہ بن عبد العزیٰ کی آگے نسل چلی ہے۔ اور ربیعہ بن عبد شمس کے آگے دو بیٹے تھے (۱) عتبہ بن ربیعہ (۲) شیبہ بن ربیعہ، یہ دونوں جنگ بدر میں کفر کی حالت میں مقتول ہو گئے تھے اور عتبہ بن ربیعہ کے متعدد لڑکے تھے جن میں سے ایک ولید بن عتبہ حضرت شیر خدا علی المرتضیٰ کے ہاتھوں جنگِ بدر میں قتل ہوا تھا اور عتبہ بن ربیعہ کا ایک اور لڑکا ہیشم ابو حذیفہ بن عتبہ جنگِ بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا۔ یہ افاضل صحابہ سے تھا اور جنگ یمامہ میں شہید ہوا تھا۔ اور اس عتبہ بن ربیعہ کی ایک لڑکی ہندہ تھی جو کہ حضرت معاویہ کی ماں تھی اور یزید بن معاویہ کی دادی تھی اور ابو سفیان بن حرب کی بیوی تھی۔ اور عبداللہ بن عبد شمس کی آگے کوئی اولاد نہ تھی۔

حضرت ہاشم بن عبد مناف بن قصی:

حضرت ہاشم کا نام عمرو تھا اور آپ کو ہاشم اس لیے کہتے تھے کہ ایک سال قریش میں سخت قحط پڑا اور حضرت ہاشم ملک شام سے خشک روٹیاں خرید کر ایام حج میں مکہ مکرمہ پہنچے اور روٹیوں کو چورہ کر کے اونٹوں کے گوشت کے شوربے میں ڈال کر ثرید بنایا اور لوگوں کو پیٹ بھر کر کھلایا۔ اسی دن سے ان کو ہاشم (روٹیوں کا چورہ کرنے والا) کہنے لگے حضرت ہاشم اپنے باپ کے بعد قوم کے سردار ہوئے اور آپ کو سقایت و رفادت بھی ملی تھی اور آپ نے اس منصب کو نہایت خوبی کے ساتھ سرانجام دیا ذی الحجہ کی پہلی تاریخ کو صبح کے وقت کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر قریش کو فرمایا کرتے تھے کہ اے قریش تم خدا کے گھر کے پڑوسی ہو خدا نے بنی اسماعیل میں سے تم کو اس کی تولیت کا شرف بخشا ہے خدا کے گھر کے زائرین تمہارے پاس آرہے ہیں وہ خدا کے مہمان ہیں اور ان کی میزبانی کا حق سب سے زیادہ تم پر ہے اس لیے تم اس گھر کے زائرین کا اکرام کرو۔ اس گھر کے رب کی قسم اگر میرے پاس کافی سرمایہ ہوتا تو میں تمہیں تکلیف نہ دیتا۔ چنانچہ میں اپنے کسب حلال کی کمائی سے دے رہا ہوں اور تم میں سے بھی جو چاہے ایسا کرے اور میں اس گھر کی حرمت کا واسطہ دے کر تم کو کہتا ہوں کہ جو شخص اللہ کے گھر کے زائرین کو اپنے مال سے دے وہ بجز حلال کمائی کے نہ دے آپ کے اس کہنے پر قریش مال دارالندوہ میں جمع کر دیتے تھے حضرت ہاشم بہت مہمان نواز تھے ان کا دستر خوان ہر وقت بچھا رہتا آپ کی پیشانی میں نور محمدی چمک رہا تھا احبار (سمجھدار علماء) میں سے جو آپ کو دیکھتا آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیتا۔ قبائل

عرب واحبار میں سے آپ کو شادی کے پیغام آتے مگر آپ انکار کر دیتے۔ ایک دفعہ بغرض تجارت آپ ملک شام کو گئے راستہ میں مدینہ منورہ بنو عدی بن نجار میں سے ایک شخص عمرو بن زید بن لبید خزرجی کے ہاں ٹھہرے ان کی صاحبزادی سلمیٰ حسن وصورت و شرافت میں اپنی قوم کی تمام عورتوں میں ممتاز تھی۔ آپ نے اس سے شادی کر لی مگر عمرو نے ہاشم سے یہ عہد لیا کہ سلمیٰ جو اولاد جنے گی وہ اپنے میکے مدینہ منورہ میں جنے گی۔ شادی کے بعد حضرت ہاشم ملکِ شام کو چلے گئے جب واپس آئے تو سلمیٰ کو اپنے ساتھ مکہ مکرمہ میں لے آئے۔ حمل کے آثار محسوس ہوئے تو سلمیٰ کو مدینہ منورہ میں چھوڑ کر آپ ملک شام کو چلے گئے اور وہیں غزہ میں پچیس سال کی عمر میں انتقال کیا اور غزہ میں دفن ہوئے یہ غزہ شہر مصر کی طرف اقصائے شام میں واقع ہے، مطلب نے رومان میں، عبد شمس نے مکہ میں اور نوفل نے سلمات میں وفات پائی جو عراق سے مکہ مکرمہ کے راستے میں ایک قطعہ آب ہے چونکہ ہاشم سلمیٰ کو مدینہ منورہ چھوڑ گئے تھے، سلمیٰ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کے سر میں کچھ سفید بال تھے اس لیے اس کا نام شیبہ رکھا اور ان کو شیبتہ الحمد بھی کہتے تھے حمد کی نسبت اس کی طرف اس لیے کی گئی کہ اس سے افعال نیک سرزد ہوں گے جس کے سبب سے لوگ اس کی تعریف کیا کریں گے شیبہ سات یا آٹھ سال مدینہ منورہ میں رہے پھر مطلب کو خبر لگی تو بھتیجے کو لینے مدینہ منورہ گئے اور جب واپس آئے تو شیبہ کو اپنے پیچھے اونٹ پر سوار کیا ہوا تھا شیبہ کے کپڑے پھٹے پرانے تھے جب چاشت کے وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو لوگوں نے مطلب سے پوچھا کہ یہ کون ہے مطلب نے کہا کہ یہ میرا عبد (غلام) ہے۔ اس وجہ سے شیبہ کو عبدالمطلب کہنے لگے پہلے یہ ذکر ہو چکا ہے کہ عبد مناف کے بعد حضرت ہاشم قوم کے

سردار ہوئے ان کے برادر زادہ امیہ (اکبر) بن عبد شمس نے ان کی سرداری کو
تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ عسقلان کا ایک منصف ٹھہرایا گیا اس نے حضرت
ہاشم کے حق میں فیصلہ دے دیا امیہ کو اپنے چچا ہاشم سے جو اختلاف شروع ہو
گیا تھا وہ آئندہ نسلوں میں بھی منتقل ہوا۔ ہاشم اور مطلب کی اولاد ایک
جانب، اور نوفل اور عبد شمس کی اولاد ایک جانب رہا کرتی بیسیوں واقعات
ان ہر دو کی منافرت اور عداوت کے مشہور ہیں۔ چنانچہ شعب ابی طالب
میں بھی بنو ہاشم اور مطلب کی اولاد تھی۔ نوفل اور عبد شمس نے ان کا ساتھ
نہیں دیا بلکہ انہوں نے دوسرے قریش کا ساتھ دیا۔ البتہ بنو ہاشم سے صرف
ابولہب نے ہاشمیوں کا ساتھ نہیں دیا بلکہ دوسرے قریش کے ساتھ
مل گیا اور ہندہ بنت عتبہ بن ربیعہ کو کہا کہ اے عتبہ کی بیٹی میں نے لات و عزیٰ
کی مدد کی ہے اور ہاشمیوں کو چھوڑ دیا ہے۔ ہندہ نے کہا شاباش۔ ابن ہشام
نے لکھا ہے کہ جب اسلام پھیلنے لگا تو تمام قریش جمع ہوئے اور یہ فیصلہ
کیا کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے خلاف ایک معاہدہ کیا جائے کہ ان سے تمام
قسم کے تعلقات ختم کیے جائیں۔ یہاں تک کہ کھانے پینے کی چیزیں بھی ان
تک نہ پہنچ سکیں اور یہ معاہدہ ایک کاغذ پر لکھا گیا اور یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ
بن عامر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار بن قصی نے لکھا اس کا ہاتھ شل
ہو گیا تھا پھر اس کاغذ کو کعبہ کے اندر لٹکا دیا گیا اور بنو ہاشم و بنو مطلب
شعب ابی طالب میں چلے گئے اور قریش نے سختی سے اس معاہدہ پر عمل کیا
باہر سے جو غلہ مکہ میں آتا وہ خود ہی خرید لیتے ہاشمیوں تک نہ پہنچنے دیتے
غرض بنو ہاشم شعب ابی طالب میں طرح طرح کی تکلیفیں اٹھاتے رہے۔
حضرت ابوطالب کا یہ معمول تھا جب لوگ سو جاتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو لغرض حفاظت آپ کے بستر سے اٹھاتے تا کہ دوسرے بستر پر جا لیٹیں اور آپ کے بستر پر اپنے کسی بیٹے یا بھائی کو لٹاتے جب تین سال اسی طرح گذر گئے تو اللہ تعالٰی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دی کہ اس معاہدہ کو دیمک اس طرح چاٹ گئی ہے کہ اللہ کے نام کے سوا اس میں کچھ نہیں رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو طالب کو بتایا کہ قریش مکہ نے جو ہمارے خلاف معاہدہ لکھ کر کعبہ میں لٹکایا ہوا تھا اس کو دیمک اس طرح چاٹ گئی ہے۔ حضرت ابو طالب نے قریش کو بتایا جب قریش نے کاغذ کو دیکھا تو اس طرح پایا جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی تھی تو پھر قریش سے پانچ آدمیوں نے اس معاہدہ کو توڑنے کی حمایت کر دی جن کے نام یہ ہیں (۱) ہشام بن عمرو بن ربیعہ بن الحارث بن حبیب بن جذیمہ بن مالک بن حنبل بن عامر بن لوی (۲) زہیر بن ابی امیہ بن المغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم (۳) مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف (۴) زمعہ بن الاسود بن المطلب بن اسد (۵) ابوالبختری العاصی بن ہشام (ہاشم) بن الحارث بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی۔ ان میں سے ابوالبختری نے کاغذ لے کر پھاڑ ڈالا۔ اس سے ظاہر ہے کہ نوفل اور عبد شمس کی اولاد بنو ہاشم اور بنو مطلب سے علیحدہ رہتی تھی بلکہ ان کے خلاف کیا کرتی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فرمایا کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک ہیں چنانچہ صحیح بخاری میں جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خمس خیبر کی تقسیم فرماتے وقت سہم ذوی القربٰی میں سے بنو ہاشم اور بنو مطلب ہی کو حصہ دیا تھا اور ابو داؤد و نسائی کی روایت میں ہے کہ بنو نوفل اور بنو امیہ نے بھی اس حصہ میں سے ملنے کی درخواست اس بنیاد پر کی کہ

جب بنو مطلب کو شامل کر لیا گیا ہے تو ہم کو بھی دو کہ ہم بھی استحقاق رکھتے ہیں اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا انما بنو هاشم و بنو المطلب شئی واحد ھکذا وشبک بین اصابعہ بنو ھاشم اور بنو مطلب تو ایک ہی چیز ہیں پھر ایک پنجہ کی انگلیوں کو دوسرے پنجہ میں ڈال کر فرمایا اس طرح۔ اور حضرت ہاشم کے چار بیٹے تھے (۱) عبدالمطلب (۲) ابوصیفی (۳) نضلہ (۴) اسد۔ ان میں سے نضلہ بن ہاشم کا آگے بیٹا ارقم بن نضلہ ہوا ہے اور ابوصیفی کے دو بیٹے تھے (۱) عمرو بن ابوصیفی (۲) ضحاک بن ابوصیفی۔ اور اسد کی لڑکی فاطمہ بنت اسد تھی ان کا نکاح حضرت ابوطالب سے ہوا تھا اور حضرت ابوطالب کی تمام اولاد ان سے ہی تھی۔ غرضیکہ حضرت ہاشم کی نسل حضرت عبدالمطلب سے جاری ہے۔ باقی نضلہ، ابوصیفی اور اسد کی آگے نسل اور اولاد نہیں ہے۔

حضرت عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف :

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت عبدالمطلب کا نام شیبہ تھا اور آپ کی والدہ کا اسم گرامی سلمیٰ تھا اور سلمیٰ کا سلسلہ نسب یہ ہے سلمیٰ بنت عمرو بن زید بن لبید بن خداش بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار (تیم اللات) بن ثعلبہ بن عمرو بن الخزرج بن حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو بن عامر۔ اور آگے سلمیٰ کی ماں عمیرہ بنت صخر بن الحارث بن ثعلبہ بن مازن بن النجار تھی اور آگے عمیرہ کی ماں سلمیٰ بنت عبدالاشہل نجاریہ تھی، حضرت عبدالمطلب کے چچا مطلب کا انتقال یمن کی ایک بستی رومان میں ہو گیا۔ اس کے بعد اہل مکہ کی ریاست اور سرداری حضرت عبدالمطلب کو ملی۔ سقایہ اور افادہ کی تولیت بھی حضرت

عبدالمطلب کے سپرد ہوئی۔ حضرت عبدالمطلب نے اپنی قوم میں اس قدر بلند مرتبہ حاصل کر لیا کہ ان کے بزرگوں میں سے کوئی بھی اس مرتبہ کو نہ پہنچا۔ آپ کی قوم آپ کو سید قریش کے نام سے پکارتی تھی۔ آپ بہت بڑے فیاض اور سخی تھے۔ آپ نے ہی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تجویز کیا تھا اور آٹھ سال تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت کا شرف بھی آپ کو ہی حاصل رہا اور چاہ زمزم عمرو بن حارث بن مضاض جرہمی نے بند کر دیا تھا اور امتداد زمانہ کی وجہ سے کسی کو یاد بھی نہ رہا تھا کہ وہ کنواں کہاں ہے پھر زمزم کا کنواں بھی عبدالمطلب نے نکالا تھا جس کا واقعہ ابن ہشام نے اپنی سیرت میں اس طرح لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عبدالمطلب نے کہا کہ میں مقام حجر اسود میں سو رہا تھا کہ ایک آنے والا آیا اس نے کہا کہ طیبہ (زمزم) کو کھودو۔ میں نے پوچھا طیبہ کیا چیز ہے یہ سنتے ہی وہ میرے پاس سے چلا گیا۔ دوسرے دن پھر خواب میں مجھے اشارہ ہوا کہ برہ (زمزم) کو کھودو میں نے پوچھا وہ کیا ہے یہ سنتے ہی اشارہ کرنے والا چلا گیا۔ تیسرے دن پھر خواب میں اشارہ ہوا کہ مضنونہ (زمزم) کو کھودو۔ میں نے پوچھا مضنونہ کیا ہے پھر وہ چلا گیا جب چوتھا دن ہوا تھا تو پھر خواب میں کہا کہ زمزم کھودو میں نے کہا کہ زمزم کیا ہے تو اس نے کہا جو کبھی نہ سوکھے اور نہ اس کا کبھی پانی کم ہو اور وہ حج کرنے والوں کو سیراب کرے گا اور خواب میں ہی زمزم کی جگہ بھی حضرت عبدالمطلب کو دکھائی گئی۔ صبح کے وقت حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹے حارث کو ساتھ لے کر جگہ کو کھودنا شروع کیا تین دن کی کھدائی کے بعد ان کو جرہم کی مدفونہ اشیا ملنے لگیں تلواریں، زرہیں، اشا خہائے آہو وغیرہ نیز کنوئیں کا بالائی حصہ نظر آنے لگا۔ اب قریش درخواست کرنے لگے کہ

اس میں ان کو بھی شامل کر لیا جائے مگر عبدالمطلب نے کسی کو بھی شامل نہ کیا
قریش جھگڑے پر آمادہ ہوئے لیکن عبدالمطلب نے بجائے جھگڑا کرنے کے
یہ معاملہ قرعہ پر چھوڑا چنانچہ قرعہ اس طرح ڈالا گیا کہ کعبۃ اللہ کے لیے دو زرد
تیر اور عبدالمطلب کے لیے دو کالے تیر اور قریش کے لیے دو سفید تیر مقرر
کیے گئے۔ حضرت عبدالمطلب نے اللہ عزوجل سے دعا کرنی شروع کی اور
تیر ڈالنے والے نے تیر ڈالے تو دونوں زرد تیر دونوں ہرنوں پر کعبۃ اللہ کے
لیے نکلے، عبدالمطلب کے دونوں سیاہ تیر تلواروں اور زرہوں پر نکلے اور
قریش کے دونوں سفید تیر کسی چیز پر نہ نکلے جب فیصلہ حضرت عبدالمطلب
کے حق میں ہو گیا تو عبدالمطلب نے تلواروں کو کعبۃ اللہ میں دروازے کے
طور پر لگا دیا اور دروازے میں سونے کے دونوں ہرنوں کو نصب کر دیا کہتے
ہیں کہ یہ پہلا سونا تھا جس سے کعبۃ اللہ کو مزین کیا گیا پھر حضرت عبدالمطلب
نے زمزم کو کھود کر درست کیا اور پانی کا انتظام اپنے ذمہ لیا نیز حجاج کرام
کو خود پانی پلانا شروع کر دیا۔ حضرت عبدالمطلب نے جب زمزم کھودنا شروع
کیا تو اس وقت آپ کا ایک ہی لڑکا حارث تھا آپ نے قریش کی طرف
سے جب رکاوٹیں دیکھیں تو نذر مانیں کہ اگر میرے دس بیٹے ہوگئے اور وہ
سن بلوغ کو پہنچ کر قریش کے مقابلے میں میری حفاظت کریں گے تو ان میں
سے ایک بیٹے کو کعبۃ اللہ کے پاس اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ذبح
کروں گا جب اللہ تعالیٰ نے پورے دس بیٹے دے دیے اور وہ
حفاظت کرنے کے قابل ہو گئے تو ان سب کو جمع کیا اور کہا کہ میں نے تم میں
سے کسی ایک کو اللہ کے راستے میں قربان کرنا ہے۔ چنانچہ قرعہ ڈالا اور قرعہ
حضرت عبداللہ کے نام پر نکلا حضرت عبداللہ نے باپ کی خوشنودی اور اللہ

کی رضا کے لیے قربان ہونا منظور کر لیا لیکن حضرت ابو طالب نے مزاحمت کی کہ حضرت عبداللہ کو قربان نہیں کیا جائے گا نیز حضرت عبداللہ کے ننھیال بھی اس مزاحمت میں شریک ہو گئے آخر فیصلہ یہ ہوا کہ قرعہ اونٹوں پر ڈالنا چاہیے اور جب ہی حضرت عبداللہ کو چھوڑ کر اونٹوں کا قرعہ نکلے اتنے اونٹ قربان کر دینے چاہئیں۔ قرعہ کا آغاز دس اونٹوں سے کیا گیا پھر بیس، پھر تیس، چالیس پچاس، ساٹھ، ستر، اسی، نوے تک بڑھاتے گئے۔ ہر دفعہ حضرت عبداللہ کا نام نکلا لیکن جب اونٹوں کی تعداد سو تک کر دی گئی تب قرعہ اونٹوں پر نکل آیا اور حضرت عبدالمطلب نے اپنی منت کے بدلے سو اونٹ قربان کر دیے (سیرت ابن ہشام صفحہ ۱۸ ج ۱) چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد میں کوئی بھی مشرک وغیرہ نہیں ہوا بلکہ تمام مومن و موحد تھے تو حضرت عبدالمطلب بھی مومن موحد اور مسلمان تھے چنانچہ آپ ہر سال ماہ رمضان کوہ حرا میں جا کر گوشہ نشین ہو کر خدا کو یاد کرتے آپ شراب و زنا کو حرام جانتے تھے اور نکاح محارم سے لوگوں کو منع کرتے تھے اور بحالت برہنگی طواف کعبہ سے منع کرتے تھے اور لڑکیوں کو قتل کرنے اور زندہ درگور کرنے سے بھی روکتے تھے، چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم کرتے تھے آپ بہت بڑے مستجاب الدعوات تھے جب قریش کو کوئی حادثہ پیش آتا یا قحط وغیرہ پڑ جاتا تو قریش حضرت عبدالمطلب کو ساتھ لے کر پہاڑ پر چڑھ کر بارگاہ خداوندی میں ان کو وسیلہ بنا کر دعا مانگتے تھے تو دعا مقبول ہو جاتی تھی، ابرھہ بادشاہ نے جب مکہ مکرمہ پر حملہ کیا تو آپ اپنے خاندان کے چند آدمیوں کو لے کر خانہ کعبہ میں گئے اور دعا مانگی اللہ تعالیٰ نے ابرھہ کے لشکر کو تباہ کیا حضرت عبدالمطلب نے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا آپ کی یہ کرامت دور دور تک مشہور ہو گئی اور رسول اللہ

صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے دادا پاک حضرت عبدالمطلب کا نام لے کر فخر فرمایا کرتے تھے چنانچہ غزوۂ حنین میں کفار کے مقابلے میں آپ نے رجز پڑھتے ہوئے فرمایا تھا۔

انا النبی لا کذب   انا ابن عبد المطلب

کہ میں سچا نبی ہوں میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں، اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جس کے نام پر فخر کریں۔ اس کے مومن اور مسلمان ہونے میں کیا شک ہے۔ حضرت عبدالمطلب نے ۸۲ سال کی عمر پائی اور وفات تقریباً ۵۷۹ء ہے۔ حضرت عبدالمطلب کے بارہ ۱۲ بیٹے تھے (۱) عباس (۲) حمزہ (۳) حضرت عبداللہ (۴) ابوطالب (۵) زبیر (۶) حارث (۷) حجل (۸) مقوم (۹) ابولہب (۱۰) مغیرہ (۱۱) ضرار (۱۲) مصعب اور سات بیٹیاں تھیں (۱) صفیہ (۲) ام حکیم (۳) البیضاء (۴) عاتکہ (۵) امیمہ (۶) اروی (۷) برہ حضرت عباس اور ضرار کی ماں نتیلہ بنت جناب بن کلیب بن مالک بن عمرو بن عامر بن زید بن مناۃ بن عامر (ضحیان) بن سعد بن الخزرج بن تیم الات بن النمر بن قاسط بن ہنب بن افصی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار ہے۔ حضرت حمزہ، مقوم، حجل اور صفیہ کی ماں کا نام ہالہ بنت وہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب ہے اور حضرت عبداللہ، ابوطالب، زبیر اور ام حکیم بیضاء، امیمہ، اروی، برہ، اور عاتکہ کی ماں کا نام فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (قریش) تھا اور آگے فاطمہ بنت عمر کی ماں صخرہ تھی اس کا نسب یہ ہے صخرہ بنت عبد بن عمران بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (قریش) اور آگے صخرہ کی ماں تخمر بنت عبد بن قصی بن کلاب بن مُرّہ بن کعب

بن لوی بن غالب بن فہر (قریش) تھی اور حارث بن عبدالمطلب کی ماں کا نام سمراء بنت جندب بن حجیر بن رئاب بن حبیب بن سواۃ بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ تھا اور ابولہب کی ماں کا نام لبنیٰ بنت ہاجر بن عبدمناف بن ضاطر بن حبشیہ بن سلول بن کعب بن عمرو الخزاعی تھا۔ حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کے ذکر سے پہلے ہم حضرت عبدالمطلب کی دوسری اولاد کا ذکر کرتے ہیں کیونکہ یہ تمام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریبی رشتہ دار ہیں۔

۱۔ حارث بن عبدالمطلب :

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گیارہ چچا ہیں بڑے حارث ہیں ان کے نام پر حضرت عبدالمطلب کی کنیت ابوالحارث تھی یہ حضرت عبدالمطلب کی زندگی میں ہی فوت ہو گئے تھے انہوں نے اپنے پیچھے چار بیٹے چھوڑے تھے (۱) نوفل بن حارث (۲) عبداللہ بن حارث (۳) ربیعہ بن حارث (۴) ابوسفیان مغیرہ بن حارث۔ ان میں سے نوفل بن حارث جنگ خندق میں مسلمان ہوئے جنگ حنین میں اسلامی لشکر کی مدد کرتے ہوئے تین ہزار نیزے دیے۔ یہ ۲۵ھ میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئے اور ان کے تین بیٹے تھے (۱) مغیرہ بن نوفل (۲) عبداللہ بن نوفل (۳) حارث بن نوفل۔ یہ تینوں صحابی تھے۔ مغیرہ بن نوفل حضرت عثمان کے زمانے میں مدینہ منورہ کے قاضی تھے۔ ابن ملجم خارجی نے جب حضرت امیرالمومنین علی المرتضیٰ شیر خدا کو شہید کیا جب وہ بھاگنے لگا تو مغیرہ بن نوفل نے اس کو پکڑا تھا حضرت علی کی شہادت کے بعد حضرت امامہ بنت ابوالعاص کا نکاح بھی ان کے ساتھ ہوا تھا جن سے یحییٰ بن

مغیرہ پیدا ہوئے اور عبداللہ بن نوفل کو حضرت عمر فاروق نے کوفہ کا حاکم مقرر کیا تھا اور حارث بن نوفل کو عمر فاروق نے مدینہ منورہ کا حاکم مقرر کیا تھا۔ ان کی وفات ۶۳ھ میں ہوئی ہے، اور عبداللہ بن حارث بن عبدالمطلب یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں فوت ہو گئے ان کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سعید کے خطاب سے مشرف فرمایا تھا۔

ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب یہ وہی ربیعہ ہیں جن کا نام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں لیا تھا فرمایا وان اول دم اضعہ، دم ابن ربیعۃ بن الحارث۔ پہلا مطالبہ خون کا جسے میں معاف کرتا ہوں وہ ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا مطالبہ ہے یہ قضیہ اس طرح ہے کہ ربیعہ کا ایک فرزند آدم بن ربیعہ (شیر خوار) دشمنوں نے مار ڈالا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پچھلے جھگڑوں کا خاتمہ کرنے کے لیے اس مطالبہ کو معاف کر دیا اور اس کا خون بہا نہ لیا اور حضرت ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب کی وفات ۲۳ھ میں ہوئی تھی۔ آپ نے اپنے پیچھے درج ذیل بیٹے بھی چھوڑے تھے (۱) محمد (۲) عبداللہ (۳) حارث (۴) امیہ (۵) عبدشمس ان پانچوں کی آگے نسل نہیں چلی (۶) عباس (۷) عبدالمطلب۔ ان دونوں کی آگے نسل چلی ہے: چنانچہ عباس بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا ایک بیٹا فضل بن عباس بن ربیعہ تھا جو کہ واقعہ حرہ میں شہید ہوا تھا اور دوسرا بیٹا عبداللہ بن عباس بن ربیعہ تھا یہ سجستان کے علاقہ میں شہید ہوا تھا اور تیسرا ان کا بیٹا حارث بن حارث تھا اور عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب نے دمشق میں سکونت اختیار کی وہیں پر فوت ہو گئے تھے آگے ان کے لڑکے (۱) محمد (۲) سلیمان (۳) عباس تھے اور محمد کے آگے لڑکے سلیمان اور عمرو ہیں اور اس سلیمان بن محمد کا آگے لڑکا عبداللہ ہے

جس کو منصور عباسی نے یمن کا گورنر بنایا تھا اور اس عبداللہ گورنر کا لڑکا محمد بن عبداللہ تھا اس کو ہارون الرشید نے مدینہ منورہ کا حاکم مقرر کیا تھا اور عمرو بن محمد بن عبدالمطلب کو منصور نے دمشق کا حاکم مقرر کیا تھا۔

ابوسفیان مغیرہ بن حارث یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی ہونے کے علاوہ رضاعی بھائی بھی ہیں کیونکہ انہوں نے بھی حلیمہ سعدیہ کا دودھ پیا تھا فتح مکہ سے چند یوم پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔ جنگِ حنین میں بڑی بہادری اور شجاعت کا ثبوت دیا یہ رکاب نبوی سے علیحدہ نہیں ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ مکرمہ فتح کر چکے تو ہر قوم نے اسلام قبول کرنے میں پیش قدمی کی مگر قبیلہ ہوازن جو کہ مکہ اور طائف کے درمیان اقامت پذیر تھے انہوں نے کہا کہ ہم مسلمانوں سے جنگ کریں گے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے جنگ کی تیاری کی مسلمانوں کے لشکر کی تعداد بارہ ہزار تھی جن میں دو ہزار (طلقا) نو مسلم اہل مکہ تھے مسلمانوں نے جب بارہ ہزار کا لشکر جرار دیکھا تو بعض نے اپنے دلوں میں خیال کیا کہ آج کوئی طاقت ہمیں مغلوب نہیں کر سکتی جب لشکر حنین کی وادی میں پہنچا جو کہ مکہ کے جنوب مشرق کی طرف صرف تین میل دور ہے تو مالک بن عوف نصری کی قیادت میں ہوازن و ثقیف کے ماہر تیر انداز تنگ وادی کی کمین گاہوں میں چھپ کر بیٹھ رہے جب مسلمان ٹھیک ان کی زد میں آگئے تو مالک بن عوف نے تیر برسانے کا حکم دے دیا تیروں کی بے پناہ اور غیر متوقع بارش سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور انہوں نے بھاگنا شروع کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صرف ابوبکر صدیق عمر فاروق، عباس، علی شیر خدا، ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب، ربیعہ بن

حارث بن عبد المطلب، اسامہ بن زید، ایمن بن ام ایمن چند اور صحابہ کرام رہ گئے
اس نازک حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شجاعت کا یہ عالم تھا کہ
پائے ثبات میں جنبش نہ ہوئی سفید خچر پر سوار رہے تھے اسے ایڑی لگائی اور
دشمنوں کی صفوں کی طرف بڑھایا حضرت عباس بن عبدالمطلب نے باگ تھام
رکھی تھی اور ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب نے رکاب پکڑی ہوئی تھی حضور
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے ؎

انا النبی لا کذب　　　انا ابن عبدالمطلب

اس حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر
ان کی طرف پھینکی کوئی کافر نہ رہا جس کی آنکھوں میں نہ پڑی ہو آسمان سے فرشتوں
کا لشکر بھی اترا یا دشمنوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
حکم سے حضرت عباس نے بلند آواز سے مہاجرین اور انصار کو پکارا یا معشر
الانصار الذین آووا و نصروا یا معشر المہاجرین الذین بایعوا
تحت الشجرۃ ان محمداً حیٌّ فہلموا۔ اے گروہ انصار جنہوں نے
غریب الدیار مہاجرین کو پناہ دی اے گروہ مہاجرین جنہوں نے درخت کے
نیچے بیعت کی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ ہیں سب ان کے پاس جمع ہو جاؤ
یہ آواز سنتے ہی تمام صحابہ دوڑے چلے آئے اور حضور پاک کے ارد گرد جمع
ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو شاندار فتح نصیب فرمائی اس کے بعد
طائف کا محاصرہ کیا گیا جو اٹھارہ دن تک جاری رہا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم جعرانہ کے مقام پر تشریف لائے جہاں سارا مالِ غنیمت اکٹھا
کیا گیا تھا اور اس کو حکم خداوندی کے مطابق تقسیم فرمایا اس کے بعد ہوازن
کا ایک وفد جو مشرف باسلام ہو چکا تھا حاضر خدمت ہوا اور رحم و کرم

کی درخواست کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اتنے روز اس مال کی تقسیم میں میں نے تاخیر کی لیکن تم نہ آئے اب مال تقسیم ہو چکا ہے اب دو چیزوں سے ایک کو پسند کر لو، اہل وعیال یا مال واسباب انہوں نے عرض کیا ہم مال و اسباب کے طلب گار نہیں ہیں ہمارے اہل وعیال واپس کر دیجیے چنانچہ ان کے اہل وعیال ان کو واپس کر دیے گئے۔ حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سردار مالک بن عوف نضری کو سو اونٹ عطا فرمایا تھا نیز ان کو اپنی قوم کا سردار بھی بحال رکھا۔ عوف بن مالک نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں مدح بھرا قصیدہ کہا جس کے دو شعر یہ ہیں ؎

ما ان رأیت ولا سمعت بمثلہ   فی الناس کلھم بمثل محمد

اوفیٰ واعطیٰ للجزیل اذا اجتدی   ومتیٰ یشاء یخبرک عما فی غد

ترجمہ: میں نے تمام لوگوں میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح نہ کوئی دیکھا ہے اور نہ سنا ہے جب وہ کسی سائل کو دیتے ہیں تو بہت زیادہ اور وافر دیتے ہیں اور جب چاہیں تجھے کل آئندہ کی خبریں دیں۔

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ بنو سعد بن بکر کے بعض اشخاص نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقعہ پر فرمایا اگر بجاد جو سعد بن بکر کا ایک شخص تم لوگوں کے قبضہ میں آجائے تو چھوٹ کر نہ جائے کیونکہ اس نے کوئی بڑی بری حرکت کی تھی چنانچہ مسلمان اس کے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے تو اسے اور اس کے اہل وعیال کو نیز شیما کو پکڑ لائے جو حارث بن عبدالعزیٰ کی بیٹی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعی بہن تھی

مسلمان ان سب کو لانے میں سختی کر رہے تھے تو شیما نے کہا دیکھو خدا کی قسم یہ بات جان لو کہ میں تمہارے نبی کی بہن ہوں لیکن مسلمانوں نے ان کی یہ بات نہ مانی یہاں تک کہ انہیں رسول اللہ کی بارگاہ میں لے آئے جب شیما کو رسول اللہ کی بارگاہ میں پہنچا دیا گیا تو اس نے کہا یا رسول اللہ میں آپ کی رضاعی بہن ہوں چنانچہ شیما کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چادر بچھائی اس پر بٹھایا پھر فرمایا اگر تم چاہو تو میرے پاس بھی رہ سکتی ہو اگر چاہو تو واپس اپنے گھر جا سکتی ہو شیما نے کہا کہ میں واپس جاؤں گی۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تحفے تحائف عطا فرما کر واپس کر دیا بنو سعد نے لوگوں سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شیما کو ایک غلام مکحول اور ایک لونڈی عطا فرمائی تھی اور شیما نے جا کر ان دونوں کی شادی کر دی تھی ان دونوں سے آگے نسل چلی جو اب تک باقی ہے۔ (سیرت ابن ہشام ص ۴۲۸ ج ۲) بہر صورت جنگِ حنین میں آخر کار اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شاندار فتح و نصرت عطا فرمائی تھی اور اس جنگ میں حضرت ابو سفیان (مغیرہ) بن حارث حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے تھے اور ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹے آپ عرب کے مشہور شاعر بھی تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال مبارک کے بعد اکثر درد دل کا اظہار اشعار میں کیا کرتے تھے چنانچہ چند اشعار درج ذیل ہیں ؎

ارقت نبات لیلی لا یزول	ولیل اخی المصیبة فیه طول
لقد عظمت مصیبتنا و جلت	قیل قد قبض الرسول
افاطمة ان جزعت فذاک عذر	وان لم تجزعی فذاک السبیل

ترجمہ:- میں جاگ رہا ہوں اور رات ختم ہونے میں نہیں آتی۔ اس روز جب آزمی

مصیبت کی کچھ انتہا ہی نہ رہی جب لوگ یہ کہنے لگے کہ رسول اللہ راللہ کی طرف اٹھائے گئے۔ اے فاطمہ (خاتون جنت) اگر تو روئے گی تو ہم نے تجھے معذور سمجھیں گے۔ اور اگر تو صبر کرے گی تو بہتر ہے کیونکہ یہ ہی بہتر طریقہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھ بہت پیار کیا کرتے تھے، ایک حدیث میں ہے کہ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب بہشتی جوانوں میں سے ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ابوسفیان بن حارث میرے اہل میں اچھا ہے ان کے دو بیٹے (۱) عبداللہ بن ابوسفیان بن حارث (۲) جعفر بن ابوسفیان بن حارث دونوں صحابی ہیں اور جعفر بن ابی سفیان، غزوہ حنین میں بھی شامل تھے۔

۲۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب:

یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بڑے پیارے چچا ہیں۔ ان کا لقب اسداللہ ورسولہ ہے۔ سنہ ۶ نبوت میں اسلام لائے تھے اور کنیت ابو عمارہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برادر رضاعی بھی ہیں کیونکہ حضور پاک اور حضرت حمزہ دونوں نے ثوبیہ کا دودھ پیا تھا۔ جنگِ بدر میں بڑی بہادری اور شجاعت کا مظاہرہ کیا عتبہ بن ربیعہ رئیس قریش مکہ آپ کے ہاتھوں ہی مقتول ہوا اور جنگ اُحد میں دشمنوں کے بڑے بڑے بہادروں کو خاک میں ملایا۔ آپ کو وحشی غلام نے شہید کیا تھا، سیرت ابن ہشام میں ہے کہ وحشی کا بیان ہے کہ جب قریش جنگ احد کے لیے تیار ہوئے تو میرے مالکوں نے مجھے کہا کہ اگر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ کو شہید کر دے تو تجھے آزاد کر دیا جائے گا۔ اس بنا پر میں جنگِ اُحد میں شریک ہوا دوران جنگ میں نے حضرت حمزہ کو دیکھا کہ وہ غبار میں اٹے ہوئے ہیں اور تلوار

سے لوگوں کا صفایا کرتے جاتے ہیں ان کی تلوار کے سامنے کوئی نہیں ٹھہر سکتا
میں نے تیاری کی اور تیزی سے ان کے قریب پہنچنے کی کوشش کی اسی اثنا
میں سباع بن عبدالعزیٰ میرے سامنے سے نکل کر حمزہ کی طرف بڑھ رہا تھا
حضرت حمزہ نے اسے دیکھ کر کہا اے سباع اے عورتوں کے ختنے کرنے
لی ام نمار کے بیٹے کیا تو خدا اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرتا ہے
یہ کہہ کر حضرت حمزہ نے اس پر حملہ کیا جس سے وہ ختم ہو گیا پھر میں نے حضرت
حمزہ پر حربہ مارا جو آپ کو کاری لگا جس سے آپ شہید ہو گئے۔ جنگ کے بعد
جب میں مکہ میں آیا تو مالکوں نے مجھے آزاد کر دیا۔ میں مکہ میں ہی مقیم تھا جب رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کرمہ فتح کر لیا میں بھاگ کر طائف چلا گیا جب
طائف سے لوگ اسلام قبول کرنے کے لیے حضور کے پاس حاضر ہوئے
اب میں نے سوچا کہ اب مجھے کسی دوسرے ملک چلا جانا چاہیے اسی سوچ
میں تھا کہ ایک شخص نے مجھے کہا کہ واللہ رسول اللہ اس شخص کو قتل نہیں کرتے جو
ان کا دین قبول کر لیتا ہے اور کلمہ شہادت پڑھ لیتا ہے۔ وحشی نے بیان کیا کہ
جب مجھے یہ معلوم ہوا تو میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا جب آپ
نے مجھے دیکھا میں نے کلمہ شہادت پڑھا تو پوچھا کیا تو وحشی ہے میں نے کہا
ہاں آپ نے فرمایا کیا تو نے حمزہ کو قتل کیا تھا میں نے کہا ہاں فرمایا تو میرے
سامنے نہ آیا کر وحشی نے کہا کہ اس کے بعد جہاں بھی رسول اللہ ہوتے میں
حضور کے سامنے نہ آتا۔ یہی حال حضور کے وصال ہونے تک رہا یہاں تک
کہ خلافت صدیق اکبرؓ میں جب مسلمان مسیلمہ کذاب کے مقابلے کے لیے
نکلے تو میں بھی ان کے ساتھ چل نکلا میں نے وہی حربہ لیا جس سے میں نے
حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا۔ جب دونوں لشکروں میں تصادم ہوا تو میں نے

مسیلمہ پر حربہ سے حملہ کیا میں نے اس کو حربہ مارا وہ اس کو لگا نیز ایک انصاری نے بھی اس کو تلوار ماری پھر ایک لونڈی نے ایک گھر کی چھت پر کھڑے ہو کر نوحہ اور ماتم کرتے ہوئے کہا کہ ایک وحشی نے مسیلمہ کذاب کو قتل کر دیا ہے (سیرت ابن ہشام صفحہ ۵۴۳ ج ۲) جب حضرت حمزہ شہید ہو گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو سید الشہداء کا لقب عطا فرمایا نیز فرمایا اے چچا خدا تم پر رحم کرے تم قرابت کا حق خوب ادا کرنے والے اور بکثرت نیکی کرنے والے تھے حضرت حمزہ کے تین بیٹے تھے (۱) عمارہ اور عمارہ کی والدہ خولہ بنت قیس بن فہد انصاری تھی (۲) عامر (۳) یعلیٰ ان کی والدہ بھی انصاریہ تھی اور یعلیٰ بن حمزہ کے پانچ بیٹے ہوئے لیکن ان کی آگے نسل نہیں چلی حضرت حمزہ کی دو لڑکیاں تھیں (۱) ام الفضل (۲) امامہ اور ام الفضل دختر حمزہ سے ایک حدیث عبداللہ بن شداد نے روایت کی ہے کہ ام الفضل فرماتی ہیں کہ ہمارا ایک آزاد کردہ غلام تھا وہ مر گیا اس کی ایک بیٹی اور ایک بہن تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں کو وراثت نصف نصف دی تھی۔ امامہ دختر حمزہ کے بابت ہی حضرت زید، جعفر طیار، اور حضرت علی المرتضیٰ نے پرورش کا دعویٰ کیا۔ زید نے کہا کہ حضرت حمزہ مواخات میں میرے بھائی ہیں اس لیے لڑکی کی پرورش کا حق میرا ہے۔ حضرت علی نے کہا کہ یہ میرے چچا کی لڑکی ہے اور اس نے مکہ سے مدینہ منورہ تک حضرت فاطمۃ الزہراء کے ہودج (کجاوہ) میں سفر کیا ہے اس لیے مجھے حق پرورش ملنا چاہیے۔ حضرت جعفر طیار نے کہا کہ لڑکی میرے چچا کی لڑکی ہے اور اس کی خالہ میری بیوی ہے لہٰذا لڑکی کا حق پرورش مجھے ملنا چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جعفر کے حق میں فیصلہ فرمایا تھا۔ یہ سن چھ ہجری کا واقعہ ہے۔ اس امامہ دختر حمزہ کا

نکاح حضرت ام المومنین ام سلمہ کے بیٹے سلمہ کے ساتھ ہوا تھا۔

۴۔ ابولہب بن عبدالمطلب:

یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چچا ہے۔ اس نے اسلام قبول نہیں کیا یہ حضور کا سخت مخالف تھا۔ یہ جنگ بدر کے آٹھ دن بعد طاعون کی بیماری سے مرا اس کا نام عبدالعزیٰ تھا، خوبصورتی کی وجہ سے اس کی کنیت ابولہب تھی اس کی زوجہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخت مخالف تھی اس کا نام ام جمیل بنت حرب بن امیہ بن عبد شمس ہے یہ ابوسفیان بن حرب بن امیہ کی بہن ہے۔ ان دونوں کی مذمت میں قرآن پاک میں سورۃ لہب نازل ہوئی ہے علامہ ابن حزم اندلسی نے لکھا ہے کہ اس کا ایک لڑکا عتیبہ تھا جس کی آگے نسل نہیں چلی اور دو لڑکے عتبہ اور معتب وہ دونوں صحابی تھے اور ان کی آگے نسل چلی ہے۔ چنانچہ عتبہ بن ابی لہب کا آگے لڑکا عباس ہے اور اس کا لڑکا فضل ہے یہ فضل بن عباس بن عتبہ بن ابی لہب شاعر تھا اور معتب بن ابی لہب کا لڑکا معمر ہے اور معمر کا لڑکا عباس ہے اور عباس کا لڑکا قاسم ہے اور ابولہب کی لڑکی درہ بنت ابی لہب ہے یہ حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کے نکاح میں آئی اور درہ سے احادیث بھی مروی ہیں۔ چنانچہ درج ذیل دونوں حدیثیں اس سے مروی ہیں (۱) رسول اللہ سے پوچھا گیا۔ لوگوں میں بہتر کون ہے فرمایا وہ جسے خدا کا تقویٰ زیادہ ہو جو لوگوں کو نیک کام کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے اور رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرے (۲) کسی مردہ کے افعال کے بدلے کسی زندہ کو اذیت نہیں دی جا سکتی۔

۴۔ عباس بن عبد المطلب:

یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ہیں۔ عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو سال آگے تھے ان کی والدہ کا نام نتیلہ بنت جناب تھا یہ پہلی عربی خاتون تھیں جنہوں نے کعبۃ اللہ کو ریشمی غلاف پہنایا تھا۔ حضرت عباس رئیس قریش تھے، عمارۃ المسجد الحرام اور سقایہ کا انتظام آپ کے ذمہ تھا یعنی مسجد حرام کی حفاظت اور اس میں کوئی لڑائی جھگڑا گالی گلوچ نہ ہونے دینا اور زمزم کا پانی پلانا اور حجاج بن عدی اسلمی کی حدیث میں ثابت ہے کہ آپ قدیم الاسلام تھے اور حکم نبوی سے مکہ مکرمہ ٹھہرے ہوئے تھے۔ کافروں کی خبریں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچاتے تھے۔ اور غریب مسلمانوں کی مکہ میں امداد فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن اثیر المتوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں کہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہجرت کے لیے اجازت مانگی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یا عم اقم مکانک الذی انت بہ فان اللہ تعالیٰ یختم بک الھجرۃ کما ختم بی النبوۃ ثم ھاجر الیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وشھد معہ فتح مکۃ وانقطعت الھجرۃ کہ چچا آپ ابھی مکہ مکرمہ میں قیام کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ پر ہجرت ختم کرے گا جس طرح مجھ پر نبوت ختم کی ہے پھر حضرت عباس نے حضور پاک کی طرف ہجرت کی اور آپ کے ساتھ فتح مکہ میں بھی حاضر ہوئے اور ہجرت کا سلسلہ بھی ختم ہوا شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی اسی طرح لکھا ہے اور جنگ بدر میں بھی کافروں کے ساتھ بایں وجہ ہی تھے کہ کافروں کی خبریں وغیرہ رسول اللہ تک پہنچائیں اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر کے دن صحابہ کو حکم فرمایا تھا کہ "

جنگ میں اگر تمہاری ملاقات عباس کے ساتھ ہو جائے تو اسے قتل ہرگز نہ کرنا
(سدالغابہ صـ۱۱۲ ج ۳، الاستیعاب صـ۹۶ ج ۳، مدارج النبوت صـ۴۹۲ ج ۲)
اور جنگ حنین میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے ایک قدم بھی پیچھے
نہیں ہٹے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی بہت زیادہ عزت فرمایا کرتے
تھے اور یہ بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے یہ میرے چچا ہیں اور میرے باپ کے
برابر ہیں۔ آپ کی وفات ۳۲ھ میں ہوئی اور حضرت عثمان غنی نے نماز جنازہ پڑھائی
اور جنت البقیع میں دفن ہوئے ان کی اولاد درج ذیل ہے (۱) فضل بن عباس
آگے ان کا لڑکا کوئی نہیں۔ ایک لڑکی ام کلثوم بنت فضل بن عباس تھی جس کا
نکاح ابو موسیٰ اشعری کے ساتھ ہوا ان کے ہاں لڑکا موسیٰ بن ابی موسیٰ اشعری
ہوا (۲) عبداللہ بن عباس، یہ ہجرت سے تین سال قبل پیدا ہوئے اور
طائف میں ان کی وفات ہوئی ان کی نماز جنازہ امام محمد بن حنفیہ نے پڑھائی۔
(۳) عبیداللہ بن عباس ان کو حضرت علی نے یمن کا گورنر مقرر کیا تھا اور ان کی
وفات مدینہ منورہ میں ہوئی (۴) قثم بن عباس، ان کو حضرت علی نے مدینہ منورہ
کا گورنر مقرر کیا تھا ان کی وفات سمرقند میں ہوئی (۵) معبد بن عباس ان کو حضرت
علی نے مکہ کا گورنر مقرر کیا اور یہ افریقہ میں فوت ہوئے (۶) عبدالرحمٰن بن عباس
یہ بھی افریقہ میں فوت ہوئے یہ تمام اولاد حضرت عباس کی ام فضل ہلالیہ کے
بطن سے ہوئی (۷) تمام بن عباس، ان کی والدہ ام ولد ہے (۸) جعفر بن
عباس، اور جعفر کے آگے دو بیٹے تھے (۱) تمام (۲) یحییٰ پہلے تمام بن
جعفر فوت ہوئے اور پھر یحییٰ بن جعفر فوت ہوگئے (۹) کثیر بن عباس ان کی
ماں ام ولد تھی (۱۰) حارث بن عباس ان کی والدہ ام ولد ہے، اور حضرت عباس
کی ایک بیٹی ام حبیب تھی ان کی والدہ ام فضل تھیں۔ ام حبیب کا نکاح اسود

بن سفیان عبدالاسد مخزومی سے ہوا تھا یہ سفیان حضرت ام سلمہ ام المومنین کا برادر حقیقی ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آگے نسل صرف ان تین بیٹوں سے چلی ہے، معبد بن عباس، عبیداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عباس، معبد بن عباس کا آگے بیٹا عبداللہ بن معبد ہوا ہے اور عبداللہ بن معبد کا بیٹا عباس ہوا ہے اور اس عباس بن عبداللہ بن معبد بن عباس بن مطلب کو امیر المومنین سفاح نے مکہ اور طائف کا حاکم مقرر کیا تھا اور یہ عباس بن عبداللہ بن معبد نہایت متقی اور صالح شخص تھا اس سے سفیان بن عیینہ محدث اور داؤد بن ابراہیم بن عبداللہ بن معبد بن عباس بن عبدالمطلب اور محمد بن ابراہیم بن عبداللہ بن معبد بن عباس بن عبدالمطلب روایت لیتے ہیں، داؤد اور محمد دونوں بھائی محدث تھے اور داؤد کو منصور عباسی نے واسط کا حاکم مقرر کیا تھا اور اس عباس بن عبداللہ کا بیٹا محمد ہوا ہے وہ بھی عظیم محدث تھا، اور ان میں سے ابوبکر بن ابی موسیٰ معبدی بھی تھا یہ بغداد کا قاضی القضاۃ تھا آگے اس کی نسل جاری ہے عبیداللہ بن عباس بن عبدالمطلب کی اولاد سے قثم بن عباس بن عبیداللہ بن عباس بن عبدالمطلب ہے جو مکہ اور یمامہ کا گورنر تھا اور اس قثم کا آگے بیٹا عبیداللہ بن قثم تھا جس کو ہارون الرشید نے مکہ مکرمہ کا گورنر بنایا تھا آگے ان کی نسل جاری ہے، عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب جو ترجمان القرآن ہیں ان کے آگے بیٹے ہیں (۱) عباس (۲) محمد (۳) فضل (۴) عبدالرحمان جو ہیں ان میں سے کسی کی بھی آگے نسل نہیں چلی (۵) علی اس کی نسل چلی ہے اس کی پیدائش سنہ ۴۰ھ ہے اور اس کی وفات سنہ ۱۱۷ھ ہے اس کی ماں کا نام زرعہ بنت مشرح ہے قبیلہ کندی سے تھی اور عبداللہ بن عباس کا ایک اور لڑکا تھا جس کا نام سلیط تھا یہ ام ولدہ سے تھا عبداللہ بن عباس نے پہلے اس کو

گھر سے نکال دیا تھا اور پھر اس کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ ابو مسلم خراسانی نے دعویٰ کیا تھا کہ میں عبدالرحمان بن سلیط بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب ہوں بعض لوگوں نے کہا ہے کہ علی بن عبداللہ بن عباس نے سلیط کو قتل کر دیا تھا بایں وجہ علی بن عبداللہ کو ولید بن عبدالملک نے سو کوڑے مارے تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابو مسلم کا دعویٰ غلط تھا اور سلیط کی آگے کوئی اولاد نہ تھی اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی نسل صرف علی سے چلی ہے اور آگے علی کے متعدد بیٹے تھے جن میں سے محمد بن علی نامی گرامی تھا اور محمد کا آگے بیٹا عبداللہ ابوالعباس سفاح امیرالمومنین ہوا ہے۔ امیرالمومنین سفاح کی والدہ کا نام ریطہ بنت عبیداللہ بن عبداللہ بن عبدالمدان بن دیان بن قطن بن زیاد بن حارث بن مالک بن ربیعہ بن کعب بن حارث بن کعب بن عمرو بن علہ بن جلد ہے۔ امیرالمومنین سفاح کی آگے نسل نہیں چلی اور ابوالعباس سفاح نے ہی عباسی حکومت کی بنیادیں رکھی تھیں اور محمد بن علی کا دوسرا لڑکا ابوجعفر منصور امیرالمومنین ہوا ہے اس کی والدہ ام ولد تھی جس کا نام سلامہ تھا یہ سفاح کے بعد بادشاہ بنا ۱۳۶ھ میں اس نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تھی اور محمد بن علی کا تیسرا لڑکا عباس بن محمد تھا اور یہ ۱۲۰ھ میں فوت ہوا تھا اور محمد بن علی کا چوتھا لڑکا موسیٰ بن محمد ہے اور محمد بن علی کا پانچواں لڑکا امام ابراہیم بن محمد ہے اور محمد بن علی کا چھٹا لڑکا یحییٰ بن محمد ہے اور محمد بن علی کی ایک لڑکی لبابہ بنت محمد تھی۔ یہ جعفر بن سلیمان بن علی کے نکاح میں تھی اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔

۵۔ زبیر بن عبد المطلب:

یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ہیں جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک ۲۴ سال تھی تو زبیر فوت ہو گئے تھے ان کی سعی اور کوشش سے معاہدہ حلف الفضول وجود میں آیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ شہر زبید کا ایک شخص اپنا مال تجارت مکہ مکرمہ میں لایا جسے عاص بن وائل سہمی نے خرید لیا۔ مگر قیمت نہ دی، زبیدی نے بنو عبد الدار، بنو مخزوم، بنو جمح، بنو سہم اور بنو عدی بن کعب سے مدد مانگی مگر ان سب نے مدد دینے سے انکار کر دیا پھر اس نے جبل ابو قبیس پر کھڑے ہو کر فریاد کی جسے قریش کعبہ میں سن رہے تھے یہ دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زبیر بن عبد المطلب کی تحریک پر بنو ہاشم، بنو زہرہ اور بنو اسد بن عبد العزیٰ سب عبد اللہ بن جدعان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی کے گھر میں جمع ہو گئے اور باہم عہد کیا کہ ہم مظلوم کی مدد کیا کریں گے اور ظالم نے اگر کوئی چیز مظلوم کی غصب کی ہے یا زیادتی کی ہے تو اس کی غصب شدہ چیز واپس اور زیادتی کا تدارک کیا کریں گے۔ اس کے بعد وہ سب عاص بن وائل سہمی کے پاس گئے اور اس سے زبیدی کا مال واپس کرایا اس معاہدہ کو حلف الفضول اس لیے کہتے ہیں کہ یہ معاہدہ اس معاہدہ کے مشابہ تھا جو قدیم زمانہ میں بنو جرہم کے وقت مکہ مکرمہ میں بدیں مضمون ہوا تھا کہ ہم ایک دوسرے کی حق رسائی کیا کریں گے اور قوی سے ضعیف کا اور مقیم سے مسافر کا حق لے کر دیا کریں گے چونکہ جرہم کے لوگ جو اس معاہدہ کے محرک تھے ان سب کا نام فضل تھا جن میں سے فضل بن حارث، فضل بن وداعہ، اور فضیل بن فضالہ تھے

اس لیے اس کو حلف الفضول کے نام سے موسوم کیا گیا اور قریش کے زمانہ میں جب یہ معاہدہ کیا گیا تو اس کے محرک زبیر بن عبدالمطلب تھے نیز آپ نیک اور رحم دل تھے آپ شاعر اور فصیح البیان بھی تھے آپ اپنے والد کے وصی بھی تھے، زبیر بن عبدالمطلب کے درج ذیل لڑکے تھے (۱) طاہر (۲) حجل (۳) قرہ (۴) عبداللہ، عبداللہ صحابی تھے بڑے بہادر اور شجاع تھے جنگ اجنادین جو عہد صدیقی میں ہوئی اس میں شہید ہوئے ان کی لاش کے گرد دشمنوں کی لاشوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے جس سے واضح تھا کہ آپ نے بے شمار دشمنوں کافروں کو قتل کیا ہے اور اس کے بعد شہید ہوئے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ میرے چچا کے بیٹے ہیں اور میرے پیارے ہیں اور حضرت زبیر کی دو لڑکیاں تھیں، ضباعہ اور ام حکیم یہ دونوں صحابیہ تھیں۔

۶۔ مقوم بن عبدالمطلب :

یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ہیں۔ ان کے دو لڑکے تھے (۱) بکر (۲) عبداللہ اور بکر کا آگے لڑکا عبداللہ ہے آگے ان کی کسی کی نسل نہیں چلی۔

۷۔ ضرار بن عبدالمطلب :

یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ہیں۔ بڑے خوبصورت تھے اور سخی بھی بڑے تھے۔ کوئی آگے اولاد نہیں تھی۔

۸۔ حجل بن عبدالمطلب:

یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ہیں۔ ان کے بیٹے قسرو تھے۔

۹۔ مغیرہ بن عبدالمطلب:

یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ہیں۔ ان کی والدہ ہالہ بنت دہیب ہیں جو حضرت حمزہ کی والدہ ہیں۔

۱۰۔ مصعب بن عبدالمطلب:

یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ہیں۔ ان کی والدہ کا نام منعمہ بنت عمرو بن مالک ہے۔ یہ قبیلہ خزاعہ سے تعلق رکھتی ہیں۔

۱۱۔ ابو طالب بن عبدالمطلب:

حضرت ابو طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی قریشی ہاشمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا تھے آپ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت عمرو بن عائذ مخزومیہ ہے۔ حضرت ابو طالب کا نام عمران تھا چنانچہ علامہ ابو بکر بن محمد بن عبداللہ طرطوسی نسابہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابو طالب کا اسم گرامی عمران تھا اور ابو طالب آپ کی کنیت تھی یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بڑے پیارے چچا تھے اور حضرت ابو طالب بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بڑی محبت و عقیدت رکھتے تھے تادم زندگی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حامی و ناصر رہے جب تمام سرداران قریش یعنی عتبہ، شیبہ، ابو سفیان بن

حسب، عاص بن ہشام ابوجہل، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل وغیرہ سب مل کر حضرت ابو طالب کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کا بھتیجا (محمد) ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے اس لیے یا تو آپ درمیان سے ہٹ جائیے اور اپنے بھتیجے کو ہمارے سپرد کر دیں یا پھر کھل کر آپ میدان میں نکل پڑیں تاکہ ہم دونوں میں سے کسی ایک کا فیصلہ ہو جائے جب حضرت ابو طالب نے قریش کا یہ تیور دیکھا تو آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کی اور ساتھ ہی کہا کہ کچھ دنوں کے لیے آپ دعوتِ اسلام موقوف کر دیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا "چچا جان! اگر قریش میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند لا کر دے دیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہیں آؤں گا یا تو خدا اس کام کو پورا فرما دے گا یا میں خود دینِ اسلام پر قربان ہو جاؤں گا" حضرت ابو طالب نے یہ سن کر فرمایا "جان عم! میں تمہارے ساتھ ہوں جب تک میں زندہ ہوں تمہارا کوئی بال بیکا نہیں کر سکتا (سیرت ابن ہشام صہ ۲۸۱ ج ۱) اہلِ مکہ حضرت ابو طالب کا بہت احترام کرتے تھے جب کوئی مصیبت یا تکلیف در پیش ہوتی یا قحط وغیرہ پڑتا تو اہلِ مکہ حضرت ابو طالب کے پاس آتے ان سے دعا کراتے اللہ تعالیٰ مشکلات اور مصائب حل کر دیتا چنانچہ ایک مرتبہ ملک عرب میں قحط پڑ گیا اہلِ مکہ نے بتوں سے فریاد کی کچھ فائدہ نہ ہوا ایک بوڑھے قریشی نے کہا اے قریش ہمارے پاس ابو طالب موجود ہیں جو بانی کعبہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی نسل سے ہیں اور کعبہ کے متولی ہیں۔ ان کے پاس جا کر دعا کی درخواست کرنی چاہیے چنانچہ لوگ حضرت ابو طالب کے پاس آئے اور عرض کیا کہ بارش کے لیے دعا کیجیے۔ حضرت ابو طالب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتھ لیا حرم کعبہ میں آ گئے اور حضور کو دیوارِ کعبہ سے ٹیک لگا کر بٹھا دیا اور دعا مانگنے

میں مشغول ہو گئے درمیان دعا میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی انگشت مبارک کو آسمان کی طرف اٹھا دیا۔ ایکدم چاروں طرف سے بدلیاں نمودار ہوئیں اور فوراً اس زور کا بارانِ رحمت برسا کہ عرب کی زمین سیراب ہو گئی اور سارا عرب خوش حال ہو گیا۔ چنانچہ حضرت ابو طالب نے اپنے اس طویل قصیدہ میں جس کو آپ نے حضور کی مدح میں نظم کیا ہے اس واقعہ کو ایک شعر میں اس طرح ذکر کیا ہے

وابیض یستسقی الغمام بوجہہ ثمال الیتامیٰ عصمۃ للارامل

یعنی وہ حضور ایسے گورے رنگ والے ہیں کہ ان کے رخِ انور کے ذریعہ بدلی سے بارش طلب کی جاتی ہے وہ یتیموں کا ٹھکانا اور بیواؤں کے نگہبان ہیں (سیرت مصطفےٰ بحوالہ الزرقانی صہ ۱۹۰ ج ۱) حضرت ابو طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہت زیادہ خیال رکھتے اگر آپ کو کوئی اذیت پہنچانے کی کوشش کرتا تو اس کی مدافعت کرتے اور آپ کی ہر طرح اعانت و مدد کرتے حضرت ابو طالب جب فوت ہونے لگے تو انہوں نے بنو عبد المطلب کو بلا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرمایا لن تزالوا بخیر ما سمعتم من محمد وما اتبعتم امرہ فاتبعوہ واعینوہ ترشدوا۔ کہ اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں سنتے رہے اور حضور کے حکم کی تابعداری کرتے رہے تو ہمیشہ خیر اور اچھائی پر رہو گے ان کی اتباع اور حمایت کرو فلاح پاؤ گے (طبقات ابن سعد صہ ۱۲۱ ج ۱۔ تفسیر کشاف صہ ۴۴۳ ج ۲، تفسیر کبیر صہ ۳۹ ج ۴، خصائص کبریٰ صہ ۲۱۵ ج ۱) حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں کہ حضرت عبد المطلب نے اپنی وفات کے وقت ابو طالب کو وصیت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت تمہارے ذمہ ہے فکفلہ ابی ان

کبروا استمر علی نصرہ بعد ان بعث الی ان مات ابو طالب وقد ذکرنا انہ مات بعد خروجھم من الشعب وذالک فی آخر السنۃ العاشرۃ من المبعث وکان یذب عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وردعنہ کل من یوذیہ۔ پس ابوطالب نے کفالت کی اور آپ کی حمایت ونصرت بعثت کے بعد تک کی یہاں تک کہ ابوطالب کی وفات ہوگئی جیسے کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ ابوطالب کی وفات شعب ابوطالب سے نکلنے کے بعد ہوئی ہے اور یہ نبوت اور بعثت کے دسویں سال کے آخری ایام تھے اور حضرت ابوطالب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے مدافعت کرتے تھے اور جو آپ کو ایذا دینے کی کوشش کرتا آپ اس کو رد کرتے۔ (فتح الباری ۲۴۹ ج ۳) علامہ عبدالرحمان بن عبداللہ سہیلی المتوفی ۵۸۱ھ الروض الانف میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفار و مشرکین سے حفاظت حضرت ابوطالب فرمایا کرتے تھے۔ (سیرت ابن ہشام مع الروض الانف ۱۱۲ ج ۱) علامہ قسطلانی المتوفی ۹۲۳ھ لکھتے ہیں کہ حضرت ابوطالب نے اپنی وفات کے وقت قریش مکہ کو وصیت کی کہ اے معشر قریش تم ان (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مددگار بن جاؤ اور ان کی جماعت کے حامی و ناصر ہو جاؤ اور اللہ کی قسم آپ کے راستہ پر چلنے والے کو رشد و ہدایت نصیب ہوگی اور آپ کے اسوۂ حسنہ اختیار کرنے والا سعادت مند ہوگا اگر میری زندگی اور ہوتی تو میں یقیناً آپ پر آنے والی تکالیف کی مدافعت کرتا ان الفاظ کے بعد حضرت ابوطالب کی وفات ہوگئی (مواہب لدنیہ ۵۶ ج ۱) بہر صورت حضرت ابوطالب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے پناہ محبت رکھتے تھے۔ حضرت ابوطالب خوش اخلاق

غریب پرور، حلیم الطبع اور بردبار تھے آپ اپنے والد کی طرح تھے، علامہ علی بن برہان الدین حلبی المتوفی ۱۰۴۴ھ لکھتے ہیں وکان ابو طالب ممن حرم الخمر علیٰ نفسہ فی الجاھلیتہ کابیہ عبد المطلب (سیرت حلبیہ ص۱۳۳ ج ۱) کہ حضرت ابو طالب نے زمانہ جاہلیت میں شراب کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا جیسے کہ آپ کے والد عبد المطلب نے حرام کر رکھا تھا بلکہ تمام محرمات کو حرام سمجھتے تھے۔ غرضیکہ حضرت ابو طالب نے اپنی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر طرح حمایت و نصرت کی اور آپ کی اتباع کی اور لوگوں کو بھی کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو اختیار کرو اور حضرت ابو طالب خود بھی ہاشمی ہیں اور آپ کی زوجہ محترمہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف بھی ہاشمیہ ہیں وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بہت پیار کرتی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود فرمایا کرتے تھے کہ (فاطمہ بنت اسد بن ہاشم) میری ماں ہیں اور فاطمہ بنت اسد نے کسی بھی (حضرت ابو طالب کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کا حکم دیا تو انہوں نے بھی ہجرت کی اور مدینہ منورہ تشریف لے گئیں چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف حضرت علی بن ابی طالب اور ان کے بہن بھائیوں کی ماں ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان سے راضی ہو اور درست بات یہ ہے کہ فاطمہ بنت اسد نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اور وہیں آپ کی وفات ہوئی۔ امام شعبی سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ فاطمہ بنت اسد علی بن ابی طالب کی ماں ہیں۔ آپ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اور وہیں آپ کی وفات ہوئی اور زبیر نے کہا ہی اول ہاشمیتہ ولدت ھاشمیاً قال وقد اسلمت وھاجرت الی اللہ

ورسولہ وماتت بالمدینۃ فی حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ فاطمہ بنت اسد پہلی ہاشمیہ خاتون ہیں جنہوں نے ہاشمی (علی) کو جنم دیا اور بے شک آپ اسلام لائیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی مبارک میں مدینہ منورہ میں ان کی وفات ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے جنازہ میں شریک ہوئے اور ابو عمر نے کہا کہ سعدان بن ولید سابری نے عطا بن ابی رباح سے روایت کی اور انہوں نے ابن عباس سے کہ ابن عباس نے کہا کہ جب فاطمہ بنت اسد حضرت علی بن ابی طالب کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا البسھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قمیصہ واضطجع معہا فی قبرھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنی قمیص کفن کے لیے دی اور حضور پاک ان کے ساتھ ان کی قبر میں لیٹے۔ پس صحابہ نے کہا کہ ہم نے آپ کو کبھی ایسے کرتے نہیں دیکھا جیسے کہ آپ نے فاطمہ بنت اسد سے کیا ہے تو فرمایا کہ حضرت ابو طالب کے بعد میرے ساتھ ان سے زیادہ کسی نے اچھا سلوک نہیں کیا اور میں نے اپنی قمیص ان کو اس لیے پہنائی ہے کہ جنت کے حلوں میں سے انہیں حلہ پہنایا جائے اور ان کی قبر میں اس لیے لیٹا ہوں کہ قبر ان پر آسان ہو اور مستدرک حاکم کی روایت میں آخر یہ بھی ہے کہ جبریل نے مجھے خبر دی ہے کہ فاطمۃ بنت اسد اہل جنت سے ہے نیز یہ بھی خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار فرشتے کو حکم دیا ہے کہ وہ فاطمہ بنت اسد کا جنازہ پڑھیں۔ علامہ ابن اثیر المتوفی ۶۳۰ھ۔ علامہ ابن سعد المتوفی ۲۳۰ھ۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی المتوفی ۱۰۵۲ھ۔ اور علامہ شبلنجی المتوفی ۱۲۹۰ھ نے بھی ذکر کیا ہے کہ فاطمہ بنت اسد کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قمیص عطا فرمائی نیز آپ ان کی قبر میں لیٹے نیز آپ دعا

کرتے تھے کہ فاطمہ بنت اسد میری ماں ہے (طبقات ابن سعد صہ۲۰۴ ج ۴۔
مستدرک حاکم صہ۱۰۸ ج ۳، اسد الغابہ صہ۵۱۷ ج ۵۔ اشعتہ اللمعات صہ۳۹ ۵۔
نورالابصار صہ۴۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت
فاطمہ بنت اسد کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سرہانے
بیٹھے اور فرمایا اے میری ماں کے بعد میری ماں اللہ تعالےٰ تجھ پر رحم کرے
پھر حضور نے حضرت اسامہ بن زید، ابوایوب انصاری، عمر بن خطاب اور
ایک غلام کو بلایا اور انہوں نے قبر کھودی جب لحد تک پہنچے تو خود حضور نے
لحد کھودی اور حضور پاک اس میں لیٹ گئے اور فاطمہ بنت اسد کو دفن کیا نیز
دعا فرمائی اللّٰھم اغفر لامی فاطمة بنت اسد ووسع علیھا مدخلھا
بحق نبیک والانبیاء الذین من قبلی فانک ارحم الراحمین
(وفاء الوفا صہ۸۹ ج ۲) یا اللہ میری ماں فاطمہ بنت اسد کو بخش دے اور
اس پر اس کی قبر کشادہ کر دے بوسیلہ اپنے نبی کے اور ان نبیوں کے جو
مجھ سے پہلے ہوئے کیونکہ تو ارحم الراحمین ہے۔ حضرت ابو طالب کی اولاد فاطمہ
بنت اسد کے بطن اطہر سے چار لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں جن کے اسماء
گرامی یہ ہیں (۱) طالب بن ابی طالب (۲) عقیل بن ابی طالب (۳) جعفر بن
ابی طالب (۴) علی بن ابی طالب۔

لڑکیوں میں (۱) ام ہانی بنت ابی طالب (۲) جمانہ بنت ابی طالب۔
(۳) اسماء (ریطہ) بنت ابی طالب۔ حضرت ابو طالب کی اولاد آگے ان کی
اولاد کی اولاد کو طالبیون کہا جاتا ہے یا آل ابی طالب کہا جاتا ہے۔ حضرت ابو طالب
کے ایک بیٹے حضرت علی المرتضیٰ کی اولاد جو سیدہ فاطمۃ الزہرا سے ہے یعنی امام
حسن اور امام حسین اور آگے ان کی اولاد قیامت تک اولاد رسول کہلائی۔ بعض ان کو

ل ابی طالب نہیں کہا جاتا۔ البتہ حضرت علی کی اولاد جو دوسری بیویوں سے ہے ان کو
آل ابی طالب یا علوی کہا جاتا ہے اور آل ابی طالب کا ذکر ہم دوسرے باب
میں کریں گے اور اولاد رسول (یعنی سادات) کا ذکر تیسرے باب میں کریں گے
اور حضرت ابو طالب کے دو سگے بھائی تھے ایک حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب
جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد گرامی ہیں ان کا ذکر عنقریب آرہا ہے
اور دوسرے زبیر بن عبدالمطلب تھے جن کا ذکر پہلے گذر چکا ہے اور پانچ
سگی بہنیں تھیں (۱) عاتکہ بنت عبدالمطلب (۲) امیمہ بنت عبدالمطلب (۳) برہ
بنت عبدالمطلب (۴) اروی بنت عبدالمطلب (۵) ام حکیم بنت عبدالمطلب۔

۱۔ عاتکہ بنت عبدالمطلب:

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی ہیں ان کو طاہرہ بھی کہتے ہیں۔
انہوں نے جنگ بدر سے پہلے یہ خواب دیکھا کہ ایک سوار ہے اس نے ابو قبیس
کے پہاڑ سے ایک پتھر اٹھایا ہے اور رکن کعبہ پر کھینچ مارا ہے اس پتھر کے
ریزہ ریزہ ہو گئے ہر ایک ریزہ قریش کے ایک گھر میں جا پہنچا البتہ بنو زہرہ
بچے رہے۔ ابن ہشام لکھتے ہیں کہ عاتکہ نے یہ خواب اپنے بھائی عباس بن
عبدالمطلب کو بتایا اور کہا کہ مجھے خوف ہے کہ آپ کی قوم پر کوئی مصیبت آنے
والی ہے۔ حضرت عباس نے عاتکہ کا یہ خواب ولید بن عتبہ کو بتایا اور ولید نے
اپنے باپ عتبہ کو بتا دیا اور یہ بات مکہ میں مشہور ہو گئی۔ حضرت عباس طواف
کعبہ کے لیے صبح گئے تو وہاں ابو جہل لوگوں کے درمیان عاتکہ کے خواب کے
متعلق بات کر رہا تھا وہاں حضرت عباس بھی پہنچ گئے۔ ابو جہل نے حضرت
عباس کو کہا کہ اے بنو عبدالمطلب تم میں یہ نبیہ کب سے پیدا ہوئی کہا تمہیں یہ

یہ بات کافی نہ تھی کہ تم میں سے ایک مرد نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اب تمہاری عورتیں بھی نبوت کا دعویٰ کرنے لگی ہیں پس سنا ہے کہ عاتکہ کہتی ہے کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ تم قریش تین دن کے اندر جنگ کی طرف نکلو گے ہم تین دن انتظار کرتے ہیں کہ کیا عاتکہ کی خواب صحیح ہوتی ہے۔ اگر صحیح نہ ہوئی تو ہم ایک تحریر لکھ کر حرم میں رکھ دیں گے کہ بنو عبدالمطلب جھوٹے ہیں لیکن نتیجہ وہی نکلا جیسے کہ عاتکہ کو خواب میں دکھایا گیا تھا۔ چنانچہ عاتکہ کے خواب کے تیسرے دن جب صبح ہوئی تو اچانک ضمضم بن عمرو الغفاری کی آواز سنی گئی جو بطن وادی میں اپنا اونٹ ٹھہراتے ہوئے چیخ رہا تھا۔ اس نے اونٹ کی ناک کاٹ دی تھی کجاوہ الٹ دیا تھا کرتہ پھاڑ لیا تھا اور وہ کہہ رہا تھا "اے قریش" تمہارے سامان والے اونٹ، سنو! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھی گھات میں بیٹھے ہوئے ہیں اور تم اپنا مال و متاع بچاؤ جو ابو سفیان کے ساتھ ہے اب میں نہیں سمجھتا کہ تم کو وہ مال مل سکے جب ابو جہل نے یہ اعلان سنا اسی وقت جنگِ بدر کی تیاری کر لی اور اپنی فوج کو لے کر چل پڑا اور بدر میں اپنے انجام کا سامنا کرنے کے لیے پہنچ گیا اور بنو زہرہ اس جنگ میں شریک نہ ہوئے اور عاتکہ بنت عبدالمطلب کی خواب صحیح ہو گئی اور اس جنگ میں کفار مکہ کو ذلت آمیز شکست ہوئی۔ ابو جہل اور دیگر بڑے بڑے نامی گرامی کفار مکہ مارے گئے۔

۲۔ برّہ بنت عبدالمطلب:

یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی ہیں ان کا نکاح عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم بن مرہ بن یقظہ کے ساتھ ہوا تھا اور عبدالاسد

کے ہاں بیٹا ابوسلمہ پیدا ہوا تھا اور ابوسلمہ کا نام عبداللہ تھا یہ قدماء صحابہ اور
مہاجرین اولین سے تھے یہی ام المومنین ام سلمہ کے پہلے خاوند تھے ابوسلمہ
کی وفات کے بعد ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم سے نکاح کیا تھا اور ابوسلمہ کی اولاد سلمہ، عمر، زینب اور درہ ہیں
ان کی والدہ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا ام سلمہ ہیں ان میں سے عمر زمین
حبشہ میں پیدا ہوا تھا۔ اس عمر کو مولیٰ علی المرتضیٰ نے بحرین کا حاکم مقرر کیا تھا
اور اس عمر کا بیٹا سلمہ بن عمر ہے اور سلمہ بن عمر کی آگے نسل چلی ہے اور
زینب بنت ابوسلمہ کی بھی آگے اولاد تھی اور درہ بنت ابوسلمہ کی آگے کوئی
اولاد نہیں تھی اور سلمہ بن ابوسلمہ کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
حضرت حمزہ کی بیٹی کے ساتھ کیا تھا اور اسی سلمہ بن ابوسلمہ کی اولاد سے
سلمہ بن عبداللہ بن سلمہ بن ابی سلمہ بن عبدالاسد ہوئے تھے جو کہ مدینہ منورہ کے
قاضی تھے آگے ان کی نسل ختم ہو گئی تھی اور عبدالاسد کا ایک دوسرا بیٹا اسود
بن عبدالاسد تھا یہ اسود ان کافروں سے تھا جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کے ساتھ استہزا اور مزاح کیا کرتے تھے یہ بدر کے دن مقتول ہوا
تھا اور اس اسود کی لڑکی تھی جس نے چوری کی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹا تھا اور عبدالاسد کا تیسرا لڑکا سفیان بن عبدالاسد
تھا اور آگے سفیان کے متعدد بیٹے تھے جن میں سے اسود اور ھبار جنگ
موتہ میں شہید ہوئے تھے اور عمر بن سفیان نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی
اور عبداللہ بن سفیان جنگ یرموک میں شہید ہوئے سفیان کے ان تمام
بیٹوں کی ماں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بہن صفیہ بنت خطاب تھی
۰۰ سفیان بن عبدالاسد کے بیٹے ابوسلمہ حارث۔ عبدالرحمان اول۔ عبدالرحمن ثانی

عبداللہ معاویہ، سفیان تھا ان کی ماں جمیل بنت عمیر و ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس تھی اور سفیان بن عبدالاسد کا بیٹا جا اسود تھا اس کے دو بیٹے رزق اور عبداللہ تھا ان دونوں کی ماں ام حبیب بنت عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف تھی۔

۲۔ اروی بنت عبدالمطلب:

یہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی تھیں ان کا نکاح عمیر بن وہب بن عبد بن قصی کے ساتھ ہوا تھا انہوں نے اپنے بیٹے طلیب کو فرمایا کہ تیرے ماموں کے بیٹے (محمد) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیرے لیے سب سے بڑھ کر مدد کے حق دار ہیں اگر ہم عورتوں میں مردوں جیسی طاقت ہوتی تو ہم بھی ہر طرح ان کی مدد کرتیں ان کے فرزند طلیب قدیم الاسلام اور بدری صحابی تھے۔ طلیب نے حبشہ کی طرف بھی ہجرت کی تھی اور مدینہ منورہ کی طرف بھی اور حضرت طلیب پہلے شخص تھے جنہوں نے اسلام اور راہ خدا میں ایک مشرک کا خون بہایا آپ کی شہادت جنگ یرموک میں ہوئی تھی۔ طلیب کی آگے اولاد نہ تھی۔

۳۔ امیمہ بنت عبدالمطلب:

یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی تھیں ان کا نکاح جحش بن رباب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان سے ہوا تھا ان کا بیٹا عبداللہ بن جحش تھا اور بیٹیاں ام المومنین زینب بنت جحش ام حبیبہ بنت جحش اور حمنہ بنت جحش تھیں اور عبداللہ جنگ احد میں شہید ہوئے

ہوا پنے ماموں سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدفون ہوئے اور حضرت یب بنت جحش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں اور ام حبیبہ بنت جحش کا نکاح مصعب بن عمیر کے ساتھ ہوا تھا اور مصعب بن عمیر سے فارغ ہونے کے بعد دوسرا نکاح حضرت طلحہ بن عبداللہ سے ہوا تھا اور س نکاح سے دو بیٹے محمد بن طلحہ، عمران بن طلحہ تھے، یہ دونوں اپنی ماں سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

۵۔ ام حکیم بیضاء بنت عبدالمطلب :

یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی تھیں ان کا نکاح کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبدشمس بن عبدمناف سے ہوا تھا ان کا لڑکا عامر بن کریز تھا یہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوا اور ان کی لڑکی اروی بنت کریز تھی اور یہ اروی بنت کریز حضرت عثمان بن عفان خلیفہ ثالث کی والدہ ہیں اور آگے عامر بن کریز کا بیٹا عبداللہ بن عامر بھی صحابی تھے اور عبداللہ بن عامر نے حارث بن کریز کی لڑکی کیسہ بنت حارث بن کریز کے ساتھ نکاح کیا اور یہ عبداللہ بن عامر بصرہ کا حاکم تھا اس نے خراسان کو فتح کیا تھا اور عبداللہ بن عامر کے متعدد بیٹے تھے جن کے اسماء یہ ہیں (۱) عبدالرحمان ابوالسنابل (۲) عبداللہ (۳) عبدالملک (۴) عبدالحکم (۵) عبدالحمید (۶) عبدالحمید ثانی (۷) عبدالعزیز (۸) عبدالرحمان اصغر (۹) عبدالسلام (۱۰) عبدالجبار (۱۱) عبدالواحد (۱۲) عبدالکریم (۱۳) عبدالحمید ثالث نیز عبداللہ بن عامر کی اولاد سے نوفل بن عبدالکریم بن عبداللہ بن عامر تھا اس کی اولاد در اولاد کی اولاد بصرہ میں تھی ان میں سے ابراہیم بن محمد بن عبیداللہ بن ابراہیم بن عبدالاعلیٰ بن عبداللہ بن عامر بن کریز بھی تھا جو مصر کا قاضی القضاۃ تھا

اور اس کی وفات ۳۱۱ھ میں حلب میں ہوئی تھی، یہ پانچ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقی پھوپھیاں تھیں یہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہنیں تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک پھوپھی سوتیلی حضرت صفیہ تھیں جو کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن تھیں۔

۶۔ صفیہ بنت عبدالمطلب:

یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی تھیں مگر یہ حضرت حمزہ کی حقیقی بہن تھیں ان کا پہلے نکاح حارث بن حرب بن امیہ بن عبدشمس کے ساتھ ہوا تھا، یہ مرگیا تو نکاح ثانی عوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی کے ساتھ ہوا، یہ عوام بن خویلد حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے حقیقی بھائی تھے، اس نکاح سے زبیر بن عوام پیدا ہوئے جو عشرہ مبشرہ سے تھے۔ زبیر بن عوام نے جنگِ بدر کے دن اپنے چچا نوفل بن خویلد کو قتل کیا تھا جس کو قریش کا شیر کہا جاتا تھا لیکن مشہور اور صحیح تر یہ ہے کہ نوفل بن خویلد کو حضرت علی المرتضیٰ شیرِ خدا نے قتل کیا تھا گویا کہ قریش کے شیر کو شیرِ خدا نے مارا تھا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ چونکہ جنگ میں شہید ہوئے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب آپ کی لاش کو دیکھا تو فرمایا ایسا دردناک منظر کبھی میری نظر سے نہیں گزرا کیونکہ حضرت حمزہ کے جسم مبارک سے دشمنوں نے اعضا کان ناک وغیرہ کاٹ کر علیحدہ کر دیے تھے اور ہندہ زوجہ ابوسفیان بن حرب نے حمزہ کی لاش کو خنجر سے ان کا پیٹ پھاڑ کر کلیجہ نکالا اور اس کو چبا گئی لیکن حلق سے نہ اتر سکا اس لیے اگل دیا۔ حضرت حمزہ کی بہن حضرت صفیہ بہت صابرہ اور حوصلے والی تھیں جب اپنے بھائی حمزہ کی لاش پر آئیں تو حضور صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے زبیر بن عوام کو کہا کہ میری پھوپھی صفیہ اپنے بھائی حمزہ کی لاش کو نہ دیکھنے پائے۔ حضرت صفیہ نے فرمایا مجھے اپنے بھائی کے بارے میں سب کچھ پتہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دے دی تو اپنے بھائی کی لاش کے پاس گئیں اور دیکھا کہ بھائی کے کان، آنکھ سب کٹے ہیں۔ شکم بھی چاک کیا گیا ہے اور جگر چبایا گیا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت صفیہ نے انا للہ وانا الیہ راجعون کہا اور اپنے بھائی کے لیے دعا مغفرت کی اور واپس چلی آئیں۔

حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب:

حضرت عبداللہ اپنے والد کے بہت لاڈلے اور پیارے بیٹے تھے حضرت عبداللہ پاک طینت اور عفت مآب شخص تھے۔ چنانچہ حافظ ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ، حافظ ابونعیم المتوفی ۴۳۰ھ، اور علامہ سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس نے کہا کہ فاطمہ خثعمیہ نے حضرت عبداللہ سے اظہار محبت کیا اور اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے سو اونٹوں کا عطیہ دینا چاہا تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بجائے قبول کرنے کے یہ اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ فعل حرام کے ارتکاب سے تو مر جانا ہی اچھا ہے میں حلال کو ہی پسند کرتا ہوں مگر اس کے لیے اعلان ضروری ہے تم مجھے بہکاتی اور پھسلاتی ہو مگر شریف آدمی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی عزت اور دین کی حفاظت کرے (خصائص کبریٰ صہ ۱۴ ج ۱) حضرت عبداللہ نور محمدی کے سبب اعلیٰ درجہ کا حسن و جمال رکھتے تھے قریش کی اور عورتیں بھی آپ کی طرف مائل تھیں مگر اللہ تعالے نے ان کو پردہ عفت و عصمت میں محفوظ

رکھا اور حضرت عبدالمطلب قضیہ ذبح کے بعد حضرت عبداللہ کے لیے ایسے رشتہ کی تلاش میں تھے جو کہ شرف نسب وحسب وعفت میں ممتاز ہو اسی سلسلہ میں آپ بنو زہرہ کے سردار وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ کے ہاں تشریف لے گئے وہاں وہب کی صاحبزادی سیّدہ آمنہ نسب وشرف میں تمام قریش کی عورتوں سے افضل تھیں۔ حضرت عبدالمطلب نے وہب بن عبد مناف کو عبداللہ کی شادی کے لیے پیغام دیا انہوں نے قبول کر لیا چنانچہ حضرت عبداللہ کا عقد مبارک حضرت آمنہ کے ساتھ ہو گیا۔ حضرت سیدہ آمنہ کی والدہ برہ بنت عبدالعزیٰ بن عثمان بن عبد الدار بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (قریش) تھیں، آگے برہ کی والدہ ام حبیب بنت اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (قریش) تھیں، آگے ام حبیب کی والدہ برہ بنت عوف بن عبید بن عویج بن عدی بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (قریش) تھیں۔ اور ام حبیب کی نانی قلابہ بنت حارث، پرنانی امیمہ بنت مالک پرنانی کی ماں، دب بنت ثعلبہ۔ پرنانی کی نانی عاتکہ بنت غاضرہ پرنانی کی پرنانی لیلیٰ بنت عوف بن قصی تھیں۔ جب حضرت عبداللہ کا نکاح ہو گیا تو پہلے ہفتہ ہی میں سیّدہ آمنہ امانت دار نور نبوی (محمدی) بن گئی تھیں جب حمل شریف کو دو ماہ پورے ہو گئے تو حضرت عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کو تجارت کے لیے ملک شام میں بھیجا وہاں سے واپس لوٹتے ہوئے مدینہ منورہ میں اپنے والد کے ننھال بنو عدی بن نجار میں ایک ماہ بیمار رہ کر پچیس سال کی عمر میں وفات پا گئے اور وہیں دار نابغہ میں مدفون ہوئے قافلہ والوں نے جب مکہ مکرمہ واپس لوٹ کر عبدالمطلب کو حضرت عبداللہ کی بیماری کا حال

سنایا تو انہوں نے خبر گیری کے لیے اپنے سب سے بڑے بیٹے حارث کو مدینہ منورہ بھیجا ان کے مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے حضرت عبداللہ وفات پا چکے تھے، حارث نے مکہ واپس آکر جب وفات کی اطلاع دی تو سارا گھر ماتم کدہ بن گیا اور بنو ہاشم کے ہر گھر میں ماتم برپا ہو گیا روایت ہے کہ حضرت عبداللہ کی وفات پر فرشتوں نے غمگین ہو کر بڑی حسرت سے یہ کہا الٰہی تیرا نبی یتیم ہو گیا اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ میں اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حامی و ناصر ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین مؤمن اور موحد تھے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین مؤمن اور مسلمان تھے بلکہ آپ کے تمام آباؤ اجداد حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ اور سیدہ آمنہ تمام کے تمام مؤمن تھے ان میں سے کسی نے بھی کفر و شرک کا ارتکاب نہیں کیا اور یہ مسئلہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے دعا فرمائی رب اغفر لی ولوالدی ولمن دخل بیتی مؤمنا (پ ۲۹ سورۃ ع ۱۰) اے میرے رب مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور اسے جو ایمان کے ساتھ میرے گھر میں ہے اور قرآن پاک میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا فرمائی رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ ومن ذریتی (پ ۱۳ سورۃ ع ۱۲)۔ اے میرے رب مجھے نماز کا قائم کرنے والا رکھ اور کچھ میری اولاد کو اس سے ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کچھ اولاد نماز کو پابندی سے قائم کرے گی اور ظاہر ہے کہ وہ مومن اور مسلمان ہوں گے نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام

نے یہ دعا بھی مانگی تھی ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک (پ۱ سورۃ ع۲) کہ ہماری
اولاد میں ایک جماعت مسلمان رکھنا اور ساتھ یہ بھی دعا فرمائی ربنا وابعث
فیھم رسولا کہ اس جماعت میں آخری رسول بھیجنا آپ کی یہ دعا پوری ہوئی
اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمان جماعت میں پیدا ہوئے
ہیں اور آپ کے آباؤ اجداد مسلمان ہیں اور قرآن پاک میں ہے وجعلھا کلمۃ
باقیۃ فی عقبہ (پ ۲۵ سورۃ ع۳) اور اسے اپنی نسل میں باقی کلام رکھا
علامہ جلال الدین محلی شافعی المتوفی سنہ ۸۶۴ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں
فلا یزال فیھم من یوحد اللہ (جلالین صہ ۴۷) کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام
کی اولاد میں موحد اور توحید کے داعی ہمیشہ رہیں گے اور قرآن پاک میں ہے
وتقلبک فی الساجدین (پ ۱۹ سورۃ ع۲۶) اور دیکھنا ہے نمازیوں
میں تمہارے دورے کو علامہ سیوطی لکھتے ہیں قیل معناہ انہ کان ینقل
نورہٗ من ساجد الی ساجد قال وبھذا التقریر فالآیۃ دالۃ
علی ان جمیع اباء محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کانوا مسلمین
(السبل الجلیہ صہ ۱۷) اور بعض نے کہا کہ اس کا معنے یہ ہے کہ آپ کا نور ایک
سجدہ کرنے والے سے دوسرے سجدہ کرنے والے کی طرف منتقل ہوا ہے
کہا اور اس تقریر کے ساتھ تو آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کے تمام آباء واجداد مسلمان تھے، نیز علامہ سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ
لکھتے ہیں کہ ابن سعد المتوفی سنہ ۲۳۰ھ نے طبقات میں یہ روایت ذکر کی ہے
کہ ابن عباس فرماتے ہیں مابین نوح الی آدم علیھما السلام من الآباء
کانوا علی الاسلام کہ نوح علیہ السلام سے آدم علیہ السلام تک جو آباء تھے
وہ اسلام پر تھے اور یہ بھی روایت ذکر کی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام

نے لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ تک اسلام پر تھے اور ابن منذر
المتوفی ۳۱۸ھ نے ابن جریج سے روایت کی ہے فلن یزال من ذریتہ
ابراھیم ناس علی الفطرۃ یعبدون اللہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی
اولاد میں بعض لوگ دین فطرت کے مطابق ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے
رہے ہیں اور حدیث پاک میں ہے بعثت من خیر قرون بنی آدم قرنا
فقرنا حتی بعثت من القرن الذی کنت فیہ اخرجہ البخاری
فی حدیث ابی ھریرۃ (التعظیم والمنۃ سیوطی ص ۱۵۵) ہر قرن وطبقہ میں
تمام قرون بنی آدم کے بہتر سے مبعوث کیا گیا ہوں یہاں تک اس قرن میں
پیدا ہوا جس میں پیدا ہوا ہوں اور یہ بھی حدیث میں ہے لم یزل اللہ ینقلنی
من اصلاب الکریمۃ والارحام الطاھرۃ حتی اخرجنی من
بین ابوی (التعظیم والمنۃ ص ۱۵۳) ہمیشہ اللہ تعالیٰ مجھے کرم والی پشتوں اور
طہارت والے شکموں میں منتقل فرماتا رہا یہاں تک کہ مجھے میرے ماں باپ
سے پیدا کیا چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام آباؤ اجداد مومن و مسلمان
تھے اسی لیے فرمایا عدنان، معد، ربیعہ، مضر، خزیمہ اور اسد حضرت ابراہیم علیہ السلام
کے دین پر تھے۔ ان کا ذکر خیر کے ساتھ کرو نیز فرمایا کہ مضر کو
برائی سے یاد نہ کرو کیونکہ وہ مسلمان تھے۔ علامہ سہیلی المتوفی ۵۸۱ھ نے الروض
الانف میں یہ روایت ذکر کی ہے کہ مضر اور ربیعہ کو برائی سے یاد نہ کرو کیونکہ وہ
مومن تھے اور کعب بن لوی جمعہ کے دن قریش کو جمع کر کے خطبہ دیتے اور
محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا بھی ان کے سامنے ذکر کرتے اور یہ بھی
بتلاتے کہ وہ میری اولاد سے ہوں گے اور ان کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی اتباع کرنے اور ایمان لانے کا حکم کرتے (السبل الجلیہ للسیوطی ص ۱۶)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی لکھتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا انا محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن هاشم بن عبد المناف بن قصی بن کلاب بن مرة بن کعب بن لوی بن غالب بن فهر بن مالک بن النضر بن کنانة بن خزیمه بن مدرکة بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان ما افترق الناس فرقتین الا جعلنی الله فی خیرهما فاخرجت من بین ابوی فلم یصبنی شئ من عهد الجاهلیة وخرجت من نکاح ولم اخرج من سفاح من لدن آدم حتی انتهیت الی ابی وامی فانا خیرکم نفسًا وخیرکم ابا وفی لفظ فانا خیرکم نسبا وخیرکم ابًا۔ میں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم ہوں یوں ہی اکیس پشت تک نسب نامہ مبارک بیان کرکے فرمایا کبھی لوگ دو گروہ نہ ہوئے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بہتر گروہ میں کیا تو میں اپنے ماں باپ سے ایسا پیدا ہوا کہ زمانہ جاہلیت کی کوئی بات مجھ تک نہ پہنچی اور میں خالص صحیح نکاح سے پیدا ہوا۔ آدم علیہ السلام سے لے کر اپنے والدین تک تو میرا نفس کریم سب سے افضل اور میرے باپ تم سب کے آباء سے بہتر اور روایت میں ایک لفظ یہ ہے کہ میں تم سب سے نسب کے اعتبار سے بہتر ہوں اور باپ کے اعتبار سے بہتر ہوں (شمول الاسلام صہ ۹۷) اور علامہ سیوطی لکھتے ہیں قد تاملت بالاستقراء فوجدت جمیع امهات الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام مومنات فلا بد ان یکون ام النبی صلی الله علیه وآله وسلم کذالک (التعظیم والمنة للسیوطی صہ ۱۳۷) میں نے جانچ پڑتال اور غور و فکر کیا تو میں نے تمام انبیاء کی

ماؤں کو مومن پایا تو پھر ضروری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ماں بھی مومنہ ہو یعنی جب تمام نبیوں کی مائیں مومن ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ماں بھی لازماً مومنہ ہوں گی۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی المتوفی سنہ ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں کہ حافظ ابونعیم المتوفی سنہ ۴۳۰ھ نے دلائل النبوت میں محمد بن شہاب زہری المتوفی ۱۲۴ھ کی سند سے ام سماعہ اسماء بنت ابی رھم سے وہ اپنی والدہ سے راوی کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے وقت حاضر تھی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کم سن بچے کوئی پانچ چھ برس کی عمر شریف ان کے سرہانے تشریف فرما تھے۔ حضرت خاتون نے اپنے ابن کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نظر کی پھر کہا اے ستھرے لڑکے اللہ تجھ میں برکت رکھے اے بیٹے ان کے جنہوں نے مرگ کے گھیرے سے نجات پائی بڑے انعام والے بادشاہ اللہ عزوجل کی مدد سے جس صبح کو قرعہ ڈالا گیا تو سو بلند اونٹ ان کے فدیہ میں قربان کیے گئے اگر وہ ٹھیک اترا جو میں نے خواب دیکھا ہے تو سارے جہاں کی طرف پیغمبر بنایا جائے گا جو تیرے نکوکار باپ ابراہیم کا دین ہے میں اللہ کی قسم دے کر تجھے بتوں سے منع کرتی ہوں کہ قوموں کے ساتھ ان کی دوستی نہ کرنا حضرت خاتون آمنہ رضی اللہ عنہا کی اس پاک وصیت میں جو فراق دنیا کے وقت اپنے ابن کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کو کی بحمد اللہ تعالےٰ توحید ورد ترک تو آفتاب کی طرح روشن ہے اور اس کے ساتھ دین اسلام ملت پاک ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا بھی پورا اقرار، اور ایمان کامل کسے کہتے ہیں پھر اس سے بالاتر حضور پُر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا بھی اعتراف موجود اور وہ بھی بیان بعثت عامہ کے ساتھ وللہ الحمد پھر فرمایا ہر زندے کو مرنا ہے اور ہر نئے کو پرانا ہونا اور کوئی کیسا ہی

مجھا ہو ایک دن فنا ہونا ہے میں مرتی ہوں اور میرا ذکر ہمیشہ خیر سے رہے گا میں کیسی خیر عظیم چھوڑ چلی ہوں اور کیسا ستھرا پاکیزہ مجھ سے پیدا ہوا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ کہا اور انتقال فرمایا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کی یہ فراست ایمانی اور پیشین گوئی نورانی قابل غور ہے کہ میں انتقال کرتی ہوں اور میرا ذکر خیر ہمیشہ باقی رہے گا عرب و عجم کی ہزاروں شہزادیاں بڑی بڑی تاج والیاں خاک پیوند ہوئیں جن کا نام تک کوئی نہیں جانتا مگر اس پاک خاتون کے ذکر خیر سے مشارق، مغارب ارض میں محافل و مجالس انس و قدس میں زمین و آسمان گونج رہے ہیں اور ابدالآباد تک گونجیں گے وللہ الحمد (شمول الاسلام صہ ۱۱۹) اس سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ماں باپ مؤمن اور مسلمان تھے اور ہمارا مذہب جس کے ساتھ ہم اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ماں باپ مؤمن اور یقیناً جنتی ہیں۔

سوال :۔

حاکم نے مستدرک میں روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی آپ روئے اور دوسروں کو بھی رُلایا اور فرمایا کہ میں نے ان کی مغفرت کے لیے اپنے رب سے اجازت مانگی لیکن نہ ملی اس سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی والدہ مؤمنہ نہ تھیں (العیاذ باللہ)

جواب :۔

یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث حاکم نے ایوب بن ہانی عن مسروق عن ابن مسعود کی سند سے روایت کی ہے۔ اس میں راوی ایوب بن ہانی کو یحیٰی بن معین نے ضعیف کہا ہے۔ چنانچہ علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ حافظ ذہبی نے

ملتمیں مستدرک میں تعاقب کرتے ہوئے کہا ہے ایوب بن ہانی ضعفہ ابن معین کہ ایوب بن ہانی کی یحییٰ بن معین نے تضعیف کی ہے فھذہ علۃ تقدح فی صحتہ اور یہ علت حدیث کی صحت کے منافی ہے۔ لہٰذا یہ حدیث صحیح نہیں جب یہ حدیث صحیح نہ ہوئی تو قابل احتجاج نہ ہوگی۔

سوال :۔

امام طبرانی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم غزوۂ تبوک کے سفر میں وادی عسفان میں اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی حضور پاک رونے لگے فرمایا کہ میں نے مغفرت کے لیے دعا کی اجازت مانگی لیکن اجازت نہیں ملی تو ثابت ہوا کہ آمنہ خاتون مومنہ نہ تھی۔ (العیاذ باللہ)

جواب :۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ طبرانی کی اس مروی حدیث کی اسناد ضعیف ہے اور یہ حدیث قابلِ احتجاج نہیں ہے۔

سوال :۔

حضرت بریدہ سے مروی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپ اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لائے مغفرت کی اجازت مانگی لیکن اجازت نہ ملی اور یہ آیت اتری ما کان للنبی والذین آمنوا ان یستغفروا للمشرکین کہ نبی اور اہلِ ایمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکوں کے لیے مغفرت کا مطالبہ کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ آمنہ خاتون مومنہ نہ تھیں (العیاذ باللہ)۔

جواب :۔

یہ غلط ہے، کیونکہ یہ آیت کریمہ حضور پاک کی والدہ کریمہ کے بارے

میں نہیں اتری اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں نے دعا مغفرت کی اجازت مانگی ہے اور نہ ہی آپ کی والدہ پاک کی قبر مکہ مکرمہ میں ہے بلکہ آپ کی والدہ پاک کی قبر مبارک تو ابوا مقام میں ہے۔ چنانچہ علامہ ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں ھذا غلط ولیس قبرھا بمکۃ وقبرھا بالابواء کہ یہ روایت غلط ہے کیونکہ حضور پاک کی والدہ پاک کی قبر مبارک مکہ مکرمہ میں نہیں ہے بلکہ ان کی قبر مبارک تو ابواء میں ہے اور علامہ سیوطی لکھتے ہیں۔ ان طرق الحدیث کلھا معلولۃ کہ حدیث زیارت کی تمام سندیں اور طرق معلول ہیں (التعظیم والمنۃ ص ۱۱۹) معلول اور معلل حدیث اس کو کہتے ہیں جس میں کوئی خفیہ علت قادحہ ہو مثلاً موقوف کو مرفوع قرار دیا گیا ہو یا بالعکس اسی طرح مرسل کو موصول قرار دیا گیا ہو یا بالعکس یا ایک حدیث کے متن کو دوسری حدیث میں داخل کر دیا گیا ہو یا کوئی اور وہم ہو ان علل مذکورہ میں سے کوئی علت بھی سند یا متن میں پائی جاتی ہو تو وہ حدیث معلل ہوتی ہے ائمہ حدیث نے حدیث معلل کی معرفت کو بہت مشکل قرار دیا ہے۔ حتیٰ کہ عبدالرحمٰن بن مہدی المتوفی ۱۹۸ھ نے کہا کہ معلل حدیث کی معرفت الہام کے سوا حاصل نہیں ہوتی۔ علامہ سیوطی نے کہا ہے کہ حدیث زیارت کے تمام طرق معلول ہیں۔ لہٰذا یہ حدیث اپنے تمام طرق کے ساتھ قابل احتجاج نہیں ہے۔

سوال :۔

حدیث صحیح مسلم میں ہے جو حضرت انس سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ میرے ماں باپ کہاں ہیں فرمایا دوزخ میں ہیں جب وہ چلا گیا تو پھر اس کو بلایا فرمایا ان ابی وا باک فی النار کہ میرے

ور تیرے دونوں کے باپ دوزخ میں ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کے والد مومن نہیں تھے۔ (العیاذ باللہ)

جواب:۔

علامہ سیوطی المتوفی سنہ ۹۱۱ھ لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں بھی کئی علت
قادحہ ہیں جن کی بنا پر یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ اس کی سند میں ایک راوی
حماد بن سلمہ ہے۔ ابن عدی نے اس کو ضعیف کہا ہے نیز کہا ہے کہ اس کی
حدیث میں نکارت ہے۔ حافظ ذہبی نے کہا ہے حماد اگرچہ ثقہ ہے لیکن اس کو
وہم ہوتا ہے اور اس کی بے شمار احادیث منکر ہیں اور اس کو اچھی طرح بات یاد
نہیں رہتی تھی نیز ابن ابی العرجاء نے اس کی احادیث ہیں وہ روایات ملا دی ہیں
جو احادیث سے نہیں ہیں۔ بایں وجہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس سے روایت
نہیں لی نیز اس حدیث کو ایک دوسری سند کے ساتھ معمر نے ثابت سے روایت
کیا ہے اس میں یہ الفاظ ان ابی وا باک فی النار نہیں ہیں اور یہ روایت زیادہ صحیح ہے
کیونکہ معمر کے حافظہ میں کسی نے کلام نہیں کی اور نہ ہی کسی نے معمر کی روایات کو
منکر کہا ہے بلکہ بخاری اور مسلم دونوں نے اس سے حدیث لینے میں اتفاق
کیا ہے لہٰذا معمر والی روایت صحیح ہے جس میں ان ابی وا باکم کے الفاظ موجود
نہیں ہیں اور جس روایت میں یہ الفاظ ہیں وہ صحیح نہیں ہے۔

سوال:۔

حدیث میں ہے کہ دو آدمیوں نے حضور سے سوال کیا کہ ہماری مائیں کہاں
ہیں فرمایا تمہاری مائیں دوزخ میں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ آپ کی ماں کہاں ہے
فرمایا امی مع امکما کہ میری ماں بھی تمہاری ماؤں کے ساتھ ہے یعنی دوزخ میں ہے
(العیاذ باللہ)

جواب :۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث بھی ضعیف اور غیر صحیح ہے وکذا الک حدیث امی مع امکما علی ضعف اسنادہ اسی طرح لینی جیسے کہ حدیث ان ابی واباک فی النار ضعیف ہے اسی طرح یہ بھی امی مع امکما ضعیف اور غیر صحیح ہے یہ قابل استدلال نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین دونوں جنتی ہیں۔

سوال :۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لیت شعری ما فعل ابوای کہ کاش مجھے علم ہوتا کہ میرے والدین کے ساتھ کیا ہوا ہے اس ظاہر ہے کہ حضور کے والدین مومن نہیں تھے اگر مومن ہوتے تو حضور یوں نہ فرماتے۔

جواب :۔

جواب علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث معضل اور ضعیف ہے واما حدیث لیت شعری ما فعل ابوای فمعضل ضعیف لا تقوم بہ حجتہ (الرسائل العشر صہ۲۵) کہ حدیث لیت شعری ما فعل ابوای معضل اور ضعیف ہے۔ اس کے ساتھ استدلال قائم نہیں ہو سکتا اور حدیث معضل وہ ہے جس کی سند سے دو یا دو سے زیادہ راوی پے درپے ساقط ہو گئے ہوں جب یہ حدیث قابل حجت نہیں ہے تو سائل کا اس کو بطور استدلال پیش کرنا درست نہیں ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم تھا کہ میرے والدین جنتی ہیں اسی لیے فرمایا لم یزل اللہ ینقلنی من اصلاب الکریمتہ الی ارحام الطاھرتہ حتی اخرجنی من بین ابوی کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ مجھے کرم والی پشتوں اور طہارت والے شکموں میں

نقل فرماتا رہا یہاں تک کہ مجھے میرے ماں باپ سے پیدا کیا جب آباء کرام طاہرین اور امہات کرام طاہرات ہیں تو مومن ہوئے کیونکہ کافر کو طاہر و پاک نہیں کیا جاسکتا۔

سوال :۔

امام ابو حنیفہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں کہ حضور کے والدین نے کفر پر وفات پائی جب ابو حنیفہ کا قول موجود ہے تو حضور کے والدین اہلِ ایمان نہ ہوئے (نعوذ باللہ من ذالک)

جواب :۔

امام ابو حنیفہ المتوفی ۱۵۰ھ نے یہ نہیں کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین نے کفر پر وفات پائی ہے کیونکہ فقہ اکبر کے بعض نسخوں میں یہ مسئلہ نہیں ہے اور جن میں ہے وہاں یہ الفاظ ہیں ماماتا علی الکفر کہ حضور پاک کے والدین کریمین کفر پر نہیں مرے بلکہ ان کی وفات ایمان پر ہوئی ہے اور ملا علی القاری الحنفی نے جو اس بارے میں کلام کی ہے اس سے آخر میں ملا علی القاری نے توبہ کر لی تھی چنانچہ حاشیہ نبراس علی شرح العقائد میں ہے ونقل توبتہ، عن ذالک (نبراس ص۵۲۶، حاشیہ ص۵) کہ علی القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ کی اس سے توبہ منقول ہے، غرضیکہ یہ جتنے روایات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور کے والدین معاذ اللہ مومن نہیں تھے یہ تمام غلط اور ضعیف قابل استدلال نہیں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین مومن تھے۔ قاضی ابو بکر بن عربی نے کہا ہے کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد کے بارے میں کہے کہ وہ دوزخی ہیں وہ لعنتی ہے چنانچہ علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ قاضی ابو بکر بن عربی سے ایک آدمی کے بارے میں

سوال کیا گیا کہ اس آدمی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد آگ (دوزخ) میں ہیں اس کے متعلق کیا حکم ہے تو جواب دیا یہ آدمی ملعون ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے نیز ابن عربی نے کہا کہ اس سے بڑھ کر رسول کو اور کوئی ایذا نہیں ہے کہ کہا جائے کہ ان کے باپ دوزخ میں ہیں، اب اس سے ثابت ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے بارے میں جو کہے کہ وہ مومن نہیں یا دوزخ میں ہیں وہ ملعون ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام آباء و اجداد اور حضرت عبداللہ اور سیدہ آمنہ تمام مومن مسلمان اور جنتی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت:

یہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی پیدا نہ ہوئے تھے تو حضرت عبداللہ کی وفات ہو گئی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۲ ربیع الاول کو دنیا میں رونق افروز ہوئے آپ پاکیزہ بدن، ناف بریدہ، ختنہ کیے ہوئے خوشبو میں بسے ہوئے بحالت سجدہ مکہ مکرمہ میں اپنے والد ماجد کے مکان میں پیدا ہوئے اس وقت حضرت عبدالمطلب کعبہ کا طواف کر رہے تھے آپ کو خوشخبری دی گئی حضرت عبدالمطلب گھر آئے اپنے پوتے کو اٹھایا سینے سے لگایا پھر کعبہ میں لے جا کر خیر و برکت کی دعا مانگی اور محمد نام رکھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ فرماتی ہے خرج منی نورا ضاءت منہ قصور الشام ھذا حدیث صحیح (مستدرک ص ۶۰۰ ج ۲) مجھ سے نور نکلا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے اور ایک روایت میں ہے وقد

خرج لھا نور اضأ بھا منہ قصور الشام (مشکوٰۃ صفحہ ۵۱۳) اللہ تعالےٰ نے تمام سے پہلے بلا واسطہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور پیدا کیا پھر اسی نور کو تمام جہاں کی پیدائش کے لیے واسطہ ٹھہرایا چنانچہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ انبیاء کرام اللہ تعالےٰ کے اسماء ذاتیہ سے پیدا ہوئے اولیاء اسماء صفاتیہ سے اور باقی مخلوقات کو صفات فعلیہ سے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ذاتِ حق سے پیدا کیا اور حضور کی ذات میں عین حق کا ظہور بالذات ہے یعنی اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس نور سے پیدا کیا جو عین ذات الٰہی ہے یعنی اپنی ذات سے بلا واسطہ پیدا کیا۔ بایں وجہ کہا جاتا ہے کہ حضور پاک کی ذات نور ہے اور حضور کا ذاتی نور ہے۔

سوال:۔

اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ذاتی ہے تو ذاتی کا معنےٰ ہوتا ہے جو اپنے فرد کا عین ہو یا جزء ہو یہ درست نہیں ہے۔

جواب:۔

اس سوال کا تحقیقی جواب اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے صلوٰۃ الصفا میں دیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ سائل نے جو ذاتی کا معنے بیان کیا ہے کہ وہ اپنے فرد کا جزو ہوتی ہے یہ معنےٰ تو اہل مناطقہ کی اصطلاح ہے اور یہاں اہل مناطقہ کا اصطلاحی معنےٰ مراد نہیں ہے بلکہ یہاں ذاتی کا معنے بلا واسطہ ہے چنانچہ علماء متکلمین کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی صفات قدرت، علم وغیرہ صفات ذاتیہ ہیں لیکن یہ ذاتی ہونے کے باوجود نہ عین ذات باری ہیں اور نہ جزء باری تعالےٰ حدیقہ ندیہ میں ہے اعلم ان الصفات اللتی ھی لا عین الذات ولا غیرھا انما ھی الصفات الذاتیۃ،

علامہ سید شریف قدس سرہ الشریف رسالہ تعریفات میں فرماتے ہیں۔
الصفات الذاتیۃ ھی ما یوصف اللہ تعالیٰ بہا ولا یوصف بضدھا نحو القدرۃ والعظمۃ وغیرھا۔ علم اصول فقہ اور علم کلام میں حسن و قبح ذاتی کا مسئلہ زیر بحث آتا ہے لیکن وہاں بھی یہ نہیں ہوتا کہ حسن و قبح فعل کے عین ہوں یا جزء ہوں۔

سوال:۔

متکلمین نے جو یہ کہا ہے کہ صفات ذاتیہ باری تعالیٰ نہ عین ذات ہیں اور نہ غیر ہیں اس میں تو ارتفاع نقیضین اور اجتماع نقیضین دونوں لازم آتے ہیں کیونکہ عین اور غیر دو نقیض ہیں جب صفات لا عین ولا غیر ہیں تو یہ ارتفاع نقیضین ہے مگر فی الحقیقت اجتماع نقیضین بھی ہے کیونکہ اگر ایک شے کا مفہوم دوسرے کا مفہوم نہ ہوا تو غیر ہوگا اور اگر ہوا تو عین ہوگا جب صفات لا عین ہوئیں تو غیر ہوئیں اور جب لا غیر ہوئیں تو عین ہوئیں اب عین اور غیر کا اجتماع ہوا لہٰذا یہاں اجتماع نقیضین ہے ایسا مذہب جس میں ارتفاع نقیضین و اجتماع نقیضین جیسے محال لازم ہوں تو ملزوم بھی باطل ہوگا۔

جواب:۔

ہم غیریت اور عینیت کا وہ معنے نہیں لیتے جس کی وجہ سے اجتماع یا ارتفاع نقیضین ہو بلکہ ہم وہ لیتے ہیں جس معنے کے لحاظ سے نقیض ہو نہیں سکتے کیونکہ غیریت سے مراد یہ ہے کہ دو موجود اس طرح ہوں کہ ایک موجود باوجود دوسرے کے عدم کے فرض اور تصور ہو سکے یعنی ان دونوں میں انفکاک ممکن ہو اور عینیت سے مراد یہ ہے کہ دونوں کے مفہوم بلا تفاوت متحد ہوں جب یہ معنے لیے جائیں تو اب وہ نقیض نہ ہو سکے لہٰذا اب سوال

پیدا نہیں ہوگا بلکہ ان دونوں میں واسطہ ہوسکتا ہے کہ ایک شے اس طرح ہو کہ اس کا مفہوم دوسرے کا مفہوم نہ ہو یعنی اتحاد فی المفہوم نہ ہو اور اس دوسرے کے بغیر موجود بھی نہ ہوسکے جیسا کہ جزء کل کے ساتھ اور صفات ذات کے ساتھ اب جزء اور کل کے مفہوم میں اتحاد بھی نہیں لیکن جزء کل کے بغیر موجود بھی نہیں ہوسکتی اسی طرح صفت اور ذات میں اتحاد بھی نہیں لیکن صفت بغیر ذات کے موجود بھی نہیں ہوسکتی. بہر صورت یہاں ذاتی کا معنے منطقی نہیں جو کہ بمقابلہ کلی عرضی کے ہوتا ہے بلکہ یہاں ذاتی مقابل صفاتی اور اسمائی کے ہے. بایں معنے اللہ عزوجل کے لیے نور ذاتی و نور صفاتی و نور اسمائی سب ہیں کہ اس کی ذات و صفات و اسماء کی تجلیاں ہیں. نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تجلی ذات ہیں اور انبیاء و اولیاء اور تمام کائنات تجلی اسماء و صفات وغیرہ ہیں جیسے کہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی کے حوالے سے گزرا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور ذاتی ہیں اس کی دلیل حدیث جابر ہے جس میں فرمایا اِنَّ اللّٰہ تعالیٰ قد خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہٖ کہ اللہ تعالٰے نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا کیا چونکہ حدیث میں نورہٖ فرمایا جس کی ضمیر اللہ تعالٰے کی طرف راجع ہے کہ جو اسم ذات ہے اور من نور جمالہ یا نور علمہ یا نور رحمتہ وغیرہ نہیں فرمایا کہ نور صفات سے تخلیق ہو. علامہ زرقانی المتوفی ۱۱۲۲ھ اسی حدیث کے تحت فرماتے ہیں من نورہٖ ای من نور ھو ذاتہ یعنی اللہ تعالٰے نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس نور سے پیدا کیا جو عین ذات الٰہی ہے یعنی اپنی ذات سے بلا واسطہ پیدا کیا اب ذاتی کا معنے بلا واسطہ ہوا نہ کہ ذاتی کا معنے عین یا جزء ہے گویا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ذاتی ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس نور سے پیدا کیا جو عین

ذات الٰہی ہے اور دوسری مخلوقات کو اس نور کی وساطت سے پیدا کیا چنانچہ علامہ قسطلانی المتوفی ۹۲۳ھ مواہب لدنیہ میں لکھتے ہیں جب اللہ تعالےٰ نے مخلوقات کو پیدا کرنا چاہا صمدی نوروں میں سے مرتبہ ذات صرف حقیقت محمدیہ کو ظاہر فرمایا پھر اس سے تمام عالم علوی وسفلی نکلے۔ اس سے ثابت ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی کو اپنی ذات سے پیدا کیا اور دیگر مخلوقات کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے سے پیدا کیا گویا کہ جس طرح مرتبہ وجود میں صرف ذات حق ہے باقی سب اس کے پرتو وجود سے موجود یوں ہی مرتبہ ایجاد میں صرف ایک ذات مصطفےٰ ہے۔ باقی سب پر اسی کے عکس کا فیض اور مرتبہ وجود میں نورِ خداوندی آفتاب ہے اور تمام عالم اس کے آئینے اور مرتبہ تکوین میں نورِ محمدی آفتاب ہے اور سارا جہان اس کے آبگینے حاصل کلام یہ ہے کہ نور محمدی تمام انوار سے پہلے پیدا ہوا اور نور قدیم ازلی کی پہلی تجلی قرار پایا اور وجود مطلق حق کا تعین اول ہوا۔ اور دوسری تمام کائنات و مخلوقات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے سے وجود میں آئی۔

سوال:۔

جب تمام مخلوقات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے پیدا ہوئی ہے تو اس میں کافر و مشرک ہیں کافر محض ظلمت اور نجس ہیں اب نور سے کافر جو ظلمت اور نجس ہیں کیسے پیدا ہوئے نور سے نور پیدا ہوتا ہے۔ ظلمت پیدا نہیں ہوتی پاک سے پاک پیدا ہوتا ہے نجس پیدا نہیں ہوتا۔

جواب:۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آفتاب وجود ہیں اور کل مخلوقات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آفتاب وجود سے فیضان وجود حاصل کر رہی ہے جس طرح

اس ظاہری آفتاب کی شعاعیں تمام کرہ ارضی پر پڑھ رہی ہیں اور کرہ ارضی میں نجاست آلود جگہیں بھی ہیں لیکن ان نجاستوں اور گندگیوں کا اثر آفتاب کی شعاعوں پر نہیں پڑتا اور نہ ہی کسی چیز کے اثرات سورج کے لیے قباحت یا نقصان کا سبب ہو سکتے ہیں اسی طرح عالم اجسام میں کثیف اور نجس چیزوں کا کوئی اثر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نہیں پڑتا غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور ذاتی ہیں حضرت امام عالی مقام زین العابدین اپنے والد ماجد امام حسین سے اور وہ اپنے والد مکرم حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں پیدائش آدم علیہ السلام سے چودہ ہزار برس پہلے پروردگار کے حضور میں ایک نور تھا (انسان العیون ص ۲۹) چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور تھے اسی نور کی روشنی سے ہی آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ نے شام کے محلوں کو ملاحظہ فرمایا اور آپ کے نور سے حرم شریف کی پست زمین اور ٹیلے روشن ہو گئے جب حضور پیدا ہوئے تو شہر مدائن میں کسریٰ کا محل پھٹ گیا اور اس کے چودہ کنگرے گر پڑے جس میں اشارہ تھا چودہ بادشاہوں کے بعد ملک فارس مسلمانوں کے زیر تصرف وزیر اقتدار آ جائے گا چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا جو چودہ بادشاہ ہوئے وہ یہ تھے (۱) نوشیروان (۲) ہرمز بن نوشیروان (۳) خسرو پرویز بن ہرمز (۴) شیرویہ بن خسرو پرویز (۵) اردشیر بن شیرویہ (۶) شہر یار (۷) کسریٰ بن پرویز (۸) ملکہ بوران ہمشیرہ شیرویہ بن خسرو (۹) ارزمیدمنت ہمشیرہ شیرویہ (۱۰) خرزاد خسرو اولاد پرویز بن ہرمز (۱۱) ابن مہران نسل اردشیر بن بابک (۱۲) فیروز بن مہران (۱۳) یزدجرد بن شہر یار بن پرویز (۱۴) فیروز خنش، نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش

کے وقت فارس کے آتش کدے ایسے سرد پڑ گئے کہ ہر چند ان میں آگ جلانے کی کوشش کی گئی مگر نہ جلتی تھی۔ بحیرہ سادہ جو ہمدان و قم کے درمیان چھ میل لمبا اور اتنا ہی چوڑا تھا اور جس کے کناروں پر شرک اور بت پرستی ہوتی تھی۔ یکایک بالکل خشک ہوگیا۔

حضرت سیّدہ آمنہ کی وفات:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک جب چھ سال کی ہوئی تو آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ آپ کے دادا کے ننھیال جو عدی بن نجار میں رشتہ داروں کی ملاقات نیز اپنے شوہر پاک کی قبر کی زیارت کے لیے تشریف لے گئیں اور وہاں سے واپسی ابوا بستی میں حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوگئی اور آپ کو وہاں ہی دفن کیا گیا۔ اس سفر میں حضرت آمنہ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت ام ایمن بھی تھیں۔ ام ایمن حضور کو مکہ مکرمہ واپس لے آئیں اور آپ کو حضرت عبدالمطلب کے سپرد کیا اور حضرت عبدالمطلب نے آپ کی پرورش شروع کر دی جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک آٹھ سال ہوگئی تو آپ کے دادا پاک حضرت عبدالمطلب کا بھی انتقال ہوگیا۔ حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوطالب کے پاس رہنا شروع کر دیا۔ حضرت ابوطالب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی بہت خیال رکھتے تھے اور ہر وقت آپ کو اپنے ساتھ رکھتے ایک لمحہ بھی حضور کو اپنی نظر سے اوجھل نہیں ہونے دیتے تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک بیس سال ہوئی تو آپ نے جنگِ فجار میں شرکت فرمائی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرب فجار میں شرکت :

چونکہ اسلام کے ظہور سے پہلے عربوں میں لڑائیوں کا ایک طویل سلسلہ جاری تھا انہیں لڑائیوں میں سے ایک لڑائی جنگ فجار کے نام سے مشہور ہے۔ عرب لوگ ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم، رجب کے مہینوں میں لڑائی ذکرتے تھے اگر ان مہینوں میں لڑائی کرتے تو اس کو حرب فجار (گناہ کی لڑائی) کہتے سب سے آخری جنگ فجار، تو قریش اور قیس کے قبیلوں کے درمیان ہوئی۔ اس جنگ میں قریش حق پر تھے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو طالب وغیرہ اپنے چچاؤں کے ساتھ جنگ میں شرکت کی لیکن آپ نے کسی پر ہتھیار وغیرہ نہیں اٹھایا صرف اتنا کیا کہ اپنے چچاؤں کو تیر اٹھا کر دیتے رہے اس لڑائی میں پہلے قیس پھر قریش غالب آئے آخر کار صلح پر اس لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تجارت کے سلسلہ میں ملک شام کی طرف سفر

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک تقریباً بارہ سال کی ہوئی تو اس وقت حضرت ابو طالب نے تجارت کی غرض سے ملک شام کا سفر کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی آپ کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ اس سفر کے دوران بصریٰ میں بحیرا راہب کے پاس آپ کا قیام ہوا اس نے تورات و انجیل میں بیان کی ہوئی نبی آخر الزمان کی نشانیوں سے آپ کو دیکھتے ہی پہچان لیا

اور بہت عقیدت اور احترام سے اس نے آپ کے قافلہ والوں کی دعوت کی اور ابوطالب سے کہا یہ سارے جہان کے سردار اور رب العالمین کے رسول ہیں جن کو خدا نے رحمۃ اللعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ شجر و حجر ان کو سجدہ کرتے ہیں اور بادل ان پر سایہ کرتا ہے اور ان کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہے اور بحیرا راہب نے چلتے وقت انتہائی عقیدت کے ساتھ آپ کو سفر کا کچھ توشہ بھی دیا اور دوسرا سفر ملکِ شام کی طرف آپ نے اس وقت کیا جبکہ آپ کی عمر مبارک تقریباً پچیس سال ہوئی جس کا سبب یہ ہوا کہ آپ چونکہ امانت و صداقت میں مشہور تھے حضرت خدیجہ ایک مالدار خاتون تھیں اور ان کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا ان کو ضرورت تھی کہ کوئی امانت دار آدمی ملے تو اس کے ساتھ اپنی تجارت کا مال و سامان ملکِ شام بھیجیں۔ چنانچہ حضرت خدیجہ خاتون نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہلا بھیجا کہ آپ میرا سامانِ تجارت ملک شام لے جائیں جو معاوضہ میں دوسروں کو دیتی ہوں آپ کی امانت و دیانت داری کی بنا پر اس کا دوگنا آپ کو دے دوں گی۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہ کا سامان لے کر ملک شام کی طرف چلے گئے۔ حضرت خدیجہ نے آپ کے ساتھ اپنا ایک غلام جس کا نام میسرہ تھا وہ بھیج دیا تاکہ وہ آپ کی خدمت کرتا رہے۔ جب آپ ملک شام کے مشہور شہر بصریٰ کے بازار میں پہنچے تو وہاں نسطورا راہب کے مقام کے قریب قیام فرمایا۔ راہب نے میسرہ سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے میسرہ نے جواب دیا کہ یہ مکہ کے رہنے والے ہیں اور خاندان بنو ہاشم سے ہیں ان کا اسم گرامی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے۔ راہب نے کہا کہ یہ نبی آخر الزمان ہیں جو آخری نبی کی علامات توریت و انجیل میں پڑھے ہیں وہ تمام ان میں

پائے جاتے ہیں۔ راہب نے میسرہ کو کہا کہ میں تم کو نصیحت کرتا ہوں تم ان کے ساتھ رہنا ان سے جدا نہ ہونا۔ یہ خاتم النبیین ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سامان بصریٰ کے بازار میں ہی فروخت کردیا اور واپس چلے آئے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہر مکہ میں داخل ہوئے تو حضرت خدیجہ نے بالاخانہ سے دیکھا کہ فرشتے آپ کے سر مبارک پہ دھوپ کی وجہ سے سایہ کیے ہوئے ہیں جب حضرت خدیجہ نے یہ دیکھا تو حضرت خدیجہ کے دل پہ ایک خاص اثر ہوا نیز میسرہ نے حضور کے متعلق جو عجیب و غریب باتوں کا مشاہدہ کیا تھا وہ بتائیں جو راہب سے گفتگو ہوئی وہ بھی بتادی یہ تمام باتیں سن کر حضرت خدیجہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے پناہ عقیدت و محبت ہوگئی اور ان کا دل حضور پاک کی طرف میلان کر گیا اور آپ سے نکاح کرنے کی رغبت ہوگئی۔ حضرت خدیجہ بہت مال دار تھیں اور نہایت شریف اور پاکدامن تھیں ان کی پاکدامنی اور پارسائی کی وجہ سے اہلِ مکہ ان کو طاہرہ یا پکا نہ کہتے تھے۔ ان کی عمر اس وقت چالیس سال ہو چکی تھی۔ حضرت خدیجہ کا پہلے نکاح ابو ہالہ بن زرارہ بن نباش بن عدی بن حبیب بن صُرد بن سلام بن جروہ بن اُسید بن عمرو بن تمیم سے ہوا تھا اور ان سے دو لڑکے ایک ہند بن ابو ہالہ اور دوسرا ہالہ بن ابو ہالہ پیدا ہو چکے تھے اور پھر ابو ہالہ بن زرارہ کا انتقال ہوگیا تھا اس کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہ نے نکاح عتیق بن عائذ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم سے کیا ان سے بھی دو اولاد ہوئی تھی۔ ایک لڑکا عبداللہ بن عتیق اور ایک لڑکی ہند بنت عتیق پھر عتیق بن عائذ کا بھی انتقال ہوگیا اس کے بعد بڑے بڑے سردارانِ قریش نے ان کو نکاح کا پیغام دیا لیکن حضرت خدیجہ نے تمام پیغاموں کو ٹھکرا دیا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

طرف ان کا دل میلان ہو چکا تھا۔ بایں وجہ انہوں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ کو بلایا جو حضرت خدیجہ کے بھائی عوام بن خویلد کی بیوی تھیں ان سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں دریافت کیا پھر نفیسہ بنت امیہ کے ذریعہ خود ہی حضور پاک کے پاس نکاح کا پیغام دیا نیز حضرت خدیجہ نے فرمایا میں نے آپ کے اچھے اخلاق اور آپ کی سچائی کی وجہ سے ان کو پسند کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس رشتہ کو اپنے چچا حضرت ابوطالب اور خاندان کے دوسرے افراد کے سامنے پیش کر دیا تمام نے اس رشتہ کو پسند کر لیا اور نکاح کی تاریخ مقرر ہو گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُم المومنین حضرت خدیجہ کے ساتھ نکاح

جب نکاح کی تاریخ مقرر ہو گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوطالب حضرت حمزہ وغیرہ اپنے چچاؤں اور خاندان کے دوسرے افراد اور خصوصاً بنو ہاشم اور سرداران مضر کو ساتھ لے کر حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے مکان پر تشریف لائے اور نکاح ہوا اور اس نکاح کے وقت حضرت ابوطالب نے خطبہ پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے۔

تمام تعریفیں اس خدا کے لیے ہیں جس نے ہم لوگوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں بنایا اور ہم کو معد اور مضر کے خاندان سے پیدا کیا اور اپنے گھر کعبہ کا نگہبان اور اپنے حرم کا منتظم بنایا اور ہم کو علم و حکمت والا گھر اور امن والا حرم

عطا فرمایا اور یہ میرے بھائی کا فرزند محمد بن عبداللہ ہے۔ یہ ایک ایسا جوان ہے کہ قریش سے جس شخص کا بھی اس کے ساتھ موازنہ کیا جائے یہ اس سے ہر شان میں بڑھا ہوا ہی رہے گا۔ اما بعد میرا بھتیجا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہ شخص ہے جس کے ساتھ میری قرابت اور قربت و محبت کو تم لوگ بھی اچھی طرح جانتے ہو وہ خدیجہ بنت خویلد سے نکاح کرتا ہے اور میرے مال میں سے بیس اونٹ مہر مقرر کرتا ہے اور اس کا مستقبل بہت تابناک عظیم الشان اور جلیل القدر ہے۔"

جب حضرت ابوطالب خطبہ دے چکے تو حضرت خدیجہ کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل نے بھی کھڑے ہو کر ایک خطبہ پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

خدا کے لیے حمد ہے جس نے ہم کو ایسا ہی بنایا جیسا کہ ابو طالب نے بیان کیا ہے اور ہمیں وہ فضیلتیں عطا فرمائی ہیں جن کو آپ نے شمار کیا ہے۔ بے شک ہم لوگ عرب کے پیشوا اور سردار ہیں اور آپ لوگ تمام فضائل کے اہل ہیں کوئی قبیلہ بھی آپ لوگوں کے فضائل کا انکار نہیں کرتا اور بے شک ہم لوگوں نے نہایت رغبت کے ساتھ آپ لوگوں کے ساتھ ملنے اور رشتہ میں شامل ہونے کو پسند کیا لہٰذا اے قریش تم گواہ رہو کہ خدیجہ بنت خویلد کو میں نے محمد بن عبداللہ کی زوجیت میں دیا چار سو مثقال مہر کے بدلے۔

غرضیکہ حضرت خدیجہ کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکاح ہو گیا اور حضرت خدیجہ تقریباً پچیس برس تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی زندگی میں کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد پاک :

اور حضور پاک کے ایک فرزند حضرت ابراہیم کے علاوہ باقی تمام اولاد حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بطنِ اطہر سے پیدا ہوئی۔ چنانچہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کی تعداد سات ہے تین صاحبزادگان اور چار صاحبزادیاں۔ اور صاحبزادگان سے حضرت قاسم پہلے فرزند ہیں آپ اعلان نبوت سے پہلے پیدا ہوئے۔ علامہ ابن سعد کا بیان ہے کہ آپ کی عمر دو سال ہوئی تو فوت ہو گئے۔ دوسرے صاحبزادے حضرت عبداللہ ہیں۔ ان کا لقب طیب وطاہر ہے یہ بھی اعلانِ نبوت سے پہلے پیدا ہوئے اور بچپن میں ہی فوت ہو گئے اور تیسرے صاحبزادے حضرت ابراہیم یہ آخری فرزند ہیں اور ۸ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن اطہر سے پیدا ہوئے۔ اور صاحبزادیوں سے بڑی حضرت زینب تھیں۔ اعلان نبوت سے دس سال قبل جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک تیس سال تھی۔ مکہ مکرمہ میں ان کی ولادت ہوئی ۔جنگِ بدر کے بعد حضور پاک نے ان کو مدینہ منورہ بلایا ان کا نکاح ابو العاص بن ربیع بن عبدالعزیٰ سے ہوا تھا اور ان کی وفات ۸ھ میں ہوئی اور دوسری صاحبزادی حضرت رقیہ تھیں یہ اعلان نبوت سے سات سال پہلے پیدا ہوئیں ان کا نکاح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ جب حضور جنگِ بدر کے لیے تشریف لے گئے تو یہ بیمار تھیں۔ بایں وجہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جنگِ بدر میں شریک نہ ہوسکے اور ابھی حضور جنگِ بدر سے واپس تشریف نہ لائے تھے تو ان کی وفات ہو گئی اور تیسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم تھیں۔ حضرت زینب جب

ت ہوگئیں تو حضور پاک نے حضرت ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان سے کر دیا
حضرت ام کلثوم کی وفات ۹ ھ میں ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب
سے چھوٹی اور زیادہ پیاری بیٹی حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا تھیں ان کا
نکاح حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ تعالےٰ سے ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کی ان صاحبزادیوں کا مختصر ذکر ہم نے حسب ونسب حصہ دوم میں کیا ہے
اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا سلسلہ نسب قصی میں جا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے ساتھ مل جاتا ہے۔ سیرت ابن ہشام میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا سلسلہ
نسب اس طرح مذکور ہے۔ خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی
بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (قریش) حضرت خدیجۃ
الکبریٰ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ بن الاصم بن رواحہ بن حجر بن عبد بن
معیص بن عامر بن لوی بن غالب بن فہر (قریش تھا اور فاطمہ بنت زائدہ کی
والدہ کا نام ہالہ بنت عبد مناف بن الحارث بن عمرو بن منقذ بن عمرو بن معیص
بن عامر بن لوی بن غالب بن فہر (قریش) تھا آگے ہالہ کی ماں کا نام قلابہ بنت
سعید بن سعد بن سہم بن عمر بن معیص بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (قریش)
تھا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ہجرت سے تین سال پہلے پینسٹھ سال
کی عمر میں ماہ رمضان میں وفات پائی؛ مکہ مکرمہ کے مشہور قبرستان جنت المعلیٰ
میں آپ کو دفن کیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ان کی قبر میں اتر کر
اپنے ہاتھ سے سپرد خاک کیا آپ کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی گئی کیونکہ اس وقت
تک نماز جنازہ کی فرضیت کا حکم نہیں نازل ہوا تھا (اکمال فی اسماء الرجال صہ ۵۹۳
فتاویٰ رضویہ صہ ۳۸۶ ج ۲)۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ کی
وفات کے بعد اور بھی نکاح کیے تھے اور آپ کے کل ازواج مطہرات گیارہ تھے

جن میں سے حضرت خدیجۃ الکبریٰ، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت حفصہ، حضرت ام حبیبہ، حضرت ام سلمہ، حضرت سودہ قبیلہ قریش سے تھیں اور حضرت زینب بنت جحش، حضرت میمونہ بنت حارث، حضرت زینب بنت خزیمہ، جویریہ بنت حارث یہ عرب کے دوسرے قبائل سے تھیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔

اُمّ المومنین حضرت سودہ:

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا قریشیہ تھیں ان کا سلسلہ نسب یہ ہے سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبدشمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی بن غالب بن فہر (قریش) اور سودہ کی ماں کا نام شموس بنت قیس بن عمرو بن زید بن لبید بن خداش تھا۔ یہ بنی نجار سے تھیں اور شموس کے والد قیس بن عمرو بن زید جو ہیں یہ سلمی کے بھائی ہیں جو کہ حضرت ہاشم بن عبد مناف کی بیوی تھیں گویا کہ حضرت سودہ کے ننھیال نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کے ننھیال تھے۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا پہلے نکاح اپنے چچا زاد بھائی سکران بن عمرو بن عبدشمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی بن غالب بن فہر (قریش) سے تھا۔ حضرت سودہ اور سکران دونوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر مکہ واپس آئے تو سکران فوت ہو گئے تو حضرت سودہ نے حضور پاک سے نکاح کر لیا اور سودہ کا چوتھی جگہ جو دادا عبدود بن نصر ہے اس کے دو لڑکے تھے ایک عبدشمس تھا اور دوسرا ابوقیس تھا اور اس ابوقیس کے تین لڑکے تھے (۱) عبداللہ (۲) عبدالعزیٰ (۳) عبدود اور

اس عبدود بن ابوقیس کا لڑکا عمرو بن عبدود تھا یہ ہی مشہور بہادر اور شاہسوار تھا اس کو غزوہ خندق کے موقعہ پر حضرت مولیٰ علی شیر خدا شاہ مرداں شیر یزداں کرم اللہ تعالیٰ نے قتل کیا تھا۔ اس عمرو بن ود کی آگے نسل نہیں چلی۔ حضرت سودہ بہت سخی اور فیاض تھیں ان سے پانچ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے ایک صحیح بخاری میں بھی ہے۔ ان کی وفات کے بارے میں اختلاف ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ۵۵ھ ذکر کی ہے۔

حضرت اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قرشیہ ہیں۔ ان کا نسب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مرہ بن کعب پر جا ملتا ہے۔ چنانچہ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے عائشہ بنت ابوبکر صدیق (عبداللہ) بن عثمان (ابوقحافہ) بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (قریش) اور حضرت عائشہ کی ماں کا نام ام رومان ہے۔ اور ماں کی طرف سے سلسلہ نسب یہ ہے۔ عائشہ بنت ام رومان بنت عامر بن عمیر بن ذھل بن دھمان بن الحارث بن تیم بن مالک بن کنانہ ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے ماہ شوال سنہ ۱۰ نبوت میں حضرت عائشہ کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کر دیا تھا اور رخصتی مدینہ منورہ میں ہوئی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ بہت بڑی عالمہ فاضلہ فصیحہ تھیں۔ آپ قرآن، فرائض، حلال و حرام، فقہ و شعر و علم نسب میں بہت بڑی ماہر تھیں۔ آپ کثیر الروایت تھیں، چنانچہ دو ہزار دو سو دس احادیث آپ سے مروی ہیں۔ ان میں سے ایک سو چھہتر (۱۷۴) صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہیں اور چوّن (۵۴) حدیثیں ایسی ہیں جو بخاری میں ہیں اور اڑسٹھ (۶۸)

ایسی ہیں جو صحیح مسلم میں ہیں۔ ان کے علاوہ باقی احادیث دیگر کتب احادیث میں ہیں۔ آپ نے چھیاسٹھ ۶۶ سال کی عمر میں ۵۸ھ میں وفات پائی۔ حضرت ابوہریرہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں آپ کو دفن کیا گیا۔

اُم المومنین حضرت حفصہ:

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا قریشیہ ہیں ان کا سلسلہ نسب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کعب بن لوی پر ملتا ہے۔ چنانچہ سلسلہ نسب یہ ہے حفصہ بنت عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (الملقب بہ قریش) اور حفصہ کی ماں کا نام زینب بنت مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح بن عمرو بن ھصیص بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (قریش) تھا۔ حضرت حفصہ کا پہلے نکاح خنیس بن حذافہ بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم بن عمرو بن ھصیص بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (قریش) کے ساتھ ہوا تھا۔ حضرت خنیس بن حذافہ نے حضرت حفصہ کے ساتھ مدینہ منورہ کو ہجرت بھی کی اور بدری صحابی تھے، جنگ بدر میں انہیں متعدد زخم آگئے۔ ان زخموں کی وجہ سے ہی وفات پاگئے اور حضرت حفصہ بیوہ ہوگئیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ نکاح کر لیا۔ حضرت حفصہ بلند ہمت، حق گو، حاضر جواب سخی اور عبادت گزار تھیں۔ نیز فقہ و حدیث میں ممتاز درجہ رکھتی تھیں۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ساٹھ احادیث روایت کی ہیں۔ ان میں سے پانچ حدیثیں صحیح بخاری میں موجود ہیں اور باقی دیگر کتب احا[دیث] میں ہیں

۵۴ھ میں آپ کی وفات ہوئی اور آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

حضرت اُم المومنین اُم سلمہ :

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا مخزومیہ قریشیہ ہیں۔ آپ کا اصلی نام ہند تھا لیکن کنیت ام سلمہ کے ساتھ مشہور ہیں۔ ان کا نسب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مرہ بن کعب پر جا ملتا ہے۔ چنانچہ ان کا نسب یہ ہے۔ ام سلمہ ہند، ابوامیہ حذیفہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (قریش) حضرت ام سلمہ کا پہلے نکاح ابو سلمہ (عبداللہ) بن عبدالاسد بن ھلال بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (قریش) کے ساتھ ہوا تھا، ابوسلمہ اور ام سلمہ دونوں قدیم الاسلام تھے۔ دونوں نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر یہ مکہ مکرمہ آئے اور پھر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ حضرت ابوسلمہ (عبداللہ) بدر و احد میں شریک ہوئے اور جنگ اُحد میں زخمی ہو گئے۔ ایک ماہ کے بعد یہ زخم صحیح ہو گیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ایک سریہ (جنگ) کے لیے بھیج دیا پھر زخم عود کر آیا اور ۴ھ میں فوت ہو گئے۔ وفات کے بعد حضرت ام سلمہ حاملہ تھیں، وضع حمل کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکاح کر لیا اور پہلے بچوں کے ساتھ کاشانۂ نبوت میں رہنے لگیں اور ام المومنین کے لقب سے مشرف ہوئیں۔ حضرت ام سلمہ بڑی عقلمند اور صاحب فراست تھیں۔ نیز فقہ و حدیث میں ممتاز مقام رکھتی تھیں تین سو اٹھتر احادیث کو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے، مدینہ منورہ میں چوراسی ۸۴ سال کی عمر میں ۶۳ھ

میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

اُم المومنین حضرت اُم حبیبہ:

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا قریشیہ امویہ ہیں۔ آپ کا نام رملہ ہے۔ ام حبیبہ کنیت ہے۔ حضرت معاویہ ان کے بھائی دوسری ماں سے ہیں۔ آپ کے والد ابو سفیان بن حرب ہیں ان کا سلسلہ نسب یہ ہے ام حبیبہ بنت ابو سفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (قریش) اور ان کی والدہ کا نام صفیہ بنت عاص ہے جو حضرت عثمان غنی خلیفہ ثالث کی پھوپھی ہیں حضرت ام حبیبہ پہلے عبیداللہ بن حجش بن ریاب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان کے نکاح میں تھیں اور دونوں میاں بیوی نے اسلام قبول کر لیا اور دونوں ہجرت کر کے حبشہ میں چلے گئے۔ عبیداللہ بن حجش وہاں حبشہ میں مرتد ہو گیا اور مذہب نصرانی اختیار کر لیا اور یہ بہت شراب پیتا تھا اور یہ نصرانیت پر ہی مر گیا۔ ام حبیبہ کی ایک لڑکی ہوئی تھی اس کا نام حبیبہ تھا اسی بنا پر حضرت ام المومنین کی کنیت ام ابو حبیبہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب علم ہوا کہ عبیداللہ بن حجش نصرانی ہو کر مر گیا ہے تو آپ بہت غمگین اور پریشان ہوئے۔ آپ نے عمرو بن امیہ ضمری کو حبشہ نجاشی بادشاہ کے پاس بھیجا اور خط لکھا کہ تم میرے وکیل بن کر حضرت ام حبیبہ کے ساتھ میرا نکاح کر دو۔ نجاشی کو جب یہ فرمان پہنچا تو اس نے اپنی لونڈی (ابرھہ) کو حضرت ام حبیبہ کے پاس بھیجا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کی خبر دی

تو آپ بہت خوش ہوئیں اور خالد بن سعید بن العاص جو ام حبیبہ کے ماموں کے لڑکے تھے اپنے نکاح کا وکیل بنا کر نجاشی کے پاس بھیج دیا نجاشی نے اپنے شاہی محل میں نکاح کی مجلس منعقد کی اور حضرت جعفر بن ابی طالب اور دوسرے صحابہ کرام جو اس وقت حبشہ میں تھے ان کو بلایا اور خود ہی خطبہ پڑھ کر تمام کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت ام حبیبہ کے ساتھ نکاح کر دیا اور چار سو دینار اپنی طرف سے مہر بھی ادا کر دیا جو اسی وقت خالد بن سعید کے سپرد کر دیا گیا نیز نجاشی نے تمام کو کہا کہ انبیاء کرام کا طریقہ ہے کہ نکاح کے وقت کھانا کھلایا جاتا ہے۔ آپ تمام لوگ کھانا کھا کر جائیں۔ چنانچہ نجاشی نے تمام کو کھانا کھلایا اور نجاشی نے شرجیل بن حسنہ کے ساتھ حضرت ام حبیبہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں روانہ کر دیا۔ اور حضرت ام حبیبہ حرم نبوی میں داخل ہو گئیں اور امُّ المومنین کے لقب سے مشرف ہوئیں آپ عبادت گزار، جامع صفات کمالیہ اور بلند ہمت اور مضبوط ایمان والی تھیں۔ ایک مرتبہ ان کے والد ابو سفیان جب کفر کی حالت میں تھے صلح حدیبیہ کی تجدید کے لیے مدینہ منورہ آئے تو بے تکلف حضرت ام حبیبہ کے مکان میں جا کر بستر پر بیٹھ گئے۔ حضرت ام حبیبہ نے اپنے باپ کا لحاظ نہ کیا اور یہ کہہ کر اپنے باپ کو بستر سے اٹھا دیا کہ یہ بستر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے میں کبھی یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ ایک ناپاک مشرک کا فراس پاک بستر پر بیٹھے آپ عالمہ فاضلہ تھیں۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پینسٹھ حدیثیں روایت کی ہیں۔ جن میں سے دو پر بخاری اور مسلم کا اتفاق ہے اور ایک کے ساتھ امام مسلم منفرد ہیں۔ باقی دیگر کتب حدیث میں موجود ہیں۔ آپ کا انتقال مدینہ منورہ میں سنہ ۴۴ھ میں ہوا ان کی نماز جنازہ سعید بن زید المتوفی

سنہ ۵۱ھ نے پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

اُم المومنین زینب بنت جحش:

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا قریشیہ نہیں ہیں بلکہ عربیہ اور بنو اسد سے ہیں ان کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ زینب بنت جحش بن رباب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی صاحبزادی ہیں پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ سے ان کا نکاح کر دیا تھا اور زید بن حارثہ نے ان کو طلاق دے دی تھی اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنے حرم میں داخل کر لیا تھا۔ ان کے ساتھ حضرت زید کے نکاح اور طلاق دینے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکاح کرنے کا واقعہ ہم نے حسب و نسب جلد اول میں ذکر کیا ہے۔ آپ فرمایا کرتی تھیں کہ مجھ کو اللہ تعالٰے نے ایک ایسی فضیلت عطا فرمائی ہے جو ازواجِ مطہرات میں سے کسی کو بھی نصیب نہیں ہوئی کیونکہ تمام ازواج مطہرات کے نکاح ان کے آباؤ اجداد اور ولیوں نے کیے ہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ میرا نکاح اللہ تعالٰے نے عرش پر کیا ہے۔ آپ سے گیارہ احادیث مروی ہیں جن میں سے دو حدیثیں بخاری اور مسلم میں موجود ہیں۔ باقی نو حدیثیں دیگر کتب حدیث میں موجود ہیں آپ کی وفات سنہ ۲۱ھ میں ہوئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہیں۔

❖

اُم المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ:

حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا قریشیہ نہیں ہیں بلکہ عربیہ ہیں۔ ان کا نسب یہ ہے۔ زینب بنت خزیمہ بن الحارث بن عبداللہ بن عمرو بن عبداللہ بن عبدمناف بن ھلال بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ھوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس عیلان بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان، حضرت زینب بنت خزیمہ کا پہلے نکاح عبداللہ بن جحش بن ریاب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان کے ساتھ تھا حضرت عبداللہ بن جحش جنگِ اُحد میں شہید ہوگئے تو ۳ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح کر لیا یہ نکاح کے بعد صرف تین ماہ زندہ رہیں پھر فوت ہوگئیں اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

اُم المومنین حضرت میمونہ:

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا قریشیہ نہیں ہیں بلکہ عربیہ ہیں ان کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ میمونہ بنت الحارث بن حزن بن بجیر بن ھُزم بن رویبہ بن عبداللہ بن ھلال بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ھوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس عیلان بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان، حضرت میمونہ کی والدہ کا نام ھند بنت عوف تھا۔ حضرت میمونہ کا پہلا نام برہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نام میمونہ (برکت والی) رکھ دیا پہلے ان کا نکاح ابورھم بن عبدالعزیٰ بن ابی قیس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی

کے ساتھ تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۷ھ عمرۃ القضاء کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو وہ بیوہ ہو چکی تھیں ابو رھم مر گیا تھا۔ حضرت عباس نے ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کی تو حضور پاک نے ان سے نکاح کر لیا۔ حضرت میمونہ کی سگی تین بہنیں اور تھیں جن کے نام یہ ہیں۔ (۱) لبابۃ الکبریٰ ام فضل یہ حضرت عباس کی بیوی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس ان کے شکم سے ہی ہیں (۲) لبابۃ الصغریٰ یہ خالد بن ولید بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (قریش) کی ماں تھی۔ آگے خالد بن ولید (سیف اللہ) کے چار لڑکے تھے (۱) مہاجر بن خالد بن ولید (۲) عبداللہ بن خالد بن ولید (۳) سلیمان بن خالد بن ولید (۴) عبدالرحمان بن خالد بن ولید۔ ان سے عبدالرحمان بن خالد بن ولید جزیرہ کا حاکم تھا۔ اس نے جنگِ صفین میں حضرت معاویہ کا ساتھ دیا اور حضرت امیرالمومنین علی المرتضیٰ شیرِ خدا کے خلاف لڑا اور اس عبدالرحمان کا آگے بیٹا مہاجر بن عبدالرحمان تھا اور اس مہاجر بن عبدالرحمان کا بیٹا خالد بن مہاجر تھا۔ ابن شہاب زہری اس خالد بن مہاجر سے روایت لیتا ہے ابن حزم اندلسی لکھتے ہیں کہ خالد بن ولید (سیف اللہ) کی اولاد چالیس افراد کے قریب پہنچ گئی تھی اور یہ تمام ملک شام میں رہتے تھے وہاں طاعون پڑا یہ تمام ہی مر گئے آگے ان کی نسل ختم ہو گئی (۳) عصماء بنت خزیمہ اس کا نکاح ابی بن خلف بن وہب بن حذافہ بن جمح بن عمرو بن ھصیص بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر قریش سے ہوا تھا۔ ابی ابن خلف جنگ اُحد میں مارا گیا تھا اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہا تھا کہ میں تم کو قتل کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ میں تجھے قتل کروں گا

چنانچہ جنگ اُحد میں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھا مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ کیا ہم سے کوئی اس کا مقابلہ کرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دعوہ اس کو چھوڑ دو آنے دو جب ابی بن خلف قریب آ گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حارث بن صمہ سے نیزہ لیا اور ابی بن خلف کی گردن پر مارا وہ زخمی ہو گیا اور دوڑ کر قریش کی طرف واپس گیا اور ان کو کہنے لگا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھے مار ڈالا ہے قریش نے کہا کہ معمولی زخم ہے ٹھیک ہو جائے گا۔ ابی بن خلف نے وہب بن حذافہ بن جمح بن عمرو بن ھصیص بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (قریش) نے کہا کہ مکہ میں مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کہا تھا کہ میں تجھے قتل کروں گا اگر وہ مجھ پر تھوک بھی دیتے تو میں مر جاتا قریش جب مکہ کی طرف واپس ہو گئے تو راستہ میں مقام سرف میں ابی بن خلف مر گیا۔ اور اس کی بیوی عصماء مسلمان ہو گئی تھیں (سیرت ابن ہشام صہ ۶ ج ۲) ام المومنین حضرت میمونہ عالمہ، فاضلہ تھیں اور آپ کا لقب ام المساکین تھا اور آپ سے کل چھتر ۷۶ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے سات پر بخاری اور مسلم کا اتفاق ہے۔ اور باقی دیگر کتب حدیث میں ہیں اور آپ کی وفات سنہ ۶۱ھ میں ہوئی۔ ابن عباس نے نماز جنازہ پڑھائی اور سرف کے مقام پر دفن ہوئیں۔

اُم المومنین حضرت جویریہ:

حضرت جویریہ بھی قریشیہ نہیں ہیں بلکہ عربیہ اور بنو مصطلق سے ہیں ان کا سلسلہ نسب یہ ہے، جویریہ بنت الحارث بن ابی ضرار (حبیب) بن الحارث بن عائذ بن مالک بن جذیمہ (مصطلق) بن سعد بن عمرو بن عامر بن لحی بن عامر بن

قمعہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان حضرت جویریہ کے والد حارث بن ابی ضرار قبیلہ بنو مصطلق کے سردار تھے ۔انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف لشکر جمع کیا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۵ھ میں مسلمانوں کو لے کر ان کی طرف روانہ ہوئے۔جب ان لوگوں کو علم ہوا تو جو لوگ حارث نے جمع کیے ہوئے تھے وہ بھاگ گئے۔خود اہل مریسیع نے مسلمانوں کا سامنا کیا دس کافر مارے گئے۔باقی سات سو کے قریب گرفتار ہوئے جو قیدی تھے ان میں حضرت جویریہ بھی تھیں۔جب قیدیوں کو لونڈی و غلام بنا کر تقسیم کیا گیا تو حضرت جویریہ ثابت بن قیس کے حصہ میں آئیں۔ثابت بن قیس نے جویریہ کو کہا کہ تم اتنی رقم دے کر آزاد ہو جاؤ۔یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئیں اور کہا کہ میں سردار حارث کی بیٹی ہوں میرے پاس رقم نہیں ہے۔ثابت بن قیس نے مجھے مکاتب کر دیا ہے۔آپ مجھے رقم عطا فرمائیں۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں تمہارے ساتھ اس سے بہتر سلوک کروں تو تم منظور کرو گی عرض کیا وہ بہتر سلوک کیا ہے فرمایا رقم دے کر پھر تم کو آزاد کر کے اپنے نکاح میں لے لوں۔حضرت جویریہ یہ سن کر بہت خوش ہوئیں۔چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدل کتابت کی ساری رقم دے کر ان کو آزاد کر کے اپنی ازواج مطہرات میں شامل کر لیا جب یہ خبر اسلامی لشکر میں پھیل گئی کہ حضرت جویریہ سے حضور پاک نے نکاح کر لیا ہے تو مجاہدین اسلام نے کہا کہ جس خاندان سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کر لیا ہے۔اس خاندان کا کوئی فرد لونڈی یا غلام نہیں رہ سکتا چنانچہ تمام مسلمانوں نے اس خاندان کے جتنے قیدی تھے تمام کو آزاد کر دیا۔حضرت جویریہ کا اصلی نام برہ تھا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدل کر جویریہ (چھوٹی لڑکی) رکھ دیا یہ بہت عبادت گزار تھیں۔نماز فجر سے نماز

چاشت تک وررد و وظائف میں مشغول رہا کرتی تھیں حضرت جویریہ کے دو بھائی (۱) عبداللہ بن حارث (۲) عمرو بن حارث اور ایک بہن عمرہ بن حارث یہ تینوں مسلمان ہو کر شرف صحابیت سے مشرف ہوئے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے مروی احادیث کل سات ہیں دو بخاری میں اور دو مسلم میں ہیں اور تین دیگر کتب حدیث میں ہیں۔ اور حضرت جویریہ نے ۵۶ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں (مدارج النبوت ص ۴۸۱ ج ۲)۔

اُم المومنین حضرت صفیہ:

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا نام زینب تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نام صفیہ رکھا تھا۔ یہ یہودیوں کے قبیلہ بنو نضیر کے سردار حیی بن اخطب بن شعبہ بن ثعلبہ بن عبد بن کعب بن الخزرج بن ابی حبیب بن نضیر بن النحام بن نحوم کی بیٹی ہیں ان کی ماں کا نام ضرہ بنت سموئل ہے یہ خاندان بنی اسرائیل میں سے حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور ان کا پہلا خاوند کنانہ بن ابی الحقیق تھا جو جنگ خیبر میں قتل ہو گیا تھا ۷ھ میں خیبر کو مسلمانوں نے فتح کیا تھا اور تمام اسیران جنگ کو اکٹھا کیا گیا۔ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (حضرت) صفیہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کی شہزادی ہیں آپ ان کو ازواج مطہرات میں شامل کرلیں تو حضور نے ان کو آزاد کر کے نکاح فرما لیا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے دس احادیث مروی ہیں جن میں سے ایک حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہے۔ باقی نو حدیثیں دیگر کتب حدیث میں موجود ہیں۔ ان کی وفات ۵۰ھ میں ہوئی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں (البدایہ والنہایہ ص ۱۶۵ ج ۸) غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گیارہ ازواج مطہرات ہیں

ان میں سے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا ہجرت سے پہلے ہی انتقال ہو گیا تھا اور حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا نکاح کے تین ماہ بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ہی فوت ہو گئی تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جب وصال مبارک ہوا تو آپ کی نو ازواج مطہرات موجود تھیں، حضور پاک کے وصال کے بعد سب سے پہلے حضرت زینب بنت جحش نے وفات پائی اور سب سے آخر ۶۲ھ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔ ان ازواج مطہرات کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار کنیزیں اور باندیاں بھی تھیں جو آپ کے زیر تصرف تھیں جن کے نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا:

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو مصر کے بادشاہ مقوقس قبطی نے بارگاہ اقدس میں بطور ہبہ کے نذر کیا تھا ان کی ماں رومی تھیں اور باپ مصری تھا یہ بہت ہی خوبصورت تھیں۔ یہ حضور کی ام ولد ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند ارجمند حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے بطن سے پیدا ہوئے، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی ولادت کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ابو رافع نے حضور کو پہنچائی تو حضور پاک نے خوشخبری سن کر ان کو ایک غلام بطور انعام دیا اور حضور نے حضرت ابراہیم کا عقیقہ کیا دو مینڈھے ذبح فرمائے اور ان کے سر کے بال کے وزن کے برابر چاندی خیرات فرمائی اور ان کے بالوں کو دفن کیا اور ابراہیم نام رکھا اور ابراہیم اٹھارہ ماہ زندہ رہے اور پھر فوت ہو گئے۔ حضرت ابراہیم کو جنت البقیع میں حضرت عثمان بن مظعون المتوفی ۳ھ کی قبر کے پاس دفن کیا گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اگرچہ کنیز تھیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر بھی ان کو پردہ میں رکھتے تھے اور ان کے لیے مدینہ منورہ کے قریب مقام عالیہ میں آپ نے ایک الگ مکان بنوا دیا تھا جس میں یہ رہا کرتی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے اور حضرت ماریہ قبطیہ نے ۱۶ھ میں وفات پائی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔

۲۔ حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا:

یہ یہود کے خاندان بنو قریظہ سے تھیں، گرفتار ہو کر حضور کے پاس آئیں کچھ دن تک اسلام لانے میں تاخیر کی۔ بایں وجہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے کچھ ناراض رہتے تھے لیکن ایک دن ایک صحابی نے آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ریحانہ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ آپ خوش ہوئے اور فرمایا ریحانہ اگر تم چاہو تو تم کو آزاد کر کے تم سے نکاح کر لوں مگر ریحانہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ مجھے لونڈی بنا کر رکھیں تو یہی میرے اور آپ دونوں کے حق میں اچھا اور آسان رہے گا۔

۳۔ حضرت نفیسہ رضی اللہ عنہا:

یہ پہلے حضرت زینب بنت جحش کی مملوکہ لونڈی تھیں۔ حضرت زینب نے حضور پاک کی خدمت میں ان کو بطور ہبہ نذر کر دیا اور یہ کاشانہ نبوت میں باندی اور [illegible] کی حیثیت سے رہنے لگیں۔

❖

۴۔ چوتھی کنیز صاحبہ :

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر تصرف ایک چوتھی باندی صاحبہ بھی تھیں مؤرخین نے ان کا نام ذکر نہیں کیا یہ بھی کسی جہاد میں گرفتار ہو کر آئی تھیں اور حضور پاک کی کنیز اور باندی بن کر رہیں۔ (زرقانی صہ ۲۷۴ ج ۳)۔

حضور پاک کے بعض خصائص :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جیسے کہ نسب خاص ہے اور آپ کے تمام آباؤ اجداد حضرت آدم علیہ السلام تک مؤمن اور مسلمان ہیں اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے چند وہ ہیں جو کہ نکاح سے متعلق ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کی ازواج مطہرات میں سے کسی کا نکاح کسی امتی کے لیے حلال نہیں ہے اسی طرح جو کنیز اور باندی آپ کے لیے حلال کی گئی ہیں آپ کے بعد وہ بھی کسی امتی کے لیے حلال نہیں ہیں۔

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے چار سے زیادہ عورتوں کو نکاح میں رکھنا حلال کیا گیا ہے لیکن عام مسلمانوں کے لیے چار سے زائد عورتوں کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنا حلال نہیں ہے۔

۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے چچا اور پھوپھی کی لڑکیوں اور ماموں اور خالہ کی لڑکیوں کا نکاح حلال کر دیا گیا ہے۔ بشرطیکہ انہوں نے حضور پاک کے ساتھ مکہ مکرمہ سے ہجرت کی ہو یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہے

دوسرے مسلمانوں کے لیے اپنے چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ کی لڑکیوں کے ساتھ نکاح کرنے کے لیے ہجرت شرط نہیں ہے۔ یہ شرط صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہے۔ اگر ان میں سے کسی نے کسی وجہ سے ہجرت نہیں کی تو اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح حلال نہیں رکھا گیا جیسا کہ آپ کے چچا ابوطالب کی بیٹی حضرت ام ہانی نے خود فرمایا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح اس لیے حلال نہیں تھا کہ میں نے مکہ سے ہجرت نہیں کی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہجرت کی شرط اس لیے لگائی گئی ہے کہ عموماً خاندان کی لڑکیوں کو اپنے خاندان کا فخر ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنے خاندان کے فخر کو پیش نظر رکھیں لہٰذا ہجرت کی شرط لگائی کیونکہ ہجرت وہی عورت کرے گی جو رسول اللہ کی محبت اپنے سارے خاندان اور وطن و جائیداد کی محبت سے زیادہ رکھے اور اپنے خاندانی فخر کو رسول اللہ کے قدموں پر قربان کر دے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ماں اور باپ کے خاندان کی لڑکیوں سے نکاح میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے یہ خصوصی شرط ہے کہ انہوں نے مکہ سے ہجرت کرنے میں حضور پاک کا ساتھ دیا ہو۔

۴۔ اگر کوئی مسلمان عورت اپنے نفس کو آپ کے لیے ہبہ کر دے یعنی بغیر مہر کے آپ سے نکاح کرنا چاہے۔ اگر آپ اس سے نکاح کرنا چاہیں تو آپ کے لیے بلا مہر نکاح حلال ہے اور یہ خاص حکم حضور پاک کے لیے ہی ہے دوسرے مسلمانوں کے لیے نہیں ہے بلکہ عام مسلمانوں کے لیے مہر کا شرط ہونا لازم ہے۔

۵۔ عام مسلمانوں کے لیے یہود و نصاریٰ کی عورتوں یعنی کتابیات سے

نکاح حلال ہے۔ یہ نص قرآنی سے ثابت ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے عورت کا مومن ہونا شرط ہے کسی کتابیہ عورت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح نہیں ہو سکتا۔

۶۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار ہے کہ ازواج مطہرات میں سے جس کو چاہیں پیچھے کر دیں اور جس کو چاہیں اپنے نزدیک کر لیں یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے خاص حکم ہے۔ عام امت کے لوگوں کے لیے جب متعدد بیویاں ہوں تو سب میں برابری کرنا ضروری ہے اس کے خلاف کرنا حرام ہے برابری سے مراد نفقہ کی برابری اور شب باشی میں برابری ہے کہ جتنی راتیں ایک بیوی کے ساتھ گزاریں اتنی دوسری اور تیسری اور چوتھی کے ساتھ گزارنا بھی لازم ہیں۔ کمی وبیشی ناجائز ہے مگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکمل اختیار دیا گیا ہے آپ کے لیے سب ازواج میں برابری ضروری نہیں ہے آپ کو اس حکم سے مستثنیٰ کر دیا ہے اور یہ بھی آپ کو اختیار دیا گیا ہے کہ جس بی بی سے ایک مرتبہ اجتناب کا ارادہ کر لیا اگر چاہیں تو پھر اس کو قریب کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ومن ابتغیت ممن عزلت فلا جناح علیک کا یہی مطلب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ اعزاز بخشا تھا کہ ازواج مطہرات میں برابری کرنا آپ کے لیے کوئی ضروری نہیں ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس اجازت کے باوجود اپنے عمل میں ہمیشہ برابری کرنے کا التزام فرمایا۔ ابوبکر جصاص المتوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں کہ اس آیت ترجی من تشاء منھن وتؤوی الیک من تشاء۔ (ازواج مطہرات سے جس کو چاہیں مؤخر کر دیں اور جس کو چاہیں اپنے قریب کریں) کے نزول کے بعد ازواج مطہرات میں برابری کی رعایت ہمیشہ رکھتے تھے۔

۷۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ خصوصیت بھی ہے جس کو قرآن پاک نے بایں الفاظ ذکر کیا لا یحل لک النساء من بعد ولا ان تبدل بھن من ازواج ولو اعجبک حسنھن یعنی اس کے بعد آپ کے لیے دوسری عورتوں سے نکاح حلال نہیں اور یہ بھی حلال نہیں کہ موجودہ ازواج میں کسی کو طلاق دے کر اس کی جگہ دوسری بدلیں۔ حضرت ابن عباس المتوفی ۶۸ھ حضرت مجاہد المتوفی ۱۰۳ھ، حضرت عکرمہ المتوفی ۱۰۴ھ نے اس آیت کی درج ذیل تفسیر کی ہے۔

من بعد الاصناف المذکورۃ یعنی شروع آیت میں آپ کے لیے جتنی اقسام عورتوں کی حلال کی گئی ہیں، اس کے بعد یعنی ان کے سوا کسی اور قسم کی عورتوں میں سے صرف وہ حلال کی گئیں جنہوں نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کرنے میں آپ کی موافقت کی تھی، چنانچہ فرمایا اللّٰتی ھاجرن معک جنہوں نے ہجرت کی آپ کے ساتھ اور خاندان کی عورتوں میں سے جنہوں نے ہجرت نہیں کی۔ ان کے ساتھ آپ کا نکاح حلال نہیں ہے اسی طرح شروع آیت میں مومنہ کی قید لگا کر (وامرأۃ مومنۃ) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح ممنوع قرار دیا گیا کہ آیت کے جملہ "من بعد" کا مطلب یہ ہے کہ جتنی قسمیں آپ کے لیے حلال کر دی گئیں صرف ان ہی میں سے آپ کا نکاح ہو سکتا ہے عام عورتوں میں تو مسلمان ہونا ہی شرط ہے اور خاندان کی عورتوں میں مسلمان ہونے کے ساتھ مہاجرہ ہونا بھی شرط ہے۔ جس میں یہ دو شرطیں موجود نہ ہوں ان سے آپ کا نکاح حلال نہیں ہے اُس تفسیر کے مطابق یہ جملہ کوئی نیا حکم نہیں بلکہ پہلے حکم کی تاکید اور وضاحت ہے جو شروع آیت میں بیان ہوا ہے اور اس آیت کی وجہ سے تو ازواج

نے بعد کسی اور عورت سے نکاح حرام نہیں کیا گیا بلکہ غیر مؤمنہ اور خاندان کی غیر مہاجرہ سے نکاح ممنوع اور ناجائز ہوا جو پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے۔ باقی عورتوں سے مزید نکاح آپ کے اختیار میں رہا۔ حضرت عائشہ صدیقہ کی ایک روایت سے بھی اس تفسیر کی تائید ہوتی ہے کہ آپ کے لیے مزید نکاح کرنے کی اجازت رہی ہے (معارف القرآن ص۱۸۶ و ص۱۹۵۔ ج ۷)

غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ازواجِ مطہرات رجال امت پر حرام ہیں۔ قرآن پاک میں تصریح موجود ہے ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابداً اور نہ یہ کہ نکاح کرو اس نبی کی عورتوں سے اس کے پیچھے کبھی ازواج مطہرات کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد کسی سے بھی نکاح جائز نہیں ہے کیونکہ یہ نکاح موجب ایذاء نبوت اور توہین رسالت ہے اور بہت بڑی گستاخی ہے جس سے انسان ایمان کے دائرہ سے نکل کر کفر کی حدود میں داخل ہو جاتا ہے اس لیے جہاں یہ فرمایا ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ کہ تم حضور پاک کے بعد ازواج مطہرات کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ نکاح نہیں کر سکتے اس سے پہلے فرمایا وما کان لکم ان تؤذوا رسول اللہ کہ تم رسول اللہ کو تکلیف اور ایذا نہ پہنچاؤ۔ اس سے ثابت ہے کہ کسی امتی مرد کا ازواج کے مطہرات کے ساتھ نکاح کرنا یا اس کا ارادہ کرنا موجب ایذاء اور توہین نبوت ہے اور یہ بھی فرمایا ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والآخرۃ واعد لھم عذابا مھینا۔ بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء دیتے ہیں ان پر اللہ کی لعنت ہے۔ دنیا اور آخرت میں اور ان کے لیے ذلت اور رسوائی کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

رسول اللہ کا گستاخ کافر اور واجب القتل ہے :

صاحب معارف القرآن بحوالہ تفسیر مظہری لکھتے ہیں کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی طرح ایذا پہنچائے آپ کی ذات یا صفات میں کوئی عیب نکالے خواہ صراحتہً ہو یا کنایتہً وہ کافر ہو گیا اور اس آیت کی رو سے اس پر اللہ تعالےٰ کی لعنت دنیا میں بھی ہو گی اور آخرت میں بھی (معارف القرآن صد ۲۳۹ ج ۷)۔ ملا علی القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں فتح قاضی خان لو عاب الرجل النبی فی شئ کان کافرا وکذا قال بعض العلماء لو قال لشعر النبی شُعیرٌ فقد کفر وعن ابی حفص الکبیر من عاب النبی بشعرۃ من شعراتہ الکریمۃ فقد کفر (شرح الشفاء صد ۳۸۶ ج ۲) قاضی خان میں ہے کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی چیز میں عیب لگائے وہ کافر ہے اسی طرح بعض علماء نے فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک (بال مبارک) کو اگر بصیغہ تصغیر (شعیر) (چھوٹا بال) کہہ دے تو کافر ہو جائے گا اور ابو حفص کبیر سے روایت ہے کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک بال مبارک کو بھی عیب لگائے وہ کافر ہے قال محمد بن سحنون اجمع العلماء ان شاتم النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم المتنقص لہ کافر (کتاب الشفاء صد ۲۱۵ ج ۲) محمد بن سحنون نے کہا کہ علماء کا اس بات پر اجماع (اتفاق) ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بد زبانی اور گستاخی کرنے والا کافر ہے۔ قاضی عیاض المتوفی ۵۴۴ھ شفاء میں اور ملا علی القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ شرح شفاء میں لکھتے ہیں کہ قرآن پاک سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا پہنچانے

والے پر اللہ کی لعنت ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا پہنچانا اپنی ایذا قرار دیا ہے للہذا رسول اللہ کو سب وشتم کرنے والا اللہ تعالےٰ کو سب وشتم کرنے والا قرار پائے گا ولا خلاف فی قتل من سب اللہ وان اللعن انما یستوجبہ من ھو کافر وحکم الکافر یقتل۔ اور اللہ تعالےٰ کو سب وشتم کرنے والے کے واجب القتل ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور لعنت کا مستوجب کافر ہوگا اور کافر کا حکم یہی ہے کہ اسے قتل کیا جائے۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے روایت ہے وہ اپنے باپ حضرت امام موسیٰ کاظم سے وہ اپنے باپ حضرت امام جعفر سے وہ اپنے باپ امام باقر سے وہ اپنے باپ امام زین العابدین سے وہ اپنے باپ امام حسین سے وہ اپنے باپ حضرت علی علیہم السلام سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا من سب نبیاً فاقتلوہ ومن سب اصحابی فاضربوہ (کتاب الشفاء ص ۲۲۱ ج ۲) کہ جو نبی کو سب وشتم (گالی گلوچ) کرے اس کو قتل کر دو اور جو میرے اصحاب کو گالی دے اسے مارو۔ اور امام حاکم نے مستدرک میں یہ روایت ذکر کی ہے من سب علیاً فقد سبنی ومن سبنی فقد سب اللہ (شرح شفا ص ۵۰۴ ج ۲) کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے علی کو سب کی (گالی دی) اس نے مجھے سب کی اور جس نے مجھے سب کی اس نے اللہ تعالیٰ کو سب کی۔ قاضی عیاض لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل پاک، اہل بیت اطہار اور ازواج مطہرات اور صحابہ کرام کو سب کرنا اور ان کی شان میں تنقیص کرنا حرام ہے اور ایسا کرنے والا ملعون ہے (کتاب الشفاء ص ۲۰۳) کعب بن اشرف یہود کا سردار تھا، یہ گستاخ رسول تھا اور رسول اللہ

کی ہجو کیا کرتا تھا (معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محمد بن مسلمہ کو اس کو قتل کرنے کے لیے بھیجا، چنانچہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من لکعب بن الاشرف فانہ قد اذی اللہ ورسولہ فقام محمد بن مسلمہ فقال یا رسول اللہ اتحب ان اقتلہ قال نعم، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کون ہے جو کعب بن اشرف کو قتل کرے کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچائی ہے۔ پس محمد بن مسلمہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ پسند فرمائیں گے کہ میں اس کو قتل کروں فرمایا ہاں۔ چنانچہ محمد بن مسلمہ نے اپنے ساتھیوں سمیت اسے قتل کر دیا اور حضور کی بارگاہ میں اس کے قتل کی اطلاع کر دی (صحیح بخاری ص۵۷۶ ج ۲)، (صحیح مسلم ص۱۱۰ ج ۲، سیرت ابن ہشام ص۴۵ ج ۲) اسی طرح ابو رافع یہودی عبداللہ بن ابی الحقیق بھی گستاخ رسول تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے قتل کرنے کا بھی حکم دیا۔ چنانچہ براء بن عازب المتوفی ۷۲ھ سے روایت ہے کہا براء بن عازب نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کی ایک جماعت کو ابو رافع کے قتل کے لیے بھیجا۔ فدخل علیہ عبد اللہ بن عتیک بیتہ لیلا وھو نائم فقتلہ (صحیح بخاری ص۴۲۴ ج ۱) پس عبداللہ بن عتیک رات کے وقت اس کے گھر میں داخل ہوئے جبکہ وہ سویا ہوا تھا۔ پس عبداللہ بن عتیک نے ابو رافع یہودی کو قتل کر دیا۔ قاضی عیاض المتوفی ۵۴۴ھ نے یہ روایت بھی ذکر کی ہے کہ ایک مرد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے اپنے باپ کو آپ کے بارے میں بُری بات کہتے اور گستاخی کرتے ہوئے سنا

فقتلتہ فلم یشق ذالک علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
(کتاب الشفاء صفحہ ۲۲۲ ج ۲)۔ تو میں نے اسے قتل کر دیا۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر یہ کام ناگوار نہ گزرا اور ابن عباس سے روایت ہے جس کو ابوداؤد اور حاکم نے بیان کیا ہے۔ اور اس کی تصحیح بھی ذکر کی ہے نیز بیہقی نے بھی اس کو اپنی سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک نابینا صحابی تھے ان کے ہاں ایک لونڈی تھی جو کہ ان کی ام ولدہ تھی۔ یہ لونڈی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو گالیاں دیتی اور گستاخی کرتی تھی۔ انہوں نے اس کو بارہا منع کیا مگر وہ باز نہ آتی تھی۔ ایک رات جب وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی گستاخی کرنے لگی تو ان نابینا صحابی نے اس لونڈی کو قتل کر دیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع دے دی۔ فاھدر دمہا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کا خون باطل کر دیا۔ (شرح شفاء صفحہ ۴۰۹ ج ۲) حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو گالیاں دیتی اور آپ کی بدگوئی میں مشغول رہتی تھی۔ فخنقہا رجل حتی ماتت فابطل النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دمہا رواہ ابوداؤد (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۳۰۸) پس ایک آدمی نے اس کا گلا گھونٹ دیا یہاں تک کہ وہ مر گئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کا خون باطل کر دیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فتح مکہ کے دن بڑے بڑے کافروں کو معاف کر دیا تھا لیکن ان میں جو گستاخ رسول تھے حضور پاک کی ہجو کیا کرتے تھے ان کا خون مباح کیا گیا تھا۔ چنانچہ حویرث بن نقیر بن بجیر بن عبد بن قصی کو قتل کیا گیا۔ یہ حضور کو ایذا دیتا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی گستاخی کرتا تھا اور عبداللہ بن اخطل جو کعبہ کے پردوں میں چھپ گیا تھا اس نے اگرچہ ایک

مسلمان بھی قتل کیا تھا لیکن اس نے دو لونڈیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ان سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو کراتا تھا۔ بایں وجہ اس کو کعبہ کے پردوں کے پیچھے سے نکال کر قتل کر دیا گیا تھا اور اس کی لونڈی قریبہ کو بھی قتل کر دیا گیا (صحیح بخاری ص۲۴۹ ج ۱، سیرت ابن ہشام ص۲۸۷ ج ۲، جمہرۃ انساب العرب ص۱۳۸، الصارم المسلول ص۱۳۰) ملا علی القاری الحنفی لکھتے ہیں کہ تمام علماء کا اجماع واتفاق ہے کہ شاتم رسول وگستاخِ رسول کافر ہے اور اس کے لیے اللہ تعالٰے کے عذاب کی وعید شدید ثابت ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور تمام ائمہ امت (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل) کے نزدیک گستاخِ رسول کی دنیاوی سزا یہ ہے کہ اسے قتل کیا جائے اور جو دنیا میں اس کے کفر اور آخرت میں اس کے عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے (شرح شفاء ص۳۹۴ ج ۲) قاضی عیاض لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب شاتم رسول اور گستاخ رسول کے بارے میں یہی کہتے ہیں کہ وہ کافر ہے اور واجب القتل ہے اور امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے کہ گستاخ رسول واجب القتل ہے اور امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مذہب ہے کہ گستاخ رسول واجب القتل ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں من سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم او شتمہ او عابہ او تنقصہ قتل مسلماً کان او کافراً لا یستتاب (کتاب الشفاء ص۲۱۶ ج ۲) کہ جو شخص رسول اللہ کو سب کرے یا گال نکالے یا عیب نکالے یا تنقیص شان کرے (توہین کرے) خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر ہو اس کو قتل کیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو سب وشتم

کرتا ہے یا آپ کی توہین اور گستاخی کرتا ہے وہ کافر اور واجب القتل ہے یہ توہین کرنے والا خواہ کوئی نام نہاد مسلمان ہو یا کافر ہو یا اہلِ کتاب ہو یا ذمی کافر ہو یا حربی کافر ہو اس نے قصداً توہین کی ہو یا بھول کر اس کے متعلق شرعی حکم قتل ہے اس کی توبہ قبول نہیں ہے۔ حافظ ابن تیمیہ کے زمانے میں ایک عیسائی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دی تو حافظ ابن تیمیہ نے اس کے بارے میں کتاب "الصارم المسلول" لکھی جس میں یہ ثابت کیا کہ گستاخِ رسول کی سزا قتل ہے۔ اسلام ایک سچا مذہب ہے یہ کسی پر زیادتی نہیں کرتا اور نہ ہی کسی کو مسلمان ہونے پر مجبور کرتا ہے بلکہ یہ تو غیر مسلموں کا بھی تحفظ کرتا ہے۔ گویا کہ مذہبی آزادی دیتا ہے لیکن آزادی کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف یا آپ کی اہل بیت اطہار کے خلاف دریدہ دہنی کرے تو اسے کھلا چھوڑ دیا جائے۔ نبوت و رسالت کی توہین پورے اسلام کی بلکہ مسلمانوں کی بھی توہین ہے۔ اگر کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کرتا ہے تو حضور کا جو امتی ہے اس کا فرض ہے کہ وہ اس کا انسداد کرے جس طرح بھی ہو سکے ہر دور اور ہر زمانہ میں نبوت اور رسالت کا تحفظ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں نے ہی کیا ہے۔ اگر امن عامہ کے خراب ہونے کا خطرہ ہو تو پھر اس کا حل یہ ہے کہ اسلامی اور ملکی عدالت سے ایسے گستاخ رسول کو سزا دلائی جائے۔ بہر صورت مسئلہ زیر بحث یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امہات المومنین ازواج مطہرات کے ساتھ کسی کا نکاح کرنا قطعی حرام اور موجب ایذاء نبوت و توہین نبوت ہے اور بہت بڑی گستاخی ہے اور جس طرح یہ نکاح ناجائز ہے ایسے ہی اس کا زبان سے ذکر کرنا یا دل میں ارادہ کرنا سب گناہ ہے اس لیے اللہ تعالے نے فرمایا اگر تم اس کے متعلق کسی چیز

کو زبان سے ظاہر کرو گے یا اس کے ارادہ کو دل میں پوشیدہ رکھو گے تو اللہ تعالیٰ کو دونوں کی خبر ہوگی کیونکہ وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ پس تم کو اس پر سزا دے گا اب اس سے ثابت ہوا جیسے کہ ازواجِ مطہرات سے کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے اسی طرح زبان کے ساتھ ذکر کرنا حرام ہے بلکہ پوشیدہ طور پر اس کا ارادہ کرنا بھی حرام ہے۔ چنانچہ ہم نے حسب ونسب جلد ثانی میں یزید خبیث کے کافر ہونے کی ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ اس نے کہا کہ میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کروں گا۔ چنانچہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی المتوفی ۱۰۵۲ھ نے لکھا ہے کہ یزید شقی (بدبخت) نے حضرت عائشہ صدیقہ کے بارے میں طمع کیا تو لوگوں نے اس پر یہ آیت پڑھی اور اس سے اسے باز رکھا (مدارج النبوت ص۲۳۶ ج ۱) جب یزید نے یہ کہا تھا کہ میں عائشہ صدیقہ سے نکاح کروں گا۔ اس وقت قرآن پاک اتر چکا تھا اور احکام اسلامیہ تمام لوگوں تک پہنچ چکے تھے اور تمام لوگ جانتے تھے کہ ازواجِ مطہرات مسلمانوں کی مائیں ہیں اور ان سے نکاح کرنا قطعی حرام ہے بلکہ اس کے متعلق سوچنا بھی حرام ہے اور حضور پاک کے ازواجِ مطہرات آپ کے بعد رجال امت پر حرام قرار دی گئیں ہیں اللہ تعالےٰ نے فرمایا وازواجہ امہاتہم یعنی حرمت میں وہ ماؤں کے حکم میں ہیں۔ درحقیقت آپ کی ازواج کی حرمت کا سبب حضور کا قبر شریف (روضہ انور) میں زندہ ہونا ہے اسی بنا پر علماء کہتے ہیں کہ ازواج مطہرات پر وفات کی عدت نہیں ہے (مدارج النبوت ص۲۳۶ ج ۱) معارف القرآن میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی طرح ایذاء وتکلیف پہنچانا یا آپ کی وفات کے بعد آپ کی ازواج سے نکاح کرنا اللہ تعالےٰ کے نزدیک بڑا گناہ ہے۔ آخر آیت میں پھر اس مضمون کو دہرایا گیا ہے کہ اللہ تعالےٰ تمہارے دلوں کے ارادوں اور خیالات سے

واقف ہے کہ تم کسی چیز کو چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ کے سامنے سب ظاہر ہی ظاہر ہے اس میں تاکید ہے کہ مذکورالصدر احکام میں کسی قسم کا شک و شبہ یا وسوسہ دل میں پیدا نہ ہونے دیں اور احکام مذکورہ کی مخالفت سے بچیں (معارف القرآن صہ۲۹۴ ج ۷) کوئی شخص یہ حق نہیں رکھتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد وہ یہ کہے یا مطالبہ کرے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی سے نکاح کرنا چاہتا ہوں اگر کوئی یہ حرکت کرتا ہے وہ بے ایمان اور کافر ہے۔ جب یزید خبیث نے حضرت عائشہ صدیقہ کے بارے میں یہ کلمات خبیثہ کہے تو یزید خبیث ان کلمات کہنے سے بھی کافر ہے کیونکہ ازواج مطہرات حضور کے بعد امت کے رجال پر قطعی حرام ہیں۔

سیّدزادی کے ساتھ غیر سیّد کا نکاح نہیں ہو سکتا:

چونکہ ہماری کتاب حسب و نسب کا بنیادی موضوع یہ ہے کہ سیّدزادی کا نکاح غیر سیّد کے ساتھ ہرگز نہیں ہو سکتا خواہ اس کا ولی راضی ہو یا نہ ہو لیکن ہمارے بعض معاصرین جو نکاح کے مسئلہ میں کفو کا بنیادی طور پر انکار کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہر مسلمان خواہ کسی برادری کا ہو وہ سیّدزادی کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے ان میں سے بعض نے اپنی کتاب سیف الاعوان میں لکھا کہ قرآن میں صرف ازواج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرمت منصوص ہے قرآن نے یہ بیان نہیں کیا کہ حضور کی بیٹیاں بھی امت پر حرام ہیں (سیف الاعوان صہ۱۶۶) سیف الاعوان والا یہ بتانا چاہتا ہے کہ ازواج مطہرات کی امت پر حرمت تو قرآن میں منصوص ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیوں کے بارے میں قرآن نے ذکر نہیں کیا کہ وہ بھی امت کے رجال پر حرام ہیں۔ جب قرآن نے ذکر نہیں کیا تو

پھر ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیاں رجال امت پر حرام نہیں ہیں۔
اصل بات یہ ہے کہ یہ سیف الاعوان والا مسئلہ کفو کو سمجھ نہیں سکا۔ اصل مسئلہ
یہ تھا کہ سیدزادی کا نکاح غیر سید کے ساتھ منعقد نہیں ہوتا کیونکہ یہ نکاح غیر کفو
میں ہے اور غیر کفو میں نکاح باطل ہوتا ہے اب اس مسئلہ کو ازواج مطہرات
پر قیاس کرنا اس کی صریح غلطی ہے کیونکہ ازواج مطہرات کی حرمت کفو یا غیر کفو
کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ ان کی حرمت ازواج مطہرات کے اعتبار سے ہے
ان کی حرمت میں کفو وغیرہ کا دخل نہیں ہے۔ چنانچہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی
لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے ہے کہ ازواج مطہرات
آپ کے بعد امت پر حرام قرار دی گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وازواجہ امہاتہم
یعنی حرمت میں وہ ماؤں کے حکم میں ہیں۔ درحقیقت آپ کے ازواج مطہرات
کی حرمت کا سبب حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی قبر میں زندہ ہونا ہے
اسی بنا پر علماء کہتے ہیں کہ ازواج مطہرات پر وفات کی عدت نہیں ہے جیسے
کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے۔ اب اس سے ثابت ہوا کہ ازواج مطہرات کی
حرمت اس اعتبار سے ہے کہ وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں
ہیں یہاں کفو اور عدم کفو کا اعتبار نہیں ہے اور غیر سید کے لیے سیدزادی
کی حرمت کا سبب عدم کفو ہے لہٰذا اس مسئلہ کو ازواج مطہرات کے
مسئلہ پر قیاس کرنا صریح غلط ہے۔ ہم نے سیف الاعوان والے کا مکمل رد
حسب ونسب چوتھی جلد میں کیا ہے۔ تفصیل وہاں ملاحظہ کی جائے۔ اور نکاح
غیر کفو میں باطل محض ہے۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں وان لم یکن کفوا لا یجوز
النکاح اصلا کہ اگر کفو نہ ہو تو نکاح بالکل جائز نہیں ہے یہ حسن بن زیاد المتوفی
سنہ ۲۰۴ھ کی روایت ہے یہی مختار اور قابل فتویٰ ہے۔ شمس الائمہ سرخسی المتوفی

سنہ ۸۵۵ھ فرماتے ہیں کہ حسن بن زیاد کی روایت ہی احتیاط کے بہت قریب ہے
شیخ ابن ہمام المتوفی سنہ ۸۶۱ھ، علامہ شامی المتوفی سنہ ۱۲۵۲ھ۔ اعلیٰ حضرت فاضل
بریلوی المتوفی سنہ ۱۳۴۰ھ اور دیگر فقہاء لکھتے ہیں و تعتبر الکفاءۃ للزوم النکاح
ای علی ظاہر الروایۃ ولصحتہ علیٰ روایۃ الحسن المختارۃ للفتویٰ
(فتح القدیر صفحہ ۲۹۴ ج ۲۔ رد المحتار صفحہ ۸۶ ج ۲۔ فتاویٰ رضویہ صفحہ ۲۹۵ ج ۵) اور ظاہر
روایت کے مطابق نکاح کے لزوم میں کفارت معتبر ہے اور حسن بن زیاد کی
روایت یہ ہے کہ کفارت نکاح کی صحت کی شرط ہے اور یہ ہی مفتیٰ بہا رجس
پر فتویٰ ہے) یعنی حسن بن زیاد سے مروی ہے کہ صحت نکاح کے لیے کفو شرط
ہے اور اسی پر فتویٰ ہے کہ نکاح غیر کفو میں صحیح نہیں ہے اگر غیر کفو میں نکاح
ہو جائے تو پھر یہ فسخ نہیں ہو سکتا کیونکہ ہر ولی (وارث) عدالت میں فسخ نکاح
کے لیے رجوع نہیں کر سکتا نیز ہر قاضی عادل نہیں ہوتا کہ وہ غیر کفو میں کیا ہوا
نکاح فسخ کر دے۔ اگر بالفرض ولی یہ کام عدالت سے کرا سکے اور قاضی بھی عادل
ہو تو پھر بھی بعض اوقات حکام کے دروازوں پر چکر لگانے کی ذلت اور
اس کام کے مشکل ہونے کی وجہ سے عدالت کی طرف رجوع نہیں کیا جا سکتا
لہٰذا ضرر ہمیشہ کے لیے پختہ ہو جاتا ہے اور اس ضرر سے بچنے کے لیے یہی
طریقہ ہے کہ بنیادی طور پر غیر کفو میں نکاح ہی منعقد نہ ہو تاکہ ولی (وارث)
ہر طرح کی ذلت سے محفوظ رہے جب حسن بن زیاد کی مفتیٰ بہا روایت کے
مطابق غیر کفو میں نکاح نہیں ہوتا تو سیدزادی کا نکاح غیر کفو میں منعقد
نہیں ہوگا۔ سیدزادی اور اس کے ولی کی رضا یا عدم رضا کا اعتبار نہیں ہے
کیونکہ ولی کی رضا یا عدم رضا کا تعلق تو ظاہر روایت سے ہے حسن بن زیاد
کی روایت مختارہ للفتویٰ کے بارے میں یہ نہیں ہے۔ چنانچہ صاحب بنایہ

لکھتے ہیں لان حق الاعتراض ثبت لکل واحد من الاولیاء کما ھو ظاھر الروایۃ واما علی المفتیٰ بہ فالنکاح باطل عن اصلہ کیونکہ اعتراض کا حق سب کو حاصل ہے اور یہ مسئلہ ظاہر روایت ہے لیکن مفتیٰ بہ قول کے مطابق یہ سرے سے نکاح ہی نہیں ہوا۔ اب اس سے صاف ظاہر ہے کہ رضا یا عدم رضا کے فرق کا تعلق ظاہر روایت سے ہے۔ حسن بن زیاد کی روایت سے تعلق نہیں ہے جس پر فتویٰ ہے اور حسن بن زیاد کی روایت کے مطابق تو نکاح بنیادی طور پر نہیں ہوتا خواہ ولی موجود ہو یا نہ ہو ولی راضی ہو یا نہ ہو۔ علامہ ابن ھمام بھی کہتے ہیں کہ ایسے نکاح میں عورت اور مرد کے درمیان تفریق حاکم ہی کر سکتا ہے کیونکہ مسئلہ اجتہادی ہے اور ہر دو فریق دلیل رکھتے ہیں لہٰذا قاضی کے حکم کے بغیر جھگڑا ختم نہیں ہوگا اور فیصلہ ہونے تک یہ نکاح درست ہوگا اور اگر مرد اور عورت سے کوئی فیصلہ سے قبل فوت ہو جائے تو ایک دوسرے کے وارث ہوں گے ھذا علی ظاہر الروایت یعنی یہ ظاہر روایت پر ہے واما علی الروایۃ المختارۃ للفتویٰ لایصح العقد اصلا اذا کانت زوجت نفسھا بغیر کفوء (فتح القدیر شرح ہدایہ) اور لیکن جو روایت فتویٰ کے لیے مختار ہے اس کے اعتبار سے نکاح بالکل منعقد نہیں ہوتا جبکہ عورت خود غیر کفو میں اپنا نکاح کرے اب اس سے واضح طور پر ثابت ہے کہ رضا اور عدم رضا کا اعتبار ظاہر روایت میں ہے جس پر فتویٰ نہیں ہے اور فتویٰ تو حسن بن زیاد کی روایت پر ہے جس میں رضا اور عدم رضا کا اعتبار نہیں ہے کہ نکاح غیر کفو میں بالکلیہ نہیں ہوتا خواہ ولی راضی ہو یا ناراض ہو باقی جو علامہ شامی نے بحوالہ ابن ھمام روایت ذکر کی ہے یا صاحب بحر الرائق نے ذکر کی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس عورت کا کوئی ولی وارث نہ ہو تو پھر یہ نکاح ہو

سکتا ہے یہ احتمالی روایت از قسم احتمالات اور مشائخ کے تفقہات (ظن پر مبنی آرائیں) سے ہے جو مختار اور قابل فتویٰ روایت کے مقابلے میں صرف ایک احتمال ہی احتمال ہے اس پر فتویٰ ہرگز نہیں ہے اور نہ ہی ان فقہاء کرام سے اس احتمال کو کسی نے معتمد علیہ اور قابل فتویٰ قرار دیا ہے۔ بایں وجہ مسئلہ زیر بحث کے بارے میں حضرت خواجہ خواجگان قبلہ پیر سید مہر علی شاہ المتوفی ۱۳۵۶ھ نے صرف حسن بن زیاد کی روایت جو فتویٰ کے لیے مختار ہے اس کو اپنے فتاویٰ مہریہ میں ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ نکاح ہرگز ہرگز نہیں ہوتا۔ آپ نے فتح القدیر اور بحر الرائق اور علامہ شامی کہ محولہ مذکورہ روایت یعنی ولی کی رضا اور عدم رضا والی کا ذکر تک نہیں کیا کیونکہ وہ قابل فتویٰ نہیں ہے بلکہ فرمایا متون فقہ مملو اند مشحون از عدم ایں چنیں نکاح لعدم کفاءتہ العجمی لا یکون کفوا للعربیۃ ولو کان عالما او سلطانا وھو الاصح (در مختار) ویفتی فی غیر الکفوء لعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان (در مختار) (فتاوی مہریہ ص۱۳۲ کہ فقہ کے متن بھرے پڑے ہیں کہ یہ نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ حضرت قبلہ گولڑوی علیہ الرحمۃ جانتے تھے کہ فتویٰ احتمالات اور تفقہات پر نہیں ہوا کرتا لہٰذا آپ نے متون کا ذکر کرکے بتایا ہے کہ فتویٰ متن پر ہوا کرتا ہے اور اصحاب متون نے فتویٰ حسن بن زیاد کی روایت پر دیتے ہوئے کہا ہے کہ یہ نکاح بالکل نہیں ہوتا اس میں رضا اور عدم رضا کا کوئی اعتبار نہیں ہے لہٰذا اگر کسی سیّدزادی نے غیر سیّد کے ساتھ نکاح کیا تو یہ نکاح بنیادی طور پر منعقد نہیں ہوگا خواہ اس کے اولیاء اور وارث راضی ہی کیوں نہ ہوں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نسب طیب و طاہر ہے

آپ کے نسب میں آپ کے والدین کریمین سے لے کر حضرت آدم و حوا علیہما السلام تک جتنے آباؤ اجداد ہوئے ہیں وہ تمام مؤمن اور مسلمان تھے ان میں جو نبی تھے وہ تو نبی تھے باقیوں میں سے بھی کسی نے نہ تو کفر و شرک کیا اور نہ ہی کوئی ایام جاہلیت والی بے احتیاطی کی اس طرح کا نسب کسی اور کا نہیں ہے جس میں تمام آبا ؤ اجداد مسلمان ہوں اسی لیے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنا نسب حضرت عدنان تک ذکر کیا تو آخر میں فرمایا فانا خیرکم نسبًا کہ میں تم تمام سے نسب میں بہتر ہوں۔ اب اس سے ظاہر ہے کہ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب ہے اس طرح کسی دوسرے کا نسب نہیں ہے اور یہ بات بھی ظاہر ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد آپ کی جز ہے لہٰذا حضور پاک کی اولاد کے نسب جیسا کہ کسی دوسرے کا نسب نہیں ہے اور نہ ہی کوئی دوسرے نسب والا ان کا ہم کفو ہے۔ ان کا ہم کفو ان سے ہی ہوگا لہٰذا ہم نے کہا ہے کہ سید زادی نے اگر غیر سید کے ساتھ نکاح کیا تو یہ نکاح غیر کفو میں ہونے کی وجہ سے منعقد نہیں ہوگا وللہ الحمد

بابِ دوم

آلِ ابی طالب

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ باب دوم میں آلِ ابی طالب کا ذکر کریں گے اور مولائے کائنات شیرِ خدا علی بن ابی طالب کی جو اولاد سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء سے ہے جن کو اولادِ رسول کہا جاتا ہے ان کا ذکر باب سوم میں کریں گے کیونکہ ان کو آلِ ابی طالب نہیں کہا جاتا بلکہ اولادِ رسول کہا جاتا ہے اور حضرت علی بن ابی طالب شیرِ خدا کی دوسری بیویوں سے جو اولاد ہے ان کو آلِ ابی طالب بھی کہا جاتا ہے اور علوی بھی کہا جاتا ہے لہٰذا ان کا ذکر آلِ ابی طالب میں ہوگا اور یہ بھی لکھ آئے ہیں کہ حضرت ابو طالب کے چار فرزند تھے (۱) طالب بن ابی طالب (۲) عقیل بن ابی طالب (۳) جعفر بن ابی طالب (۴) علی بن ابی طالب۔ اب ان کا بالاختصار ذکر کیا جاتا ہے۔

طالب بن ابی طالب :-

طالب، حضرت ابو طالب کے بڑے بیٹے تھے ان کے نام پر ہی آپ کی کنیت ہے یہ جنگِ بدر کے موقعہ پر کفار کے ساتھ مجبوراً آئے جب کفارِ مکہ کو شکست ہوئی تو طالب نہ قیدیوں میں پائے گئے اور نہ ہی قتل ہونے والوں میں سے ملے۔ نہ مکہ مکرمہ میں واپس آئے اور نہ ہی ان کا حال معلوم

ہوسکا اور نہ ہی ان کی کوئی اولاد ہے۔ (طبقات بن سعد صہ۱۷۱ ج ۱، عمدۃ الطالب صہ۴۷)

عقیل بن ابی طالب :۔

حضرت عقیل، طالب سے دس سال چھوٹے تھے اور حضرت جعفر سے دس سال بڑے تھے۔ آپ بھی مجبوراً جنگِ بدر میں قریش مکہ کے ساتھ گئے تھے اور حدیبیہ سے پہلے مشرف باسلام ہوئے۔ آپ نے غزوہ موتہ اور دیگر جنگوں میں شرکت کی۔ آپ انساب عرب کے بہت بڑے عالم اور ماہر تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عقیل کے ساتھ بڑی محبت کرتے تھے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ میں تم سے دو محبتیں رکھتا ہوں۔ ایک تو محبت قرابت، دوسری اس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ میرے چچا ابو طالب کو تم سے محبت تھی۔ آپ کی وفات ۵۹ھ میں ہوئی ہے۔

حضرت عقیل بن ابی طالب کی اولاد:

حضرت عقیل کے تین بیٹے تھے۔ (۱) مسلم بن عقیل (۲) عبدالرحمان بن عقیل (۳) محمد بن عقیل۔

(۱) امام مسلم بن عقیل :۔

آپ امام حسین علیہ السلام کے نائب ہو کر کوفہ تشریف لے گئے وہاں اہلِ کوفہ نے آپ کے ساتھ دھوکہ اور بے وفائی کی۔ آخر کار ابن زیاد علیہ اللعنۃ نے آپ کو شہید کر دیا نیز آپ کے ساتھ آپ کے دو صاحبزادے محمد بن مسلم، ابراہیم بن مسلم کو بھی شہید کر دیا۔ امام مسلم کی شہادت کا واقعہ

ہم نے اپنی کتاب "امام زین العابدین" میں ذکر کیا ہے، امام مسلم کے ایک بیٹے عبداللہ بن مسلم کربلا میں بھی شہید ہوئے تھے۔

عبدالرحمان بن عقیل :۔

یہ کربلا میں شہید ہو گئے۔ ان کی آگے اولاد نہیں ہے۔

محمد بن عقیل :۔

حضرت عقیل بن ابی طالب کی نسل صرف محمد بن عقیل سے چلی ہے اور محمد بن عقیل کے بیٹے عبداللہ بن محمد ہیں۔ یہ بہت بڑے محدث تھے۔ امام ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ، ان سے روایت لیتے ہیں۔ ان کی والدہ زینب صغریٰ بنت امیر المومنین علی المرتضیٰ ہیں اور محمد بن عقیل کے دوسرے بیٹے قاسم بن محمد ہیں اور تیسرے بیٹے عبدالرحمان بن محمد ہیں۔ ان دونوں کی آگے نسل نہیں چلی۔

عبداللہ بن محمد :۔

عبداللہ بن محمد محدث کے آگے دو بیٹے تھے (۱) محمد بن عبداللہ ان کی والدہ حمیدہ بنت مسلم بن عقیل تھیں۔ (۲) مسلم بن عبداللہ ان کی والدہ ام ولد تھیں۔

محمد بن عبداللہ بن محمد بن عقیل :۔

ان کے پانچ بیٹے تھے (۱) قاسم الجیزی (۲) عقیل (۳) علی (۴) طاہر (۵) ابراہیم۔

(۱) قاسم الجیزی بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عقیل بن ابی طالب :۔

قاسم الجیزی بہت بڑے عالم تھے۔ قاسم الجزی کے آگے ۰ تھے

(۱) عبدالرحمان بن القاسم الجیزی (۲) عقیل بن القاسم الجیزی اور عبدالرحمان بن القاسم الجیزی کا بیٹا محمد المرفوع ہے اس کی اولاد کو بنو المرفوع کہا جاتا ہے یہ لوگ طبرستان میں موجود ہیں۔

(۲) عقیل بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عقیل بن ابی طالب :۔

عقیل بن محمد بہت محدث اور ثقہ تھے۔ ان کے چار بیٹے تھے (۱) قاسم بن عقیل (۲) احمد بن عقیل (۳) عبداللہ بن عقیل (۴) مسلم بن عقیل، آگے قاسم بن عقیل کا بیٹا محمد ہے جس کو محمد بن الانصاریہ کہتے ہیں اور محمد بن الانصاریہ کے چار بیٹے تھے ان میں ایک علی تھا جس کو ابن قریشیہ کہتے تھے اور ابن قریشیہ کے دو لڑکے تھے (۱) ابو عبداللہ حسین (۲) ابوالحسین محمد، اور ابوالحسین محمد کا لڑکا عبداللہ تھا اس کی وفات ۳۵۱ھ میں ہوئی ہے یہ لوگ مصر میں رہائش پذیر تھے۔

(۳) علی بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عقیل بن ابی طالب :۔

علی بن محمد کے دو بیٹے تھے (۱) عبداللہ (۲) حسن، ان کی نسل آگے جاری ہے۔

(۴) طاہر بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عقیل بن ابی طالب :۔

طاہر بن محمد کے دو لڑکے تھے (۱) محمد بن طاہر (۲) علی بن طاہر، ان کی نسل جاری ہے۔ یہ لوگ مصر میں رہائش پذیر تھے۔

(۵) ابراہیم بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عقیل بن ابی طالب :۔

ابراہیم بن محمد کی نسل جاری ہے جو کہ فارس میں متفرق مقام پر موجود تھے نسب علماء نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن محمد بن عقیل بن ابی طالب کے دو نسخے ہیں ایک محمد بن عبداللہ بن محمد بن عقیل بن ابی طالب جن کی اولاد

کا ذکر ہوا ہے۔ اور دوسرے مسلم بن عبداللہ بن محمد بن عقیل بن ابی طالب ہیں، مسلم بن عبداللہ کے چار لڑکے تھے (۱) سلیمان بن مسلم (۲) عبدالرحمان بن مسلم (۳) محمد بن مسلم (۴) عبداللہ بن مسلم، ان میں سے (۱) سلیمان بن مسلم کی کوئی اولاد نہ تھی لہٰذا اس کی آگے نسل نہیں چلی، باقی تینوں کی نسل جاری ہے چنانچہ (۲) عبدالرحمان بن مسلم کا لڑکا جعفر بن عبدالرحمان تھا (۳) محمد بن مسلم کا لڑکا حسین ہے یہ کوفہ میں اقامت پذیر تھے۔ (۴) عبداللہ بن مسلم کا آگے بیٹا احمد ہے اور احمد کا بیٹا اسماعیل ہے اور اسماعیل کا بیٹا جعفر ہے اور جعفر کا بیٹا صمام ہے یہ لوگ مقام نصیبین میں اقامت پذیر تھے ان کو بنو صمام کہا جاتا ہے نیز عبداللہ بن مسلم کے تین لڑکے اور بھی تھے (۱) ابراہیم بن عبداللہ (۲) عیسٰی الاوقص بن عبداللہ (۳) سلیمان بن عبداللہ، ان میں سے (۱) ابراہیم بن عبداللہ کو ابراہیم دخنہ کہتے تھے اس کی آگے کافی اولاد ہے اور ان ہی میں سے بنو علق بھی ہیں اور بنو علق سے ابراہیم بن علی بن ابراہیم دخنہ ہے یہ لوگ نصیبین کے مقام میں رہتے تھے، (۲) عیسٰے الاوقص، اس کی آگے نسل جاری ہے (۳) سلیمان بن عبداللہ کا بیٹا احمد ہے اور احمد بن سلیمان کا بیٹا حسین ہے اور حسین کا بیٹا محمد ہے اور محمد کا بیٹا عقیل ہے اور عقیل کا بیٹا حسن ہے ان کی اولاد مدینہ منورہ میں تھی۔

حضرت جعفر (طیار) بن ابی طالب:

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ حضرت عقیل بن ابی طالب سے دس سال چھوٹے تھے اور علی بن ابی طالب سے دس سال بڑے تھے اور قدیم الاسلام تھے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی اور آپ مہاجرین حبشہ کے سردار تھے

جب کفارِ مکہ نے مسلمانوں پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا کیونکہ حبشہ کا بادشاہ اصحمہ نجاشی نہایت انصاف پسند اور رحم دل تھا۔ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے کل مسلمان تراسی مرد اور اٹھارہ عورتیں تھیں۔ جب مسلمان حبشہ پہنچے تو وہاں پر نہایت امن و سکون کے ساتھ رہنے لگے تو کفارِ مکہ نے عمرو بن عاص اور عمارہ بن ولید کو بادشاہ نجاشی کے دربار میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ ان دونوں نے نجاشی کے دربار میں پہنچ کر تحفے و تحائف پیش کیے نیز بادشاہ کو سجدہ کیا اور عرض کیا کہ مکہ مکرمہ کے کچھ لوگ بھاگ کر آپ کے ملک میں پناہ گزین ہو گئے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ آپ ان کو ہمارے حوالہ کر دیں۔ یہ سن کر نجاشی نے مسلمانوں کو دربار میں طلب کیا۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی طرف سے گفتگو کے لیے آگے بڑھے اور ان کے مروجہ درباری آداب کے مطابق بادشاہ کو سجدہ نہیں کیا بلکہ صرف سلام کر کے کھڑے ہو گئے۔ درباریوں نے اس پر اعتراض کیا کہ آپ نے بادشاہ کو سجدہ کیوں نہیں کیا تو جعفر طیار نے جواب دیا کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خدا کے سوا کسی کو سجدہ کرنے سے منع فرمایا ہے اس لیے میں بادشاہ کو کسی صورت میں سجدہ نہیں کر سکتا۔ نجاشی نے جعفر طیار سے پوچھا کہ اس دین کی کیا حقیقت ہے جس میں داخل ہو کر تم نے اپنی قوم سے علیحدگی اختیار کر لی ہے اس کے جواب میں حضرت جعفر نے کہا کہ اے بادشاہ ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے، شرک و بت پرستی کرتے تھے، چوری، ظلم و ستم اور طرح طرح کی بدکاریاں اور بد اعمالیوں میں مبتلا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری قوم میں ایک رسول بھیجا جس کے حسب و نسب اور صدق و دیانت کو ہم پہلے جانتے تھے۔ اس رسول نے

ہم کو شرک و بت پرستی سے روک دیا اور صرف ایک خدا کی عبادت کا حکم دیا
اور ہر قسم کے ظلم و ستم اور تمام برائیوں اور بدکاریوں سے ہم کو منع کیا ہم اس
رسول پر ایمان لائے اور کفر و شرک کو ترک کر دیا۔ اس وجہ سے ہماری قوم
ہماری دشمن ہوگئی اور ان لوگوں نے ہم کو اتنا تنگ کیا کہ ہم نے اپنے وطن کو چھوڑ
کر آپ کے ملک میں پناہ لی اور یہاں امن سے زندگی گزار رہے ہیں۔ اب یہ
لوگ ہم کو پھر مجبور کر رہے ہیں کہ ہم پھر اس پرانی گمراہی کی طرف واپس لوٹ
جائیں۔ حضرت جعفر کی اس تقریر سے نجاشی اور اس کے درباری بے حد متاثر
ہوئے یہ دیکھ کر کفار مکہ کے سفیر عمرو بن عاص نے بادشاہ سے کہا کہ " جناب
یہ مسلمان آپ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اچھی عقیدت نہیں رکھتے۔ یہ
سن کر نجاشی نے حضرت جعفر سے اس بارے میں سوال کیا تو آپ نے اس
کے جواب میں " سورہ مریم " کی تلاوت کی۔ اس تلاوت کا نجاشی اور درباریوں کے
دل پر اتنا اثر ہوا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے نیز حضرت جعفر نے
فرمایا کہ ہمارے رسول پاک نے ہم کو بتایا ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام خدا کے
بندے اور اس کے رسول ہیں جو کنواری مریم کے شکم مبارک سے بغیر باپ
کے اللہ کی قدرت کا نشان بن کر پیدا ہوئے ہیں۔ نجاشی نے یہ سن کر کہا کہ
بلاشبہ انجیل اور قرآن دونوں ایک ہی آفتاب ہدایت کے نور ہیں یقیناً حضرت
عیسےٰ خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک
محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں جن کی بشارت حضرت عیسےٰ علیہ السلام
نے انجیل میں دی ہے اور اگر میں دستور سلطنت کے مطابق تخت شاہی پر
رہنے کے پابند نہ ہوتا میں خود مکہ جا کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم
مبارک دھوتا۔ کچھ درباری نجاشی کی اس گفتگو سے ناراض و برہم ہوئے مگر

نجاشی نے جوشِ ایمانی کے سبب سب کو ڈانٹ دیا اور کفار مکہ کے تحفے و تحائف واپس کر دیے، عمرو بن عاص اور عمارہ بن ولید کو اپنے دربار سے نکال دیا اور مسلمانوں سے کہہ دیا کہ تم لوگ میری حکومت میں جہاں چاہو امن و سکون سے زندگی بسر کرو تمہارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا چونکہ نجاشی بادشاہ مسلمان ہو گئے تھے۔ اسی وجہ سے نجاشی جب حبشہ میں فوت ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ان کی نماز جنازہ پڑھی اور ان کے لیے دعا مغفرت فرمائی، حضرت جعفر طیار حبشہ میں رہے آپ ۷ھ میں حبشہ سے مدینہ منورہ آ گئے۔ جب مدینہ منورہ پہنچے تو پتہ چلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر چلے گئے ہیں، حضرت جعفر بھی خیبر چلے گئے۔ جب خیبر پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ما ادری بایہما انا اشد فرحا بفتح خیبر ام بقدوم جعفر میں معلوم نہیں کر سکتا کہ مجھے فتح خیبر کی خوشی زیادہ ہے یا جعفر کے آنے کی حضرت جعفر ۸ھ میں جنگ موتہ میں شہید ہوئے موتہ ملک شام میں ایک جگہ کا نام ہے۔ یہاں کفر اور اسلام کا وہ مقابلہ ہوا جس میں کفار کا ایک لاکھ لشکر تھا اور مسلمان صرف تین ہزار تھے۔ اس جنگ کا سبب یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیصر روم کے نام ایک خط لکھ کر حضرت حارث بن عمیر کے ذریعہ بھیجا راستہ میں بلقاء کے حاکم شرحبیل بن عمرو غسانی نے حضرت حارث بن عمیر کو قتل کر دیا۔ حضور پاک کو اس حادثہ کی اطلاع ہوئی تو آپ نے تین ہزار کا لشکر تیار کیا اور اپنے دست مبارک سے سفید رنگ کا جھنڈا زید بن حارثہ کو دیا اور ان کو فوج کا سپہ سالار بنایا اور ساتھ یہ ارشاد فرمایا اگر زید بن حارثہ شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر سپہ سالار ہوں گے اور جب وہ شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ سپہ سالار ہوں گے۔ ان کے بعد جس کو لشکر اسلامی کا سپہ سالار

بنایا جائیگا وہ ہوگا مسلمانوں کا لشکر جب مقام موتہ پر پہنچا تو وہاں دیکھا کہ قیصر روم نے ایک لاکھ لشکر جمع کیا ہوا ہے۔ سب سے پہلے مسلمانوں کے امیر لشکر زید بن حارثہ نے آگے بڑھ کر کافروں کو اسلام کی دعوت دی لیکن کافروں نے اس کا جواب تیروں سے دیا۔ مسلمان بھی جنگ کے لیے تیار ہو گئے جنگ شروع ہو گئی۔ زید بن حارثہ نہایت جواں مردی سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تو فوراً حضرت جعفر طیار نے علم اسلامی کو اٹھا لیا۔ حضرت جعفر بھی بڑی بہادری سے لڑے۔ دونوں بازو کٹ گئے شہید ہو گئے۔ تلوار اور نیزے کے نوے سے زیادہ زخم ان کے سامنے کی جانب موجود تھے، حضرت جعفر کے بعد عبداللہ بن رواحہ نے علم اسلامی اٹھایا۔ یہ بھی شہید ہو گئے اس کے بعد مسلمانوں کے مشورے سے خالد بن ولید نے علم اسلامی اٹھایا اور بڑی بہادری سے لڑتے رہے۔ آپ کے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹ کر گر پڑیں۔ اپنی فوجی مہارت اور تجربہ کاری سے اسلامی فوج کو دشمن کے نرغے سے باہر نکال لائے۔ جب مقام موتہ پر جنگ ہو رہی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں جنگ کا واقعہ دیکھ کر اہل مدینہ کو بتا رہے تھے کہ زید بن حارثہ شہید ہو گئے۔ پھر جعفر نے جھنڈا لیا وہ بھی شہید ہو گئے پھر عبداللہ بن رواحہ نے لیا وہ بھی شہید ہو گئے۔ اب خالد بن ولید جو اللہ کی تلواروں سے ایک تلوار ہیں، انہوں نے لیا ہے۔ موسیٰ بن عقبہ المتوفی ۱۴۱ھ نے اپنے مغازی میں لکھا ہے کہ جب یعلی بن امیہ جنگ موتہ کی خبر دینے کے لیے مدینہ منورہ دربار نبوی میں پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم مجھے وہاں کی خبر سناؤ گے یا میں تمہیں وہاں کی خبر سناؤں تو یعلی بن امیہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ہی سنائیے جب حضور پاک نے وہاں کا

پورا حال سنایا تو یعلیٰ بن امیہ نے کہا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے آپ نے تو ایک بات نہیں چھوڑی جس کو میں بیان کروں چونکہ حضرت جعفر کے دونوں ہاتھ کٹ گئے تھے تو حضور پاک نے ان کے بارے میں فرمایا اللہ تعالےٰ نے جعفر کو ان دونوں ہاتھوں کے بدلے دو بازو عطا فرمائے ہیں جن سے وہ اڑ کر جنت میں جہاں چاہتے ہیں چلے جاتے ہیں (سیرت مصطفےٰ بحوالہ صحیح بخاری غزوہ موتہ ص ۶۱۱ ج ۲، زرقانی شرح مواہب لدنیہ ص ۲۷۴، سیرت ابن ہشام ص ۴۴۳ ج ۲، عمدۃ الطالب ص ۵۳) بوقت شہادت آپ کی عمر چالیس سال تھی۔

حضرت جعفر کی اولاد :

حضرت جعفر طیار کے آٹھ بیٹے تھے جو کہ درج ذیل ہیں۔

(۱) عبداللہ (الجواد) (۲) عون (۳) محمد الاکبر (۴) محمد الاصغر (۵) حمید (۶) حسین (۷) عبداللہ الاصغر (۸) عبداللہ ان تمام کی والدہ اسماء بنت عمیس خثعمیہ ہے، ان میں سے محمد الاکبر جنگِ صفین میں حضرت مولیٰ علی المرتضیٰ کے ساتھ تھے وہاں شہید ہو گئے اور عون، اور محمد الاصغر حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ کربلا میں شہید ہو گئے اور محمد الاکبر جو جنگِ صفین میں شہید ہوئے تھے، ان کے دو بیٹے تھے۔ ۱۔ عبداللہ۔ ۲۔ قاسم اور قاسم کے نکاح میں ام کلثوم بنت زینب بنت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھیں۔ آگے قاسم کی اولاد نہیں تھی اور عون بن جعفر طیار جو کربلا میں شہید ہوئے تھے ان کا ایک لڑکا مساور تھا۔ آگے جا کر محمد الاکبر بن جعفر طیار اور عون بن جعفر کی نسل ختم ہو گئی، نیز عبداللہ بن جعفر طیار حمید بن جعفر طیار، حسین بن جعفر طیار، عبداللہ الاصغر بن جعفر طیار کی نسل درج (ختم) ہو گئی تھی حضرت جعفر طیار کی نسل صرف عبداللہ الجواد

بن جعفر طیار کی نسل صرف عبداللہ الجواد سے چلی ہے۔ یہ حبشہ میں پیدا ہوئے تھے بہت بڑے فیاض اور سخی تھے۔ کہا گیا ہے کہ بنو ہاشم میں چار آدمی بہت سخی تھے، امام حسن علیہ السلام، امام حسین علیہ السلام، عبداللہ بن عباس، عبداللہ الجواد اور عبداللہ الجواد کی عمر ۹۰ سال تھی جب کہ آپ کی وفات ہوئی تھی اور آپ کی وفات مدینہ منورہ میں ۸۰ھ میں ہوئی تھی، عبداللہ الجواد کے بیٹے درج ذیل ہیں۔

(۱) علی زینبی (۲) معاویہ (۳) اسماعیل (۴) اسحاق (۵) محمد (۶) عون الاکبر (۷) عون الاصغر (۸) حسین (۹) جعفر (۱۰) عیاض (۱۱) ابوبکر (۱۲) عبداللہ (۱۳) یحییٰ (۱۴) صالح (۱۵) موسیٰ (۱۶) ہارون (۱۷) یزید (۱۸) عدی) ان میں سے علی زینبی بن عبداللہ الجواد کی والدہ زینب بنت علی بن ابی طالب ہیں جو کہ خاتون جنت کی بیٹی ہیں اور معاویہ بن عبداللہ الجواد، اسماعیل بن عبداللہ الجواد، اسحاق بن عبداللہ الجواد کی مائیں ام ولد تھیں، محمد بن عبداللہ الجواد، عون اصغر بن عبداللہ الجواد حسین بن عبداللہ الجواد، عدی بن عبداللہ الجواد یہ چاروں کربلا میں شہید ہوئے اور عون الاکبر بن عبداللہ الجواد اپنے والد کی زندگی میں ہی فوت ہو گئے تھے۔ جعفر بن عبداللہ الجواد عیاض بن عبداللہ الجواد، ابوبکر بن عبداللہ الجواد، یہ تینوں جنگ حرہ میں شہید ہوئے تھے اور عبداللہ الجواد کی صرف ایک ہی بیٹی ام کلثوم تھی۔ ان کا نکاح قاسم بن محمد بن جعفر طیار بن ابی طالب کے ساتھ ہوا تھا جس کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے اور عبداللہ الجواد کی آگے نسل صرف ان چار بیٹوں سے چلی ہے جو کہ درج ذیل ہیں۔

معاویہ، علی الزینبی اسماعیل (الزاہد) اسحاق (العریضی)

(۱) معاویہ بن عبداللہ الجواد :

معاویہ کے ایک بیٹے عبداللہ تھے، یہ شاعر فارس تھے ۱۲۵ھ میں ان کا ظہور ہوا۔ انہوں نے لوگوں کو بیعت کی دعوت دی۔ بے شمار لوگوں نے ان کی بیعت کی یہ دبیع حکومت کے مالک ہوئے، منصور خلیفہ عباسی پہلے ان کے ماتحت تھا۔ ابو مسلم خراسانی نے ان کو مکر و فریب کے ساتھ گرفتار کر کے ھراۃ میں قید کر دیا پھر یہ ہمیشہ قید میں ہی رہے۔ یہاں تک ۱۸۳ھ میں ان کی وفات ہوگئی، ان کی قبر ھرات میں ہے جو کہ مرجع خلائق ہے ان کی آگے نسل جاری نہیں ہوئی، معاویہ کے دوسرے بیٹے حسن تھے، یہ مکہ مکرمہ کے کچھ وقت تک حاکم رہے، معاویہ کے تیسرے بیٹے صالح بن معاویہ تھے اور چوتھے بیٹے علی بن معاویہ تھے اور پانچویں بیٹے یزید تھے اور یزید کے بیٹے خالد تھے ان کی اولاد کرمان میں تھی۔

(۲) اسماعیل الزاہد بن عبداللہ الجواد بن جعفر طیار :

اور اسماعیل الزاہد کا بیٹا عبداللہ ہے اور عبداللہ کا بیٹا حسین ہے اور حسین کا بیٹا عبداللہ ہے اس کی اولاد جرجان میں ہے، بعض علماء نسابین نے لکھا ہے کہ عبداللہ الجواد کے ان دو بیٹوں معاویہ اور اسماعیل الزاہد کی آگے جا کر نسل ختم ہوگئی تھی۔ اب عبداللہ الجواد کی نسل صرف دو بیٹوں اسحاق (العریضی) اور علی الزینبی سے جاری ہے۔

✣

اسحاق العریضی بن عبداللہ الجواد بن جعفر طیار بن ابی طالب :

ان کو عریضی اس لیے کہتے ہیں کہ یہ عریض کی طرف منسوب ہیں، عریض ایک جگہ کا نام ہے جو کہ مدینہ منورہ کے قریب ہی ہے۔ ان کے تین لڑکے تھے۔
(۱) محمد بن اسحاق (۲) جعفر بن اسحاق (۳) قاسم بن اسحاق۔ ان میں سے محمد اور جعفر کی نسل ختم ہوگئی تھی۔ اور قاسم بن اسحاق یمن کے امیر تھے اور قاسم کی ماں ام حکیم بنت القاسم الفقیہ بن محمد بن ابی بکر الصدیق ہے اور قاسم (الامیر) بن اسحاق کے سات بیٹے تھے (۱) جعفر بن قاسم (۲) اسحاق بن قاسم (۳) عبدالرحمٰن بن قاسم (۴) عبداللہ بن قاسم (۵) احمد بن قاسم (۶) زید بن قاسم (۷) حمزہ بن قاسم۔ ان میں سے اسحاق بن قاسم اور احمد بن قاسم اور زید بن قاسم کی آگے نسل مذکور نہیں ہے۔ اور جعفر بن قاسم کے چار لڑکے تھے (۱) محمد بن جعفر (۲) اسحاق بن جعفر (۳) قاسم بن جعفر (۴) عبداللہ بن جعفر، اور ان میں سے محمد بن جعفر کے تین لڑکے تھے۔ (۱) ابراہیم بن محمد (۲) حسین بن محمد (۳) علی بن محمد۔ اور عبداللہ بن قاسم (الامیر) بن اسحاق العریضی کے چھ بیٹے تھے (۱) محمد بن عبداللہ (۲) عبدالرحمٰن بن عبداللہ (۳) زید بن عبداللہ (۴) احمد بن عبداللہ (۵) جعفر بن عبداللہ (۶) اسحاق بن عبداللہ۔ اور ان میں سے محمد بن عبداللہ بن قاسم (الامیر) مدینہ منورہ میں رہتے تھے اور ان کی اولاد مقام صعید اور کرمان میں بھی تھی اور محمد بن عبداللہ کے بیٹے یحیٰی تھے اور یحیٰی کے بیٹے جعفر تھے نیز ان کی اولاد سے احمد الاطروش بن یحیٰی بن احمد بن یحیٰی بن محمد بن عبداللہ بن القاسم (الامیر) بغداد میں رہتے تھے۔ نیز محمد بن عبداللہ کے بیٹے زید بن محمد تھے۔ اور زید کے بیٹے ابوالفضل جعفر تھے یہ ابوالفضل جعفر طبرستان

میں رہائش پذیر تھے نیز محمد بن عبداللہ بن القاسم (الامیر) کے بیٹے حمزہ بن محمد تھے ان کی بھی آگے اولاد تھی اور زید بن عبداللہ بن القاسم الامیر کی بھی آگے نسل جاری ہے۔ یہ قزوین میں رہتے تھے اور جعفر بن عبداللہ بن القاسم (الامیر) کا بیٹا اسحاق بن جعفر تھا اس کی بھی آگے نسل جاری تھی اور عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن قاسم الامیر اور اسحاق بن عبداللہ بن قاسم الامیر کی آگے نسل گم ہے اور حمزہ بن القاسم الامیر بن اسحاق العریضی نے اپنے پیچھے دو بیٹے چھوڑے ہیں (۱) محمد (۲) احمد اور ان سے محمد بن حمزہ کی اولاد سے طاہر بن حسین بن محمد بن حمزہ بن القاسم الامیر ہے آگے اس کی نسل جاری ہے اور احمد بن حمزہ کا لقب احمر عینہ ہے اور احمر عینہ کی اولاد سے ابو علی محمد سمین الازرق الشیخ قمی بن احمد بن الحسین بن احمد احمر عینہ بن حمزہ بن القاسم (الامیر) بن اسحاق العریضی ہے۔

علی الزینبی بن عبداللہ الجواد بن جعفر طیار بن ابی طالب:

علی زینبی کے دو بیٹے تھے (۱) محمد الرئیس (۲) اسحاق الاشرف۔ ان دونوں کی والدہ لبابہ بنت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب تھیں اور محمد الرئیس کو الارئیس بھی کہتے تھے۔ ان کے چار بیٹے تھے (۱) ابراہیم الاعرابی (۲) ابی الکرام عبداللہ (۳) عیسےٰ (۴) یحییٰ۔ اور ان میں سے ابراہیم الاعرابی بن محمد الرئیس بنو ہاشم میں ایک جلیل القدر بزرگ تھے اور ان کی ماں قریشیہ تھی اور ان کے دس بیٹے تھے (۱) جعفر (۲) یحییٰ (۳) ہاشم (۴) محمد (۵) عبدالرحمان (۶) صالح (۷) علی (۸) قاسم (۹) عبداللہ (۱۰) عبیداللہ۔ آگے جعفر بن ابراہیم الاعرابی کے تیرہ بیٹے تھے (۱) محمد العالم (۲) یعقوب (۳) ابراہیم

(۴) یوسف (۵) عیسےٰ الخلیعی (۶) اسماعیل (۷) موسیٰ (۸) عبداللہ الفرش (۹) داؤد۔ (۱۰) سلیمان (۱۱) احمد (۱۲) حسین (۱۳) ہارون ان تمام کی آگے نسل چلی تھی لیکن بعض علماء نسابین نے کہا ہے احمد، ہارون اور حسین ان تینوں کی نسل نہیں چلی اور ابی الکرام عبداللہ کے تین بیٹے تھے (۱) داؤد (۲) ابراہیم (۳) محمد ابوالمکارم الاصغر اس محمد ابوالمکارم الاصغر نے ابوجعفر منصور عباسی کا اس وقت ساتھ دیا جب منصور نے حضرت عبداللہ المحض علیہ السلام کے صاحبزادوں محمد اور ابراہیم کو قتل کیا تھا اور امام نفس ذکیہ کو جب شہید کیا گیا تو اس ابوالمکارم اصغر نے ان کا سر کاٹ کر شاہی دربار میں پیش کیا اور اس نے اپنے پیچھے اولاد اور نسل کثیر چھوڑی ہے اور داؤد بن عبداللہ ابوالمکارم نے اپنے پیچھے تین بیٹے چھوڑے تھے (۱) علی (۲) سلیمان (۳) محمد۔ ان میں سے علی بن داؤد کا بیٹا ابوعبداللہ الحسین ہے اس کی قبر قزوین میں ہے اس کی اولاد کثیر ہے جو کہ مراغہ، کوفہ، شاشں، قزوین اور اھواز میں ہے۔ اور سلیمان بن داؤد بن عبداللہ ابوالمکارم کی اولاد سے جعفر اور احمد ہیں اور آگے جعفر کا لڑکا احمد ہے اس احمد بن جعفر کی اولاد طبرستان میں ہے اور محمد بن داؤد بن عبداللہ المکارم کا صرف ایک بیٹا تھا جس کا نام عبداللہ تھا اس کی نسل جاری تھی اور عیسےٰ بن محمد الرئیس بن علی بن عبداللہ الجواد بن جعفر طیار کا بیٹا محمد مطبقی ہے آگے محمد مطبقی کی اولاد درج ذیل ہے۔

(۱) ابراہیم (۲) عباس (۳) احمد (۴) اسحاق (۵) علی (۶) یحییٰ۔ ان میں سے ابراہیم کے تین بیٹے تھے (۱) جعفر مستجاب الدعوات (۲) احمد (۳) علی۔ اور جعفر مستجاب الدعوات کے درج ذیل بیٹے ہیں (۱) ابواحمد حمزہ (۲) ابوالفضل عباس (۳) ابوالقاسم الحسین (۴) ابواسحاق محمد۔ ان تمام کی آگے نسل جاری ہے۔

جو کہ بغداد اور عراق میں تھے اور یحییٰ بن محمد الرئیس بن علی بن عبداللہ الجواد کے تین بیٹے تھے (۱) جعفر بن یحییٰ (۲) ابراہیم بن یحییٰ (۳) عباس بن یحییٰ۔ ان میں سے جعفر بن یحییٰ کا بیٹا محمد بن جعفر ہے اور محمد بن جعفر کے دو بیٹے تھے عبداللہ بن محمد، اور قاسم بن محمد۔ ان کی آگے نسل جاری ہے اور ابراہیم بن یحییٰ کے تین بیٹے تھے (۱) احمد (۲) محمد (۳) عون اور عباس بن یحییٰ کا ایک بیٹا تھا جس کا نام یحییٰ بن عباس تھا وہ ۲۵۷ھ میں فوت ہو گیا تھا۔ پیچھے صرف ایک بیٹی چھوڑی تھی ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ علی زینبی کے دو بیٹے تھے ایک محمد الاریس (رئیس) اور دوسرے اسحاق الاشرف محمد الرئیس اور اس کی اولاد کا ذکر ہو چکا ہے اور اب اسحاق الاشرف کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اسحاق الاشرف بن علی الزینبی بن عبداللہ الجواد بن جعفر طیار بن ابی طالب

اسحاق الاشرف کے سات لڑکے تھے (۱) جعفر بن اسحاق (۲) حمزہ بن اسحاق (۳) محمد القنطوانی بن اسحاق (۴) عبداللہ الاکبر بن اسحاق (۵) عبداللہ الاصغر بن اسحاق (۶) عبیداللہ بن اسحاق (۷) الحسن بن اسحاق۔ ان میں سے جعفر بن اسحاق کے چار بیٹے تھے (۱) عبداللہ الاکبر اس کا قبیلہ کثیر تھا۔ (۲) عبداللہ الاصغر اس کی اولاد اور نسل مصر اور نصیبین میں رہائش پذیر تھی (۳) علی المرجا اس کی اولاد مصر میں تھی (۴) محمد اس کی اولاد سمرقند میں تھی اور حمزہ بن اسحاق کا بیٹا محمد تھا اور محمد بن حمزہ کے پانچ بیٹے تھے (۱) صالح بن محمد (۲) عبداللہ بن محمد (۳) داؤد بن محمد (۴) ابراہیم بن محمد (۵) حسن صدری بن محمد۔ ان میں سے صالح بن محمد بن حمزہ کے نسب میں اختلاف ہے

علامہ دمشقی نے ذکر کیا ہے کہ ان کا آگے نسب ختم ہے اور ابن طباطبا نے کہا ہے کہ ان کے نسب کے نہ ختم ہونے کی تصریح ہے اور نہ موجود ہونے کی تصریح ہے۔ اور عبداللہ بن محمد کا نسب گم ہے اور داؤد بن محمد کے تین بیٹے تھے (۱) یحییٰ فافا (۲) احمد (۳) علی ان تینوں کی نسل جاری ہے اور ابراہیم بن محمد کی اولاد مغرب میں ہے ان میں سے زیادۃ اللہ، مظہر اور محمد ہیں ان کا آگے جا کر نسب متصل نہیں رہا اور حسن صدری بن محمد کو صدری اس لیے کہتے ہیں کہ صدری ایک بستی ہے جو مدینہ منورہ کے قریب ہے وہاں رہتے تھے۔ بایں وجہ ان کو صدری کہا جاتا ہے۔ ان کے بیٹے درج ذیل ہیں (۱) زید (۲) قاسم (۳) جعفر (۴) محمد (۵) عبداللہ (۶) داؤد (۷) احمد (۸) طاہر (۹) اسحاق (۱۰) ابراہیم (۱۱) یحییٰ (۱۲) حمزہ (۱۳) بلیق (۱۴) ابو الفوارس۔ ان میں سے زید بن الحسن صدری کا بیٹا ابو عبداللہ محمد ہے اس کی اولاد بغداد میں اقامت پذیر تھی اور بعض علماء نسابین نے کہا ہے کہ ان کا نسب منقطع ہے یعنی اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور قاسم بن الحسن صدری کا بیٹا محمد القادر القادر ہے اس کی اولاد فارس میں ہے اور داؤد بن الحسن صدری کی اولاد سے ابو الحسن اسماعیل ہے اس کا لقب لطیم ہے اس کے تین بیٹے تھے۔ ایک ابو القاسم محمد تھا یہ بیت المقدس میں فوت ہوا اور اس کی آگے نسل بھی جاری ہے اور احمد بن الحسن صدری کی اولاد مصر میں رہائش پذیر تھی اور طاہر بن الحسن صدری کا بیٹا جعفر تھا یہ جعفر طبرستان کا قاضی تھا اس کی آگے نسل کثیر تھی اور اسحاق بن الحسن صدری کا لڑکا یحییٰ تھا اور یحییٰ کا حسین تھا یہ مصر میں فوت ہوا تھا اور مصر میں ہی اس کی نسل موجود ہے اور بلیق بن الحسن الصدری کا بیٹا عیسیٰ تھا یہ قزوین میں رہتا تھا اور حسن صدری کے باقی بیٹوں کے حالات معلوم

نہیں ہو سکے۔

امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ : (امام اوّل)

ولادت :

آپ کا اسم گرامی علی ہے اور کنیت ابوالحسن اور ابوتراب ہے اور لقب حیدر ہے۔ حضرت ابوطالب آپ کے والد ماجد تھے اور والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف ہے آپ باپ اور ماں کی جانب سے ہاشمی ہیں۔

آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر (قریش) بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان بن ادد بن ھمیسع بن سلامان بن عوص بن بوز بن قموال بن اُبی بن عوام بن ناشد بن حزا بن بلداس بن یدلاف بن طابخ بن جاحم بن ناحش بن ماخی بن عیفی بن عبقر بن عبید بن الطعان بن حمدان بن سنبر بن یثربی بن یحزن بن یمحن بن ارعوی بن عیفی بن دیشان بن عیصر بن اقناد بن ایہام بن مقصر بن ناحث بن زارح بن سمی بن مزی بن عوض بن عرام بن قیدار بن اسماعیل علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام بن تارخ بن ناحور بن سروج بن رعو بن فالغ بن عابر بن ارفخشاد بن سام بن نوح علیہ السلام بن لامک بن متوشلخ بن ادریس علیہ السلام بن یارد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث علیہ السلام بن آدم علیہ السلام۔

حضرت علی کی پیدائش ۱۳ رجب جمعہ کے دن کعبہ میں ہوئی۔ چنانچہ بعض

روایات میں آتا ہے کہ جب فاطمہ بنت اسد کعبہ کے طواف میں معروف تھیں تو آپ کو دردزہ کی خفیف سی تکلیف محسوس ہوئی تو آپ بہت پریشان ہو گئیں کیونکہ سوائے کعبہ معظمہ کے کوئی قریبی مقام پُر با پردہ جگہ موجود نہیں تھی آپ اسی اضطراب کے عالم میں متفکر ہی تھیں کہ یکدم کعبۃ اللہ کی دیوار خود بخود شق ہو گئی اور آپ نے یہ امر غیبی تصور کر کے کعبہ کے اندر تشریف لے گئیں تو حضرت علی شیر خدا پیدا ہوئے۔ بعض روایات میں ہے کہ فاطمہ بنت اسد جب کعبہ کے طواف کے لیے تشریف لائیں تو آپ کے ساتھ حضرت ابو طالب بھی تھے چنانچہ ان سے فاطمہ بنت اسد نے اپنی حالت کا ذکر کیا تو وہ آپ کو کعبہ کے اندر لے گئے اور خود باہر تشریف لے آئے تو حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم پیدا ہوئے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ لکھتے ہیں کہ امیر المومنین شیر خدا علی مرتضیٰ کعبہ میں پیدا ہوئے۔ یہ حدیث تواتر سے ثابت ہے (ازالۃ الخفا صہ ۲۵۱ ج ۲) علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بیت الحرام میں پیدا ہوئے تھے، (نور الابصار صہ ۱۳۵) علامہ مسعودی المتوفی ۳۴۶ھ لکھتے ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے تھے (مروج الذہب صہ ۳۸۵ ج ۲) علامہ عبدالرحمان جامی المتوفی ۸۹۸ھ لکھتے ہیں کہ آپ کی ولادت کعبہ شریف میں ہوئی تھی (شواہد النبوت صہ ۲۸۰) اس سے ثابت ہوا کہ حضرت علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم کعبہ شریف میں پیدا ہوئے اور کعبہ میں پیدا ہونے کی خصوصیت صرف حضرت امیر المومنین علی شیر خدا کے لیے ہے۔

سوال :۔

کعبہ شریف میں پیدا ہونے کی خصوصیت صرف حضرت علی کے لیے ہے یہ درست نہیں ہے کیونکہ کعبہ میں تو آپ سے پہلے عمرو بن حزام کی ولادت ہوئی

تھی جس سے ظاہر ہے کہ کعبہ میں پیدا ہونے کی تخصیص حضرت علی کے لیے نہیں ہے۔

جواب:۔

حضرت علی کا کعبہ میں پیدا ہونا یہ خبر متواتر سے ثابت ہے جیسا کہ ازالۃ الخفا کے حوالہ سے گذرا ہے۔ عمرو بن حزام والی روایت متواترات سے نہیں ہے نیز کعبہ میں پیدا ہونے والے اس شخص کے نام سے محدثین اور علماء سیر متفق نہیں ہیں۔ بعض نے عمرو بن حزام کی بجائے حکیم بن حزام بتایا ہے۔ بایں وجہ صدوق اور ثقہ محدثین نے اس کا اعتبار نہیں کیا اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے تو عمرو بن حزام کا کعبہ میں پیدا ہونا اس کے لیے باعث شرف نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ عبدالرحمٰن صفوری لکھتے ہیں واما عمرو بن حزام فولدته امه فی الکعبة اتفاقاً لا قصداً کہ عمرو بن حزام کی ماں کا عمرو بن حزام کو کعبہ میں جنم دینا یہ امر اتفاقی ہے۔ قصدی نہیں ہے لیکن حضرت علی کا کعبہ میں پیدا ہونا قصدی ہے کہ یہ فضیلت خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے حضرت علی کے لیے مخصوص کر رکھی تھی چنانچہ لکھتے ہیں ان علیا رضی اللہ عنہ ولدته امه بجوف الکعبة شرفها اللہ تعالیٰ وھی فضیلة خصه اللہ تعالیٰ بها (نزھۃ المجالس ص ۲۰۵ ج ۲) اب تصریح موجود ہے کہ کعبہ میں حضرت علی کا پیدا ہونا قصدی ہے یہ آپ کے لیے فضیلت اور تخصیص ہے جو کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہے۔

علامہ شبلنجی المتوفی سنہ ۱۲۹۰ھ، علامہ نورالدین علی بن محمد الصباغ المالکی المکی المتوفی سنہ ۸۵۵ھ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ علی بیت الحرام میں جمعہ کے دن تیرھویں رجب کو پیدا ہوئے۔ ولم یولد فی البیت الحرام قبله احد، اور بیت الحرام میں علی سے پہلے کوئی پیدا نہیں ہوا۔ اب اس سے ظاہر ہے کہ علامہ شبلنجی

کے قول کے مطابق عمرو بن حزام والی روایت معتبر نہیں ہے اسی لیے کہا کہ حضرت علی کے سوا کعبہ میں کوئی پیدا نہیں ہوا۔

حضرت علی کی تربیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی

حضرت ابو طالب چونکہ کثیر العیال تھے لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کو اپنی کفالت میں لیا اور آپ نے اپنے زیر سایہ حضرت علی کی پرورش اور تربیت فرمائی۔

پہلے ایمان لانے والے حضرت علی تھے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اعلانِ نبوت فرمایا اور لوگوں کو اسلام کی دعوت فرمائی تو تمام سے پہلے اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بعد حضرت علی ایمان لائے اور بقول امام حاکم المتوفی ۴۰۵ھ اس وقت حضرت علی کی عمر ۱۶ سولہ سال تھی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں کہ ابن عبد البر المتوفی ۴۶۳ھ نے حضرت سلمان فارسی المتوفی ۳۶ھ، حضرت ابوذر غفاری المتوفی ۳۲ھ، مقداد بن اسود المتوفی ۳۳ھ، ابو سعید خدری المتوفی ۷۴ھ حضرت جابر المتوفی ۷۸ھ اور زید بن ارقم المتوفی ۶۶ھ وغیرہ سے روایت کی ہے کہ تمام سے پہلے حضرت علی ایمان لائے تھے۔ ابن اسحاق المتوفی ۱۵۰ھ نے کہا کہ مردوں میں سے تمام سے پہلے رسول اللہ کے ساتھ ایمان لانے والے حضرت علی بن ابی طالب تھے یہی ابن شہاب زہری المتوفی ۱۲۵ھ کا قول ہے، عبداللہ بن محمد بن عقیل المتوفی ۱۴۰ھ، قتادہ المتوفی ۱۱۸ھ محمد بن کعب قرظی المتوفی ۱۱۸ھ کا بھی یہی قول ہے، ابو عوانہ المتوفی ۳۱۶ھ

نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس المتوفی ۶۸ھ سے روایت کی ہے کہ لوگوں میں سے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بعد پہلے ایمان والے حضرت علی ہیں۔ علامہ ابن عبدالبر نے کہا کہ یہ سند صحیح ہے اور اس کی صحت میں کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ اور اس کے تمام راوی صحیح ہیں۔

سوال :۔

بعض روایات میں کہ تمام سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق ایمان لائے تھے۔

جواب :۔

گھر کے افراد کے علاوہ دوسرے لوگوں میں سے تمام سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق ایمان لائے تھے۔ گھر کے افراد اور قریبی رشتہ داروں سے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بعد تمام سے پہلے حضرت علی ایمان لائے تھے۔ ان روایات میں کسی قسم کا تعارض نہیں ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے حضرت علی کے ایمان لانے کے وقت آپ کی عمر کے بارے میں متعدد روایات نقل کی ہیں چنانچہ ایک روایت میں آپ کی عمر پندرہ سال تھی اور ایک روایت میں عمر اٹھارہ سال تھی اور ایک روایت میں عمر تیرہ سال تھی۔ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ یہ صحیح ہے لیکن زیادہ صحیح وہ روایت ہے جو امام حاکم نے ذکر کی ہے کہ حضرت علی جب ایمان لائے تھے تو آپ کی عمر سولہ سال تھی اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت علی فرماتے تھے کہ اس امت میں تمام سے پہلے میں نے پانچ سال عبادت کی ہے اور امام شعبہ المتوفی ۱۶۰ھ نے روایت کی ہے کہ حضرت علی نے فرمایا کہ میں نے تمام سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی ہے (تہذیب التہذیب ص ۳۳۶ ج ۷، مستدرک

صد۱۱ ج ۳) بہر صورت حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بعد تمام سے پہلے حضرت علی ایمان لانے والے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوج مطہرہ تھیں اور حضرت علی بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہی رہتے تھے۔ یہاں یہ صورت ہی نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ ایمان لانے میں توقف یا تاخیر کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبھی نبوت و رسالت کا اعلان فرمایا گھر والوں نے اسی وقت اسلام قبول کیا اور اس کا اظہار بھی کیا اور جو دوسرے لوگ تھے ان میں سے تمام سے پہلے ایمان والے حضرت ابوبکر صدیق ہیں ہماری اس بات کی تائید وہ حدیث کرتی ہے جس کو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے بھی ذکر کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ عفیف کندی رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت میں مکہ معظمہ آئے کعبہ کے سامنے بیٹھے تھے۔ دن خوب چڑھ گیا تھا کہ ایک جوان تشریف لائے اور آسمان کو دیکھ کر رو بکعبہ کھڑے ہو گئے۔ ذرا دیر میں ایک لڑکے تشریف لائے وہ ان کے داہنے ہاتھ کھڑے ہوئے۔ تھوڑی دیر میں ایک بی بی تشریف لائیں وہ پیچھے کھڑی ہو گئیں۔ پھر جوان نے رکوع فرمایا تو یہ دونوں رکوع میں گئے پھر جوان نے سر اٹھایا۔ ان دونوں نے بھی سر اٹھایا، جوان سجدہ میں گئے تو یہ دونوں بھی گئے۔ عفیف کندی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عباس سے حال پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ جوان میرے بھتیجے محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور یہ لڑکے میرے بھتیجے علی ہیں اور یہ بی بی خدیجۃ الکبریٰ ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں اور میرے بھتیجے یہ کہتے ہیں کہ آسمان اور زمین کے مالک نے انہیں اس دین کا حکم دیا ہے اور ان کے ساتھ ابھی یہ دو مسلمان ہوئے ہیں (فتاویٰ رضویہ صد ۱۸۳ ج ۲)۔ اب اس آخری جملہ سے کہ ابھی یہ دو مسلمان ہوئے ہیں صراحتہً ثابت ہو گیا کہ حضرت علی تمام لوگوں سے پہلے ایمان لانے والے

اور نماز پڑھ کر ایمان کو ظاہر کرنے والے بھی ہیں اور جب آپ ایمان لائے تھے تو اس وقت آپ کی عمر سولہ سال تھی۔ آپ بچے نہیں تھے۔ چنانچہ ابن اسحاق اور ابن شہاب زہری کی روایت میں من الرجال کا لفظ ہے کہ مردوں سے ایمان لانے والے تمام سے پہلے حضرت علی ہیں۔ اگر آپ ایمان لانے کے وقت بچے ہوتے تو صبی اور صبیان کا لفظ ہوتا نہ کہ من الرجال کا لفظ ہوتا جب من الرجال کا لفظ ہے تو ثابت ہوا کہ حضرت علی جب ایمان لائے تھے تو آپ بچے نہیں تھے بلکہ آپ مردوں میں شمار تھے اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے جو حضرت علی کے لیے لڑکے کا لفظ استعمال کیا ہے وہ اس لیے کہ پندرہ سولہ سال عمر والے جوان کو لڑکا ہی کہتے ہیں بلکہ بعض دفعہ بیس سالہ جوان کو بھی لڑکا کہہ دیتے ہیں اور روایات میں حضرت علی پر لفظ غلام اور فتیٰ کا اطلاق آیا ہے جیسے کہ ابن جوزی کی کتاب الوفاء میں لفظ فتیٰ موجود ہے اور فتیٰ کا معنے نوجوان ہے۔ چنانچہ اہلِ لغت لکھتے ہیں الفتی الشاب الحدث (محیط المحیط صہ ۶۷) یعنی فتیٰ نوجوان ہے اور قرآن پاک میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر لفظ فتیٰ بولا گیا ہے اور ابراہیم علیہ السلام اس وقت جوان تھے جب آپ نے کفار کے بتوں کو توڑا تھا اب ظاہر ہے کہ بچے پر لفظ فتیٰ نہیں بولا جاتا بلکہ جوان پر بولا جاتا ہے۔ جب حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ پر حدیث میں لفظ صبی بولا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ حضرت علی جوان تھے بچے نہیں تھے اور لفظ غلام بھی اس کے متعارض نہیں ہے کیونکہ لفظ غلام نوجوان پر بھی بولا جاتا ہے۔ جب حضرت علی کو فتیٰ کہا گیا ہے تو ثابت ہوا کہ جب حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت علی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے تو اس وقت حضرت علی بچے نہیں تھے بلکہ آپ جوان تھے اور آپ کی عمر

مولہ سال تھی،

سوال :۔

حدیث کندی کے آخر میں ہے فیہ سعید بن خیثم الہلالی قال الازدی منکر الحدیث عن اسد بن عبد اللہ البصری قال البخاری لا یتابع علیٰ حدیثہ کہ اس حدیث کی سند میں راوی سعید بن خیثم کے متعلق علامہ ازدی نے کہا ہے کہ یہ اسد بن عبداللہ البصری سے منکر الحدیث ہے اور امام بخاری نے کہا کہ اس کے متابع کوئی نہیں ہوا جس سے ثابت ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور قابل استدلال نہیں ہے۔

جواب :۔

سعید بن خیثم ثقہ اور صدوق ہے ازدی کا اس کو منکر الحدیث بتانا درست نہیں ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ سعید بن خیثم بن اسد الھلالی سے روایت کرنے والے امام احمد بن حنبل، اسحاق بن موسیٰ انصاری، ابوبکر بن ابی شیبہ، عثمان بن ابی شیبہ، اسماعیل بن موسیٰ فزاری، محمد بن عبید المحاربی، عمرو بن الناقد، ابوسعید الاشج احمد بن رشد خیثم وغیرہم ہیں اور ابن جنید نے یحییٰ بن معین سے روایت کی ہے کہ ابن معین نے کہا کہ سعید کوفی لیس بہ باس ہے کہ اس میں کوئی برائی نہیں ہے اور ثقہ ہے اور یحییٰ بن معین کو کہا گیا کہ یہ توشیعی ہے یحییٰ بن معین نے جواب دیا کہ شیعی ہے ثقہ ہے اور قدری ہے ثقہ ہے اسحاق بن منصور نے ابن معین سے روایت کی ہے کہ ابن معین نے کہا کہ یہ ثقہ ہے اور ابوزرعہ نے کہا کہ لا باس بہ ہے۔ امام نسائی نے کہا کہ لیس بہ باس ہے اور ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے، امام ترمذی نے اس کی حدیث کی (باب وداع سفر میں)، تصحیح ذکر کی ہے اور امام عجلی نے کہا کہ سعید ہلالی کوفی

ثقہ ہے (تہذیب التہذیب صہ۲۳ ج ۴) اب اس سے ظاہر ہے کہ جب اس
کو یحییٰ بن معین، امام نسائی، امام ترمذی، حافظ ابو زرعہ، حافظ عجلی اور ابنِ حبان
ثقہ کہہ رہے ہیں تو اس کا ثقہ ہونا معتبر ہے۔ ان کے مقابلہ میں ازدی کی جرح غیر
معتبر ہے۔ نیز اس سے امام احمد روایت لے رہے ہیں۔ امام احمد جس سے
روایت لیتے ہیں وہ ثقہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی لکھتے ہیں
کہ امام احمد جس کو ثقہ نہیں جانتے اس سے روایت نہیں فرماتے۔ نیز اس پر
جرح شیعی ہونے کی وجہ سے ہے اور صحیح بخاری میں بے شمار راوی شیعہ ہیں
اور صحیح مسلم تو شیعہ راویوں سے بھری پڑی ہے (فتاویٰ رضویہ صہ۱۸۳ ج ۲) علاوہ
ازیں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے نزدیک یہ حدیث عفیف کندی صحیح بایں وجہ
بھی ہے کہ آپ ایک حدیث طبرانی کے ساتھ اس حدیث کندی کو معارض کر رہے
ہیں اور معارض تب ہی ہوگی جبکہ صحیح ہوگی چنانچہ لکھتے ہیں یہ حدیث طبرانی اگر صحیح
یا حسن ہے تو استناد صحیح وحسن ہے ورنہ اس کا مرتبہ معارض حدیث عفیف
رضی اللہ عنہ سے موجود۔ (فتاویٰ رضویہ صہ۱۸۳ ج ۲) جب صحیح حدیث طبرانی کے
یہ حدیث کندی معارض ہے تو ظاہر ہے کہ معارض تب ہی ہوگی جبکہ صحیح ہوگی اگر
حدیث کندی صحیح نہ ہو تو صحیح حدیث کے معارض کیسے ہوگی اس لیے ثابت ہوا
کہ حدیث عفیف کندی صحیح اور قابلِ استدلال ہے اور یہ بات بھی واضح ہوگئی
کہ تمام سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے والے دو حضرت
خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت علی تھے اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بعد تمام سے پہلے
ایمان لانے والے اور ایمان کو ظاہر کرنے والے حضرت علی تھے۔ چنانچہ اعلیٰحضرت
فاضل بریلوی نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اول بار جس وقت
وحی اتری اور نبوت کریمہ ظاہر ہوئی اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

نماز پڑھی۔ اسی دن حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے پڑھی۔ دوسرے دن حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنیٰ نے حضور کے ساتھ پڑھی کہ ابھی سورۃ مزمل نازل نہیں ہوئی تھی (فتاویٰ رضویہ صـ ۱۸۰ ج ۲) اور جو امام بخاری نے کہا ہے کہ اسد بن عبداللہ العسری کی متابعت نہیں ہوئی وہ عسری کے بارے میں نہیں ہے بلکہ وہ تو اسد بن عبداللہ البجلی کے بارے میں کہا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ بخاری نے کہا ہے کہ بجلی کی حدیث کی متابعت نہیں ہوئی ہے اور جو بعض محشیوں نے لکھا ہے کہ عسری کے بارے میں علم انساب میں اطلاع نہیں ہو سکی اور عسری لیس بشئی ہے یہ غلط ہے کیونکہ عدم اطلاع سے راوی لیس بشئی نہیں ہوتا اگر عدم اطلاع سے عسری لیس بشئی ہوتا تو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی خود فرماتے کہ عسری لیس بشئی ہے۔ حالانکہ فاضل بریلوی حدیث عفیف کندی کو حدیث طبرانی کے معارض کر رہے ہیں اور معارضہ حدیث صحیح کے ساتھ اس وقت درست ہوگا جبکہ یہ حدیث صحیح ہوگی۔ اگر راوی عسری لیس بشئی ہو تو پھر حدیث کندی کیسے صحیح ہوگی جب حدیث کندی صحیح ہے تو اس میں راوی عسری لیس بشئی نہیں ہے بلکہ صحیح ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ فتاویٰ رضویہ کے بعض محشیوں نے جو کہا ہے کہ حدیث کندی کا راوی عسری لیس بشئی ہے۔ سراسر باطل اور مردود ہے۔ غرضیکہ حضرت علی نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بعد تمام سے پہلے اسلام قبول کیا اور تمام سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نمازیں پڑھیں اور مکہ کی تیرہ ۱۳ سالہ زندگی میں حضرت علی نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے ساتھ قریش مکہ کے سخت مظالم برداشت کیے۔ نبوت کے تیرھویں سال جب قریش مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا اور آپ

کے گھر کا محاصرہ کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دے دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کی جو امانتیں اپنے پاس رکھی ہوئی تھیں ان کو واپس کرنے کے لیے حضرت علی کو حکم فرمایا نیز فرمایا کہ علی تم نے میرے بستر پر لیٹ جانا ہے اور خود ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ روانہ ہو گئے یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ حضرت علی فرمایا کرتے تھے اس رات سے زیادہ گہری اور میٹھی نیند میں زندگی میں کبھی نہیں سویا۔ تین دن کے بعد حضرت علی بھی سب لوگوں کی امانتیں لوٹا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدینہ منورہ میں جا ملے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کو اپنا بھائی بنا لیا

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین و انصار میں بھائی چارہ قائم فرمایا تو حضرت علی کو اپنا بھائی بنایا۔ چنانچہ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب مہاجرین و انصار میں بھائی چارا قائم کیا جب تمام کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی بن ابی طالب رضوان اللہ علیہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا "ھذا اخی" یہ میرا بھائی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سید المرسلین، امام المتقین، رسول رب العالمین جن کا اللہ کے بندوں میں کوئی مثل و نظیر نہ تھا اور علی بن ابی طالب رضوان اللہ عنہ بھائی بھائی بن گئے۔ (سیرت ابن ہشام صد ۵۶۴ ج ۱)

حضرت علی کا حضرت فاطمۃ الزہراء سے نکاح:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سالہ ۱۳ نبوی میں ہجرت فرما کر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ

تشریف لے گئے اور ۲ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ منورہ میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اپنی پیاری بیٹی سیدہ فاطمۃ الزہرار کا نکاح حضرت علی بن ابی طالب سے کردیں۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھا حضور پاک پر وحی آنے کی کیفیت طاری ہوگئی جب وحی ختم ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرار کا نکاح علی بن (ابی طالب) سے کردوں تم ابوبکر اور عمر اور مہاجرین سے ایک جماعت کا نام لیا بلا لاؤ جب وہ تمام حاضر ہوگئے تو آپ نے خطبہ پڑھ کر نکاح کردیا (صواعق محرقہ صلا۱۴۲)۔ اس میں حضرت علی اور حضرت فاطمۃ الزہرار کی بڑی عظمت اور شان ہے کہ یہ نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کے حکم کرنے کے مطابق کیا ہے بلکہ یہ بھی احادیث میں موجود ہے کہ اللہ تعالےٰ نے پہلے یہ نکاح آسمان پر کیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ زمین پر یہ نکاح کریں۔ چنانچہ ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں کہ ابوبکر خوارزمی نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کی طرف تشریف لائے اور آپ کا چہرہ مبارک اس طرح روشن تھا جیسے کہ چاند کا دائرہ ہوتا ہے پس عبدالرحمان بن عوف نے اس خوشی کا سبب پوچھا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے میرے رب کی طرف سے میرے چچا زاد بھائی اور میری بیٹی فاطمہ کے بارے میں بشارت ملی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے علی کا نکاح فاطمہ سے کر دیا اور رضوان خازن جنت کو حکم فرمایا ہے کہ وہ طوبیٰ کے درخت کو ہلائے اور اس سے گرنے والے اوراق (پتے) محبان اہلِ بیت کی تعداد کے مطابق اٹھا لے اور پھر طوبیٰ کے نیچے نور سے فرشتے پیدا کیے اور وہ اوراق (پتے) ان فرشتوں کو دیے

پس جب قیامت قائم ہو گی تو فرشتے مخلوقات میں ندا کریں گے اور محبانِ اہلِ بیت میں سے کوئی شخص بھی باقی نہ رہے گا جسے وہ ورق نہ دیا جائے اور اس ورق (دستاویز) پر جہنم سے رہائی کے بارے میں لکھا ہو گا (صواعق محرقہ صہ ۱۷۱)
اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے پہلے حضرت علی کا نکاح حضرت فاطمہ کے ساتھ آسمان پر کیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ یہ نکاح زمین پر کریں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نکاح ۲ھ ماہ رمضان میں کیا اور ذی الحجہ کے مہینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو حضرت علی کے ساتھ رخصت کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی فاطمۃ الزہرا کو ارشاد فرمایا میری بیٹی تمہارا خاوند (علی) ازروئے اسلام تمام صحابہ سے مقدم اور اول ہے اور علم کے لحاظ سے تمام سے بڑھ کر ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اہل زمین سے دو آدمیوں کو پسند کیا۔ ایک تو تمہارا باپ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور دوسرا تمہارا خاوند علی ہے۔ اے میری بیٹی تمہارا خاوند اچھا خاوند ہے ہمیشہ اس کی فرماں برداری اور اطاعت میں رہنا۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا "علی" فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے اس کو خوش رکھو گے تب مجھے خوش رکھو گے۔ اگر تم نے اس کو غمزدہ کیا تو مجھے غمگین کیا اور یہ بھی فرمایا "علی" تمہاری زوجہ (فاطمہ) نہایت اچھی زوجہ ہے اور تمہیں بشارت ہو کہ وہ تمام جہان کی عورتوں کی سردار ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ میں ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا آپ نے صحابہ کرام سے سوال فرمایا اَیُّ شَیْءٍ خَیْرٌ لِلْمَرْاَۃِ کہ عورت کے لیے کیا چیز بہتر ہے صحابہ کرام خاموش رہے کوئی جواب نہیں دیا پھر جب میں گھر میں گیا اور فاطمۃ الزہرا سے میں نے یہی سوال کیا تو انہوں نے فرمایا لا یرین الرجال ولا یرونھن یعنی

عورتوں کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ نہ مردوں کو دیکھیں اور نہ مردان کو دیکھیں (غیر مرد) میں ان کا یہ جواب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے نقل کیا تو فرمایا صدقت انہا بضعۃ منی، انہوں نے درست کہا ہے بے شک وہ میرا ایک جزو ہیں (معارف القرآن صہ ۲۱۶ ج ۴) چونکہ حضرت فاطمۃ الزہراء حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسم پاک کے ایک جزو اور حصہ ہیں لہٰذا تمام عورتوں سے افضل ہیں۔ اس بارے میں کہ آپ تمام عورتوں سے افضل ہیں۔ تیسرے باب میں ذکر رہا ہے۔

حضرت مولیٰ علی شیر خدا کی مدنی زندگی:

مدینہ منورہ کی زندگی میں تمام جنگوں میں اسلامی لشکر کے علم بردار آپ ہی تھے۔ جنگ بدر میں قریش کے بڑے بڑے نامی گرامی آدمیوں کو شیر خدا علی المرتضیٰ نے تہ تیغ کیا۔ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ جنگ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مٹھی بھر کنکریاں لیں اور قریش کی جانب منہ کر کے فرمایا شاہت الوجوہ (چہرے بگڑ جائیں) اور ان کنکریوں سے انہیں مارا اور ہر ایک کی آنکھ میں کنکریاں پڑ گئیں۔ اس کے بعد مسلمانوں کو حکم دیا حملہ کرو پھر قریش کو شکست ہو گئی۔ (سیرت ابن ہشام صہ ۶۲۲ ج ۱) حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لعلی رضی اللہ عنہ یوم بدر اعطنی حصباء من الارض فناولہ حصباء علیہ تراب فرمی بہ وجوہ القوم فلم یبق مشرک الا دخل فی عینہ من ذالک التراب شئی ثم ردفہم المومنون یقتلونہم ویاسرونہم وانزل اللہ فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتلہم وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمٰی (تفسیر ابن کثیر صہ ۲۹۵ ج ۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگِ بدر کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ مجھے زمین سے کنکریاں دو پس حضرت علی نے وہ کنکریاں دیں جن پر مٹی تھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفارِ مکہ کے منہ پر ماریں پس کوئی مشرک نہ بچا جس کی آنکھوں میں ان کنکریوں کی مٹی نہ پڑی ہو پھر صحابہ کرام ان مشرکوں کے قتل کے درپے ہوئے ان کو قتل کیا اور قیدی بنایا اور اللہ تعالےٰ نے یہ آیت اتاری پس تم نے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالےٰ نے ان کو قتل کیا اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی۔

جنگِ بدر میں کفارِ مکہ کی شکست کا سبب یہ کنکریاں تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ماری تھیں اور یہ کنکریاں حضرت علی شیرِ خدا نے زمین سے اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی تھیں۔ حضرت علی شیرِ خدا نے جنگ بدر میں متعدد کافروں کو قتل کیا جن میں سے عتبہ بن ربیعہ کے لڑکے ولید بن عتبہ کو بھی آپ نے ہی قتل کیا تھا۔ چنانچہ ولید بن عتبہ نے حضرت علی شیرِ خدا سے جنگ کی دونوں نے ایک دوسرے پر بڑھ بڑھ کر قاتلانہ حملہ کیا اور خوب لڑے لیکن اسد اللہ الغالب کی ذوالفقار نے ولید کو مار گرایا نیز شیبہ بن ربیعہ کو بھی حضرت علی نے قتل کیا تھا۔ اگرچہ شیبہ بن ربیعہ کا مقابلہ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ سے تھا حضرت عبیدہ کو شیبہ بن ربیعہ نے تلوار مار کر زخمی کر دیا وہ زخموں کی تاب نہ لا کر زمین پر بیٹھ گئے یہ منظر دیکھ کر حضرت علی شیرِ خدا جھپٹے اور آگے بڑھ کر شیبہ کو قتل کر دیا۔ اور جنگِ خندق میں جب دشمن فوج کا بڑا بہادر اور سردار عمرو بن عبدود مقابلہ کے لیے نکلا تو حضرت علی شیرِ خدا نے اس کو بھی قتل کیا۔ چنانچہ سیرت ابن ہشام، ینابیع المودہ اور زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں ہے کہ خندق کی وجہ سے دست بدست لڑائی نہیں ہو سکتی تھی اور کافر حیران تھے کہ اس خندق کو کیونکر پار

کریں مگر دونوں طرف سے روزانہ برابر تیر اور پتھر چلا کرتے تھے آخر ایک دن عمرو بن عبد ود و عکرمہ بن ابو جہل۔ و ہبیرہ بن وہب و ضرار بن خطاب وغیرہ کفار کے چند بہادروں نے جوش کنانہ سے کہا اٹھو آج مسلمانوں سے جنگ کر کے دنیا والوں کو بتا دو کہ بہادر کون ہے چنانچہ یہ سب خندق کے پاس آگئے اور ایک ایسی جگہ سے جہاں خندق کی چوڑائی کچھ کم تھی گھوڑے دوڑا کر خندق کو پار کر لیا۔ سب سے آگے عمرو بن ود تھا۔ ایک ہزار سواروں کے برابر بہادر مانا جاتا تھا یہ جنگِ بدر میں بھی شریک تھا لیکن زخمی ہو کر بھاگ گیا تھا اور اس نے قسم کھا رکھی تھی کہ جب تک مسلمانوں سے بدلہ نہ لے لوں گا سر کے بالوں میں تیل نہ ڈالوں گا۔ یہ آگے بڑھا اور بلند آواز سے مقابلہ کی دعوت دینے لگا تین مرتبہ اس نے کہا کہ کون ہے جو میرے مقابلہ کو آتا ہے تینوں مرتبہ حضرت علی شیر خدا نے اٹھ کر جواب دیا کہ میں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روکا اور فرمایا اے علی! یہ عمرو بن ود ہے حضرت علی شیرِ خدا نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں یہ عمرو بن عبد ود ہے لیکن میں اس کا مقابلہ کروں گا یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار اپنے ہاتھ مبارک سے شیرِ خدا کے ہاتھ میں دے دی اور اپنے مبارک ہاتھوں سے ان کے سر پر عمامہ باندھا وقال لہٗ تقدم فلما ولی قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برز الایمان کلہٗ الی الشرک کلہ وقال رب لا تذرنی فردا۔ اور فرمایا جاؤ پس جب علی گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پورا ایمان (علی) پورے شرک (عمرو بن عبد ود) سے مقابلے کرنے والا ہے اور فرمایا اے میرے رب مجھے اکیلا نہ چھوڑنا، نیز حضرت علی شیر خدا کے لیے دعا حفاظت فرمائی۔ حضرت علی شیر خدا عمرو بن عبد ود کے سامنے کھڑے ہو گئے اور دونوں میں اس طرح گفتگو ہوئی۔ حضرت شیر خدا نے عمرو بن عبد ود کو کہا کہ مسلمان ہو جا

عمرو بن عبدود نے کہا یہ تو ہرگز نہیں ہو سکتا تو حضرت شیر خدا نے فرمایا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جا۔ عمرو بن عبدود کہنے لگا کہ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مجھے کوئی جنگ کی دعوت دے گا۔ حضرت شیر خدا نے کہا کہ میں تجھ کو جنگ کی دعوت دے رہا ہوں۔ عمرو بن عبدود نے کہا کہ تمہارا نام کیا ہے حضرت شیر خدا نے فرمایا علی بن ابی طالب۔ عمرو بن عبدود نے کہا کہ میں تجھ کو قتل کرنا پسند نہیں کرتا۔ حضرت شیر خدا نے کہا میں تجھے قتل کرنا بے حد پسند کرتا ہوں عمرو بن عبدود نے جب یہ بات سنی تو غصہ کی وجہ سے اپنے آپ سے باہر ہو گیا۔ حضرت شیر خدا پیدل تھے اور عمرو بن عبدود سوار تھا۔ یہ گھوڑے سے اتر پڑا اور اپنی تلوار سے گھوڑے کے پاؤں کاٹ ڈالے اور تلوار لے کر آگے بڑھا اور حضرت شیر خدا پر وار کیا۔ حضرت شیر خدا نے تلوار کے اس وار کو اپنی ڈھال پر روکا۔ عمرو بن عبدود کا یہ وار اتنا سخت تھا کہ تلوار ڈھال اور عمامہ کو کاٹتی ہوئی حضرت شیر خدا کی پیشانی پر لگی۔ گو زخم بہت گہرا نہیں لگا مگر پھر بھی پیشانی پر ایک نشان بن کر رہ گیا۔ شاہ مرداں شیر یزداں نے کہا اے عمرو بن عبدود! اب میری باری ہے یہ کہہ کر اسد اللہ الغالب نے ذوالفقار کے ساتھ ایسا وار کیا کہ تلوار عمرو بن عبدود کے شانے کو کاٹتی ہوئی کمر سے پار ہو گئی اور وہ زمین پر گر پڑا۔ حضرت شیر خدا نے تکبیر کہی مسلمانوں نے تکبیر سنی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قتلہ، علی (کرم اللہ وجہہ) و قال ابشر یا علی فلو وزن الیوم عملک بعمل امۃ محمد لرجح عملک بعملھم و نزلت آیۃ و کفی اللہ المؤمنین القتال بعلی، کہ حضرت علی نے عمرو بن عبدود کو قتل کر دیا ہے۔ اے علی تمہیں خوشخبری ہو کہ اگر آج کے تمہارے اس عمل کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی تمام امت کے اعمال سے وزن کیا جائے تو تمہارا عمل زیادہ راجح اور وزنی ہوگا اور آیت کریمہ اتری کہ اللہ تعالےٰ نے جنگ خندق میں مومنین کو لڑائی کی کفایت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ فرمادی۔ بہرصورت حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا نے عمرو بن عبدود کو قتل کیا اور منہ پھیر کر چل دیے حضرت عمر نے کہا کہ اے علی آپ نے عمرو بن عبدود کی زرہ کیوں نہیں اتاری اس کی زرہ تو بڑی قیمت والی ہے آپ نے فرمایا اے عمر ذوالفقار کی مار سے وہ اس طرح بے قرار ہو کر زمین پر گرا کہ اس کی شرمگاہ کھل گئی اس لیے میں نے بوجہ شرم وحیا منہ پھیر لیا (سیرت ابن ہشام ص۲۶۱ ج ۲۔ ینابیع المودۃ ص۹۴ ج ۱، زرقانی شرح مواہب لدنیہ ص۱۱۴ ج ۲ بحوالہ سیرت مصطفےٰ ص۲۶۸)۔

سوال:۔

یہ حدیث کہ حضرت علی شیر خدا کا یہ عمل میری تمام امت کے اعمال سے افضل ہے۔ ابن تیمیہ نے کہا کہ صحیح نہیں ہے یہ حدیث موضوع ہے اور کسی کتب معتبرہ میں مذکور نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے منہاج السنت میں لکھا وکیف یکون قتل کافر افضل من عبادۃ الثقلین الانس والجن ومنھم الانبیاء قال بل ان عمرو بن عبد ود ھذا لم یعرف لہ ذکر الا فی ھذہ الغزوۃ کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک کافر کو قتل کرنے کی نیکی ثقلین یعنی جنوں اور انسانوں کی عبادت سے افضل ہو جب کہ ان میں انبیاء بھی ہیں بلکہ عمرو بن عبدود کو تو کوئی جانتا پہچانتا ہی نہیں ہے۔ صرف اس جنگ خندق میں اس کا ذکر ہوا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ حدیث درست نہیں ہے۔

جواب :-

یہ حدیث صحیح ہے اور کتب معتبرہ میں موجود ہے۔ ابن تیمیہ نے جو کچھ کہا ہے غلط ہے۔ حافظ ذہبی نے بھی ابن تیمیہ کے اتباع میں اس حدیث کے بارے میں کلام کرتے ہوئے امام حاکم صاحب مستدرک کو رافضی کہا۔ کیونکہ امام حاکم نے بھی حدیث مبارزت (مقابلہ) کو مستدرک میں ذکر کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لمبارزۃ علی بن ابی طالب لعمرو بن عبد ود یوم الخندق افضل من اعمال امتی الی یوم القیامۃ

(مستدرک ص۳۲ ج ۳) کہ علی بن ابی طالب نے عمرو بن عبد ود کے ساتھ خندق کی جو لڑائی لڑی اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ علی کا یہ مقابلہ قیامت تک میری امت کے کاموں سے افضل ہے۔ حافظ ذہبی نے تلخیص میں تو امام حاکم کو حدیث مبارزت بیان کرنے کی وجہ سے رافضی کہا پھر اس سے عدول اور انحراف کرکے میزان الاعتدال میں کہا کہ انصاف تو یہی ہے کہ امام حاکم رافضی نہیں ہے (میزان الاعتدال ص۶۰۸ ج ۳) جس روایت کی بنا پر حافظ ذہبی نے امام حاکم کو رافضی کہا ہے اور پھر اس سے عدول کرکے کہا کہ وہ رافضی نہیں ہیں تو پھر ثابت ہوا کہ یہ حدیث اور روایت بھی صحیح ہے۔ چنانچہ ہم نے اس بارے میں حسب ونسب جلد سوم میں کچھ گفتگو کی ہے اور رہا ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک کافر کا قتل تمام امت کی عبادت سے افضل قرار پائے جس میں انبیاء بھی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں الفاظ امتی اور ھذہ امتہ کے ہیں جس سے واضح طور پر ثابت ہے کہ انبیاء کرام اس میں داخل نہیں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کی یہ افضلیت بمقابلہ اپنی امت کے اعمال کے ذکر کی ہے نہ بمقابلہ انبیاء کے

اور ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ یہ حدیث موضوعات سے ہے اور اس کو کسی نے کتب معتبرہ میں ذکر نہیں کیا یہ بھی غلط ہے کیونکہ اس کو امام حاکم نے ذکر کیا ہے اور اس کے علاوہ دیگر محدثین نے بھی ذکر کیا ہے اور جن روایات میں ثقلین کا لفظ آیا ہے جیسے کہ سیرت حلبیہ وغیرہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قتل علی لعمرو بن عبد ود افضل من عبادۃ ثقلین کہ علی کی عمرو بن عبد ود کو قتل کرنے کی نیکی جنوں اور انسانوں کے اعمال سے افضل ہے یہ جن اور انسان حضور کی اُمت کے مراد ہیں۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود المتوفی ۳۲ھ کی روایت میں امتی کا لفظ ہے اور حذیفہ بن یمان کی ایک روایت میں امتی کا لفظ ہے اور دوسری روایت میں امۃ محمد کے الفاظ ہیں جب حدیث میں امت محمدیہ کی تصریح موجود ہے کہ حضرت علی کی یہ نیکی امت محمدیہ کی نیکیوں سے افضل ہے تو پھر ابن تیمیہ کا انبیاء علیہم السلام کو شامل کر کے اس حدیث کو موضوع اور ضعیف بنانا غلط ہے اور ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ عمرو بن عبد ود کو کوئی جانتا پہچانتا ہی نہیں صرف اس کا ذکر غزوۂ خندق میں آیا ہے یہ بھی غلط ہے کیونکہ سیرت اور تاریخ کی تمام کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ یہ جنگ بدر میں شریک تھا اور جنگِ بدر میں زخمی ہو گیا اور بھاگ گیا تھا پھر جنگ خندق میں آیا اور حضرت علی شیر خدا نے اس کو قتل کیا۔ چنانچہ سیرت ابنِ ہشام میں ہے عمرو بن عبد ود جنگِ بدر میں لڑا تھا اور زخمی ہو گیا اس لیے جنگ اُحد میں غائب تھا لیکن جنگِ خندق میں ایک امتیازی نشان لگا کر آیا تھا تا کہ اسے پہچانا جا سکے۔ جب اس نے خندق سے اپنا گھوڑا دوڑا کر گزارا اور مسلمانوں کو کہا کوئی ہے کہ میرے مقابلے میں آئے تو حضرت علی اس کے مقابلے میں آگے اور اس کو قتل کر دیا (سیرت ابن ہشام ص۲۲۵ ج ۲) علامہ ابن حزم اندلسی

المتوفی ۴۵۶ھ لکھتے ہیں کہ عمرو بن عبدود مشہور شاہسوار تھا یہ خندق کے دن مقتول ہوا اس کے پیچھے کوئی اولاد نہیں تھی جس سے نسل چلی ہو یعنی اس کی نسل منقطع ہے (جمہرہ انساب العرب جلد ۱۶۸) قاضی محمد سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں کہ غزوہ خندق میں عمرو بن عبدود جو اپنے آپ کو ہزار جوانوں کے برابر سمجھتا تھا حیدر کرار علی مرتضیٰ شیر خدا کے ہاتھ سے مارا گیا (رحمۃ للعالمین صہ ۱۴۳ ج ۱) جب ابن حزم وغیرہ مذکور ہے ہیں کہ عمرو بن عبدود مشہور و معروف شاہسوار تھا تو پھر ظاہر ہوا کہ ابن تیمیہ نے جو کہا ہے کہ عمرو بن عبدود کو کوئی جانتا پہچانتا ہی نہیں تھا۔ صریح غلط ہوا۔ عمرو بن عبدود اپنے زمانہ کا نامی گرامی بہادر تھا یہ نسباً قریشی تھا۔ چنانچہ اس کا نسب یہ ہے عمرو بن عبدود بن ابوقیس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی بن غالب بن فہر (قریش) بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان، عمرو بن عبد کا ذکر پہلے بھی گزر چکا ہے، یہ جنگ بدر میں لڑا زخمی ہو گیا بھاگ نکلا پھر جنگ خندق میں آیا۔ حضرت علی شیر خدا سے مقابلہ کیا حضرت شیر خدا نے اس کو قتل کر دیا اور حضرت علی شیر خدا کے اس مقابلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ علی کا یہ کام قیامت تک میری اُمت کے تمام کاموں سے افضل ہے اب اس حدیث مبارزت (مقابلہ) میں حضرت شیر خدا کے عمل کی افضلیت تمام امت کے اعمال کے اعتبار سے ذکر کی گئی ہے جو کہ درست ہے کیونکہ علماء اہل سنت نے لکھا ہے کہ جہاد سیفی میں حضرت شیر خدا کی افضلیت ہے اور آپ کی شجاعت خبر متواتر سے ثابت ہے۔ چنانچہ شرح عقائد میں ہے کہ حضرت علی شیر خدا کی شجاعت اور بہادری خبر متواتر سے ثابت ہے (شرح عقائد صہ ۱۰۰) اور اس حدیث مبارزت میں بھی جہاد سیفی ہے تو یہ افضلیت

بعض لحاظ سے ہوئی جو کہ اہلِ سنت والجماعت کے مذہب کے عین مطابق ہے۔
خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس حدیث مبارزت کو متعدد محدثین نے کتب معتبرہ میں ذکر کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔ ابن تیمیہ نے جو اس پر جرح کی ہے وہ غیر معتبر اور بے بنیاد ہے اور ۷ھ میں غزوہ خیبر کے موقعہ پر پہلے دو دوسرے صحابہ کی قیادت میں حملہ ہوا مگر کامیابی نہ ہوئی۔ تیسرے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لاعطین الرایة غدا رجلا یفتح اللہ علی یدیہ یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ (بخاری شریف غزوہ خیبر ص۶۰۵، سیرت ابن ہشام ص۳۰۰ ج۲) کل میں اس آدمی کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح دیگا وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت کرتا ہے اور اس کے ساتھ اللہ اور اس کا رسول محبت کرتا ہے۔ راوی نے کہا کہ صحابہ کرام نے یہ رات بڑے اضطراب میں گذاری کہ دیکھیے کہ کل کس کو جھنڈا دیا جاتا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کو بلایا اس وقت انہیں آشوبِ چشم کی شکایت تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی دکھتی ہوئی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگا دیا اور دعا فرمائی تو فوراً ہی انہیں ایسی شفا حاصل ہوگئی کہ گویا کہ انہیں کوئی تکلیف تھی ہی نہیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اپنا علم نبوی جو سیاہ چادر سے تیار کیا گیا تھا حضرت علی کے ہاتھ میں دے دیا پھر فرمایا جاؤ اور لڑو یہاں تک کہ اللہ تمہیں فتح عطا کرے۔ حضرت شیر خدا علی المرتضیٰ نے قلعہ کے پاس پہنچ کر یہودیوں کو اسلام کی دعوت دی تو قلعہ کا رئیس اعظم مرحب بڑے جوش و خروش سے نکلا اور حضرت علی شیر خدا کو کہنے لگا خیبر خوب جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں اسلحہ پوش ہوں بہت ہی بہادر اور تجربہ کار ہوں۔ حضرت علی شیر خدا نے اس کے جواب میں رجز کا یہ شعر پڑھا

ے انا الذی سمتنی امی حیدرۂ
کلیث غابات کریہ المنظرۂ

میں وہ ہوں میری ماں نے میرا نام حیدر (شیر) رکھا ہے۔ میں کچھار کے شیر کی طرح ہیبت ناک ہوں، مرحب نے آگے بڑھ کر حضرت شیر خدا پر اپنی تلوار سے وار کیا مگر اس کا وار خالی گیا پھر شیر خدا نے بڑھ کر اس کے سر پر اس زور کی تلوار ماری کہ ایک ہی ضرب سے خود کٹا مغفر کٹا اور ذوالفقار حیدری سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اتر آئی اور تلوار کی مار کا تڑاکہ فوج تک پہنچا اور مرحب زمین پر گر کر ڈھیر ہو گیا۔ مرحب کی لاش کو زمین پر تڑپتے ہوئے دیکھ کر اس کی تمام فوج حضرت شیر خدا پر حملہ آور ہو گئی اور گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ اسی اثنا میں حضرت شیر خدا کی ڈھال کٹ کر گر پڑی تو آپ نے آگے بڑھ کر قلعہ کا پھاٹک اکھاڑ دیا اور اس کو ڈھال بنا کر دشمنوں کی تلواروں کو روکتے رہے یہ پھاٹک اتنا بڑا اور وزنی تھا کہ بعد میں چالیس آدمی بھی اس کو نہ اٹھا سکے اور ۸ھ میں غزوہ حنین کے موقع پر جب مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے تھے، حضرت علی شیر خدا اپنی جگہ جمع رہے۔ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ قبیلہ ہوازن کا جو شخص سیاہ جھنڈا لیے ہوا تھا اور اونٹ پر بیٹھا ہوا تھا اور کفار فوج کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کی ترغیب دے رہا تھا حضرت علی نے آگے بڑھ کر اس کو قتل کر دیا اور اس جنگ میں تقریباً چالیس کافروں کو حضرت شیر خدا نے قتل کیا تھا۔ البتہ غزوۂ تبوک کے موقع پر آپ شریک نہیں ہوئے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو اہل مدینہ اور اہل بیت اطہار کی حفاظت کے لیے مدینہ منورہ ٹھہرنے کا حکم دیا۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم تھا کہ تبوک میں کفار کے ساتھ جنگ کا موقع نہیں آئے گا اور حضرت علی شیر خدا کی ضرورت تو وہاں بے حاں جنگ

بھی ہو لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی شیر خدا کو شہر والوں اور گھر والوں کی حفاظت کے لیے مدینہ منورہ میں ہی قیام کا حکم فرمایا لیکن حضرت علی نے نہایت افسوس سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ کر خود جہاد کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اَلَا تَرضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ اِلَّا اَنّہ لیس نبی بعدی (بخاری غزوہ تبوک) کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہ نسبت ہے جو حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ یعنی جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر جاتے وقت حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنی امت بنی اسرائیل کی دیکھ بھال کے لیے اپنا خلیفہ بنا کر گئے تھے اسی طرح میں تم کو اپنی امت سونپ کر جہاد کے لیے جا رہا ہوں۔ بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیس ہزار کا لشکر ساتھ لیا۔ تبوک کے لیے روانہ ہو گئے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک پہنچے تو حضور پاک نے لشکر کو قیام کا حکم فرمایا مگر دور دور تک رومی کا فروں کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ واقعہ یہ ہوا کہ جب رومیوں کے جاسوسوں نے قیصر کو خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیس ہزار کا لشکر لے کر تبوک آ رہے ہیں تو رومیوں کے دلوں پر اس قدر ہیبت چھا گئی کہ وہ جنگ سے ہمت ہار گئے اور اپنے گھروں سے باہر نہ نکلے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیس دن تبوک میں قیام فرمایا پھر آپ واپس مدینہ منورہ تشریف لائے اور تبوک میں کوئی جنگ نہیں ہوئی یہ غزوہ تبوک ۹ ھ میں پیش آیا جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دی گئی کہ قیصر روم کی حکومت نے ملک شام میں بہت بڑی فوج جمع کی ہے تاکہ وہ

مدینہ منورہ پر حملہ کریں اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیس ہزار کا لشکر لے کر رومی فوج کے مقابلہ کے لیے تبوک تک تشریف لے گئے لیکن رومی لشکر کے دل میں رعب پڑ گیا وہ مقابلے کے لیے نکلے ہی نہیں۔

حضرت علی شیر خدا کا سورت براءۃ کے اعلان کے لیے جانا

غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذوالقعدہ ۹ھ میں تین سو مسلمانوں کا ایک قافلہ مدینہ منورہ سے حج کے لیے مکہ مکرمہ بھیجا اور کفار مکہ نے یہ حج دس ذی قعدہ کو ادا کیا کیونکہ وہ مہینوں میں ہیر پھیر کرتے رہتے تھے اگلے سال یعنی ۱۰ھ کا حج صحیح مہینہ، صحیح وقت میں ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۹ھ کے حج میں جو قافلہ بھیجا اس کا امیر حج حضرت ابوبکر صدیق کو بنایا اس قافلہ کی روانگی کے بعد سورت براءت کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں کیونکہ مجمع عام میں ان کا اعلان کرنا ضروری تھا اور حج کے موقعہ پر عرب کے اطراف واکناف سے لوگ جمع ہونے والے تھے اس لیے حضور نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو پیچھے روانہ کیا تاکہ حج کے روز یہ اعلان عام کر دیا جائے چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین اور کفار کے ساتھ معاہدے کیے ہوئے تھے سوائے بنو حمزہ اور بنو کنانہ کے کہ ایک دوسرے کے ساتھ جنگ نہ کی جائے اور نہ ہی ایک دوسرے کو نقصان پہنچایا جائے لیکن مشرکین اور کفار نے ہر طرح کے معاہدے توڑے اس سورت براءت میں اہم بات یہ ذکر کی گئی تھی کہ وہ معاہدے جو رسول پاک نے ان کفار کے ساتھ کیے تھے وہ ان کی معاہدہ شکنی کی وجہ سے منسوخ کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت علی سورت براءت کے اعلان کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے تشریف لے گئے، حضرت ابوبکر صدیق

نے حرم کعبہ اور عرفات اور منیٰ میں خطبہ پڑھا۔ اس کے بعد حضرت مولیٰ علی کھڑے ہوئے اور سورت برأۃ کی چالیس آیتیں پڑھ کر سنائیں اور اعلان کر دیا کہ اب کوئی مشرک خانہ کعبہ میں داخل نہ ہو سکے گا نہ کوئی برہنہ بدن اور ننگا ہو کر طواف کر سکے گا اور چار مہینے کے بعد کفار اور مشرکین کے لیے امان ختم کر دی جائے گی اور جنت میں مومن کے سوا کوئی داخل نہ ہو گا۔ مشرکین نے یہ سن کر کہا کہ اے علی اپنے چچا کے فرزند یعنی سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دے دیجیے ہم نے عہد پس پشت پھینک دیا ہے۔ ہمارے ان کے درمیان کوئی عہد نہیں ہے۔ بجز نیزہ بازی اور تیغ زنی کے۔

سوال :۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا تھا اور بعد میں سورت برات کے ابتدائی آیات اترے تھے تو ان آیات کے اعلان کے لیے حضرت ابوبکر صدیق کو کیوں پیغام نہ بھیجا گیا کہ تم سورت برات کا بھی اعلان کر دو ان کے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اعلان کے لیے کیوں بھیجا اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق امیر اور خلیفہ بننے کے اہل نہیں تھے۔

جواب :۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امیر اور خلیفہ بننے کے اہل تھے اسی لیے تو آپ کو امیر حج بنایا تھا۔ اگر وہ اہل نہیں تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو امیر حج کیوں بنایا تھا۔ بات اصل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے حضرت علی شیر خدا کو اس لیے بھیجا تھا کہ سورت برات کے بارے میں یہ اعلان کرنا کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے کفار اور مشرکین کے ساتھ معاہدے کر رکھے ہیں وہ ختم کیے جاتے ہیں اور چار ماہ کی مہلت بھی دی جاتی ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب کسی قوم کے ساتھ کوئی سلطان یا بادشاہ معاہدہ کرتا ہے تو پھر اس کو منسوخ اور ختم یا تو بادشاہ خود کرتا ہے یا اس کا کوئی قریبی رشتہ دار کرتا ہے، چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کو اس معاہدہ کی تنسیخ کے اعلان کے لیے اس لیے بھیجا تھا کہ وہ آپ کے قریبی رشتہ دار (بھائی) تھے

اتبعه بعلی بن ابی طالب لیکون مبلغا عن رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم لکونه عصبة له (تفسیر ابن کثیر ص۳۳ ج ۲) یعنی ابوبکر کے پیچھے علی بن ابی طالب کو بھیجا تاکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے سورت برات کے بارے میں اعلان فرمائیں اس لیے کہ علی، رسول کے قریبی رشتہ دار بھائی تھے نیز یہ بھی حدیث میں وارد ہے لا بد لی ان اذهب بها انا او تذهب بها انت (تفسیر ابن کثیر ص۳۳۳ ج ۲) کہ رسول اللہ نے حضرت علی کو فرمایا کہ اس سورۃ برات کے اعلان کے لیے یا تو مجھے جانا ضروری ہے یا علی تمہارا جانا ضروری ہے۔ ایک اور روایت میں ہے لا یودی عنی الا رجل من اهل بیتی ثم دعا علیا فقال اذهب بهذه القصه من سورة براة (تفسیر ابن کثیر ص۳۳۴ ج ۲) کہ یہ اعلان میری طرف سے میری اہل بیت سے کوئی مرد کرے گا پھر آپ نے حضرت علی کو بلا کر فرمایا کہ سورت برات میں جو یہ واقعہ ہے اس کا جا کر اعلان کرو چنانچہ حضرت علی تشریف لے گئے اور اعلان فرمایا۔

۱۔ کہ جنت میں کافر داخل نہیں ہوگا۔

۲۔ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا۔

۳۔ ننگے بدن طواف کعبہ کوئی نہیں کرے گا۔

۴۔ اور جس کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ معاہدہ ہے وہ بعد از مدت منسوخ ہو گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب سورت برارت کے ابتدائی آیات نازل ہوئے جن میں صاف صاف حکم دیا گیا تھا کہ اب کافروں کے ساتھ سابقہ معاہدے منسوخ ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کے پیچھے حضرت شیر خدا کو روانہ فرمایا کہ حج کے دن یہ اعلان عام کر دیں حضرت شیر خدا مکہ مکرمہ پہنچے اور حج کے دن جمرہ عقبہ کے پاس کھڑے ہو کر سورت برارت کی چالیس ابتدائی آیات تلاوت فرمائیں، اس کے بعد کہا کہ مجھے یہ حکم بھی فرمایا گیا ہے کہ تمہیں یہ حکم بھی سنا دوں۔

—— کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کعبہ کو نہ آئے۔

—— کوئی برہنہ بدن ہو کر طواف نہ کرے۔

—— اہل ایمان کے بغیر کوئی شخص جنت میں داخل نہ ہو گا۔

—— اور جس کے ساتھ کوئی معاہدہ ہے اگر اس نے عہد شکنی میں پہل نہ کی تو اس کا عہد پورا کیا جائے گا اور جس کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں ہے اسے چار ماہ کی مہلت ہے۔

علامہ قرطبی المتوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں کہ یہ چار ماہ کی مدت ان لوگوں کے لیے تھی جن کے معاہدہ کی مدت چار ماہ سے کم تھی یا میعاد مقرر ہی نہ تھی لیکن جن کے ساتھ چار ماہ سے زیادہ عرصہ کے لیے معاہدہ کیا گیا ان کے متعلق حکم ہوا اس کو مقررہ وقت تک پورا کریں۔

⁘

حضرت علی شیر خدا کے بارے میں خطبہ خم غدیر:

سنہ ۱۰ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کیا یہ آپ کا آخری حج تھا اور ہجرت کے بعد یہی آپ کا پہلا حج تھا۔ ذی القعدہ سنہ ۱۰ھ میں آپ نے حج کے لیے روانگی کا اعلان فرمایا، امام بیہقی کی روایت ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمان حجۃ الوداع میں آپ کے ساتھ تھے۔ چوتھی ذی الحجہ کو آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ چاشت کے وقت یعنی جب سورج بلند ہو چکا آپ مسجد حرام میں تشریف لائے جب کعبہ معظمہ پر نگاہ نبوت پڑی تو آپ نے یہ دعا پڑھی اللھم انت السلام ومنک السلام حینا ربنا بالسلام اللھم زد ھذا بیت تشریفا وتعظیما وتکریما ومھابۃ وزد من حجہ واعتمرہ تکریما وتشریفا۔ اے اللہ تو سلامتی دینے والا ہے اور تیری ہی طرف سے سلامتی ہے اے رب ہمیں سلامتی کے ساتھ زندہ رکھ اے اللہ اس گھر کی عظمت وشرف اور عزت وہیبت کو زیادہ کر اور جو اس گھر کا حج اور عمرہ کرے تو اس کی بزرگی اور شرف وعظمت کو زیادہ کر جب حجر اسود کے سامنے تشریف لائے تو حجر اسود پر ہاتھ رکھ کر اس کو بوسہ دیا پھر خانہ کعبہ کا طواف فرمایا جب طواف سے فارغ ہوئے تو مقام ابراہیم کے پاس تشریف لائے اور وہاں دو رکعت نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر پھر حجر اسود کو استلام فرمایا اور سامنے کے دروازے سے صفا کی جانب روانہ ہوئے اور صفا و مروہ کی سعی کی۔ آٹھویں ذی الحجہ جمعرات کے دن منیٰ تشریف لے گئے اور پانچ نمازیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء، فجر منیٰ میں ادا فرما کر نویں ذی الحجہ جمعہ کے دن آپ عرفات میں تشریف لے گئے جب سورج ڈھل گیا تو آپ نے اپنی اونٹنی قصوا پر سوار ہو کر خطبہ پڑھا اس خطبہ میں

آپ نے ضروری احکام اسلامیہ کا اعلان فرمایا، غروبِ آفتاب کے بعد آپ مزدلفہ تشریف لائے یہاں رات بھر اُمت کے لیے دعا مانگتے رہے اور سورج نکلنے سے پہلے مزدلفہ سے منیٰ کے لیے روانہ ہو گئے منیٰ میں بھی ایک طویل خطبہ دیا جس میں احکام شرعیہ کا بیان فرمایا پھر قربان گاہ میں تشریف لے گئے، آپ کے ساتھ قربانی کے ایک سو اونٹ تھے کچھ کو تو آپ نے اپنے دستِ مبارک سے ذبح فرمایا اور باقی حضرت علی المرتضیٰ شیرِ خدا کو سونپ دیئے کہ وہ ذبح کریں۔ قربانی کے بعد حضرت معمر بن عبداللہ سے آپ نے سر کے بال اتروائے اور کچھ بال مبارک ابوطلحہ انصاری کو عطا فرمائے اور باقی موئے مبارک کو مسلمانوں میں تقسیم کر دینے کا حکم دیا۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ میں تشریف لائے اور طواف زیارت کیا پھر زمزم پر تشریف لائے۔ قبلہ رُخ کھڑے ہو کر زمزم نوش فرمایا۔ پھر منیٰ واپس تشریف لے گئے اور بارہ ذی الحجہ تک منیٰ میں مقیم رہے اور ہر روز سورج ڈھلنے کے بعد جمروں کو کنکریاں مارتے رہے۔ تیرہ ذی الحجہ منگل کے دن آپ سورج ڈھلنے کے بعد منیٰ سے روانہ ہو کر محصب وادی میں رات بھر قیام فرمایا اور صبح کو نماز فجر کعبہ کی مسجد میں ادا فرمائی اور طواف وداع کر کے انصار و مہاجرین اور دیگر صحابہ کے ساتھ مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ایک مقام خم ہے یہاں ایک تالاب تھا جس کو عربی میں غدیر کہتے ہیں یہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیام فرمایا اور صحابہ کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا چنانچہ امام ابن ماجہ المتوفی ۲۷۳ھ نے اپنی سند کے ساتھ براء بن عازب المتوفی ۷۲ھ سے روایت کی ہے کہ براء بن عازب نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کو خطبہ دیا جس میں حضرت علی شیرِ خدا کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا الست اولی بالمؤمنین من انفسھم قالوا بلیٰ قال فھذا ولی من انا مولاہ اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاداہ

(سنن ابن ماجہ صہ۱۲) کیا میں مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک نہیں ہوں صحابہ نے کہا کہ آپ ہی فرمایا پس یہ علی ولی ہے اس شخص کا جس کا میں مولیٰ ہوں۔ اے اللہ دوست رکھ اس کو جو اسے دوست رکھے اور دشمن رکھ اسے جو اسے دشمن رکھے،

سوال :-

ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ زیادتی اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ صحیح نہیں للہذا یہ حدیث بھی صحیح نہیں ہے،

جواب :-

ابن تیمیہ کا یہ قول باطل اور مردود ہے کیونکہ یہ حدیث سند اور متن دونوں لحاظ سے درست ہے چنانچہ اس کی سند میں درج ذیل راوی ہیں جو کہ تمام ہی ثقہ اور صدوق ہیں پہلا راوی علی بن محمد ہے یہ ثقہ ہے۔ دوسرا ابوالحسن ہے۔ یہ بھی ثقہ ہے اور تیسرا راوی حماد بن مسلمہ ہے یہ صحیحین کا راوی ہے اور چوتھا راوی علی بن زید بن جدعان ہے یہ صحیح مسلم کا راوی ہے (تقریب صہ۲۴۸ تذکرۃ الحفاظ صہ۲۹ ج ۲)۔ کتاب الجمع بین رجال الصحیحین صہ۱۰۳) اور امام احمد بن حنبل التوفی ۲۴۱ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت بریدہ اسلمی سے روایت کی ہے کہ بریدہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ (مسند احمد بن حنبل صہ۳۱۷ ج ۵) نیز امام احمد بن حنبل نے اپنی سند کے ساتھ زید بن ارقم سے روایت کی ہے کہ زید بن ارقم نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ اللھم وال من والاہٗ وعاد من عاداہ (مسند احمد بن حنبل صہ۳۶۸) اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں، چنانچہ ابن نمیر

یعنی عبداللہ بن نمیر صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا راوی ہے اور عبدالملک بن ابی سلیمان مشہور ثقہ ہے۔ (کتاب الجمع بین رجال الصحیحین صد ۲۹۹۔ میزان الاعتدال صد ۲۵۶ ج ۲) اور عطیہ عوفی بھی ثقہ ہے۔ اس کے ثقہ ہونے کے بارے میں ہم نے حسب و نسب جلد دوم میں ذکر کیا ہے۔ امام احمد نے حنبل نے حدیث موالات کو متعدد روایات سے ذکر کیا ہے اور یہ حدیث موالات من کنت مولاہ فعلی مولاہ صرف مشہور ہی نہیں ہے بلکہ متواتر ہے۔ چنانچہ علامہ آلوسی بغدادی المتوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں کہ علامہ ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ سے منقول ہے کہ حدیث من کنت مولاہ فعلی متواتر ہے اور یہ یقینی بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کلمات (من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ) ارشاد فرمائے ہیں نیز یہ کلمات اللھم وال من والاہ قوی سند سے ثابت ہیں (تفسیر روح المعانی صد ۱۹۵ ج ۴) حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں کہ حدیث موالات کی سندات بہت زیادہ ہیں (فتح الباری صد ۶۱ ج ۷) عبدالرؤف مناوی المتوفی ۱۰۳۱ھ لکھتے ہیں کہ علامہ ہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ نے کہا کہ اس حدیث موالات کے راوی ثقہ ہیں اور دوسرے مقام پر کہا کہ اس کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں اور یہ حدیث متواتر ہے (فیض القدیر صد ۲۱۸ ج ۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی المتوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں۔ پس حدیث صحیح است بے شک روایت کردہ اند آں را شانزدہ صحابہ و بسیار از اسانید آں صحاح و حسان است (اشعۃ اللمعات صد ۶۶۱ ج ۴) علامہ ابن حجر مکی المتوفی ۹۷۳ھ لکھتے ہیں کہ بے شک یہ حدیث صحیح ہے اس میں شک کی بالکل گنجائش نہیں ہے اور اس حدیث کی تخریج محدثین کی ایک جماعت نے کی ہے جیسے کہ ترمذی اور نسائی اور امام احمد ہیں اور اس حدیث کے بہت سے طرق ہیں۔

اسی وجہ سے سولہ صحابیوں نے اس کو روایت کیا ہے اور امام احمد نے روایت ہے کہ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تیس صحابہ کرام نے سنا ہے اور ان تیس نے حضرت علی کے لیے شہادت دی ہے جبکہ آپ کے دور خلافت میں اس مسئلہ میں جھگڑا اور نزاع پیدا ہوا اور اس کی بہت سی سندیں صحیح یا حسن درجہ کی ہیں (صواعق محرقہ صہ ۲۲) تفسیر مواہب الرحمان میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بریدہ اسلمی کو کہا کہ اے بریدہ کیا میں اولیٰ بالمومنین ان کی ذات سے نہیں ہوں یعنی مومنوں پر اپنی جان سے بڑھ کر میری محبت فرض ہے۔ میں نے عرض کیا حضور بے شک آپ اولیٰ بالمومنین من انفسہم ہیں آپ نے فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ شیخ ذہبی نے کہا کہ اس کی اسناد صحیح ہے اور کبار صحابہ اس محبت کو محفوظ رکھتے تھے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بعض لوگوں نے کہا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے جو بات لحاظ کرتے ہیں وہ دیگر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے کسی کے واسطے نہیں کرتے ہیں۔ حضرت عمر نے کہا کہ ہاں وہ میرے مولیٰ ہیں (دار قطنی) یعنی ان کی محبت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم پر خاصتہً لازم فرمایا ہے۔ (تفسیر مواہب الرحمان صہ ۲۲۴ ج ۹) خواجہ خواجگان پیر سید مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۳۵۶ھ فرماتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیر خم کے مقام پر فرمایا کہ مجھے اس عالم میں بلایا گیا ہے اور میں نے اس دعوت کو قبول کر لیا ہے۔ جان لو میں تمہارے درمیان دو عظیم الشان امر چھوڑ چلا ہوں یعنی قرآن اور میرے اہل بیت خبردار ہوش کرنا اور میرے جانے کے بعد ان کے ساتھ نیک سلوک کرنا اور ان کے حقوق کی رعایت محفوظ رکھنا اور یہ دونوں امر میرے بعد ایک دوسرے سے جدا

دیں گے یہاں تک سب حوض کوثر پر میرے پاس پہنچیں گے۔ بعدازاں فرمایا میرا مولیٰ خدائے عزوجل ہے اور میں سب مومنوں کا مولیٰ ہوں پھر سیدنا علی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اللّٰھم من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاداہ۔ اے اللہ جس کا میں مولیٰ ہوں علی بھی اس کا مولیٰ ہے اے اللہ اس کو دوست رکھ جو علی کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو علی سے عداوت رکھے۔ ایک اور روایت میں علاوہ فرمان مذکور یہ بھی آیا ہے وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ وادر الحق حیث دار۔ اور مدد کر اس کی جو علی کی مدد کرے اور رسوا کر اس کو جو علی کو رسوا کرے اور حق کو علی کے ساتھ رکھ یعنی جدھر علی جائے ادھر حق کو لے جا، بلاشبہ اس حدیث شریف سے بدیہی طور پر سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی غایت درجہ فضیلت اور تکریم ظاہر ہوتی ہے اور ہر اہل ایمان کے لیے ترغیب بھی ہے کہ وہ عترت پاک کے ساتھ اسی طرح محبت رکھیں جیسے کہ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات گرامی کے ساتھ ہے کہ اس پر ایمان کا دارومدار ہے اس کے سننے کے بعد سیدنا عمر نے سیدنا علی کو کہا کہ اے ابوطالب کے بیٹے خوش ہو اور تجھے بشارت ہو کہ تو ہر مومن مرد اور مومنہ عورت کا مولیٰ ہو گیا (تصفیہ مابین سنی وشیعہ ص۲۳) اس سے ثابت ہوا کہ حدیث موالاۃ یعنی من کنت مولاہ فعلی مولاہ بمعہ اس جملہ اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاداہ کے صحیح ہے لہٰذا اس کے بارے میں ابن تیمیہ کی جرح باطل ہے اور ہم نے حدیث ثقلین وموالات کا ذکر حسب ونسب جلد سوم میں بھی کیا ہے۔

رسول اللہ کا وصیت فرمانا کہ میری تجہیز و تکفین کا انتظام علی اور اہلِ بیت کریں

سلہ میں ماہ صفر کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہو گئے چنانچہ مدارج النبوت وغیرہ میں ہے کہ ۲۲ صفر کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت البقیع میں آدھی رات تشریف لے گئے وہاں سے واپس تشریف لائے تو مزاج اقدس ناساز ہو گیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں اپنی پیاری بیٹی سیدہ فاطمۃ الزہراء کو بلایا اور آہستہ آہستہ ان سے کچھ فرمایا تو وہ رو پڑیں پھر بلایا اور آہستہ آہستہ کچھ فرمایا تو وہ ہنس پڑیں جب ازواج مطہرات نے اس کے بارے میں سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء سے پوچھا تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ اس بیماری میں وفات پا جاؤں گا تو میں رو پڑی۔ پھر مجھ سے فرمایا کہ میرے بعد میرے گھر والوں میں سے سب سے پہلے تم وفات پا کر میرے پیچھے آؤ گی تو میں ہنس پڑی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرض میں کمی وبیشی ہوتی رہی۔ آخر کار ۱۲ ربیع الاول سلہ دوشنبہ کے دن تیسرے پہر آپ نے وصال فرمایا۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود وصیت فرما دی تھی کہ میرے غسل اور تجہیز و تکفین میرے اہلِ بیت ہی کریں لہٰذا حضرت علی المرتضیٰ شیرِ خدا نے آپ کو غسل دیا۔ حضرت عباس، فضل بن عباس، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو بدلنے میں حضرت علی شیرِ خدا کی مدد کر رہے تھے اور قثم بن عباس اور اسامہ بن زید اور حضور پاک کے غلام شقران پانی

ڈال رہے تھے حضرت مولیٰ علی شیر خدا کے سوا باقی سب نے آنکھوں پر رومال باندھے ہوئے تاکہ جسم پاک پر نظر نہ پڑے۔ غسل کے بعد تین سوتی کپڑوں سحول گاؤں کے بنے ہوئے تھے کفن بنایا گیا۔ ان میں قمیص و عمامہ نہ تھا غسل اور تکفین کے بعد نماز جنازہ ادا کی گئی۔ پہلے اہل بیت اور کنبہ والوں نے ادا کی پھر مہاجرین اور انصار کے مردوں نے پھر عورتوں اور بچوں نے، اس نماز میں امام کوئی نہ تھا۔ حجرہ مبارک تنگ تھا اس لیے دس دس شخص اندر جاتے تھے جب وہ نماز سے فارغ ہو کر باہر آتے تب اور دس اندر جاتے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازہ پر یہ دعا پڑھی جاتی تھی۔ ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما اللھم ربنا لبیک وسعدیک صلواۃ اللہ البر الرحیم والملائکۃ المقربین والنبیین والصدیقین والصالحین وما سبح لک من شئی یارب العالمین علی محمد بن عبد اللہ خاتم النبیین وسید المرسلین وامام المتقین ورسول رب العالمین الشاھد المبشر الداعی باذنک السراج المنیر وبارک علیہ وسلم (بخاری صہ ۶۳۸ ج ۲۔ مدارج النبوت صہ ۴۳۹ ج ۲۔ زرقانی شرح مواہب لدنیہ صہ ۲۹۳، سیرت رسول عربی صہ ۲۵۷، رحمۃ للعالمین صہ ۲۵۴ ج ۱، سیرت مصطفےٰ صہ ۲۳۱، سیرت ابن ہشام صہ ۸۷ ج ۲)۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حجرہ عائشہ صدیقہ میں دفن کیا گیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبر منور میں حضرت علی شیر خدا اور حضرت عباس نے اتارا۔ ان کے ساتھ حضرت فضل بن عباس و قثم بن عباس بھی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مسلمانوں کے بالاتفاق خلیفہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہو گئے۔ آپ نے

دو سال تین مہینے اور دس دن خلافت کی۔ حضرت ابوبکر صدیق کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے۔ انہوں نے دس سال چھ مہینے اور دس دن خلافت کی۔ ان کے بعد حضرت عثمان خلیفہ منتخب ہوئے۔ انہوں نے گیارہ سال اور گیارہ مہینے اور اٹھارہ دن خلافت کی۔

حضرت مولیٰ علی شیر خدا کا خلیفہ مقرر ہونا:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی شیر خدا سے لوگوں نے خلافت کے لیے کہا مگر آپ برابر انکار کرتے رہے۔ آخرکار مدینہ منورہ کے اصحاب الرائے صحابہ کی تائید و اصرار کے بعد اس خیال سے کہیں مسلمانوں کی جمعیت منتشر نہ ہو جائے ۳۵ھ ۲۱ ذی الحجہ کو اتوار کے دن آپ نے اس منصب کو قبول فرمایا اور مسجد نبوی میں آپ کے ہاتھ پر عام بیعت ہوئی نیز مولیٰ علی شیر خدا ہی اس کے مستحق تھے کہ آپ ہی خلیفہ بنیں، چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ فرماتے ہیں کہ اس وقت حضرت علی سے بڑھ کر کوئی شخص خلافت کا حق وار نہ تھا (البدایہ والنہایہ صفحہ ۱۳۰ ج ۸) ہم اس سلسلہ میں ابوالعلامودودی صاحب کی کتاب "خلافت و ملوکیت" سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں جن سے واضح تر ہو جائے گا کہ واقعی اس وقت حضرت علی شیر خدا خلافت کے مستحق تھے اور حق بھی آپ کی جانب تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد مدینے میں سراسیمگی پھیل گئی کیونکہ اُمت یکایک بے سردار اور مملکت بے سربراہ رہ گئی۔ باہر سے آنے والے شورشی اور مدینہ کے مہاجرین و انصار اور تابعین دونوں اس پریشانی میں مبتلا ہو گئے کہ سرحد روم سے یمن تک اور افغانستان سے شمالی افریقہ تک پھیلی ہوئی یہ

امت اور مملکت چند روز بھی بے سربراہ کیسے رہ سکتی ہے لامحالہ جلدی سے ایک خلیفہ کا انتخاب ہونا چاہیے تھا اور یہ انتخاب بھی لازماً مدینے میں ہونا چاہیے تھا کیونکہ وہ مرکز اسلام تھا یہیں وہ اہل حل و عقد موجود تھے جن کی بیعت سے اس وقت تک خلافت منعقد ہوتی رہی تھی ۔ اس معاملہ میں نہ تاخیر کی جا سکتی تھی اور نہ مدینہ منورہ سے باہر دور دراز دیار و امصار کی طرف رجوع کرنے کا کوئی موقع تھا ایک خطرناک صورت حال پیدا ہو چکی تھی ۔ فوری ضرورت تھی کہ کسی موزوں ترین شخصیت کو سربراہ بنایا جائے تاکہ امت اس پر جمع ہو سکے اور وہ مملکت کو انتشار سے بچا سکے ۔ وہ اس وقت حضرت علی شیر خدا ہی تھے ۔ چنانچہ تمام معتبر روایتوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ کے اصحاب اور دوسرے اہل مدینہ ان کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ یہ نظام کسی امیر کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا ۔ لوگوں کے لیے ایک امام کا وجود ضروری ہے اور آج آپ کے سوا ہم کوئی ایسا شخص نہیں پاتے جو اس منصب کے لیے آپ سے زیادہ مستحق ہو نہ سابق خدمات کے اعتبار سے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قرب کے اعتبار سے انہوں نے انکار کیا ۔ لوگ اصرار کرتے رہے آخر کار آپ نے فرمایا کہ میری بیعت گھر بیٹھے خفیہ طریقے سے نہیں ہو سکتی تمام مسلمانوں کی رضا کے بغیر ایسا ہونا ممکن نہیں ہے ۔ پھر مسجد نبوی میں اجتماع عام ہوا اور تمام مہاجرین و انصار نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت علی شیر خدا کی خلافت قطعی طور پر ٹھیک ٹھاک انہیں اصولوں کے مطابق منعقد ہوئی تھی جن پر خلافت راشدہ کا انعقاد ہو سکتا تھا وہ زبردستی اقتدار پر قابض نہیں ہوئے ۔ انہوں نے خلافت حاصل کرنے کے لیے برائے نام بھی کوشش نہیں کی ۔ لوگوں نے خود آزادانہ مشاورت سے ان کو خلیفہ منتخب کیا

صحابہ کی عظیم اکثریت نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور بعد میں شام کے سوا تمام بلادِ اسلامیہ نے ان کو خلیفہ تسلیم کیا۔ اہلِ شام یعنی حضرت معاویہ کو بھی کہا گیا کہ وہ بیعت کریں اور حضرت علی کو خلیفہ تسلیم کریں لیکن انہوں نے حضرت علی کی بیعت قبول کرنے کے لیے یہ شرط لگائی کہ پہلے حضرت عثمان کے قاتلوں کو گرفتار کر کے ان سے قصاص لیا جائے۔ حضرت علی نے ان سے کہا کہ پہلے بیعت میں داخل ہو جاؤ پھر حق کا مطالبہ کرو اور وہ تمہیں مل جائے گا۔ مگر انہوں نے کہا کہ آپ بیعت کے مستحق ہی نہیں حالانکہ اس معاملہ میں حضرت علی حق پر تھے اور حضرت علی کی رائے ہی درست تھی کیونکہ حضرت علی اگر حضرت معاویہ کے کہنے پر قاتلین عثمان سے بدلہ لینے کی کوشش کرتے تو قبائل ان کی حمایت پر اٹھ کھڑے ہوتے اور لڑائی کا ایک تیسرا محاذ کھل جاتا اس لیے حضرت علی انتظار کر رہے تھے کہ حکومت مضبوط ہو جائے اور تمام مملکت میں ان کی بیعت منعقد ہونے۔ اس کے بعد باقاعدہ عدالت میں اولیاءِ مقتولین کی طرف سے دعویٰ پیش ہو اور حق کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے۔ علمائے اُمت کے درمیان اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ امام کے لیے قصاص کو موخر کرنا ایسی حالت میں جائز ہے جبکہ اس سے فتنہ بھڑک اٹھنے اور تفرقہ برپا ہونے کا خطرہ ہو حضرت علی کی حکومت ایک باقاعدہ حکومت تھی جس میں ہر دعویٰ کے لیے ایک ضابطہ اور قانون موجود تھا۔ خون کا مطالبہ کرنے اٹھنے کا حق مقتول کے وارثوں کا تھا جو زندہ تھے اور وہیں موجود تھے لیکن کسی حکومت سے انصاف کے مطالبے کا یہ کونسا طریقہ ہے کہ آپ سرے سے اس حکومت کو جائز حکومت اس وقت ہی مانیں جب تک وہ آپ کے اس مطالبے کے مطابق عمل درآمد نہ کرے۔ حضرت علی اگر جائز خلیفہ تھے ہی نہیں تو پھر ان سے اس

مطالبہ کے آخر معنے کیا تھے کہ وہ مجرموں کو پکڑیں اور سزا دیں نیز حضرت معاویہ نے یہ مطالبہ معاویہ بن ابی سفیان کی حیثیت سے نہیں بلکہ شام کے گورنر کی حیثیت سے کیا مرکزی حکومت کی اطاعت سے انکار کیا گورنر کی طاقت اپنے اس مقصد کے لیے استعمال کی اور مطالبہ بھی یہ نہیں کیا کہ حضرت علی شیر خدا قاتلین عثمان پر مقدمہ چلا کر انہیں سزا دیں بلکہ یہ کیا کہ وہ قاتلین عثمانؓ کو ان کے حوالہ کر دیں تاکہ وہ خود انہیں قتل کریں (یہ تو درست نہیں تھا) نیز خون عثمان کا مطالبہ کا حق اول تو حضرت معاویہ کی بجائے حضرت عثمان کے شرعی وارثوں کو پہنچتا تھا تاہم اگر رشتہ داری کی بنا پر حضرت معاویہ اس مطالبے کے مجاز ہو بھی سکتے تھے تو اپنی ذاتی حیثیت میں نہ کہ شام کے گورنر کی حیثیت میں وہ خلیفہ کے پاس مستغیث بن کر جا سکتے تھے اور مجرمین کو گرفتار کرنے اور ان پر مقدمہ چلانے کا مطالبہ کر سکتے تھے۔ گورنر کی حیثیت سے ان کا کوئی حق نہیں تھا کہ جس خلیفہ کے ہاتھ پر باقاعدہ آئینی طریقے سے بیعت ہو چکی تھی جس کی خلافت ان کے زیر انتظام صوبے کے سوا باقی پوری مملکت تسلیم کر چکی تھی اس کی اطاعت سے انکار کر دیتے اور اپنے زیرِ انتظام علاقے کی فوجی طاقت کو مرکزی حکومت کے مقابلے میں استعمال کرتے۔ ان کے لیے صحیح طریقہ یہی تھا کہ وہ حضرت علی کی بات مان لیتے آپ کو خلیفہ تسلیم کرتے اور اپنا مطالبہ قصاص عدالت میں پیش کرتے۔ قاتلین پر مقدمہ ثابت کرتے اور عدالت ان کو سزا دیتی جیسے کہ حضرت معاویہ نے خون عثمان کے قصاص کا مطالبہ کر دیا تھا اسی طرح حضرت طلحہ اور حضرت زبیر نے حضرت علی کی بیعت کر لینے کے بعد حضرت علی کو کہنا شروع کر دیا کہ ہم نے آپ کی بیعت اقامت حدود کی شرط پر کی ہے اب آپ ان لوگوں سے قصاص لیجیے جو حضرت عثمان کے قتل میں شریک تھے۔ حضرت

علی شیر خدا نے فرمایا خدا کی قسم میں بھی وہی خیال رکھتا ہوں جو آپ کا ہے۔ ذرا حالات سکون پر آنے دیجیے تاکہ لوگوں کے حواس برجا ہو جائیں۔ خیالات کی پراگندگی دور اور حقوق وصول کرنا ممکن ہو جائے۔ یہ بات حضرت علی نے صحیح فرمائی تھی اور آپ کی رائے ہی حق پر مبنی تھی کیونکہ ابھی تو شورش برپا کرنے والے دو ہزار آدمی مدینے میں موجود تھے لہٰذا حضرت علی نے فرمایا آپ چند دن انتظار کریں لیکن یہ دونوں حضرات طلحہ اور زبیر حضرت علی سے اجازت لے کر مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور وہاں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا اور ان کے درمیان یہ رائے قرار پائی کہ خون عثمان کا بدلہ لینے کے لیے بصرہ و کوفہ سے جہاں حضرت طلحہ و زبیر کے بکثرت حامی موجود تھے فوجی مدد حاصل کی جائے۔

جنگِ جمل:

چنانچہ یہ قافلہ مکہ سے بصرہ کی طرف روانہ ہوا۔ بنو امیہ سے سعید بن عاص اور مروان بن حکم بھی ان کے ساتھ تھے مرالظہران (موجودہ وادی فاطمہ) میں پہنچ کر سعید بن عاص نے اپنے گروہ کے لوگوں سے کہا اگر تم قاتلین عثمان کا بدلہ لینا چاہتے ہو تو ان لوگوں کو قتل کر دو جو تمہارے ساتھ اس لشکر میں موجود ہیں سعید بن عاص کا اشارہ طلحہ و زبیر کی طرف تھا کیونکہ بنو امیہ سمجھتے تھے کہ وہ تمام لوگ قاتلین میں شامل ہیں جنہوں نے وقتاً فوقتاً حضرت عثمان کی پالیسی پر اعتراضات کیے تھے یا جو شورش کے وقت مدینے میں موجود تھے مگر قتل عثمان کو روکنے کے لیے نہ لڑے لیکن مروان بن الحکم نے کہا کہ ہم ان یعنی طلحہ و زبیر اور حضرت علی کو ایک دوسرے کے ساتھ لڑا دیں گے۔ دونوں میں جس کو

شکست ہوگی وہ یوں ختم ہو جائے گا اور جو فتح یاب ہوگا وہ اتنا کمزور ہو جائیگا کہ ہم باسانی اس سے نمٹ لیں گے۔ بہر صورت یہ قافلہ بصرہ پہنچا اور اپنے ساتھ ہزارہا عراق سے اپنے حامیوں کی فوج اکٹھی کر لی۔ دوسری طرف حضرت علی شام کی طرف جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ بصرہ کے اس اجتماع کی اطلاع سن کر پہلے اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے مجبور ہو گئے اور اپنی فوج کو لے کر بصرہ کی طرف روانہ ہوئے بصرہ کے باہر حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ وطلحہ و زبیر کی فوج اور حضرت علی شیر خدا کی فوج ایک دوسرے کے سامنے آئیں تو پہلے مصالحت پر گفتگو ہوئی لیکن مروان بن حکم وغیرہ نے صلح نہ ہونے دی اور جنگ برپا کرا دی اور اس جنگ میں دونوں طرف سے دس ہزار آدمی مارے گئے۔ حضرت طلحہ کو مروان بن حکم نے قتل کر دیا اور زبیر کو عمرو بن جرموز نے قتل کر دیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اونٹ پر سوار تھیں۔ اونٹ کو جمل کہتے ہیں اس لیے اس جنگ کو جنگ جمل کہا گیا ہے۔ اونٹ کی کونچیں کاٹ دی گئیں اونٹ بیٹھ گیا جنگ ختم ہو گئی فتح حضرت علی شیر خدا کے حصہ میں آئی اور حضرت علی نے حضرت عائشہ صدیقہ جو شکست خوردہ فوج کی اصلی قائد تھیں سے انتہائی احترام کا برتاؤ کیا اور پوری حفاظت کے ساتھ ان کو مدینہ منورہ بھیج دیا۔

جنگِ صفین:

حضرت علی شیر خدا نے حضرت معاویہ کی طرف خط لکھا کہ امت جس خلافت پر جمع ہو گئی ہے اس کی اطاعت قبول کر لیں مگر انہوں نے اس کا جواب نہ دیا اور صفر ۳۶ھ میں اپنی طرف سے ایک لفافہ حضرت علی کے پاس بھیجا۔ حضرت علی نے لفافہ کھولا تو اس میں کوئی خط نہ تھا۔ حضرت علی نے لفافہ لانے والے

سے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے اس نے کہا میرے پیچھے دمشق میں ۶۰ ہزار آدمی خون عثمان کا بدلہ لینے کے لیے بے تاب ہیں۔ حضرت علی نے پوچھا کس سے بدلہ لینا چاہتے ہیں اس نے کہا کہ آپ کی رگ گردن سے اس کے صاف معنے یہ تھے کہ شام کا گورنر صرف اطاعت سے ہی منحرف نہیں ہے بلکہ اپنے صوبے کی ساری فوجی طاقت مرکزی حکومت سے لڑنے کے لیے استعمال کرنا چاہتا ہے اور اس کے پیش نظر قاتلین عثمان سے نہیں بلکہ خلیفہ وقت سے خون عثمان کا بدلہ لینا ہے نیز ۳۶ھ میں حضرت علی شیر خدا نے جریر بن عبد اللہ البجلی کو حضرت معاویہ کے پاس ایک اور خط دے کر بھیجا جس میں ان کو سمجھانے کی کوشش کی کہ امت جس خلافت پر جمع ہو گئی ہے اس کی اطاعت قبول کر لیں اور جماعت سے الگ ہو کر تفرقہ نہ ڈالیں مگر حضرت معاویہ ایک مدت تک حضرت جریر بن عبد اللہ البجلی کو ہاں یا نہ کا جواب نہ دیا اور انہیں برابر ٹالتے رہے۔ آخر حضرت عمرو بن عاص کے مشورے سے انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ حضرت علی کو خون عثمان کا ذمہ دار قرار دے کر ان سے جنگ کی جائے چنانچہ حضرت معاویہ نے ایک آدمی کو اس پر مامور کیا کہ کچھ گواہ ایسے تیار کریں جو اہل شام کے سامنے شہادت دیں کہ حضرت علی ہی حضرت عثمان کے "قتل کے ذمہ دار ہیں۔ چنانچہ وہ آدمی پانچ گواہ تیار کر کے لے آیا۔ انہوں نے لوگوں کے سامنے یہ شہادت دی کہ حضرت علی نے حضرت عثمان کو قتل کیا ہے۔ اس کے بعد حضرت علی شیر خدا عراق سے اور حضرت معاویہ شام سے جنگ کی تیاریاں کر کے ایک دوسرے کی طرف بڑھے اور صفین کے مقام پر جو فرات کے مغربی جانب الرقہ کے قریب واقع تھا فریقین کا آمنا سامنا ہوا حضرت معاویہ کا لشکر فرات کے پانی پر پہلے قابض ہو چکا تھا۔ انہوں نے حضرت علی کے لشکر

کو پانی نہ لینے دیا تو حضرت علی کے لشکر نے لڑ کر حضرت معاویہ کے لشکر کو وہاں سے بے دخل کر دیا اور حضرت علی شیر خدا نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ اپنی ضرورت بھر پانی لیتے رہو اور باقی سے لشکر مخالف کو بھی فائدہ اٹھانے دو اور حضرت علی شیر خدا نے باقاعدہ جنگ شروع ہونے سے پہلے حضرت معاویہ کے پاس اتمام حجت کے لیے ایک وفد بھیجا مگر ان کا جواب یہ تھا کہ میرے پاس سے چلے جاؤ۔ میرے اور تمہارے درمیان تلوار کے سوا کچھ نہیں (چونکہ افواج آمنے سامنے تھیں گاہ بگاہ جنگ ہو جاتی تھیں) اور ۳۷ھ ماہ صفر میں اصل فیصلہ کن جنگ شروع ہوئی اس جنگ کے دوران ایک ایسا واقعہ پیش آگیا جس نے نص صریح سے یہ بات کھول دی کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسر جو حضرت علی شیر خدا کی فوج میں شامل تھے حضرت معاویہ کی فوج سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ حضرت عمار کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد صحابہ میں مشہور و معروف تھا اور بہت سے صحابیوں نے اس کو حضور کی زبان مبارک سے سنا تھا کہ "تقتلک الفئۃ الباغیۃ" تم کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ مسند احمد بن حنبل، بخاری مسلم، ترمذی، نسائی، طبرانی، بیہقی، مسند ابو داؤد طیالسی وغیرہ کتب حدیث میں حضرات ابو سعید خدری، ابو قتادہ انصاری، ام سلمہ، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمرو بن عاص، ابوہریرہ، عثمان بن عفان، حذیفہ، ابو ایوب انصاری، ابو رافع، خزیمہ بن ثابت، عمرو بن عاص، ابو الیسر، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم اور متعدد دوسرے صحابہ سے اس مضمون کی روایات منقول ہوئی ہیں۔ ابن سعد نے طبقات میں بھی یہ حدیث کئی سندوں سے نقل کی ہے۔ متعدد صحابہ و تابعین نے جو حضرت علی اور حضرت معاویہ کی جنگ میں مذبذب تھے حضرت عمار کی شہادت کو یہ معلوم کرنے

کے لیے ایک علامت قرار دے لیا تھا کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون ہے۔ ابو بکر جصاص احکام القرآن میں لکھتے ہیں: علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے باغی گروہ کے خلاف تلوار سے جنگ کی۔ اس جنگ میں حضرت علی حق پہ تھے۔ ان کے مخالف باغی تھے۔ مزید برآں خود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمار سے فرمادیا تھا کہ تم کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ یہ ایک ایسی خبر ہے جو تواتر کے ساتھ منقول ہوئی ہے۔ ابن عبدالبر الاستیعاب میں لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تواتر آثار یہ بات منقول ہے کہ عمار بن یاسر کو باغی گروہ قتل کرے گا اور یہ صحیح ترین احادیث سے ہے مگر جب حضرت عمار کے شہید ہونے کی خبر حضرت معاویہ کے لشکر میں پہنچی اور عبداللہ بن عمرو بن عاص نے اپنے والد اور حضرت معاویہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد یاد دلایا تو حضرت معاویہ نے فوراً اس کی یہ تاویل کی کہ کیا ہم نے عمار کو قتل کیا ہے ان کو تو اس نے قتل کیا ہے جو انہیں میدان جنگ میں لایا (یہ تاویل غلط تھی) کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ حضرت عمار کو باغی گروہ میدان جنگ میں لائے گا بلکہ یہ فرمایا تھا کہ باغی گروہ ان کو قتل کرے گا۔ اور ظاہر ہے کہ ان کو قتل حضرت معاویہ کے گروہ نے کیا تھا نہ کہ حضرت علی کے گروہ نے حضرت عمار کی شہادت کے بعد دوسرے روز ۱۰ صفر ۳۷ھ کو سخت معرکہ برپا ہوا جس میں حضرت معاویہ کی فوج شکست کے قریب پہنچ گئی۔ اس وقت عمرو بن عاص نے حضرت معاویہ کو مشورہ دیا اب ہماری فوج نیزوں پر قرآن اٹھائے اور کہے "ھذا حکم بیننا و بینکم" یہ تمہارے اور ہمارے درمیان حکم (فیصلہ کرنے والا) ہے۔ اس کی مصلحت عمرو بن عاص نے خود بتائی کہ اس سے علی کے لشکر میں پھوٹ پڑ جائے گی کچھ کہیں گے کہ یہ بات مان لی جائے اور کچھ کہیں گے کہ نہ مانی جائے

ہم مجتمع رہیں گے اور ان کے درمیان تفرقہ ہو جائے گا۔ اگر وہ مان گئے تو ہمیں مہلت مل جائے گی۔ اس مشورے کے مطابق لشکر معاویہ نے قرآن نیزوں پر اٹھایا اور اس کا وہی نتیجہ ہوا جس کی حضرت عمرو بن عاص کو اُمید تھی، حضرت علی شیر خدا نے عراق کے لوگوں کو کافی سمجھایا کہ اس چال میں نہ آؤ اور جنگ آخری فیصلے تک پہنچ جانے دو مگر ان میں پھوٹ پڑ کر رہی اور آخر کار حضرت علی مجبور ہو گئے کہ جنگ بند کر کے حضرت معاویہ سے تحکیم کا معاہدہ کر لیں۔

حکم مقرر کرنا:

چنانچہ حضرت معاویہ نے اپنی طرف سے عمرو بن عاص کو حکم بنایا۔ حضرت علی شیر خدا چاہتے تھے کہ اپنی طرف سے حضرت عبداللہ بن عباس کو مقرر کریں مگر عراق کے لوگوں نے کہا وہ تو آپ کے چچا زاد بھائی ہیں ہم غیر جانبدار آدمی چاہتے ہیں۔ آخر ان لوگوں کے اصرار پر ابو موسیٰ اشعری کو حکم بنانا پڑا اور حضرت علی ان پر مطمئن نہ تھے جب حکم مقرر ہو گئے تو ان کے ذمہ لگایا گیا تھا کہ دونوں حکم ٹھیک اس معاہدے کے مطابق فیصلہ دیں جس کی رو سے ان کو فیصلے کا اختیار سونپا گیا تھا۔ معاہدے کی جو عبارت مؤرخین نے نقل کی ہے اس میں تحکیم ثالثی قبول کر لینے کی بنیاد یہ تھی دونوں حکم جو کچھ کتاب اللہ میں پائیں اس پر عمل کریں اور جو کچھ کتاب اللہ میں نہ پائیں اس کے بارے میں سنت عادلہ جامعہ غیر متفرقہ پر عمل کریں لیکن دومۃ الجندل کے مقام میں جب دونوں حکم مل کر بیٹھے تو سرے سے یہ امر زیر بحث ہی نہ آیا کہ قرآن و سنت کے رو سے اس قضیہ کا فیصلہ کیا ہو سکتا ہے حالانکہ قرآن میں صاف حکم موجود تھا کہ مسلمانوں کے دو گروہ اگر آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان

اصلاح کی صحیح صورت طائفہ باغیہ کو راہ راست پر آنے کے لیے مجبور کرنا ہے
چنانچہ قرآن پاک میں ہے فان بغت احداھما علی الاخریٰ فقاتلوا
التی تبغی حتیٰ تفئ الی امر اللہ پھر اگر ان میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی
کی ہو تو زیادتی کرنے والی جماعت سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف
پلٹ آئے حضرت عمار بن یاسر کی شہادت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی نص صریح نے متعین کر دیا تھا کہ اس قضیہ میں طائفہ باغیہ کونسا ہے (وہ شامی
لشکر تھا) اور معاہدہ تحکیم کی رو سے دونوں حکموں کے سپرد یہ کام سرے سے
کیا ہی نہیں گیا تھا کہ وہ خلافت کے مسئلے کا جو فیصلہ بطور خود مناسب سمجھیں
کر دیں بلکہ ان کے حوالے فریقین کا پورا جھگڑا اس صراحت کے ساتھ کیا گیا تھا
کہ ان کے درمیان اولاً کتاب اللہ اور پھر سنت عادلہ کے مطابق تصفیہ کریں
مگر جب ان دونوں حکموں نے بات چیت شروع کی تو ان سارے پہلوؤں
کو نظر انداز کر کے یہ بحث شروع کر دی کہ خلافت کا مسئلہ اب کیسے طے کیا
جائے، عمرو بن عاص نے ابو موسیٰ اشعری سے پوچھا آپ کے نزدیک اس
معاملہ میں کیا صورت مناسب ہوگی انہوں نے کہا میری رائے یہ ہے کہ ہم
ہم ان دونوں حضرات (علی اور معاویہ) کو الگ کر کے خلافت کے مسئلے کو مسلمانوں
کے باہمی مشورے پر چھوڑ دیں تا کہ وہ جسے چاہیں منتخب کر لیں، عمرو بن عاص
نے کہا ٹھیک بات یہی ہے جو آپ نے سوچی ہے، اس کے بعد دونوں
حکم مجمع عام میں آئے جہاں دونوں طرف کے چار چار سو اصحاب اور کچھ
غیر جانب دار لوگ موجود تھے، پہلے ابو موسیٰ اشعری اٹھے اور اعلان کیا کہ میں
اور میرے یہ دوست عمرو بن عاص ایک بات پر متفق ہو گئے ہیں اور وہ
یہ ہے کہ ہم علی اور معاویہ کو الگ کر دیں اور لوگ باہمی مشورے سے جس کو

پسند کریں امیر بنالیں لہٰذا میں علی اور معاویہ کو معزول کرتا ہوں آپ لوگ اپنا معاملہ اپنے ہاتھ میں لیں اور جسے اہل سمجھیں اپنا امیر بنالیں۔ ان کے بعد عمرو بن عاص کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ ابو موسیٰ نے جو کچھ کہا وہ آپ نے سن لیا انہوں نے اپنے آدمی (علی) کو معزول کر دیا ہے میں بھی ان کی طرح انہیں معزول کرتا ہوں اور اپنے آدمی معاویہ کو قائم رکھتا ہوں کیونکہ وہ عثمان بن عفان کے ولی اور ان کے خون کے دعوے دار اور ان کی جانشینی کے سب سے زیادہ مستحق ہیں، ابو موسیٰ نے یہ بات سنتے ہی کہا "مالک لا وفقک اللہ غدرت وفجرت" یہ تم نے کیا کیا خدا تمہیں توفیق نہ دے تم نے دھوکا دیا اور عہد کی خلاف ورزی کی درحقیقت کسی شخص کو بھی وہاں اس امر میں شک نہ تھا کہ دونوں کے درمیان اسی بات پر اتفاق ہوا تھا جو حضرت ابو موسیٰ اشعری نے اپنی تقریر میں کہی تھی اور عمرو بن عاص نے جو کچھ کیا وہ طے شدہ بات کے بالکل خلاف تھا۔ اس کے بعد عمرو بن عاص نے جا کر حضرت معاویہ کو حکومت کی بشارت دی اور ابو موسیٰ اشعری شرم کے مارے حضرت علی شیر خدا کو منہ نہ دکھا سکے اور سیدھے مکہ چلے گئے، اس بحث سے قطع نظر کہ دونوں حکموں میں سے ایک نے کیا کیا اور دوسرے نے کیا کیا بجائے خود یہ پوری کارروائی جو دومۃ الجندل میں ہوئی۔ معاہدہ تحکیم کے بالکل خلاف اور اس کے حدود سے قطعی متجاوز تھی ان دونوں حکموں نے غلط طور پر فرض کر لیا کہ وہ حضرت علی کو معزول کرنے کے مجاز ہیں حالانکہ حضرت علی حضرت عثمان کی شہادت کے بعد باقاعدہ آئینی طریقے پر خلیفہ منتخب ہوئے تھے اور معاہدہ تحکیم کے کسی لفظ سے یہ اختیار ان دونوں حکموں کو نہیں سونپا گیا تھا کہ وہ حضرت علی شیر خدا کو معزول کر دیں پھر ان حکموں نے یہ بھی غلط فرض کر لیا تھا کہ حضرت معاویہ حضرت علی

کے مقابلے میں خلافت کا دعویٰ لے کر اٹھے ہیں حالانکہ اس وقت تک وہ صرف خون عثمان کے مدعی تھے نہ کہ منصب خلافت کے، مزید برآں ان کا یہ مفروضہ بھی غلط تھا کہ وہ خلافت کے مسئلے کا فیصلہ کرنے کے لیے حکم (ثالث) بنائے گئے ہیں معاہدہ تحکیم میں اس مفروضے کی کوئی بنیاد موجود نہ تھی۔ اسی بنا پر حضرت علی نے ان کے فیصلے کو رد کر دیا اور اپنی جماعت میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا سنو! یہ دونوں صاحب جنہیں تم لوگوں نے حکم مقرر کیا تھا انہوں نے قرآن کے حکم کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور خدا کی ہدایت کے بغیر ان میں سے ہر ایک نے اپنے خیالات کی پیروی کی اور ایسا فیصلہ دیا جو کسی واضح حجت اور سنت ماضیہ پر مبنی نہیں ہے اور اس فیصلے میں دونوں نے اختلاف کیا ہے اور دونوں ہی کسی صحیح فیصلے پر نہیں پہنچے ہیں (خلافت وملوکیت ص۱۲۱ تا ص۱۴۴)

حضرت امیر المومنین مولیٰ علی شیر خدا حق پر تھے؟

خلافت وملوکیت کے مذکورہ بالا اقتباسات سے ثابت ہے کہ اس وقت خلافت کے حق دار حضرت علی شیر خدا ہی تھے اور تمام کا تمام حق آپ کی جانب تھا۔ چنانچہ علامہ نووی شافعی المتوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں وکان علی ھو المحق المصیب فی ذالک الحرب ھذا مذھب اھل السنۃ (نووی شرح مسلم ص۳۹۰ ج ۲)۔ اس جنگ میں حضرت علی حق اور مصیب تھے، اہل سنت کا یہی مذہب ہے۔ حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں وکان الحق والصواب مع علی (البدایہ والنہایہ ص۱۲۶ ج ۸) کہ حق اور صواب (سچائی) علی کے ساتھ تھا، علامہ ابن خلدون المتوفی ۸۰۸ھ لکھتے ہیں

وکان المصیب علیاً (مقدمہ ابن خلدون صہ۲۰۵) کہ حضرت علی درستگی پر تھے
حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں کہ قتل عمار بن یاسر کے بعد یہ
بات ظاہر ہوگئی کہ حق حضرت علی کے ساتھ تھا اور اہل سنت اس پر متفق ہو
گئے ہیں (الاصابہ فی تمیز الصحابہ صہ۵۰۶ ج ۲) ابوبکر جصاص المتوفی ۳۷۰ھ
لکھتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے باغی گروہ کے
ساتھ تلوار سے جنگ کی اور حضرت علی کے ساتھ وہ اکابر صحابہ اور اہل بدر
تھے جن کا مرتبہ سب جانتے ہیں۔ اس جنگ میں وہ حق پر تھے (احکام القرآن
صہ۴۹۲ ج ۳) علامہ برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں
والحق بید علی فی نوبتہ (ہدایہ کتاب ادب القاضی صہ ج) کہ حق
حضرت علی کے ہاتھ میں تھا۔ ان کے دور خلافت میں، علامہ ابن نجیم المتوفی
۹۷۰ھ لکھتے ہیں والحق بید علی فی نوبتہ (بحرالرائق صہ۲۷ ج ۶) کہ حق
حضرت علی کے ہاتھ میں تھا۔ ان کے دور خلافت میں امام اکمل الدین محمد بن محمود
المتوفی ۷۸۶ھ لکھتے ہیں وکان الحق مع علی فی نوبتہ (عنایہ شرح ہدایہ
صہ۴۶۱) کہ حق حضرت علی کے ساتھ تھا۔ ان کے دور خلافت میں، قاضی خان
المتوفی ۵۹۲ھ لکھتے ہیں والحق فی نوبتہ کان مع علی (فتاویٰ قاضی خان
صہ۴۶۱) کہ حق حضرت علی کے دور خلافت میں حضرت علی کے ساتھ تھا، ملا جیون
جونپوری المتوفی ۱۱۳۰ھ لکھتے ہیں، مع ان الحق کان لعلی فی نوبتہ (تفسیر
احمدی صہ۱۹۳) باوجودیکہ حق علی کے لیے تھا۔ ان کے دور خلافت میں، شاہ
عبدالحق محدث دہلوی المتوفی سنہ ھ فرماتے ہیں بعد از ان خلیفہ مطلق وامام برحق
حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ شد (مدارج النبوت صہ۴۹ ج ۱) یعنی حضرت عثمان
غنی کے بعد خلیفہ مطلق اور امام برحق حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ہوئے

نواب صدیق حسن خان بھوپالوی المتوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں وانہ علی الحق اور بے شک حضرت علی حق پر تھے (السراج الوہاج ص۱۶۷ ج ۲) ابن حجر مکی المتوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں کما کان الدلیل الظاهر مع علی کان هو الامام الحق (تطہیر الجنان ص۲۴) جیسے کہ دلیل ظاہر حضرت علی کے ساتھ تھی اسی طرح امام حق بھی حضرت علی تھے، مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی المتوفی ۱۰۳۴ھ فرماتے ہیں وحق بجانب امیر (علی المرتضیٰ) بود (مکتوبات ص۲۷۲) کہ حق حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ شیر خدا کی جانب تھا۔ امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی ہے جس میں ہے کہ حضرت عمار بن یاسر نے حلف اٹھا کر کہا تھا کہ حضرت علی ان کے امام برحق ہیں، جن لوگوں نے حضرت علی شیر خدا کا ساتھ نہیں دیا تھا ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جنہوں نے بعد میں اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ انہوں نے حضرت علی کا ساتھ کیوں نہیں دیا۔ یہ بات بھی حضرت علی کے حق بجانب ہونے پر دلالت کرتی ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب اپنے آخری زمانہ میں کہا کرتے کہ مجھے کسی چیز پر اتنا افسوس نہیں ہے جتنا اس بات پر ہے کہ میں نے حضرت علی کا ساتھ کیوں نہ دیا (طبقات ابن سعد ص۱۸۷ ج ۴، الاستیعاب ص۱۳۷ ج ۱) ابراہیم نخعی المتوفی ۹۶ھ کی روایت ہے کہ مسروق بن اجدع المتوفی ۶۳ھ، حضرت علی کا ساتھ نہ دینے پر توبہ و استغفار کیا کرتے تھے (الاستیعاب ص۳۰ ج ۱، خلافت و ملوکیت ص۱۴۵) حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ المتوفی ۱۵۰ھ فرماتے تھے لو کنا حضورا لکنا نعین علیا (تمہید عبدالشکور ص۱۸۳) اگر ہم بر موقعہ حاضر ہوتے تو حضرت علی کا ساتھ دیتے اور ان کی جنگ میں معاونت کرتے، اس سے ظاہر ہے کہ حضرت علی شیر خدا

کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم امام برحق تھے اور تمام کا تمام حق آپ کے ساتھ تھا آپ خلیفہ راشد تھے آپ کے خلاف لڑنے والے باغی تھے۔ یہی اہلِ سنت الجماعت کا مذہب ہے۔

جنگ نہروان:

جنگ صفین کے موقعہ پر حضرت مولیٰ علی شیر خدا نے اپنی فوج کو کہا کہ جنگ بند نہ کرو فیصلہ ہو جانے دو لیکن یہ لوگ آپس میں مختلف ہوئے پھر تحکیم ثالثی قبول کر لینے کی بات آئی تو مولیٰ علی شیر خدا نے اس کو بھی پسند نہ کیا لیکن ان لوگوں نے ثالثی قبول کر لی پھر ان سے ہی ایک جماعت الگ ہو گئی۔ انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ شرعی معاملات میں فیصلہ کا حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اس کے خلاف عمل کرنے والا اور انسان کو حکم بنانے والا کافر ہے۔ یہ فرقہ خارجی کہلاتا ہے۔ انہوں نے لاحکم الا اللہ کا نعرہ لگا کر لوٹ مار شروع کر دی انہوں نے اپنا مرکزی مقام ہنروان کو بنا لیا۔ مولیٰ علی شیر خدا نے ان خارجیوں کے پاس اپنا قاصد (حرب بن مرہ العبدی) بھیجا انہوں نے حرب بن مرہ عبدی کو پہنچتے ہی قتل کر دیا جب مولیٰ علی کی اصلاح کی کوشش ناکام ہو گئی تو خود فوج لے کر ان کی طرف بڑھے ہنروان کے مقام پر ان سے مقابلہ ہوا خارجی اکثر مارے گئے بقیہ بھاگ گئے۔ ان تینوں جنگوں جنگِ جمل جنگ صفین، جنگ نہروان میں تقریباً ایک لاکھ آدمی مارے گئے۔

مولیٰ علی شیر خدا کی شہادت:

چند خارجی کہ مکرمہ میں جمع ہوئے اور مشورہ یہ طے کیا کہ جب تک

حضرت علی، حضرت معاویہ، اور حضرت عمرو بن عاص زندہ ہیں۔ لوگوں کے درمیان خونریزی جاری رہے گی لہٰذا ان تینوں کو قتل کر دینا چاہیے۔ چنانچہ تین خارجی ان تینوں کو قتل کے لیے روانہ ہوئے۔ حضرت علی شیر خدا کو شہید کرنے کے لیے عبدالرحمٰن بن ملجم حمیری کندی، حضرت معاویہ کے قتل کرنے کے لیے حجاج بن عبداللہ حریمی اور عمرو بن عاص کے لیے عمرو بن بکر التیمی مقرر ہوئے۔ ۱۹ رمضان ۴۰ھ کی صبح کو تینوں نے حملہ کیا۔ عمرو بن عاص اتفاق سے اس روز فجر کی نماز کے لیے مسجد میں نہ آسکے تھے اس لیے بچ گئے البتہ ان کے نائب ابن خارجہ عدوی قتل ہو گئے، حضرت معاویہ پر وار اوچھا پڑا۔ حضرت مولیٰ علی شیر خدا کوفہ میں نماز فجر کے لیے لوگوں کو اٹھاتے ہوئے الصلوٰۃ یا عباداللہ الصلوٰۃ کہتے ہوئے مسجد جا رہے تھے کہ مسجد کے دروازہ پر ابن ملجم نے زہر میں بجھی ہوئی تلوار کا کاری وار کیا۔ تلوار آپ کی پیشانی کاٹ کر اندر گھس گئی۔ ابن ملجم علیہ اللعنۃ گرفتار ہو گیا۔ آپ نے فرمایا اگر میں اچھا ہو گیا تو ابن ملجم کے معاملہ پر غور کروں گا یا قصاص لوں گا اور اگر جانبر نہ ہو سکا تو اس کو بھی مار ڈالنا اور زیادتی نہ کرنا اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ آخر کار ۲۱ رمضان کو علم و فضل اور شرف و کمال کا یہ آفتاب غروب ہو گیا۔ آپ نے ۶۳ سال کی عمر پائی۔ اور آپ کی نماز جنازہ امام حسن علیہ السلام نے پڑھائی۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے آپ کو کوفہ کے دارالامارۃ میں دفن کیا گیا لیکن تاریخ ابوالفداء میں ہے کہ آپ کو نجف اشرف میں دفن کیا گیا جو اس وقت بھی زیارت گاہ عالم ہے اور یہی مشہور ہے۔ مولیٰ علی شیر خدا کی شہادت کے بعد امام حسن علیہ السلام نے ابن ملجم کو بلایا جب وہ حاضر ہوا تو کہنے لگا میں نے حطیم کعبہ کے پاس خدا سے یہ عہد کیا ہے کہ میں علی اور معاویہ کو قتل کروں گا یا خود مارا جاؤں گا لہٰذا اب مجھے اور

معاویہ کو تنہا چھوڑ دیجیے تاکہ میں معاویہ کو قتل کردوں اور میں آپ کے سامنے خدا سے عہد کرتا ہوں کہ اگر میں ان کو قتل کرڈوں یا قتل نہ کروں اور صحیح سلامت بچ جاؤں تو آپ کے پاس آجاؤں گا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کروں گا لیکن امام حسن علیہ السلام نے فرمایا بخدا ایسا نہ ہوگا بلکہ تجھے دوزخ کا مزہ چکھنا ہی پڑے گا پھر اسے آگے کیا اور قتل کر ڈالا اور لوگوں نے اس کی لاش کو چٹائی میں لپیٹ کر جلا دیا (البدایہ والنہایہ صلا۳۳ ج ۷۔ تاریخ الخمیس صلا۱۹۲، صواعق محرقہ صلا۱۳۲)۔

مدتِ خلافت:

مولیٰ علی شیر خدا کے عہد خلافت کی مدت چار سال اور چند روز کم نو مہینے ہے۔

سیرتِ شیرِ خدا کی ایک مختصر جھلک:

آپ رعایا کے ساتھ بہت شفقت اور مہربانی فرمایا کرتے۔ آپ ایک متبحر عالم تھے۔ تفسیر اور علوم قرآن، فقہ و حدیث، قضا و اسرار و حکم اور تقریر و خطابت میں آپ اپنی مثال تھے، طریقت اور تصوف کے زیادہ سلسلے آپ پر جا کر ختم ہوتے ہیں۔ آپ ہمیشہ موٹے کپڑے پہنتے سادہ غذا کھاتے اور عیش و عشرت کی چیزوں سے متنفر رہتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ بیت المال سے خلیفہ کو صرف دو پیمانے غلہ لینے کا حق ہے۔ ایک اپنے لیے اور ایک اپنے خاندان کے لیے، متواتر کئی کئی دن ایسا ہوتا کہ خود فاقہ سے رہتے اور گھر میں جو کھانا تیار ہوتا وہ راہ خدا میں دے دیتے۔ آپ لوگوں کو نماز پڑھاتے قول و عمل سے ان کو تعلیم دیتے، فقرا و مساکین کی امداد فرماتے اور رات کو تنہائی میں عبادت

میں مصروف رہتے ۔آپ بیت المال سے لینا گوارا نہ کرتے تھے اور گھر والوں کی ضرورت سے زیادہ دیتے تھے ۔بیت المال میں بھی دولت جمع کرنا پسند نہیں کرتے تھے جو کچھ جمع ہوتا اس کو مسلمانوں کے مفاد عامہ کے کاموں پر خرچ کر دیتے کچھ بچتا تو انصاف کے ساتھ لوگوں میں تقسیم کر دیتے ،پھر بیت المال میں جھاڑو دلوا کر دو رکعت نماز ادا کرتے،

حلیہ مبارک :

حضرت مولیٰ علی شیر خدا کا حلیہ مبارک یہ تھا۔ قد میانہ ،رنگ گندم گوں، آنکھیں بڑی بڑی ،چہرہ پُر رونق اور نہایت خوبصورت ،سینہ مبارک چوڑا اور اس پر بال۔ داڑھی بڑی اور دونوں شانیں ،کہنیاں اور پنڈلیاں پُر گوشت تھیں۔آپ کے پاؤں کے پٹھے زبردست تھے۔شیر کے کندھوں کی طرح آپ کے کندھوں کی ہڈیاں چوڑی تھیں۔آپ کے لبوں پر مسکراہٹ رہتی تھی۔ آپ خضاب نہیں لگاتے تھے۔غرضیکہ مولیٰ علی شیر خدا نہایت حسین وجمیل تھے اور یہ بات ظاہر ہے کہ ہاشمی خاندان تمام عربوں بلکہ تمام دنیا سے سیرت اور صورت کے لحاظ سے برتر و اعلیٰ تھا۔چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے کنانہ کو منتخب کیا اور کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم سے مجھ کو (مشکوٰۃ شریف) جب بنو ہاشم کو تمام سے برگزیدہ کیا تو جس کو اللہ تعالےٰ اصفی اور برگزیدہ کرے وہ کبھی بھی حسن وجمال میں کم نہیں ہو سکتا۔خوارج اور نواصب نے ہمیشہ مولیٰ علی شیر خدا کی شان بیان کرنے میں بخل سے کام لیا ہے آپ کے فضائل

اور کمالات بیان کرنے میں کوتاہی کی ہے جب مولیٰ علی کا حلیہ بیان کرتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ آپ کی پنڈلیاں چھوٹی اور باریک تھیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ پیٹ بڑا تھا کبھی کہتے ہیں کہ قد چھوٹا تھا، کبھی کہتے ہیں کہ سر پر بال بنیادی طور پر نہیں تھے۔ خوارج اور نواصب کی یہ باتیں غلط ہیں، جو شخص رسول اللہ کا بھائی ہو حسنین کریمین کا باپ ہو اور خاتون جنت کا شوہر ہو اور من کنت مولاہ فعلی مولاہ ہو اور انا مدینۃ العلم کا مصداق ہو اور بمنزلہ ہارون علیہ السلام کے ہو جس کی شان میں تین سو قرآنی آیات نازل ہوئے ہوں اور جس کے فضائل وکمالات کے بارے امام احمد بن حنبل فرمائیں کہ جتنے احادیث مبارکہ میں علی کے فضائل وارد ہیں اور کسی صحابی کے نہیں، جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہو علی مع القرآن والقرآن مع علی اور جس کو عین حق کہا گیا ہو اور جو رسول اللہ کے بعد تمام دنیا سے زیادہ فصیح وبلیغ ہو، جو فاتح بدر وحنین وخیبر ہو، جس نے بڑے بڑے نامی گرامی کافروں کو تہہ تیغ کیا ہو کیا اس کا حلیہ مبارک اس طرح کا ہوگا جیسے کہ نواصب وخوارج ذکر کرتے ہیں ہرگز ہرگز نہیں۔ مولیٰ علی شیر خدا ماں اور باپ کی طرف سے ہاشمی تھے اور ہاشمی گھرانہ اپنے حسن وجمال میں بے نظیر اور بے مثل تھا۔ مولیٰ علی شیر خدا بھی اپنے حسن وجمال میں اپنی مثال آپ تھے،

مولیٰ علی شیر خدا کی اولاد امجاد:

حضرت علی شیر خدا کی پہلی شادی حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء خاتون جنت سے ہوئی اور جب تک حضرت فاطمۃ الزہراء حیات رہیں۔ حضرت علی نے کوئی دوسری شادی نہیں کی اور نہ ہی اجازت تھی آپ سے

یہ اولاد ہوئی۔ (۱) امام حسن (۲) امام حسین (۳) محسن۔ یہ بچپن میں فوت ہو گئے (۴) سیدہ زینب (۵) سیدہ ام کلثوم۔ ان کو اولاد رسول کہا جاتا ہے ان کا ذکر باب سوم میں آئے گا۔ حضرت خاتونِ جنت کی وفات کے بعد مختلف اوقات میں آٹھ ازواج آپ کے عقد میں آئیں اس طرح آپ کی کل ازواج کی تعداد نو ہوتی ہے آپ کی کل نو ازواج کے نام یہ ہیں۔ (۱) سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء بنت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ (۲) ام البنین بنت حزام (۳) لیلیٰ بنت مسعود (۴) اسماء بنت عمیس (۵) امامہ بنت ابوالعاص بن ربیع بن عبدالعزیٰ (۶) خولہ بنت جعفر بن قیس (۷) ام سعید بنت عروہ مسعود ثقفی (۸) صہباء ام حبیبہ بنت ربیعہ (۹) محیا بنت امراء القیس۔ تمام ازواج سے اولاد ہوئی۔ ان کے علاوہ کنیزوں سے بھی اولاد ہوئی۔ مشہور یہ ہے کہ اٹھارہ آپ کے بیٹے تھے اور اٹھارہ بیٹیاں تھیں اور تین بیٹوں کے اسماء گرامی کا ذکر اوپر ہوا ہے جو اولاد رسول سے ہیں۔ باقی بیٹوں کے اسماء درج ذیل ہیں۔ (۴) عمر اطراف (۵) عباس علم دار (۶) جعفر (۷) عبید اللہ (۸) عثمان (۹) عبداللہ (۱۰) ابوبکر (۱۱) عون (۱۲) یحییٰ (۱۳) محمد اوسط (۱۴) محمد بن حنفیہ (۱۵) عمر (۱۶) محمد اکبر (۱۷) عمران (۱۸) محمد اصغر۔

ان میں سے عباس علمدار، عمر، جعفر، عبداللہ، عثمان کی والدہ کا نام ام البنین (فاطمہ) بنت حزام بن خالد بن ربیعہ بن الوحید بن کعب بن عامر بن کلاب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ھوازن ہے۔ اور ابوبکر اور عبید اللہ کی ماں لیلیٰ بنت مسعود بن خالد بن مالک بن ربعی بن سلمی بن جندل بن نہشل بن دارم ہے یہ بنو تمیم میں سے تھیں عون اور یحییٰ کی ماں اسماء بنت عمیس خثعمیہ ہے یہ عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کی ماں بھی ہے اور محمد بن ابی بکر صدیق کی بھی

ماں ہے اور محمد الاوسط کی ماں امامہ بنت ابوالعاص بن ربیع بن عبدالعزیٰ بن عبد شمس ہے اور محمد بن حنفیہ کی ماں خولہ بنت جعفر بن قیس بن مسلمہ الحنفیہ ہے، عمر اطراف کی ماں صہبا ام حبیبہ بنت عباد بن ربیعہ بن یحییٰ بن العبد بن علقمہ ہے۔ حضرت مولیٰ علی شیر خدا کے اٹھارہ بیٹوں سے چھ تو والد گرامی کے سامنے فوت ہو گئے اور سات کربلا میں شہید ہوئے۔ کربلا میں شہید ہونے والوں کے اسماء گرامی یہ ہیں (۱) امام حسین علیہ السلام (۲) عباس علم دار (۳) حضرت جعفر (۵) عثمان (٦) ابوبکر (۷) حضرت عبداللہ، مولیٰ علی شیر خدا کی نسل پانچ سے جاری ہے (۱) امام حسن (۲) امام حسین۔ ان کا ذکر تیسرے باب میں آئے گا۔ باقی تین (۳) عباس علمبردار (۴) عمر اطراف (۵) محمد حنفیہ ان کا ذکر ہم بیان کرتے ہیں۔

عباس علمبردار بن امیر المومنین علی بن ابی طالب:

حضرت عباس علمبردار کی کنیت ابوالفضل ہے اور لقب سقا اہل بیت ہے کیونکہ آپ نے اپنے بھائی امام حسین اور آپ کی اولاد کے لیے پانی لانے کی کوشش کی اور پانی لاتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اس لیے آپ کو سقائے اہل بیت کہا جاتا ہے۔ کربلا کے دن آپ کے پاس علم اور جھنڈا تھا۔ ابونصر بخاری نے مفضل بن عمر سے روایت کی ہے اس نے کہا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمارے چچا عباس بن ابی طالب بڑے صاحب بصیرت اور مضبوط ایمان والے تھے۔ آپ نے اپنے بھائی امام حسین کے لیے بڑے مصائب برداشت کیے اور ان پر اپنی جان قربان کر دی۔ اس میں اختلاف ہے کہ عباس بن علی بڑے ہیں یا عمر (اطراف) بن علی بڑے ہیں۔ ابن شہاب عکبری اور ابوالحسن

اور ابن خداع نے کہا ہے کہ عمر اطراف بڑے ہیں اور الشیخ الشرف اور اہل بغداد اور ابوالغنائم عمری نے کہا ہے کہ حضرت عباس بن علی بڑے ہیں اسی لیے یہ اولاد عباس کو عمر اطراف کی اولاد پر مقدم کرتے ہیں اور حضرت عباس علمبردار کی بوقت شہادت عمر ۳۴ سال تھی اور حضرت عباس علمبردار کے آگے بیٹے عبیداللہ ہیں اور عبیداللہ کے بیٹے حسن ہیں اور حسن کے پانچ بیٹے ہیں (۱) عبیداللہ بن حسن یہ قاضی الحرمین تھے۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے حاکم تھے (۲) عباس بن حسن خطیب فصیح (۳) حمزہ الاکبر بن حسن (۴) ابراہیم جردقہ بن حسن (۵) فضل بن حسن۔

عبیداللہ قاضی الحرمین بن حسن بن عبیداللہ بن عباس علمبردار:

یہ عبیداللہ حرمین کے قاضی القضاۃ تھے۔ عبیداللہ کا آگے بیٹا علی ہے اس علی کی اولاد سے ہی بنو ہارون ہیں جو دیباط کے علاقہ میں قیام پذیر تھے چنانچہ علما انساب نے لکھا ہے کہ علی کا بیٹا حسین تھا اور حسین کا بیٹا داؤد تھا اور داؤد کا بیٹا ہارون تھا اور ہارون کی اولاد کو بنو ہارون کہا جاتا ہے اور ہارون کا بھائی محمد تھا اور محمد کا لقب بدبد تھا لہٰذا محمد کی اولاد کو بنو صعد صعد کہا جاتا ہے اور ہارون کے چچا محسن بن حسین یمن میں قیام پذیر ہوئے تھے ان کی وہاں نسل کثیر تھی اور قاضی الحرمین کی نسل سے حسن بھی ہے اور حسن کا بیٹا عبداللہ ہے اور اس عبداللہ بن حسن کے گیارہ بیٹے تھے جن کی آگے نسل چلی ہے۔ وہ یہ ہیں۔ (۱) محمد العیانی (۲) قاسم (۳) موسیٰ (۴) طاہر (۵) اسماعیل (۶) یحییٰ (۷) جعفر (۸) عبیداللہ۔ ان تمام کی آگے نسل جاری ہے۔

عباس الخطیب الفصیح بن الحسن بن عبیداللہ بن عباس علمبردار

یہ بہت بڑے فصیح، بلیغ، شاعر اور خطیب تھے اور ہارون الرشید کے ہاں ان کا بہت بڑا مرتبہ تھا۔ ان کے چار بیٹے تھے (۱) احمد بن عباس (۲) عبیداللہ بن عباس (۳) علی بن عباس (۴) عبداللہ بن عباس، پہلے تینوں کی اولاد نہیں تھی لہٰذا ان کی نسل آگے نہیں چلی صرف عبداللہ بن عباس سے نسل چلی ہے یہ عبداللہ بن عباس خطیب، بلیغ، فصیح شاعر تھے اور مامون الرشید ان کا بہت زیادہ احترام کرتا تھا جب ان کی وفات ہوئی تو مامون عباسی نے کہا استوی الناس بعدک یا ابن عباس۔ اے عباس کے بیٹے اب تمہارے بعد تمام لوگ برابر ہیں اور مامون ان کو شیخ ابن الشیخ کہا کرتا تھا آگے ان کی نسل جاری ہے۔

حمزہ الاکبر بن حسن بن عبیداللہ بن عباس علمبردار:

ان کی کنیت ابوالقاسم ہے اور یہ حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالب کی شکل وصورت میں مشابہ تھے۔ اس مشابہت کی بنا پر مامون عباسی ان کو ایک لاکھ درہم سالانہ دیا کرتا تھا ان کا بیٹا علی بن حمزہ تھا اور علی بن حمزہ کا بیٹا ابوعبیداللہ محمد تھا اور ابوعبیداللہ محمد بصرہ میں رہتے تھے یہ بہت بڑے عالم اور شاعر تھے، یہ امام علی الرضا بن موسیٰ کاظم سے حدیث روایت کرتے تھے۔ اور حمزہ الاکبر کے ایک دوسرے بیٹے ابومحمد القاسم تھے۔ یہ علاقہ یمن میں قیام پذیر تھے اور یہ بہت خوبصورت تھے ان کا لقب صوفی تھا ان کا بیٹا حسین تھا اور حسین کا بیٹا علی تھا اور آگے علی کا بیٹا حسین تھا حسین بن

علی سمر قند میں رہتے تھے اور ابو محمد القاسم الصوفی کے بیٹے حسن بن القاسم بھی تھے اور اس حسن بن القاسم کی اولاد سے ابو الحسن علی بن الحسین بن الحسن بن القاسم الصوفی طبرستان میں قاضی تھے۔ ان کی آگے نسل جاری ہے۔

ابراہیم جردقہ بن حسن بن عبیداللہ بن عباس علمبردار :

یہ فقیہ ادیب، عابد، زاہد، متقی اور پرہیزگار تھے۔ ان کے تین بیٹے تھے (۱) محمد بن ابراہیم جردقہ (۲) علی بن ابراہیم جردقہ (۳) الحسن بن ابراہیم جردقہ، محمد بن ابراہیم جردقہ کا بیٹا احمد تھا اور احمد کے تین بیٹے تھے (۱) محمد (۲) الحسن (۳) الحسین۔ ان کی اولاد مصر میں رہتی تھی اور علی بن ابراہیم جردقہ بنو ہاشم میں بڑے دبدبے اور رعب والے تھے۔ ان کی وفات ۲۶۳ھ میں ہوئی۔ ان کے انیس ۱۹ بیٹے تھے۔ علی بن جردقہ کی نسل درج ذیل بیٹوں سے چلی ہے (۱) یحیٰی بن علی جردقہ کی اولاد بغداد میں رہتی تھی۔ (۲) عباس بن علی جردقہ اس کی بھی آگے اولاد تھی (۳) حسن بن علی جردقہ اس کی بھی آگے اولاد تھی۔ بہرصورت ان کی آگے نسل جاری ہے۔

فضل بن حسن بن عبیداللہ بن عباس علمبردار :

یہ بہت بڑے بہادر اور صاحب علم تھے اور عابد و زاہد تھے۔ ان کے تین بیٹے تھے (۱) محمد بن فضل (۲) عباس الاکبر بن فضل (۳) جعفر بن فضل۔ اور محمد بن فضل کے بیٹے ابو العباس فضل تھے جو کہ خطیب اور شاعر تھے ان کی آگے نسل جاری ہے اور عباس الاکبر بن فضل کے تین بیٹے تھے (۱) عبداللہ (۲) ۔۔ (۳) فضل ان تینوں کی آگے نسل جاری ہے اور جعفر بن فضل کی بھی آگے

اولاد تھی جس سے نسل جاری ہے۔

عمر اطراف بن علی بن ابی طالب :

ان کی کنیت ابوالقاسم ہے۔ ابن خداع نسابہ نے کہا ہے کہ ان کی کنیت ابوحفص ہے یہ اور ان کی بہن رقیہ دونوں اکٹھے پیدا ہوئے تھے ان کی ماں کا نام صہبا ام حبیبہ بنت عباد بن ربیعہ بن یحیٰی بن العبد بن علقمہ ہے۔ عمر اطراف کی وفات ینبع کے مقام پر ہوئی اور بعض نے کہا ہے کہ انہوں نے مصعب بن زبیر کا ساتھ دیا تھا جب مصعب بن زبیر نے مختار ثقفی کے ساتھ جنگ کی تو اس جنگ میں مختار ثقفی کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔

عمر اطراف کی اولاد :

عمر اطراف کا بیٹا محمد تھا اور محمد کے چار بیٹے تھے (۱) عبداللہ (۲) عبیداللہ (۳) عمر ان کی والدہ خدیجہ بنت امام زین العابدین علی بن حسین ہے (۴) جعفر بن محمد بن عمر اطراف اس کی والدہ ام ولد تھیں۔ بعض نے کہا ہے مخزومیہ تھیں۔ جعفر کی آگے نسل نہیں چلی۔ باقی عبداللہ، عبیداللہ اور عمر سے نسل جاری ہے۔

عبداللہ بن محمد بن عمر اطراف :

ان کے چار بیٹے تھے (۱) احمد بن عبداللہ (۲) محمد بن عبداللہ (۳) عیسیٰ المبارک بن عبداللہ (۴) یحیٰی الصالح بن عبداللہ۔ اور احمد بن عبداللہ کے دو بیٹے تھے (۱) حمزہ ابو یعلیٰ السما کی یہ سب سے بڑا نسابہ تھا اس کی آگے اولاد

تھی جس سے نسل جاری ہے (۲) عبدالرحمان اس کا ظہور یمن میں ہوا تھا اور عبدالرحمان کی اولاد کثیر تھی جو مختلف علاقوں میں چلی گئی، اور محمد بن عبداللہ کے پانچ بیٹے تھے (۱) القاسم (۲) صالح (۳) علی المشطب (۴) عمر المنجورانی (۵) ابو عبداللہ جعفر الملک الملتانی۔ ان میں سے جو القاسم بن محمد ہے اس کا لقب ملک الطالقان ہے اور ملک الطالقان کی آگے نسل جاری ہے اور صالح بن محمد کی بھی آگے نسل جاری ہے جو متفرق مقامات میں پھیلی ہوئی ہے اور علی المشطب بن محمد کو عدی بھی کہتے ہیں اس کی آگے نسل جاری ہے اور عمر المنجورانی بن محمد منجورانی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ منجوران بلخ کے نزدیک ایک گاؤں ہے یہ عمر منجورانی پہلا علوی ہے جو اس علاقہ میں آیا۔ اس کے چار بیٹے تھے۔ (۱) محمد الاکبر اس کی اولاد ہندوستان میں چلی گئی تھی (۲) محمد الاصغر اس کی بھی نسل جاری ہے (۳) احمد الاکبر اس کے چھ بیٹے تھے (۱) ابو طالب محمد (۲) حمزہ (۳) ابو الطیب محمد (۴) عبداللہ (۵) ابو علی الحسن (۶) احمد الاصغر بن عمر المنجورانی اس کی اولاد مدرج (مخفی) ہو گئی تھی، اور ابو عبداللہ جعفر الملک ملتانی حجاز سے بھاگ کر ملتان پہنچا۔ یہاں آکر اس نے تقویت حاصل کرلی اور ملتان پر قابض ہو گیا اور اپنے نام کے ساتھ ملک کہلوانا شروع کر دیا اس کے تیرہ ۱۳ بیٹے تھے اس کی اولاد میں بادشاہ امراء اور علماء اور نسابون ہوئے ہیں۔ اکثر ان میں سے اسماعیلیہ نظر و فکر کے حامل تھے اور ان کی زبان ہندی تھی اور یہ لوگ اپنے نسب کی بہت زیادہ حفاظت کیا کرتے تھے اور ابن جعفر الملک الملتانی کے بیٹوں میں سے ایک ابو یعقوب اسحاق تھا جو کہ بہت بڑا عالم و فاضل تھا اور اسحاق کا بیٹا احمد بن اسحاق تھا اور احمد بن اسحاق کی اولاد شیراز میں رہتی تھی اور احمد بن اسحاق کا ایک لڑکا ابو الحسن علی جو علم نسب کا بہت بڑا ماہر تھا وہ بغداد

چلا گیا وہاں عضد الدولتہ نے اس کو نقیب مقرر کیا یہ چار سال تک بغداد میں رہا پھر یہ موصل چلا گیا وہاں یہ سلطان موصل کے پاس اقامت پذیر رہا پھر یہ مصر چلا گیا وہاں سے جب واپس ہوا تو یہ فوت ہو گیا۔ اس نے اپنے پیچھے اولاد چھوڑی ہے جس سے نسل جاری ہے۔ غرضیکہ جعفر الملتانی کی نسل اور اولاد مختلف ملکوں میں پھیلی ہوئی ہے اور عیسے المبارک بن عبداللہ: سردار اور بزرگ آدمی تھا اس کا بیٹا طاہر احمد تھا اور طاہر احمد فقیہ، محدث، عابد، زاہد اور نسابہ تھا اس نے اپنے پیچھے کافی اولاد چھوڑی ہے اور اس کی اولاد میں سے ابو سلیمان محمد الشیرازی بن احمد بن الحسین بن محمد بن عیسے بن طاہر ہوا ہے جو کہ بغداد میں رہتا تھا اس کی نسل جاری ہے۔ اور یحیٰی صالح کی کنیت ابوالحسین تھی اس کو ہارون الرشید نے پہلے قید میں رکھا پھر اس کو قتل کر دیا اور یحیٰی صالح کے دو بیٹے تھے (۱) ابو علی الحسن (۲) ابو علی محمد الصوفی، اور ابو علی الحسن کا بیٹا محمد ہے اور محمد کا بیٹا الحسن ہے اور الحسن کا بیٹا زید ابو الحسین ہے اور زید ابو الحسین کا لقب مراقد ہے اور مراقد کی اولاد کو بنو مراقد کہتے ہیں اور زید مراقد کا بیٹا حسن ہے اور حسن کا بیٹا محمد ابو الحسن ہے اور محمد ابو الحسن نقیب تھے اور اس محمد ابو الحسن نقیب کا بیٹا ابو طالب تھا اور ابو طالب کا بیٹا محمد جمال الشرف تھا اور اس کا بیٹا الحسن تھا اور اس کا بیٹا محمد تھا اور اس کا بیٹا ابو الرضا صبتہ اللہ تھا اور اس کا بیٹا محمد تھا اس کا بیٹا حسن تھا اس کا بیٹا صفی الدین محمد تھا اور صفی الدین محمد بہت بڑے عالم ادیب اور شاعر تھے اور صفی الدین کا بیٹا عز الدین الحسن تھا اس کی آگے نسل نہیں چلی۔ زید المراقد کا بیٹا حسن جو ہے جس کا اوپر ذکر ہوا ہے اس کا ایک دوسرا بیٹا میمون تھا اور میمون کا بیٹا علی تھا اور علی کا بیٹا حسن تھا اور حسن کا بیٹا ابو الغنائم محمد تھا اور ابو الغنائم محمد کا بیٹا ابی الحسن علی تھا اور ابی الحسن علی کا ابو الغنائم محمد تھا

اور ابو القاسم محمد کی اولاد حلہ میں ہے، اور ابو علی الصوفی کے پانچ بیٹے تھے ان میں سے ایک علی الضریر تھا اور اس علی الضریر کی اولاد سے ایک محمد ملقطہ بن احمد الکوفی بن علی الضریر تھا اور محمد ملقطہ کی اولاد سے ایک ابو عبداللہ الحسین بن ابی الطیب محمد بن ملقطہ ہوا ہے اور دوسرا الشیخ ابوالحسن علی بن ابی الغنائم محمد بن علی بن محمد بن محمد ملقطہ تھا، یہ علم نسب میں بہت ماہر تھا یہاں تک کہ اس کے زمانہ میں علم نسب کی انتہا اس پر ہوئی ہے۔ اس نے درج ذیل کتابیں تصنیف کی ہیں۔ المبسوط، المجدی، الشافی، المشجر وغیرہ یہ پہلے بصرہ میں رہائش پذیر تھا پھر یہ ۴۲۳ھ میں موصل چلا گیا اور موصل میں ہی نکاح کیا اس کے دو بیٹے تھے (۱) ابو علی محمد (۲) اور ابو طالب ہاشم اور ایک بیٹی تھی جس کا نام صفیہ تھا۔

ابوالقاسم محمد بن حنفیہ بن علی بن ابی طالب:

آپ کا نام محمد ہے اور کنیت ابوالقاسم ہے آپ کی والدہ کا نام خولہ بنت جعفر بن قیس بن مسلمہ بن عبداللہ بن ثعلبہ بن یربوع بن ثعلبہ بن الدئل بن حنفیہ بن لجیم ہے۔ حنفیہ بن لجیم کی طرف نسبت کی وجہ سے آپ کی والدہ ماجدہ کا لقب حنفیہ ہے اور امام ابوالقاسم محمد کو اپنی والدہ کی طرف نسبت ہونے کی وجہ سے محمد بن حنفیہ کہا جاتا ہے۔ امام محمد بن حنفیہ محدث، فقیہ، عابد، زاہد بہت بڑے شجاع اور بہادر تھے۔ حضرت علی کے لشکر کے علمبردار ہوا کرتے تھے ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ علی شیر خدا حسن اور حسین کو جنگ پر نہیں بھیجتے آپ کو جنگوں میں بھیجتے ہیں اور ہر سخت کام آپ کے سپرد کرتے ہیں تو آپ نے جواب دیا کہ حضرت حسن اور حسین حضرت علی المرتضیٰ کی آنکھیں ہیں اور میں علی المرتضیٰ کا ہاتھ ہوں، جنگ اور سخت کاموں میں ہاتھ ہی کو استعمال کیا جاتا ہے۔ شیعہ

کے ایک فرقہ کا اعتقاد ہے کہ حضرت علی شیر خدا کے بعد امامت ان کو ملی، شیعہ کے دوسرے فرقہ کا اعتقاد ہے کہ امام حسینؑ علیہ السلام کے بعد امامت ان کو ملی پھر ان ہر دو فرقوں کا اعتقاد ہے کہ آئندہ امامت ان کی نسل میں جاری ہوئی کیسانیہ شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ امام محمد بن حنفیہ کوہ رضوی پر رہتے ہیں، شیر و چیتا ان کے پہرہ دار ہیں۔ شہد اور پانی کے چشمے ان کے پاس موجود ہیں۔ قرب قیامت مہدی کے لقب سے یہ ہی ظاہر ہوں گے، شیعہ کیسانیہ کی یہ بات غلط ہے۔ امام محمد بن حنفیہ امام مہدی کے لقب سے ظاہر نہیں ہوں گے۔ آپ ۸۱ھ یکم محرم کو فوت ہو گئے تھے۔ امام مہدی علیہ السلام کا ذکر عنقریب آ رہا ہے۔ امام محمد بن حنفیہ کی اولاد کی تعداد چوبیس تھی جن میں چودہ نرینہ فرزند تھے۔ علامہ ابن حزم اندلسی نے لکھا ہے کہ آپ کے درج ذیل بیٹے ہیں۔

(۱) جعفر (۲) علی (۳) عون (۴) ابراہیم (۵) قاسم (۶) حسن (۷) عبداللہ ابو ہاشم، ان میں سے عون کا بیٹا محمد تھا اور محمد بن عون کی اولاد مختلف شہروں میں متفرق ہو گئی اور ابراہیم کے دو لڑکے تھے (۱) اسماعیل بن ابراہیم (۲) محمد بن ابراہیم۔ ان دونوں کی اولاد کوفہ میں رہتی تھی اور قاسم کے تین بیٹے تھے (۱) علی بن قاسم (۲) محمد بن قاسم (۳) عبداللہ بن قاسم۔ ان تینوں کی اولاد مدینہ منورہ میں رہتی تھی۔ اور عبداللہ ابو ہاشم علماء تابعین میں سے تھے ان سے ابو شہاب زہری المتوفی ۱۲۵ھ اور عمرو بن دینار المتوفی ــــھ روایت لیتے ہیں اور امام ابو ہاشم کی وفات ۹۸ھ میں ہوئی۔ ان کا کوئی بیٹا، بیٹی نہیں تھا۔ اسی طرح حسن بن امام حنفیہ کی بھی کوئی اولاد نہیں تھی۔ علامہ ابن عتبہ المتوفی ۸۲۸ھ نے لکھا کہ محمد بن حنفیہ کی اولاد کی تعداد چوبیس تھی اور ان میں سے چودہ آپ کے بیٹے تھے۔ ان میں سے بعض کی نسل چلی نہیں اور بعض کی

چلی ہے مگر جلدی ختم ہو گئی صرف دو جعفر اور علی سے آگے نسل متصل جاری ہے۔

جعفر بن محمد بن حنفیہ:

خود تو جعفر جنگِ حرہ میں شہید ہو گئے تھے۔ جنگ حرہ کا واقعہ ہم نے اختصار کے ساتھ اپنی کتاب "امام زین العابدین" میں ذکر کیا ہے اور جعفر کا لڑکا عبداللہ تھا اس کی آگے نسل کثیر جاری ہے۔

علی بن محمد بن حنفیہ:

علی بن محمد کے درج ذیل بیٹے تھے۔ (۱) محمد (۲) عبداللہ (۳) عبیداللہ (۴) عون (۵) ابو محمد الحسن۔ ان تمام کی اولاد مدینہ منورہ میں موجود تھی۔ علامہ ابن عتبہ لکھتے ہیں کہ علی بن محمد بن حنفیہ کے بیٹے ابو محمد الحسن بہت بڑے عالم فاضل تھے۔ فرقہ کیسانیہ ان کو امام مانتا ہے اور انہوں نے اپنے بیٹے علی بن ابو محمد الحسن کے لیے وصیت کی تھی لہٰذا کیسانیہ ابو محمد الحسن کے بعد علی کو امام مانتے ہیں اور علی بن محمد حنفیہ کی نسل سے ہی۔ ابو الحسن تراب محمد بن المصری بن میلے بن علی بن محمد بن علی بن علی سے تھے۔ جن کو مصر میں قتل کیا گیا تھا ان کی اولاد کو ابو تراب کہا جاتا ہے۔ غرضیکہ محمد بن حنفیہ کی اولاد مدینہ منورہ، مصر، شام اور دیگر بلاد عجمیہ میں موجود ہے۔ اور مولا علی شیر خدا کی اٹھارہ بیٹیاں تھیں۔ جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) حضرت سیدہ زینب (۲) سیدہ ام کلثوم (۳) رملہ صغریٰ (۴) ام الحسن (۵) امامہ (۶) فاطمہ (۷) خدیجہ (۸) رقیہ صغریٰ (۹) میمونہ۔ (۱۰) زینب صغریٰ (۱۱) ام ہانی فاختہ (۱۲) نفیسہ (۱۳) ام جعفر (۱۴) رملہ کبریٰ

(۱۵) ام الکرام (۱۶) ام سلمہ (۱۷) جمانہ (۱۸) مارشہ نفیسہ

حضرت مولیٰ علی شیرِ خدا کی بیٹیوں میں سے سیدہ زینب اور سیدہ ام کلثوم حضرت خاتونِ جنت کی بیٹیاں ہیں اور دوسری بیٹیاں دوسری بیویوں سے ہیں۔ لہٰذا سیدہ زینب اور سیدہ ام کلثوم کا ذکر اولادِ رسول میں ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت مولیٰ علی شیرِ خدا کے اٹھارہ بیٹے تھے جن میں سے صرف پانچ بیٹوں سے نسل چلی ہے۔ وہ امام حسن، امام حسین، عباس علمبردار، عمر اطراف اور امام محمد بن حنفیہ ہیں۔ عباس علمبردار، عمر اطراف اور امام محمد بن حنفیہ کی اولاد کو علوی کہا جاتا ہے اور خاتونِ جنت سیدہ فاطمۃ الزہراء کی اولاد امام حسن اور امام حسین اور آگے ان کی اولاد کو، اولادِ رسول اور سادات کہا جاتا ہے ہم نے حسب و نسب جلد اول اور سوم میں ذکر کیا ہے کہ سادات صرف اولادِ رسول ہی ہیں۔ حضرت مولیٰ علی شیرِ خدا کی دوسری اولاد دوسری بیویوں سے وہ سادات نہیں ہیں بلکہ وہ علوی ہیں یا آلِ ابی طالب ہیں اور حضرت مولیٰ علی شیرِ خدا کی اولاد حضرت خاتونِ جنت کے بطنِ اطہر سے جو ہے وہ ذریتِ رسول ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے آلِ ابی طالب کا ذکر باب دوم میں کیا ہے اور اولادِ رسول کا ذکر باب سوم میں کیا ہے۔

باب سوم

اولادِ رسول

امام حسن بن علی بن ابی طالب (امام دوم)

ولادت باسعادت:

امام حسن ۳ھ نصف رمضان میں پیدا ہوگئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساتویں دن دو مینڈھے عقیقہ کے ذبح کیے اور سر کے بالوں کے برابر چاندی کا صدقہ دیا۔ آپ کا اسم گرامی حسن، کنیت ابو محمد، لقب تقی، زکی سید، شبیہ رسول ہیں۔ آپ کا نسب یہ ہے۔

حسن بن فاطمۃ الزہرا (زوجہ علی بن ابی طالب)، بنت محمد رسول اللہ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مُرّہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (قریش) آپ کی والدہ ماجدہ فاطمۃ الزہرا بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں یعنی آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے اور بیٹے ہیں۔ بایں وجہ آپ کو سبط رسول بھی کہا جاتا ہے آپ بارہ اماموں سے دوسرے امام ہیں نیز خلفاء راشدین سے آخری خلیفہ ہیں آپ کی خلافت نص سے ثابت ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نص فرمائی کہ میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی اور اس کے بعد بادشاہت ہوگی

اور تیس سال خلافت کی مدت امام حسن علیہ السلام کی چھ ماہ خلافت سے مکمل ہوتی ہے لہٰذا امام حسن علیہ السلام کی خلافت منصوص ہوئی نیز امام حسن علیہ السلام کی خلافت پر اجماع بھی ہے (صواعق محرقہ صہ ۱۳۳) حضرت مولیٰ علی شیر خدا سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا الحسن اشبہ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ما بین الصدر الی الراس والحسین اشبہ بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اسفل من ذالک (ترمذی صہ ۶۵۹، مشکوٰۃ صہ ۵۷۱، مسند احمد بن حنبل صہ ۲۸۳ ج ۶، البدایہ والنہایہ صہ ۳۲ ج ۸، مجمع الزوائد صہ ۱۷۶ ج ۹) کہ امام حسن سر سے سینے تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زیادہ مشابہ تھے اور حسین سینے کے نیچے سے پاؤں تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زیادہ مشابہ تھے، ایک دن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں نماز پڑھ کر باہر نکلے اور مولیٰ علی شیر خدا بھی ساتھ تھے۔ امام حسن علیہ السلام کھیل رہے تھے حضرت ابو بکر صدیق نے امام حسن کو اپنے کندھے پر اٹھا لیا اور حضرت علی کو بطور خوش طبعی فرمایا کہ اے علی حسن تو بالکل رسول اللہ کے مشابہ ہیں۔ آپ کے مشابہ نہیں ہیں حضرت علی نے جب سنا تو مسکرانے لگے (البدایہ والنہایہ صہ ۳۳ ج ۸، مشکوٰۃ صہ ۵۶۳، نور الابصار صہ ۲۷) امام بخاری امام مسلم اور ابن ماجہ ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ نے کہا کہ میں ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ بنو قینقاع کے بازار تک گیا وہاں سے جب واپسی ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت فاطمۃ الزہراء کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ حسن کہاں ہے، ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ میں دروازہ پر کھڑا رہا۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد باہر سے دوڑتے ہوئے تشریف لائے اور دوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سینے مبارک سے چمٹ گئے

اور حضور نے بھی ان کو گلے لگا لیا اور حضور نے فرمایا اے اللہ میں اس بچے کو دل وجان سے محبوب رکھتا ہوں تو بھی اس کو محبوب رکھ اور جو اس کو محبوب رکھے اس کو بھی محبوب رکھ۔ ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ جس دن سے میں نے یہ کلمات سنے ہیں اس دن سے امام حسن مجھے تمام سے زیادہ محبوب اور پیارے ہیں (صواعق محرقہ صہ ۱۳۶، سعادت الکونین صہ ۴۷) حضرت علی المرتضیٰ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو مجھے دوست رکھنا چاہتا ہے وہ پہلے حسن کو دوست رکھے (سعادت الکونین صہ ۵) حضرت جابر سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ نہیں دو مرتبہ نہیں بلکہ متعدد مرتبہ فرمایا ان ابنی ھذا سید کہ بے شک یہ میرا بیٹا سردار ہے۔ (سعادت الکونین صہ ۴۷) حضرت ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، امام حسن کے ساتھ بڑا پیار کرتے تھے اور ان کی نہایت عزت کیا کرتے تھے۔ مولا علی شیر خدا بھی حضرت حسن کی بڑی عزت کرتے تھے۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ امام حسن اور امام حسین جب سوار ہوا کرتے تو ابن عباس رکاب پکڑا کرتے تھے جب امام حسن اور حسین طواف کعبہ کے لیے تشریف لاتے تو لوگ ان کو سلام کرنے کے لیے اتنے جمع ہو جاتے کہ سلام کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا (البدایہ والنہایہ صہ ۳۷ ج ۸)

حضرت امام حسن علیہ السلام کا علم وفضل:

امام حسن علیہ السلام کا علم وفضل براہ راست نبوت و رسالت کا فیضان تھا لہٰذا آپ کے علم وفضل کی کوئی انتہا نہ تھی، چنانچہ تفسیر واحدی میں ہے کہ ایک شخص مسجد نبوی میں آیا اور کیا دیکھتا ہے کہ ایک شخص مسجد میں بیٹھا ہوا ہے اور

اس کے ارد گرد لوگ جمع ہیں وہ حدیث رسول بیان کر رہا ہے اس آنے والے نے اس حدیث بیان کرنے والے سے کہا کہ میں ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں اس نے جواب دیا پوچھو، سائل نے کہا کہ قرآن پاک میں جو شاہد اور مشہود کے الفاظ آتے ہیں ان کا کیا مفہوم ہے تو اس محدث نے جواب دیا کہ شاہد سے مراد جمعہ کا دن ہے اور مشہود سے مراد عرفہ کا دن ہے۔ یہ سائل اٹھ کر ایک اور محدث کے پاس چلا گیا جو کہ حدیث بیان کر رہا تھا۔ سائل نے اس سے بھی شاہد اور مشہود کے معانی دریافت کیے۔ اس محدث نے بھی پہلے محدث کے بیان کردہ معانی کے قریب قریب بتائے۔ سائل کی تسلی نہیں ہوئی سائل نے دیکھا کہ ایک تیسرا شخص جس کا چہرہ نہایت نورانی اور خوبصورت ہے اس کے ارد گرد بے شمار لوگ جمع ہیں وہ بھی حدیث رسول بیان کر رہا ہے لوگ سن رہے ہیں سائل نے ان سے کہا کہ حضور مجھے بتائیے کہ قرآن میں شاہد اور مشہود کے جو الفاظ ہیں ان کے کیا معنے ہیں تو آپ نے فرمایا شاہد سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ کیونکہ قرآن پاک میں ہے انا ارسلنک شاہدا کہ آپ کو ہم نے شاہد بنا کر بھیجا ہے جب قرآن پاک نے ایک مقام پر تصریح کر دی ہے کہ شاہد سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں تو دوسرے مقام پر جہاں شاہد فرمایا ہے وہاں بھی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں اور فرمایا کہ مشہود سے مراد قیامت کا دن ہے کیونکہ قرآن پاک میں آتا ہے ذالک یوم مجموع لہ الناس وذالک یوم مشہود یعنی قیامت کا وہ دن ہے جس کے لیے سب لوگ جمع ہوں گے وہ دن حاضر کیا گیا ہے۔ قرآن مجید کی ان دونوں آیتوں کو ملانے سے یہ بات واضح ہو گئی کہ شاہد سے مراد رسول اللہ ہیں اور مشہود سے مراد قیامت کا دن ہے۔ سائل نے لوگوں سے ان

تینوں حضرات کے نام پوچھے تو حاضرین نے کہا کہ جس سے تو نے پہلے سوال کیا تھا وہ ابن عباس ہیں اور دوسرے عبداللہ بن عمر ہیں اور تیسرے صاحب جو ہیں ان کا اسم مبارک امام حسن ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے روایات میں ہے کہ ایک دن حضرت امام حسن علیہ السلام اپنے گھر سے غسل فرما کر اور نہایت عمدہ لباس پہن کر باہر نکلے۔ راستہ میں ایک غریب یہودی ملا جس کا لباس پھٹا پرانا اور بیماری کی وجہ سے کمزور بھی ہو چکا تھا۔ ذلت وغربت اس پر سوار تھی۔ سورج کی دھوپ نے اس کے جسم کو جھلس دیا تھا اور پیٹھ پر پانی کا مشکیزہ اٹھا رکھا تھا اس نے امام حسن کو عرض کیا کہ حضور ٹھہر جائیے میں آپ سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ کیا آپ کے جد پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں ہے کہ دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت ہے لیکن ہم اس کے خلاف دیکھتے ہیں کیونکہ میں مومن نہیں ہوں لیکن دنیا میرے لیے قید خانہ ہے اور آپ کے لیے دنیا جنت ہے تو امام حسن علیہ السلام نے یہودی کا یہ سوال سن کر جواب دیا کہ اگر وہ نعمتیں جو ہمارے لیے اللہ تعالےٰ نے آخرت میں تیار کر رکھی ہیں تو دیکھے تو خود ہی بے ساختہ پکار اٹھے کہ واقعی دنیا کی نعمتیں ان نعمتوں کے مقابلے میں قید خانہ ہی ہے اور جو آخرت میں کافروں کے لیے اللہ تعالےٰ نے عذاب تیار کر رکھا ہے تو اس کو ملاحظہ کرے تو کہے کہ دنیا کے تکالیف و مصائب اس کے مقابلے آسائش اور جنت ہیں (نور الابصار صـ۲۰۸، سعادت الکونین صـ۵۳) حافظ ابن قیم المتوفی ۷۵۱ھ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا نے ایک فیصلے کے بارے میں امام حسن علیہ السلام سے دریافت کیا تو امام حسن علیہ السلام نے جو فیصلہ فرمایا اسی پر عمل فرمایا چنانچہ لکھتے ہیں

کہ ایک شخص کو گرفتار کر کے حضرت علی شیر خدا کے سامنے لایا گیا۔ یہ گرفتاری ایک ویران غیر آباد مقام سے ہوئی۔ گرفتاری کے وقت اس شخص کے ہاتھ میں ایک خون آلود چھری تھی۔ یہ کھڑا ہوا تھا اور ایک لاش خاک و خون میں تڑپ رہی تھی اس شخص نے مولی علی کے سامنے اقبالِ جرم کر لیا اور آپ نے قصاص کا حکم دے دیا اتنے میں ایک اور شخص دوڑا دوڑا آیا اور اس نے امیر المومنین علی المرتضیٰ کے سامنے بھی اقبالِ جرم کر لیا۔ حضرت علی نے پہلے ملزم سے دریافت کیا کہ تو نے کیوں اقبالِ جرم کیا تھا۔ اس نے کہا جن حالات میں میری گرفتاری کی گئی تھی میں نے سمجھا کہ ان حالات کی موجودگی میں میرا انکار کچھ بھی مفید نہیں ہوگا امیر المومنین نے پوچھا واقعہ کیا ہے اس نے کہا میں قصاب ہوں۔ میں نے جائے وقوع کے قریب ہی بکرے کو ذبح کیا تھا۔ گوشت کاٹ رہا تھا کہ مجھے قضاء حاجت ہوئی میں جائے وقوع کے قریب قضائے حاجت سے فارغ ہوا تو میری نظر اس لاش پر پڑ گئی۔ میں اسے دیکھنے کے لیے اس کے قریب پہنچا دیکھ رہا تھا کہ پولیس نے گرفتار کر لیا۔ سب لوگ کہنے لگے کہ یہی شخص قاتل ہے۔ مجھے بھی یقین ہو گیا کہ ان لوگوں کے بیانات کے سامنے میرے بیان کا کچھ اعتبار نہیں ہوگا اس لیے میں نے اقرار کر لینا ہی بہتر سمجھا۔ اب دوسرے شخص سے دریافت کیا اس نے کہا میں ایک اعرابی ہوں مفلس ہوں مقتول کو میں نے طمع مال قتل کیا تھا اتنے میں مجھے کسی کے آنے کی آہٹ معلوم ہوئی۔ میں ایک گوشہ میں جا چھپا اتنے میں پولیس آ گئی اس نے پہلے ملزم کو پکڑ لیا۔ اب جبکہ اس کے خلاف فیصلہ سنایا گیا تو میرے دل نے مجھے آمادہ کیا کہ میں خود اپنے جرم کا اقبال کروں یہ تمام واقعہ سن کر حضرت علی نے امام حسن سے پوچھا تمہاری کیا رائے ہے امام حسن نے کہا امیر المومنین اگر اس شخص نے ایک کو ہلاک کیا ہے تو اس نے

ایک شخص کی جان بھی بچائی ہے اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعاً (ترجمہ اور جس نے زندہ رکھا اس جان کو پس گویا زندہ رکھا تمام لوگوں کو) حضرت امیرالمومنین علی شیر خدا نے مشورہ کو قبول فرمایا دوسرے ملزم کو بھی چھوڑ دیا اور مقتول کا خون بہا بیت المال سے دلایا (الطرق الحکمیہ ابن قیم ص۵۶ بحوالہ رحمۃ للعالمین ص۱۱۶ ج ۲) حضرت داتا گنج بخش ہجویری المتوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں کہ جب قدریوں کا زور ہوا اور معتزلہ کی تعلیم جہاں میں عام ہوگئی تو حسن بصری نے امام حسن بن علی کرم اللہ وجہہ کو خط لکھا اور کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند اور نورچشم آپ پر اللہ کی سلامتی رحمت اور برکت ہو۔ اما بعد واضح ہو کہ آپ بنو ہاشم ہیں آپ کی مثال بحر ذخار میں کشتیوں کی ہے اور ظلمتوں میں روشنی اور ہدایت کے نشانات کی۔ آپ وہ پیشوا ہیں کہ جو آپ کی پیروی کرے وہ نجات پائے جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کے ایمان دار پیروکاروں نے ان کی طرف رجوع کیا اور کشتی کے ذریعہ نجات پائی کیا فرماتے ہیں آپ تقدیر کے مشکل مسئلہ پر اور اس بحث پر کہ آدمی مجبور ہے یا اسے افعال پر اختیار ہے آپ فرزند رسول اللہ ہیں اللہ نے آپ کو علم دیا ہے وہ آپ کا محافظ ہے اور آپ خلقت کے محافظ ہیں اور گواہ والسلام حضرت حسن بصری نے اس خط میں امام حسن علیہ السلام سے دریافت کیا ہے کہ تقدیر کا مسئلہ جو نہایت پیچیدہ اور مشکل ہے اس بارے میں حضور کا کیا ارشاد ہے کیا بندہ اپنے افعال میں مختار محض ہے یا مجبور محض جب حسن بصری کا یہ خط امام حسن علیہ السلام کو ملا تو آپ نے جواب میں لکھا کہ آپ کا خط مجھے پہنچا جو لوگ قدر خیر و شر من اللہ پر ایمان نہیں رکھتے ہیں اور جو اپنے گناہوں کو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں فاجر ہیں قدریہ جماعت کا مذہب

انکار تقدیر ہے اور جبریہ جماعت گناہوں کو حق تعالے سے منسوب کرتی ہے بندہ خدائے عزوجل کی جانب سے ملی ہوئی استطاعت تک اپنے افعال پر مختار ہے اور ہمارا مذہب قدر و جبر کے بین بین ہے (کشف المحجوب صہ ۱۴۳) مسئلہ تقدیر کے بارے میں ہم نے قدرے تفصیل کے ساتھ فتاوٰی برطانیہ میں بحث کی ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے درج ذیل احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہیں۔

(۱) دعاء قنوت جس کو امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے

عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ عَلَّمَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کَلِمَاتٍ اَقُوْلُھُنَّ فِی الْوِتْرِ اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِکْ لِیْ فِیْمَا اَعْطَیْتَ وَقِنِیْ شَرَّ مَا قَضَیْتَ فَاِنَّکَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْکَ اِنَّہٗ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ وَلَا یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ۔

(۲) اِنَّا آلَ مُحَمَّدٍ لَا تَحِلُّ لَنَا الصَّدَقَۃُ

(۳) دَعْ مَا یُرِیْبُکَ اِلٰی مَا لَا یُرِیْبُکَ فَاِنَّ الصِّدْقَ طُمَانِیْنَۃٌ وَاِنَّ الْکِذْبَ رِیْبَۃٌ۔

امام حسن علیہ السلام کی عبادت:

حضرت امام حسن علیہ السلام بہت بڑے عابد و زاہد تھے۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام صبح کی نماز پڑھنے کے بعد مسجد میں ہی

بیٹھا رہا کرتے اور اللہ کا ذکر کرتے رہتے یہاں تک سورج بلند ہو جاتا پھر وہاں سے اٹھتے (البدایہ والنہایہ صہ۳۷ ج ۸) حسن بصری کہتے ہیں کہ ایک رات میں خانہ کعبہ میں عبادت کررہا تھا ایک بزرگ خانہ کعبہ میں گریہ وزاری کے ساتھ دعا مانگ رہے تھے جب وہ دعا سے فارغ ہو کر جانے لگے تو میں نے ان سے ان کا نام دریافت کیا وہ فرمانے لگے میں حسن ابن رسول اللہ ہوں میں نے آپ کے قدم پکڑ کر عرض کیا کہ حضور اتنی گریہ وزاری تو فرمایا اے حسن بصری وہ بارگاہ شہنشاہ بے نیاز کی ہے ہم نے ان کا ذکر حسب ونسب جلد اول میں بھی کیا ہے۔ امام حسن علیہ السلام نے پچیس حج پیادہ کیے تھے۔ چنانچہ امام حاکم روایت کی ہے انہ علیہ السلام حج خمسًا وعشرین حجۃ ماشیًا (مستدرک صہ۱۶۹ ج ۳، سعادت المومنین صہ۵۲) امام حسن علیہ السلام جب حج کے لیے تشریف لے جاتے تو پیدل جاتے تھے حالانکہ آپ کے پاس سواریاں بھی ہوتی تھیں لیکن پھر بھی سوار نہ ہوتے تھے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ پیدل ہی تشریف لے جاتے فرماتے کہ خدا کے گھر جاتے ہوئے سوار ہو کر جانے میں مجھے شرم آتی ہے (البدایہ والنہایہ صہ۳۷ ج ۸، صواعق محرقہ صہ۱۳۷)۔

امام حسن علیہ السلام کی سخاوت:

امام حسن علیہ السلام بہت فیاض اور سخی تھے۔ دوبار اپنا تمام مال واسباب خدا کے راستہ میں دے دیا۔ چنانچہ علامہ ابن یحییٰ بلاذری المتوفی ۲۷۹ھ لکھتے ہیں وخرج من مالہ للہ مرتین وقاسم للہ مالہ ثلاث مرات حتٰی ان کان یعطی ویمسک نعلًا ویعطی خفًا ویمسک خفًا (انساب الاشراف صہ۹ ج ۳) کہ دو مرتبہ اپنا تمام مال خدا کی راہ میں دے دیا اور تین مرتبہ

اپنا مال اللہ کے راستے میں تقسیم کر دیا یہاں تک کہ ایک جوتا خدا کے راہ میں دے دیا اور ایک رکھا۔ اسی طرح ایک موزہ اللہ کی راہ میں دے دیا اور ایک رکھا۔ ایک مرتبہ ایک سائل اللہ تعالٰی سے رزق مانگتے ہوئے کہہ رہا تھا اللہ مجھے دس ہزار درہم دیجیے۔ آپ نے اس سائل کی یہ بات سنی اسی وقت گھر تشریف لائے اور اپنے غلام کے ہاتھ دس ہزار درہم اس مانگنے والے کو عطا فرمائے۔ نیز ایک شخص آپ کے پاس آیا اور اپنی غربت اور محتاجی کا ذکر کیا آپ نے فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا سوال تو بہت بڑا ہے ہوسکتا ہے کہ ہم پورا نہ کرسکیں۔ اس وقت جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ پیش کرتے ہیں اگر قبول کرو تو ہم حاضر کرتے ہیں اس نے کہا کہ حضور آپ جو کچھ مجھے عنایت فرمائیں گے وہی میں قبول کروں گا۔ اور اس کا شکریہ بھی ادا کروں گا۔ آپ نے اپنے وکیل کو بلا کر فرمایا کہ اس وقت تمہارے پاس ہماری جتنی رقم ہے وہ لے آؤ۔ وکیل نے پچاس ہزار درہم پیش کر دیے۔ آپ نے فرمایا پانچ سو اور بھی تھے اس نے وہ بھی پیش کر دیے۔ امام نے تمام سائل کو عنایت فرما دیے (نور الابصار ص۲۱۳، صواعق محرقہ ص۱۳۷) ابو الحسن مدائنی نے ذکر کیا ہے کہ ایک مرتبہ امام حسن، امام حسین اور عبداللہ بن جعفر طیار حج کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے راستہ میں اتفاقاً سامان اور سواریاں گم ہو گئیں۔ بھوک پیاس نے جب غلبہ کیا تو راستہ میں ایک جھونپڑی نظر آئی۔ اس کی طرف چل پڑے جب وہاں پہنچے تو وہاں ایک بڑی عمر کی بڑھیا کو پایا اس سے پوچھا یہاں پینے کے لیے کوئی چیز ہے اس نے کہا یہ بکری ہے اس کا دودھ پی لو۔ انہوں نے دودھ دھو کر پیا پھر بڑھیا سے کہا کہ کھانے کی بھی کوئی چیز ہے یا نہیں۔ اس نے کہا یہ ہی ایک بکری ہے۔ اگر تمہاری مرضی ہے تو اس کو ذبح کر کے کھا لو۔ انہوں نے

بکری کو ذبح کیا آگ جلائی گوشت بھون کر خوب کھایا۔ جب یہ حضرات چلنے لگے تو بڑھیا کو کہا کہ ہم قریش کی قوم سے ہیں ہم مکہ مکرمہ میں صرف حج کے لیے جا رہے ہیں، حج کے بعد ہم پھر مدینہ منورہ چلے جائیں گے۔ اگر تمہارے ساتھ کسی وقت ملاقات ہوئی تو تمہارا شکریہ ادا کریں گے جب یہ حضرات چلے گئے تو اس بڑھیا کا خاوند آگیا بڑھیا نے آتے ہی خاوند کو بتایا کہ آج ہمارے گھر تین قریش جوان آئے تھے وہ بھوکے پیاسے تھے میں نے ان کو بکری ذبح کر کے کھلادی ہے اس کا خاوند سخت ناراض ہوا کہنے لگا کہ تو نے بغیر جانے پہچانے لوگوں کو بکری کھلادی ہے تجھے کیا معلوم کہ وہ قریشی بھی تھے یا نہیں پھر یہ خاموش ہوگیا۔ کافی وقت گذرنے کے بعد یہ بڑھیا اور اس کا خاوند کسی تکلیف اور مصیبت میں گرفتار ہو گئے جس کی بنا پر ان کو مدینہ منورہ جانا پڑا جب یہ مدینہ منورہ گئے تو اس گلی میں داخل ہوئے جہاں امام حسن کا مکان تھا۔ جب امام حسن نے بڑھیا کو دیکھا تو اس کو پہچان لیا۔ ساتھ امام حسن نے فرمایا کہ جب ہم تمہارے گھر گئے تھے تم نے ہمارے لیے بکری ذبح کی تھی۔ اس کے بعد امام حسن نے اپنے غلام کو بلا کر فرمایا کہ ان کو ایک ہزار بکری اور ایک ہزار درہم دے دو۔ دینے کے بعد امام حسن نے غلام کو حکم دیا کہ اب ان کو امام حسین علیہ السلام کے پاس لے جاؤ۔ جب یہ امام حسین کے پاس گئے تو آپ نے بھی ایک ہزار بکری اور ایک ہزار درہم عطا فرمائے۔ پھر امام حسن نے غلام کو کہا کہ ان کو عبداللہ بن جعفر کے پاس لے جاؤ۔ حضرت عبداللہ بن جعفر نے ان کو دو ہزار بکریاں اور دو ہزار درہم دیے۔ ان حضرات کی سخاوت سے یہ بڑھیا اور اس کا خاوند بہت بڑے امیر اور غنی ہو گئے (نورالابصار صفحہ ۲۱۴) حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن جعفر المتوفی ۸۰ھ بھی بہت سخی اور

فیاض تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ عبداللہ بن جعفر نے ایک آدمی کو ساٹھ ہزار درہم بطور صدقہ دے دیے تھے۔ ایک مرتبہ حلب شہر کا ایک تاجر شکر بیچنے کے لیے مدینہ منورہ آیا۔ اس کی شکر کسی نے نہ خریدی۔ عبداللہ بن جعفر کو پتہ لگا تو آپ نے وہ ساری شکر خرید کر لوگوں میں مفت تقسیم کر دی تھی (البدایہ والنہایہ صد۳۳ ج ۹) محمد بن سیرین المتوفی سنہ۱۱۰ھ فرماتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام بہت سخی اور کریم تھے۔ بعض دفعہ ایک آدمی کو ایک لاکھ درہم عطا فرما دیتے تھے (البدایہ والنہایہ صد۳۷ ج ۸) ایک مرتبہ امام حسن نے ایک حبشی غلام کو دیکھا وہ کھانا کھا رہا ہے اس کے پاس ایک کتا بیٹھا ہوا ہے وہ غلام ایک لقمہ آپ کھاتا ہے اور ایک لقمہ کتے کو کھلاتا ہے۔ امام حسن نے فرمایا اے غلام ایسا طرز عمل تو نے کس بنا پر اختیار کیا ہے کہا حضور مجھے شرم آتی ہے کہ خود کھاؤں اور کتا میرے پاس بیٹھا رہے۔ اس کو نہ کھلاؤں۔ امام حسن علیہ السلام نے فرمایا میں جاتا ہوں میرے واپس آنے تک یہاں ہی ٹھہرنا۔ امام حسن علیہ السلام اس غلام کے مالک کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے غلام کو خرید لیا اور اس کو آزاد کر دیا پھر جا کر غلام کو فرمایا کہ ہم نے تم کو آزاد کر دیا ہے اور یہ جگہ جہاں تم بیٹھے ہو یہ بھی خرید کر ہم نے تم کو دے دی ہے۔ غلام نے کہا کہ حضور یہ جگہ میں اس ذات کو ہبہ کرتا ہوں جس کے لیے آپ نے مجھے ہبہ کی ہے (البدایہ والنہایہ صد۳۸ ج ۸)۔

امام حسن علیہ السلام کے اخلاق کریمانہ:

امام حسن علیہ السلام نہایت بلند اخلاق حلیم الطبع اور بردبار تھے آپ کو چھ مرتبہ زہر دیا گیا۔ پانچ مرتبہ تو غیر موثر رہا اور چھٹی مرتبہ جب دیا گیا تو آپ کا دل

مبارک اس سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا آپ کے چھوٹے بھائی امام حسین علیہ السلام آپ کے سرہانے کھڑے تھے کہا بھائی جان آپ مجھے یہ تو بتائیں کہ آپ کو زہر کس نے دیا ہے فرمایا کہ میں کسی کے ساتھ بدلہ نہیں کرنا چاہتا اللہ تعالے لازمی میری طرف سے بدلہ لینے والا ہے۔ میرا سینہ کسی کے لئے بغض اور کینہ سے پاک ہے، لہٰذا میں کسی کے بارے میں نہیں کہوں گا کہ فلاں نے مجھے زہر دیا ہے، ایک مرتبہ ملک شام سے ایک آدمی مدینہ منورہ آیا اور امام حسن سے ملا اور کہا کہ کیا تم علی بن ابی طالب کے بیٹے ہو فرمایا ہاں میں علی بن ابی طالب کا بیٹا ہوں اس شامی نے مولیٰ علی کے بارے میں نازیبا اور بیہودہ گفتگو شروع کر دی۔ آپ بردباری سے اس کی گفتگو سنتے رہے۔ آخر میں آپ نے کہا شاید تو مسافر ہے اور شامی ہے وہ کہنے لگا ہاں آپ نے فرمایا تم میرے ساتھ چلو کھانا وغیرہ کھاؤ اگر تمہیں کوئی مالی ضرورت ہے تو وہ ہم پوری کریں گے جب اس نے یہ سنا تو بے حد متاثر ہوا اور آپ سے اپنی زیادتی کی معافی مانگ لی اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ہمیشہ آپ سے محبت رکھنے لگا۔

امام حسن علیہ السلام کی خلافت :

• جب حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا سنہ ۴۰ھ اکیس رمضان کو شہید ہو گئے۔ امام حسن علیہ السلام نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور مشہور روایت کے مطابق آپ کو نجف اشرف میں دفن کیا۔ اس کے بعد قیس بن سعد بن عبادہ آپ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ ہاتھ آگے کیجئے تاکہ میں آپ کی بیعت کروں ان کی بیعت کے بعد دوسرے لوگوں نے بیعت کرنا شروع کر دی۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ صالح بن احمد نے کہا کہ میں نے اپنے باپ سے سنا ہے کہ وہ

فرما رہے تھے کہ نوے ہزار آدمیوں نے امام حسن علیہ السلام کی بیعت کی آپ نے دوران بیعت خطبہ بھی دیا جس میں فرمایا کہ میں حسن حضرت علی بن ابی طالب کا بیٹا ہوں اور میں بشیر و نذیر کا فرزند ہوں جس خاندان میں جبرائیل علیہ السلام کا نزول ہوتا تھا میں اسی خاندان سے ہوں میں اہل بیت رسول سے ہوں جن کی شان میں انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرًا وارد ہے میں ان لوگوں سے ہوں جن کی مودت اور محبت لوگوں پر فرض کر دی گئی ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربیٰ۔ پھر فرمایا اے لوگو! آج وہ شخص دنیا سے چلا گیا ہے جس کی مثل علم میں نہ کوئی سابقین میں ہوا ہے اور نہ ہی کوئی لاحقین میں ہو گا۔ نیز آپ نے اپنی جان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے وقف کر رکھی تھی اللہ تعالےٰ نے آپ کے ہاتھ پر بڑی بڑی مہمات کو فتح کر دیا۔ آپ نے ہی خیبر کے قلعہ پر اسلامی جھنڈا گاڑا جب آپ خطبہ ختم کر چکے تو حضرت عبداللہ بن عباس اٹھے انہوں نے کہا اے لوگو! یہ امام حسن بن علی تمہارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے ہیں اور تمہارے امام علی المرتضیٰ کے وصی ہیں ان کی اطاعت اپنے پر لازم کر لو ان کی محبت رسول اور خدا کی محبت سمجھو۔ حاضرین نے جواب میں کہا کہ ہم نے حسن بن علی کو اپنے دل و جان سے اپنا امام اور خلیفہ سمجھا ہے پھر امام حسن علیہ السلام نے جہاں ضرورت تھی وہاں حاکم اور گورنر مقرر کیے ان حالات کی اطلاع حضرت معاویہ کو جب ہوئی تو انہوں نے امام حسن علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے کا ارادہ کر لیا اور ساٹھ ہزار کا عظیم اور جرار شامی لشکر لے کر عراق کی طرف روانہ ہو گئے۔ ادھر امام حسن علیہ السلام کو جب علم ہوا تو آپ اپنا لشکر لے کر شام کی طرف چل پڑے۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کے

لشکر کی تعداد حافظ ابن کثیر نے بحوالہ صحیح بخاری اس طرح ذکر کی کہ حسن بصری کہتے ہیں کہ خدا کی قسم امام حسن بن علی حضرت معاویہ کے مقابلے میں پہاڑوں کی مانند لشکر لے گئے تھے اس لشکر کو دیکھتے ہی عمرو بن عاص نے حضرت معاویہ کو کہا کہ میں ایسا لشکر دیکھ رہا ہوں کہ وہ جب تک اپنے حریفوں کو قتل نہ کر ڈالیں گے پیٹھ نہ پھیریں گے تو حضرت معاویہ نے کہا اگر امام حسن کے لشکر نے ہمارے لشکر کو قتل کر دیا تو ہمارے پاس انتظام کرنے والا کون رہ جائے گا۔ جب حضرت معاویہ کو یہ خوف دامن گیر ہوا تو حضرت معاویہ نے بنو عبد شمس کے دو آدمیوں یعنی عبدالرحمان بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر کو حضرت امام حسن کی خدمت میں صلح کی بات چیت کرنے کے لیے بھیجا جب وہ دونوں حضرات امام حسن کی خدمت میں پہنچے اور صلح کے لیے عرض کیا تو امام حسن علیہ السلام نے فرمایا ہم بنو عبدالمطلب ہیں یعنی کسی سے دبنے والے نہیں ہیں۔ دونوں نے عرض کیا کہ معاویہ کی تو جناب کی خدمت میں یہی درخواست ہے۔ آخرکار امام حسن نے مسلمانوں کی خون ریزی کے خوف سے چند شرائط پر حضرت معاویہ سے صلح کر لی (البدایہ والنہایہ ص۱۷ ج ۸) شاہ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام نے خلافت کو اس لیے ترک کیا تھا کہ آپ بادشاہوں میں داخل نہ ہونا چاہتے تھے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تھا الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ ثم یصیر ملکا عضوضًا کہ میرے بعد تیس سال خلافت رہے گی اور اس کے بعد کٹ کھنی بادشاہت آ جائے گی اور یہ مدت خلافت ربیع الاول ۴۱ھ میں ختم ہو گئی جبکہ امام حسن حضرت معاویہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام بھی خلفاء راشدین سے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

نے فرمایا الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ ثم تکون ملکاً کہ خلافت میرے بعد تیس سال ہو گی پھر بادشاہت ہو گی اور یہ خلافت تیس سال اس وقت مکمل ہوتی ہے جبکہ امام حسن کی خلافت کو بھی اس میں شامل کیا جائے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ربیع الاول سنہ ۱۱ھ میں ہے اور امام حسن حضرت معاویہ کے حق میں سنہ ۴۱ھ میں دستبردار ہوئے جب تک امام حسن کی خلافت کو شمار نہ کیا جائے اس وقت تک تیس سال مکمل نہیں ہوتے جس سے ثابت ہوا کہ امام حسن بھی خلیفہ راشد ہیں اور خلفاء راشدین میں سے ہیں اور خلفاء راشدین میں حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت کی مدت دو سال تین ماہ تھی اور حضرت عمر فاروق کی خلافت کی مدت دس سال اور چھ ماہ تھی اور حضرت عثمان غنی کی خلافت کی مدت ۱۲ سال مگر چند دن کم تھی اور حضرت علی شیر خدا کی خلافت کی مدت ۴ سال اور نو ماہ تھی اور حضرت امام حسن علیہ السلام کی خلافت کی مدت چھ ماہ اور کچھ دن تھی۔ (نبراس ص ۵۰۳ وحاشیہ ۱) اور خلافت راشدہ سے مراد یہ ہے کہ خدا اور رسول نے جو حکمرانی کے اصول بیان فرمائے ہیں اور رسول اللہ کی تربیت وتعلیم اور عملی رہنمائی سے جو معاشرہ وجود میں آیا ہے اس طریق پر خلافت وحکومت کرنا خلافت راشدہ ہے (راستر وخلافت) گویا کہ منہاج نبوت کے مطابق جو خلافت ہے وہ خلافت راشدہ ہے اور یہ خلافت صرف تیس سال تک ہے اور یہ مدت خلافت اس وقت پوری ہو گئی جبکہ امام حسن علیہ السلام نے خلافت کو ترک کیا۔ تیس سال کے بعد ملوکیت اور بادشاہت شروع ہو گئی۔ اس بنا پر حضرت معاویہ بادشاہ ہیں خلیفہ نہیں ہیں۔ چنانچہ سعد بن وقاص جب حضرت معاویہ کی بیعت ہو جانے کے بعد ان سے ملے تو السلام علیک ایہا الملک کہہ کر خطاب کیا۔ حضرت معاویہ نے کہا اگر آپ مجھے امیر المومنین کہتے

تو کیا حرج تھا انہوں نے جواب دیا خدا کی قسم جس طرح آپ کو حکومت ملی ہے اس طریقہ پر اگر یہ مجھے مل رہی ہوتی تو میں اس کا لینا ہرگز پسند نہ کرتا حضرت معاویہ خود بھی اس کو حقیقت سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے خود کہا تھا کہ انا اول الملوک میں مسلمانوں میں پہلا بادشاہ ہوں (خلافت و ملوکیت صفحہ ۱۴۸) ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہ بادشاہ تھے (منہاج السنۃ صفحہ ۱۸۵ ج ۲) قاضی ابوبکر بن العربی المتوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں کہ بادشاہی کی ابتداء حضرت معاویہ سے ہوئی ہے (العواصم من القواصم صفحہ ۲۰۷) حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں والسنۃ ان یقال لہٗ ملک ولا یقال لہٗ خلیفۃ لحدیث سفینۃ الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ ثم تکون ملکا عضوضا (البدایہ والنہایہ صفحہ ۱۳۵ ج ۸) سُنت یہی ہے۔ حضرت معاویہ کو بادشاہ کہا جائے خلیفہ نہ کہا جائے بوجہ حدیث سفینہ کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خلافت میرے بعد تیس سال ہوگی پھر کاٹنے والی بادشاہت ہوگی، نیز حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں واول ملوک الاسلام معاویۃ بن ابی سفیان (تفسیر ابن کثیر صفحہ ۱۴ ج ۲) کہ اسلام میں پہلا بادشاہ معاویہ بن ابی سفیان تھا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ لکھتے ہیں انقضت الخلافۃ بشہادۃ علی کرم اللہ وجہہ وخلع الحسن ومعاویۃ کان علی سیرۃ الملوک لا علی سیرۃ الخلفاء (حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۲۱۲ ج ۲) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت اور امام حسنؓ کی دستبرداری سے خلافت ختم ہوگئی اور معاویہ بادشاہوں کی سیرت پر تھا۔ خلفاء راشدین کی سیرت پر نہ تھا۔ علامہ تفتازانی المتوفی ۷۹۲ھ لکھتے ہیں فمعاویۃ ومن بعدھم لم یکونوا خلفاء بل ملوکا وامراء (شرح عقائد صفحہ ۱۰۹) پس معاویہ اور ان کے بعد (حکمران) خلفاء نہیں تھے بلکہ

بادشاہ اور امراء تھے۔ سید شریف جرجانی المتوفی سنہ ۸۱۶ھ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی اور جو ان تیس سال کے درمیان حکام ہوئے ہیں وہ خلفاء ہیں اور تیس سال کے بعد جو ہوئے وہ بادشاہ ہیں (شرح مواقف صفہ ۷۴۲) علامہ خلیل احمد انبیٹھوی المتوفی سنہ ۱۳۴۶ھ کہتے ہیں بل علی وحسن خلفاء وبعد ھا ملک وامارۃ بذل المجہود شرح ابوداؤد ج ۵) ملا علی القاری الحنفی المتوفی سنہ ۱۰۱۴ھ کہتے ہیں واول ملوک المسلمین معاویۃ (شرح فقہ اکبر صہ ۱۸۳) کہ مسلمانوں کا پہلا بادشاہ معاویہ تھا۔ علامہ عبدالحی المتوفی سنہ ۱۳۰۴ھ کہتے ہیں فکان الحسن آخر خلفاء الراشدین بنص جدہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (فتاویٰ عبدالحی صہ ۶۵ ج ۲) امام حسن علیہ السلام آخری خلیفہ راشد تھے آپ کی خلافت پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نص فرمائی ہے۔ حافظ ابن عبدالبر المتوفی سنہ ۴۶۳ھ کہتے ہیں یقول معاویۃ انا اول الملوک (الاستیعاب صہ ۳۸ ج ۳) کہ حضرت معاویہ خود کہتے تھے کہ میں پہلا بادشاہ ہوں۔ اس سے ثابت ہوا کہ خلافت راشدہ تیس سال تھی۔ وہ مدت اس وقت پوری ہوگئی جبکہ امام حسن علیہ السلام حضرت معاویہ کے حق میں دستبردار ہوگئے تھے۔ اس کے بعد بادشاہت شروع ہوگئی۔ اس بنا پر حضرت معاویہ بادشاہ تھے خلیفہ نہیں تھے۔

سوال :۔

حدیث الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ ثم یکون ملکا عضوضاً کہ میرے بعد تیس سال خلافت ہوگی پھر کاٹنے والی بادشاہت ہوگی اور یہ ظاہر ہے کہ اس مدت خلافت میں جو حکام ہوں گے وہ خلفاء ہوں گے اور یہ صرف پانچ ہوئے ہیں اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ بارہ خلفاء ہوں گے۔ چنانچہ

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یکون اثنا عشر خلیفۃ کلھم من قریش (صحیح بخاری ج ۲۔ تاریخ الخلفاء ص۱) کہ بارہ خلیفہ ہوں گے کل ہی قریش سے ہوں گے اب ان دونوں حدیثوں کے درمیان ظاہراً تعناد ہے کیونکہ ایک میں ہے کہ پانچ خلیفہ ہوئے اور دوسری میں ہے کہ بارہ خلیفہ ہوں گے۔

جواب :-

خلافت دو قسم پر ہے ایک خلافت وہ جو کہ منہاج نبوت کے مطابق ہے اور ایک خلافت مطلقہ ہے اور جس خلافت کے بارہ میں فرمایا کہ میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی وہ خلافت منہاج نبوت کے مطابق ہے جس میں شرع کی ذرہ برابر مخالفت اور بدعت وظلم کی طرف متابعت نہ ہو چنانچہ ایک دوسری روایت میں اس کی تصریح موجود ہے۔ خلافتہ نبوۃ بعدی ثلاثون سنۃ کہ میرے بعد جو خلافت نبوت کی ہوگی وہ تیس سال ہوگی جس میں پانچ خلفاء راشدین ہوئے ہیں، حضرت ابوبکر، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت مولا علی شیر خدا، حضرت امام حسن علیہ السلام اور جہاں بارہ خلفاء کا ذکر کیا ہے وہ خلافت مطلقہ ہے جس میں منہاج نبوت نہیں ہے رہی یہ بات کہ وہ بارہ خلفا سے مراد کون سے خلفاء ہیں جن کی خلافت منہاج نبوت تو نہیں ہے لیکن منہاج کی طرح ہوگی۔ اس سلسلہ میں ایک روایت جس سے بارہ کے عدد کے لفظ سے تعین سمجھا جاتا ہے جس کو ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں بحوالہ بعض محدثین ذکر کیا ہے کہ قرب قیامت امام مہدی علیہ السلام کے بعد چھ خلفا حضرت امام حسن علیہ السلام کی اولاد سے ہوں گے اور پانچ امام حسین علیہ السلام کی اولاد سے ہوں گے اور ان کے علاوہ آخر میں ایک اور خلیفہ ہوگا اب اس روایت

نے بارہ کے عدد کی تحدید اور تعیین کر دی ہے۔ اگرچہ اس روایت پر ابن حجر مکی نے اعتراض کیا ہے کہ یہ روایت درست نہیں ہے لیکن اس روایت کے الفاظ اس پر قرینہ ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے۔ چنانچہ لا یزال قائما حتی تقوم الساعۃ او یکون علیکم اثنا عشر خلیفۃ کلھم من قریش اب لفظ ساعت قیامت کا اس پر دلالت کرتا ہے جو بعض محدثین نے کہا ہے کہ چھ خلفاء امام حسن کی اولاد سے ہوں گے اور پانچ امام حسین کی اولاد سے ہوں گے ایک آخر میں ہوں گے جو یا تو امام حسن کی اولاد سے ہوں گے یا امام حسین علیہ السلام کی اولاد سے ہوں گے۔

سوال :۔

جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں بنو امیہ اور بنو عباس کے امراء کو بھی خلفاء میں ذکر کر دیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بارہ کے عدد میں وہ بھی شامل ہیں۔

جواب :۔

بارہ خلفاء والی حدیث میں بنو امیہ اور بنو عباس کے امراء ہرگز شامل نہیں ہیں کیونکہ ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ بارہ کا عدد ان کے لیے متحمل نہیں ہو سکتا اور علامہ سیوطی اور دیگر مورخین وغیرہم نے بنو امیہ اور بنو عباس کو جو خلفاء میں شمار کیا ہے وہ خلفاء بمعنے ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے ہیں ان میں سے جو نیک اور عادل ہوئے ہیں ان کی خلافت عادلہ ہے۔ بہر صورت خلافت دو قسم پر ہے۔ ایک خلافت راشدہ وہ ہے جو کہ نبوت کے طریقہ پر تھی جس میں پانچ خلفاء راشدین ہوئے اور دوسری خلافت مطلقہ ہے جو نبوت کے طریقہ پر تو نہیں لیکن اس کی نظیر ہوگی۔ یہ خلافت بارہ خلفاء کی ہے جو خلفاء حسنین

کہ یمین کی اولاد سے قیامت سے پہلے ہوں گے اور رہی بات بارہ اماموں کی تو وہ خلافت باطنیہ اور ولایت و طریقت کے رہنما ہیں۔ اگرچہ ان میں سے مولیٰ علی شیرِ خدا کی خلافت باطنیہ کے ساتھ خلافت ظاہریہ بھی جمع ہو گئی۔ اسی طرح امام حسن علیہ السلام کی خلافت باطنیہ کے ساتھ خلافت ظاہریہ بھی جمع ہو گئی لیکن جب مدتِ خلافت نبوت کی پوری ہو گئی تو امام حسن علیہ السلام نے اسی وقت بلاتاخیر خلافت نبوت ظاہریہ کو ترک فرما دیا اور خلافت باطنیہ کی طرف اپنی تمام تر توجہ مبذول فرما دی اور خلافت باطنیہ کے آخری خلیفہ قرب قیامت امام مہدی علیہ السلام ہوں گے جن کی خلافت باطنیہ کے ساتھ خلافت ظاہری بھی ہو گی۔ غرضیکہ امام حسن علیہ السلام خلیفہ راشد ہیں اور آپ کی یہ خلافت منصوصہ ہے آپ کی یہ خلافت چھ ماہ پانچ دن رہی۔ اس کے بعد دورِ ملوکیت شروع ہوا اور دورِ ملوکیت کے پہلے بادشاہ حضرت معاویہ بن ابوسفیان ہو گئے۔

امام حسن علیہ السلام کی وفات:

جب امام حسن علیہ السلام نے حکومت کی باگ ڈور حضرت معاویہ کو سپرد کر دی تو پھر آپ اپنے اہل و عیال کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور دنیا سے بالکل قطع تعلق کر لیا اور اللہ کی یاد میں مصروف ہو گئے۔ یہاں تک آپ کو ۴۹ھ میں جعدہ بنت الاشعث بن قیس نے یزید بن معاویہ کے کہنے پر زہر دیا جس کی وجہ سے آپ بیمار ہو گئے۔ اس سے پہلے بھی آپ کو زہر دیا گیا تھا لیکن اس سے پہلے کبھی اتنی تکلیف نہ ہوئی تھی جتنی اس مرتبہ شروع ہو گئی تھی، حافظ ابونعیم الاصبہانی المتوفی ۴۳۰ھ، حلیۃ الاولیاء میں عمرو بن اسحاق سے روایت ذکر کی ہے کہ میں اور ایک اور شخص امام حسن کی عیادت کے لیے گئے تو آپ نے فرمایا اگر تم نے

مجھ سے کچھ پوچھنا ہے تو پوچھ لو۔ میں نے عرض کیا رسول اللہ کے بیٹے ایسے وقت میں ہم آپ سے کیسے پوچھ سکتے ہیں جب آپ کو آرام ہوگا تو پوچھ لیں گے، راوی کہتا ہے کہ امام حسن علیہ السلام اٹھ کھڑے ہوئے اور اندر تشریف لے گئے پھر جب واپس آئے تو فرمایا جو سوال کرنا ہو کر لو ایسی صورت نہ ہو کہ تم کو پھر موقعہ ہی نہ ملے کیونکہ میں نے عنقریب دنیا سے چلا جانا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں تو آپ کی صحت کے بعد ہی کوئی سوال کروں گا پھر آپ نے فرمایا مجھے کئی مرتبہ زہر دیا گیا لیکن اس مرتبہ زہر نے میرے دل کے ٹکڑے کر دیے ہیں راوی کہتا ہے کہ میں چلا آیا پھر دوسرے دن گیا تو امام حسن کی طبیعت زیادہ خراب تھی اور امام حسین علیہ السلام آپ کے بھائی آپ کے سرہانے بیٹھ کر پوچھ رہے تھے کہ بھائی جان آپ کے خیال میں آپ کو زہر دینے والا کون ہے تو آپ نے فرمایا جس پر میرا گمان ہے کہ اس نے مجھے زہر دیا ہے اس سے میرا اللہ تعالےٰ ہی انتقام لینے والا ہے۔ قیامت کے دن وہ خود اس سے بدلہ لے گا پھر آپ کی روح پرواز کر گئی۔ علامہ ابن سعد المتوفی ۲۳۰ھ، حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ اور علامہ سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان قل ھو اللہ احد لکھا ہوا ہے۔ جب آپ نے یہ خواب گھر والوں کے سامنے ذکر کی تو سب خوش ہو گئے جب یہ خواب سعید بن المسیب کے سامنے ذکر کی گئی تو انہوں نے کہا کہ امام حسن کی وفات کا وقت نزدیک آ گیا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد آپ چند روز زندہ رہے پھر آپ کی وفات ہو گئی (البدایہ والنھایہ صہ۴۲ ج ۸۔ صواعق محرقہ صہ ۱۳۹، تاریخ الخلفاء صہ ۱۹۲) امام حسن علیہ السلام نے اپنی وفات سے قبل امام حسین کو جو وصیتیں فرمائی تھیں ان میں سے ایک وصیت یہ بھی تھی

کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اجازت لے لی ہے کہ میری
وفات کے بعد مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہی دفن کیا جائے
انہوں نے میرے ساتھ یہ مضبوط وعدہ کیا ہے لیکن پھر بھی بوقت دفن اجازت
لے لینا میرا غالب گمان یہ ہے کہ جب تم ارادہ کرو گے تو بنو امیہ اس معاملہ میں تمہارے
ساتھ منازعت اور جھگڑا کریں گے اگر بنو امیہ نے جھگڑا کیا تو پھر میرا جنازہ میرے
نانا پاک کے روضہ مبارک کے آگے لے جانا اور تھوڑی دیر میرا جنازہ وہاں رکھنا
تاکہ میں نانا پاک سے تجدید عہد کر لوں پھر مجھے بقیع میں دفن کر دینا۔ امام حسن
علیہ السلام کو امام حسین، عباس اور حضرت ابو طالب کے بیٹوں نے غسل دیا اور
امام حسین کے حکم سے سعید بن عاص بن امیہ نے نماز جنازہ پڑھائی، کیونکہ وہ اس
وقت مدینہ منورہ کے حاکم تھے۔ اس کے بعد امام حسین حضرت عائشہ صدیقہ کے
پاس گئے۔ انہوں نے کہا کہ امام حسن کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دفن
ہونا ہی مناسب ہے جب یہ بات مروان بن حکم نے سنی تو وہ کہنے لگا کہ ہم
حضور پاک کے روضہ انور میں امام حسن کو کبھی دفن نہ ہونے دیں گے۔ بیاں لوگوں
نے عثمان بن عفان کو دفن نہیں ہونے دیا تو ہم امام حسن کو بھی دفن نہ ہونے دیں گے
امام حسین علیہ السلام نے جب یہ سنا تو آپ کو سخت افسوس لگا، آپ چند مسلح
ساتھیوں کے ساتھ مروان کے ہاں تشریف لائے مروان بھی مسلح ہو گیا۔ اب
دونوں فریقوں کے درمیان تنازع شروع ہونے کا خطرہ ہوا، تو ابو ہریرہ نے
مروان کو کہا کہ تم روضہ رسول میں امام حسن کو دفن نہیں ہونے دے رہے حالانکہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسن اور حسین دونوں کے لیے فرمایا تھا۔ یہ
دونوں سیدا شباب اہل الجنۃ کہ جنت میں جوانوں کے سردار ہوں گے۔ مروان
نے کہا ابو ہریرہ ایسی حدیثوں کو رہنے دیجیے ہم حسن کو یہاں کبھی بھی دفن نہیں ہونے

دیں گے پھر سعد بن ابی وقاص، جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن عمر اور ابوہریرہ وغیرہ نے امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا حضور آپ بنو امیہ سے جھگڑا نہ کریں نیز امام حسن نے خود بھی فرمایا تھا کہ اس مسئلہ میں ان سے جھگڑا کرنے کی ضرورت نہیں ہے چنانچہ امام حسین نے اپنے بھائی امام حسن کو جنت البقیع میں جہاں آپ کی دادی صاحبہ فاطمہ بنت اسد کی قبر ہے۔ دفن کر دیا حضرت امام حسن علیہ السلام کے سن وفات میں بعض نے کچھ اختلاف ذکر کیا ہے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ آپ ۱۵ رمضان ۳ھ میں پیدا ہوئے۔ سات سال اپنے نانا پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے اور تیس سال اپنے والد گرامی کے ساتھ رہے اور ان کی شہادت کے بعد ۹ سال بقید حیات رہ کر ۴۹ھ میں انتقال فرمایا۔ اس حساب سے آپ کی عمر مبارک چھیالیس سال بنتی ہے اللھم صل علی محمد وعلی آلہ وسلم (انساب الاشراف بلاذری صفحہ ۶۰ ج ۳۔ البدایہ والنہایہ صفحہ ۴۳ ج ۸۔ حیات الحیوان کبریٰ صفحہ ۵۸ ج ۱۔ تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۹۴، صواعق محرقہ صفحہ ۱۳۹) حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ نے تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ ثعلبہ کہتے ہیں کہ جب امام حسن کو جنت البقیع میں دفن کیا جا رہا تھا میں وہاں ہی تھا لوگوں کا اتنا اجتماع تھا اگر سوئی پھینکی جاتی تو آدمیوں کے سر پر گرتی زمین پر نہ گرتی۔ اور ابوہریرہ بلند آواز سے کہہ رہے تھے لوگو! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جس فرزند پر مٹی ڈال رہے ہو میں نے ان کے بارے میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے جو حسن کو دوست رکھتا ہے وہ مجھے بھی دوست رکھتا ہے۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ مساور (مولیٰ بنو سعد بن بکر) نے کہا کہ جس دن امام حسن کی وفات ہوئی میں نے دیکھا کہ ابوہریرہ مسجد پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے اعلان کر رہے تھے کہ لوگو! آج رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محبوب ترین فرزند فوت ہو گیا ہے ان پر رو لو اور نماز جنازہ کے لیے بقیع میں اتنا اجتماع تھا کہ وہاں کسی کی گنجائش ہی نہیں تھی اور اہلِ مدینہ کے مرد اور عورتیں متواتر سات دن تک روتے رہے اور بنو ہاشم کی عورتوں نے ایک مہینہ تک سوگوار برپا رکھا (البدایہ والنہایہ ص۴۴ ج ۸)۔

حضرت امام حسن علیہ السلام کی وفات پر تمام لوگوں نے سوگ منایا البتہ کمال الدین دمیری المتوفی ۸۰۸ھ لکھتے ہیں کہ ابن خلکان نے کہا کہ جس وقت حضرت حسن بیمار ہوئے تو مروان بن حکم نے حضرت معاویہ کو اطلاع دی کہ حسن بیمار ہو گئے ہیں تو معاویہ نے جواب دیا کہ ان کے انتقال کی خبر مجھے فوراً بھیج دی جائے تو جس وقت امام حسن کی وفات کی خبر حضرت معاویہ کو معلوم ہوئی تو با آواز بلند تکبیر کہی جو کہ مقام الخضرا تک سنائی دی۔ اس تکبیر کو سن کر اہلِ شام نے بھی تکبیر کہی

فقالت فاختہ بنت قریظۃ لمعاویۃ اقر اللہ عینک ما الذی کبرت لاجلہ فقال مات الحسن فقالت أعلی ابن فاطمۃ یہ بات دیکھ کر فاختہ بنت قریظہ نے حضرت معاویہ کو کہا کہ اللہ تعالے تمہاری آنکھ کو ٹھنڈا رکھے تم نے یہ تکبیر بلند آواز سے کیوں کہی ہے تو معاویہ نے کہا کہ حسن کا انتقال ہو گیا ہے۔ پس اس نے کہا کہ فاطمہ کے بیٹے کے فوت ہونے پر خوشیاں ہو رہی ہیں۔ نعرے لگائے جا رہے ہیں۔ فقال واللہ ما کبرت شماتۃ بموتہ ولکن استراح قلبی تو معاویہ نے کہا کہ میں نے حسن کی موت پر شماتت کی وجہ سے تکبیر نہیں کہی بلکہ (امام) حسن کی موت سے میرے دل کو راحت ہوئی ہے اسی دوران عبداللہ بن عباس تشریف لائے تو حضرت معاویہ نے ابن عباس سے کہا کہ آپ کو کچھ معلوم ہے کہ اہلِ بیت میں حادثہ پیش آ گیا ہے تو ابن عباس نے کہا کہ مجھے کچھ علم نہیں ہے ہاں یہ بات ضرور ہے کہ آپ

بہت خوش ہیں اور اس سے پہلے میں نے آپ کی تکبیر بھی سنی ہیں۔ حضرت معاویہ نے کہا کہ حسن کی وفات ہو گئی ہے۔ یہ سُن کر ابن عباس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ابو محمد پر رحم فرمائے پھر ابن عباس نے کہا اے معاویہ (امام) حسن کی قبر تمہاری قبر کو نہیں بھر سکتی اور نہ ان کی عمر تمہاری عمر میں اضافہ کر سکتی ہے اور اگر ہمیں اس وقت سیدنا حسن کی وفات سے تکلیف پہنچی ہے تو اس سے پہلے امام المتقین (حضرت مولیٰ علی شیر خدا) اور خاتم النبیین (رسول اللہ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے بھی تکلیف پہنچ چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس حادثہ کی تلافی فرما کر سکون نصیب کرے (حیات الحیوان الکبریٰ ص۵۵ ج ۱) غرضیکہ دنیا میں سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے کسی کے لیے بھی دوام اور بقا نہیں ہے ہر شخص نے مرنا ہے جب کوئی شخص مرے تو اس پر اظہار غم اور تعزیت حکم شرعی ہے لیکن کسی کے مرنے پر اظہار خوشی کرنا یہ خوشی نہ تو خوشی کرنے والے کی عمر میں اضافہ کرتی ہے اور نہ ہی اس کو کوئی دیگر فائدہ دیتی ہے۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کی وفات پر تمام لوگوں نے غم کا اظہار کیا لیکن حضرت معاویہ نے خوشی منائی قابل تعجب بات یہ ہے کہ حضرت معاویہ اتنے دانشمند اور صحابی رسول ہو کر نواسہ رسول کی وفات پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور نواسہ رسول بھی وہ جس نے تمام دنیا کی حکومت حضرت معاویہ کی گود میں ڈال دی تھی۔ یہ کوئی احسان کم نہیں تھا۔ بایں وجہ حضرت معاویہ کے گھر سے ایک عورت نے حضرت معاویہ کو کہا کہ "حضور والا" کہ فاطمہ بنت رسول کے بیٹے کے مرنے پر خوشیاں ہو رہی ہیں، نعرے لگائے جا رہے ہیں۔ بہر صورت حضرت معاویہ کا یہ ذاتی عمل ہے ہم تو حضرت معاویہ کو رسول اللہ کا صحابی اور صاحب منقبت و فضیلت صحابی ہی سمجھتے ہیں۔

☆

امام حسن علیہ السلام کی اولاد :

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے (۱) زید (۲) حسن مثنیٰ (۳) حسین (۴) طلحہ (۵) اسماعیل (۶) عبداللہ (۷) حمزہ (۸) یعقوب (۹) عبدالرحمان (۱۰) ابوبکر (۱۱) قاسم (۱۲) عمر۔

پانچ بیٹیاں تھیں۔

(۱) فاطمہ (۲) ام سلمہ (۳) ام عبداللہ (۴) ام الحسین رملہ (۵) ام الحسن اور بعض علماء نے چھ بیٹیاں ذکر کی ہیں چھٹی (۶) حضرت رقیہ ہیں۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کی نسل پاک چار بیٹوں، یعنی زید، حسن مثنیٰ، حسین الاثرم اور عمر سے جاری ہوئی تھی مگر حسین الاثرم اور عمر کا سلسلہ اولاد جلدی ختم ہو گیا اور عبداللہ، قاسم اور ابوبکر کربلا میں شہید ہو گئے اور طلحہ، اسماعیل، حمزہ، یعقوب، عبدالرحمان کی آگے کوئی اولاد نہیں ہے۔ اب دنیا میں صرف زید بن حسن مجتبیٰ اور حسن مثنیٰ بن حسن مجتبیٰ کی اولاد ہے۔

(۱) زید بن امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام :

حضرت زید کے والد گرامی امام حسن مجتبیٰ بن علی بن ابی طالب ہیں اور والدہ کا نام ام بشر فاطمہ بنت ابو مسعود انصاری بدری عقبہ بن عمرو بن ثعلبہ بن اسیرہ بن عسیرہ بن عطیہ بن خدارہ بن عوف بن حارث بن خزرج بن حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو مزیقیا بن عامر ماء السماء بن حارثہ الغطریف بن امراء القیس بن ثعلبہ بن مازن بن ازد بن غوث بن بنت بن مالک بن زید بن کہلان بن سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان بن عامر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام

بن لامک بن متوشالخ بن ادریس علیہ السلام بن یارد بن مھلیل بن قینان بن انوش
بن شیث علیہ السلام بن آدم علیہ السلام، آگے زید بن امام حسن کے بیٹے
ابو محمد حسن تھے یہ منصور عباسی کے دور حکومت میں مدینہ منورہ کے حاکم تھے اور
یہ ابو محمد حسن سیاہ لباس پہنا کرتے تھے اور آپ کی وفات ۱۶۸ھ ہے اور
ابو محمد حسن کے سات بیٹے تھے اور ان سے ہی زید بن حسن کی نسل چلی ہے
(۱) قاسم (۲) علی سدید (۳) زید (۴) ابراہیم (۵) عبداللہ (۶) اسحاق (۷) اسماعیل۔

(۱) قاسم بن ابو محمد الحسن بن زید بن حسن مجتبیٰ بن علی بن ابی طالب

قاسم کے تین لڑکے تھے (۱) عبدالرحمان شجری (۲) محمد بطحانی (۳) حمزہ بن قاسم
اور حمزہ کے آگے دو لڑکے تھے علی اور محمد۔ ان دونوں کی اولاد قزوین اور دیلم میں
آباد تھی۔

اور محمد بطحانی بن قاسم بہت بڑے فقیہ اور عالم تھے۔ بطحان ایک مدینہ
منورہ میں وادی ہے اس کی طرف منسوب ہیں۔ ان کے سات بیٹے تھے (۱) القاسم
بن محمد بطحانی (۲) ابراہیم بن محمد بطحانی (۳) موسیٰ بن محمد بطحانی (۴) عیسےٰ بن محمد
بطحانی (۵) ہارون بن محمد بطحانی (۶) علی بن محمد بطحانی (۷) عبدالرحمان بن محمد
بطحانی۔ اس عبدالرحمان بن محمد بطحانی کے دو لڑکے تھے (۱) علی بن عبدالرحمان
(۲) جعفر بن عبدالرحمان آگے علی کا لڑکا محمد تھا اور جعفر کا لڑکا احمد تھا اور احمد
کے تین لڑکے تھے (۱) طاہر بن احمد یہ علاقہ طبرستان میں تھے (۲) عیسےٰ بن
احمد یہ رائے شہر میں اقامت پذیر تھے (۳) کوجک بن احمد یہ آمل شہر میں تھے
علی بن محمد بطحانی کے پانچ بیٹے تھے (۱) قاسم بن علی اس کی اولاد کوفہ اور طبرستان

میں رہتی تھی (۲) حسن الاطروش (۳) علی بن علی اس کی اولاد جرجان میں رہائش پذیر تھی (۴) محمد بن علی اس کی اولاد طبرستان میں تھی (۵) حسین بن علی اس کی اولاد میں سے بعض دمشق میں تھے اور بعض آذربیجان میں تھے۔ اور ہارون بن محمد بطحانی کے پانچ بیٹے تھے (۱) محمد بن ہارون (۲) علی بن ہارون (۳) حسن بن ہارون (۴) حسین بن ہارون (۵) قاسم بن ہارون، ان میں سے ان چاروں علی، حسن، حسین اور قاسم کی اولاد کے بارے میں علم نہیں ہو سکا۔ باقی محمد بن ہارون ان کے پانچ بیٹے تھے (۱) داؤد اصغر کی اولاد دینور میں ہے (۲) حسن اس کی اولاد مدینہ منورہ میں ہے (۳) حمزہ اس کی اولاد رائے اور طبرستان میں ہے (۴) عیسٰے اس کا لڑکا حمزہ ہے (۵) حسین اس کی اولاد کوفہ میں ہے اور عیسٰے بن محمد بطحانی کے چار بیٹے تھے (حمزہ اصغر (۲) ابوتراب علی (۳) ابوعبداللہ الحسین (۴) ابوتراب محمد، آگے حمزہ اصغر کے دو بیٹے تھے۔ ۱۔ میمون الاعرج ۲۔ علی ان دونوں کی اولاد رائے اور طبرستان میں رہتی تھی اور ابوتراب علی کے بیٹے داؤد تھے اور داؤد کے چار بیٹے تھے (۱) حمزہ بجنید (۲) محمد (۳) علی ان کی اولاد متفرق شہروں میں موجود ہے اور ابوتراب محمد کا بیٹا احمد تھا اور احمد بن ابوتراب محمد کے چار بیٹے تھے (۱) زید (۲) حسن (۳) عیسٰے (۴) قاسم۔ ان تمام کی اولاد بلخ میں قیام پذیر تھی اور موسیٰ بن محمد بطحانی یہ مدینہ منورہ میں رہتے تھے ان کے دس بیٹے تھے (۱) حسن بن موسیٰ یہ مدینہ منورہ میں قید میں فوت ہو گئے تھے ان کا ایک بیٹا تھا جس کا نام احمد تھا اور ایک بیٹی تھی (۲) ابراہیم بن موسیٰ ان کی آگے اولاد ہے (۳) زید بن موسیٰ ان کی اولاد ہے (۴) یحییٰ بن موسیٰ ان کی اولاد ہے (۵) احمد بن موسیٰ ان کی اولاد طبرستان میں تھی (۶) محمد اصغر بن موسیٰ ان کی اولاد خراسان میں تھی (۷) علی بن

موسیٰ یہ قید میں فوت ہوگئے تھے ان کی اولاد مکہ مکرمہ میں رہائش پذیر تھی (۸) حسین بن موسیٰ ان کی اولاد مدینہ منورہ میں تھی (۹) محمد بن موسیٰ ان کی بھی اولاد اور نسل جاری ہے (۱۰) حمزہ بن موسیٰ ان کی اولاد مدینہ منورہ میں موجود تھی اور ابراہیم بن محمد بطحانی یہ مدینہ منورہ میں سادات کے رئیس تھے ان کی اولاد متفرق شہروں میں اقامت پذیر تھی اور قاسم بن محمد بطحانی یہ بہت بڑے فقیہ، عالم اور رئیس تھے ان کے پانچ بیٹے تھے (۱) عبدالرحمان (۲) الحسن البصری (۳) محمد (۴) احمد (۵) حمزہ ان کی اولاد طبرستان، رے، موصل، بغداد، بصرہ میں موجود ہے اور عبدالرحمان بن قاسم بن ابو محمد حسن بن زید شجری کو شجری اس لیے کہا جاتا ہے کہ مدینہ منورہ کے قریب ایک گاؤں شجرہ ہے اس کی طرف منسوب ہیں اور ان کی کنیت ابو جعفر ہے آپ کی ماں ام ولدہ ہیں آپ کے پانچ بیٹے تھے (۱) حسن بن عبدالرحمان شجری اس کی ماں ام ولد تھی اور اس کی اولاد ماوراء النہر یعنی بخارا، سمرقند وغیرہ کی طرف رہتی تھی (۲) حسین بن عبدالرحمان شجری یہ مدینہ منورہ میں رہتے تھے ان کی اولاد ہے لیکن زیادہ نہیں ہے (۳) محمد شریف بن عبدالرحمان شجری ان کی ماں سکینہ بنت عبداللہ بن حسین الاصغر بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب ہے یہ بھی مدینہ منورہ میں رہتے تھے (۴) علی بن عبدالرحمان شجری ان کی ماں ام الحسن بنت الحسن بن جعفر بن الحسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب ہے، یہ مدینہ منورہ میں سردار اور معزز شخص تھے (۵) جعفر بن عبدالرحمان شجری ان کی ماں ام ولد ہے یہ بھی مدینہ منورہ کے رئیس اور معزز تھے ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ حضرت زید بن حسن مجتبیٰ کے بیٹے ابو محمد حسن سے حضرت زید کی نسل چلی ہے اور ابو محمد الحسن کے سات بیٹے تھے جن میں سے ہم نے قاسم بن ابو محمد الحسن اور ان کی اولاد کا ذکر کیا ہے اب ان کے بقیہ لڑکوں کے

بارے میں ذکر کیا جاتا ہے۔

(۲) علی سدید بن ابو محمد الحسن بن زید بن حسن مجتبیٰ بن علی بن ابی طالب

علی سدید کی کنیت ابوالحسن ہے اور ان کی ماں ام ولد ہے علی سدید کا بیٹا عبداللہ تھا اور عبداللہ کی ماں بھی ام ولد تھی اور عبداللہ کا بیٹا عبدالعظیم السید الزاہد تھا اس کی قبر ابے شہر کی مسجد شجرہ میں ہے اور لوگ اس کی زیارت کے لیے آتے ہیں اور آگے عبدالعظیم کا بیٹا محمد بن عبدالعظیم ہے اور محمد بہت بڑا زاہد اور پرہیز گار تھا اس کی آگے نسل نہیں چلی اور عبداللہ بن علی سدید کا ایک اور بیٹا احمد تھا اس کی نسل سے ابو محمد القاسم بن الحسین ذنقیب کوفہ) بن القاسم بن احمد بن عبداللہ بن علی سدید تھے ان کی اولاد کو سبجیون کہا جاتا ہے۔ یہ کوفہ میں ایک محلہ سبجیہ ہے اس کی طرف منسوب ہیں۔

اور سدید کا ایک اور بیٹا شجاع تھا جس کی نسل سے مشہور و معروف ولی کامل حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری بھی ہیں۔ ان کا نسب یہ ہے علی بن عثمان بن علی بن عبدالرحمان بن شجاع بن ابوالحسن علی سدیدی بن ابو محمد الحسن بن زید بن حسن مجتبیٰ بن علی بن ابی طالب، جن کا مزار اقدس لاہور (پاکستان) میں مرجع خلائق ہے۔

(۳) زید بن ابو محمد الحسن بن زید بن حسن مجتبیٰ بن علی بن ابی طالب

زید بن ابو محمد الحسن کی کنیت ابو طاہر ہے ان کا بیٹا طاہر تھا۔ طاہر کی ماں

کا نام اسماء بنت ابراہیم مخزومیہ ہے اور طاہر کے دو بیٹے تھے (۱) علی (۲) محمد اور طاہر کی نسل محمد سے چلی ہے ان کی زیادہ تر اولاد بصرہ میں رہتی تھی۔

(۴) ابراہیم بن ابو محمد الحسن بن زید بن حسن مجتبیٰ بن علی بن ابی طالب

ابراہیم کی کنیت ابو اسحاق ہے ان کی ماں ام ولد ہے۔ ابراہیم کا لڑکا ابراہیم ہے اور ابراہیم بن ابراہیم کے دو بیٹے تھے (۱) حسن (۲) محمد، اور حسن کا لڑکا محمد تھا جو کہ نصیبین میں اقامت پذیر تھا اور محمد بن حسن کا بیٹا طاہر تھا اور طاہر کا بیٹا داؤد تھا اور داؤد کے دو بیٹے تھے (۱) محمد بن داؤد (۲) اور احمد بن داؤد ان دونوں کی آگے نسل جاری ہے۔ اور محمد بن ابراہیم بن ابراہیم کے دو بیٹے تھے (۱) حسن (۲) علی۔ ان دونوں کی بھی آگے نسل جاری ہے۔

(۵) عبداللہ بن ابو محمد الحسن بن زید بن حسن مجتبیٰ بن علی بن بن ابی طالب

عبداللہ کی کنیت ابو زید ہے ان کی والدہ ام ولد ہے ان کی والدہ کا نام خزیدہ ہے عبداللہ کے پانچ بیٹے تھے (۱) علی (۲) الحسن (۳) محمد (۴) زید (۵) اسحاق۔ ان میں سے صرف زید کی اولاد ہے اور زید بن عبداللہ کے چار بیٹے تھے (۱) محمد (۲) علی (۳) حسن (۴) عبداللہ۔ ان چاروں کی ماں علویہ ہے ان میں سے محمد کی اولاد حجاز میں تھی اور بعض علماء نسابین نے اسحاق بن عبداللہ کی اولاد کا بھی ذکر کیا ہے۔

❖

(۶) اسحاق بن ابو محمد الحسن بن زید بن حسن مجتبیٰ بن علی بن ابی طالب

علامہ ابو نصر بخاری نسابہ نے کہا ہے کہ اسحاق بن ابو محمد کو کبی کہتے تھے کیونکہ ان کی آنکھوں پر سفیدی تھی۔ ان کی کنیت ابو الحسن تھی ان کی ماں ام ولد ہے ان کے تین لڑکے تھے (۱) حسن بن اسحاق (۲) حسین بن اسحاق (۳) ہارون بن اسحاق۔ ان میں سے حسن بن اسحاق کا ایک بیٹا تھا جو کہ ملک مغرب میں رہتا تھا اور اس کی اولاد مغرب میں ہی آباد ہو گئی تھی اور حسین بن اسحاق کی اولاد کے بارے میں علم نہیں ہو سکا اور ہارون بن اسحاق کا بیٹا جعفر تھا اور جعفر کے تین لڑکے تھے ان کی اولاد طبرستان اور آمل میں اقامت پذیر تھی۔

(۷) اسماعیل بن ابو محمد الحسن بن زید بن حسن مجتبیٰ بن علی بن ابی طالب

یہ ابو محمد الحسن کے تمام بیٹوں سے چھوٹے ہیں ان کی کنیت ابو محمد ہے ان کی ماں ام ولد ہے اسماعیل کے دو بیٹے تھے (۱) محمد (۲) علی۔ ان دونوں کی اولاد کثیر ہے اور نسل جاری ہے پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے بارہ بیٹوں سے اس وقت دنیا میں صرف دو بیٹوں حضرت زید اور حسن مثنیٰ سے نسل جاری ہے حضرت زید اور ان کی اولاد کے ذکر کے بعد اب حسن مثنیٰ اور ان کی اولاد کا ذکر کیا جاتا ہے۔

❖

(۸) حضرت حسن مثنیٰ بن حسن مجتبیٰ بن علی بن ابی طالب (علیہ السلام)

حضرت حسن کے والد ماجد سبط رسول امام حسن بن علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (قریش) ہیں اور آپ کی والدہ خولہ بنت منظور بن زبان بن سیار بن عمرو بن جابر بن عقیل بن سمی بن مازن بن فزارہ بن ذبیان بن بغیض بن ریث بن غطفان بن سعد بن قیس عیلان بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان ہے۔ حضرت امیرالمومنین علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ تعالےٰ وجہہ کے صدقات کا انتظام حضرت حسن مثنیٰ المتوفی ۹۷ھ کے ذمہ تھا آپ میدان کربلا میں تشریف لے گئے تھے۔ جنگ میں سخت زخمی ہو گئے تھے اختتام جنگ کے بعد ان کو سسکتے ہوئے دیکھا گیا تو اسماء بن خارجہ بن عیینہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر فزاری ان کو اٹھا کر اپنے گھر لے گئے اور ان کا علاج کیا یہ ٹھیک ہو گئے اور امام حسین علیہ السلام کی بیٹی فاطمہ ان کے نکاح میں تھی جس سے ابراہیم الغمر، اور حسن مثلث، اور عبداللہ المحض پیدا ہوئے۔ یہ تینوں طرفین سے فاطمی ہیں اور حسن مثنیٰ کے دو بیٹے اور بھی تھے داؤد اور جعفر یہ دونوں رومیہ عورت سے تھے جن کا نام حبیبہ تھا۔ غرضیکہ حضرت مثنیٰ کے پانچ بیٹے تھے۔

ابراہیم الغمر بن حسن مثنیٰ بن حسن مجتبیٰ بن علی بن ابی طالب

حضرت ابراہیم کی کنیت ابو اسماعیل ہے اور غمر لقب ہے اور یہ لقب اس بنا پر ہے کہ آپ بہت سخی تھے اور غمر کا معنے سخی ہوتا ہے اور ابراہیم الغمر المتوفی ۱۴۵ھ کے چار بیٹے تھے (۱) اسماعیل بن ابراہیم الغمر (۲) اسحاق

بن ابراہیم الغمر (۳) علی بن ابراہیم الغمر (۴) محمد بن ابراہیم الغمر، ان میں سے محمد بن ابراہیم الغمر کو عباسی حکومت نے زندہ دفن کر دیا تھا اور اس کی آگے نسل نہیں چلی اور اسحاق بن ابراہیم الغمر کا بیٹا عبداللہ تھا اس کو نخ کے مقام پر قتل کیا گیا تھا عبداللہ کی آگے اولاد لاپتہ ہے اور علی بن ابراہیم الغمر کا بیٹا حسن تھا اور اس کی اولاد کا بھی علم نہیں ہو سکا اور اسماعیل بن ابراہیم الغمر کو منصور عباسی نے قتل کر دیا تھا اور اسماعیل بن ابراہیم الغمر کے دو بیٹے تھے (۱) الحسن (التج) بن اسماعیل (۲) ابراہیم طبا طبا بن اسماعیل۔ اور الحسن التج کی کنیت ابوعلی ہے ان کو ہارون الرشید نے قید میں رکھا جب مامون رشید کی حکومت ختم ہوئی تو ان کو رہائی ملی اور الحسن التج کا بیٹا بھی الحسن التج تھا ان کی اولاد کو بنوالتج کہا جاتا ہے اور الحسن التج بن الحسن التج کی اولاد سے ایک ابوجعفر محمد التج ہے اس کی اولاد مصر میں رہائش پذیر تھی اور دوسرا ابوالقاسم علی المعروف با بن معیہ ہے اور ابوالقاسم علی کی ماں معیہ ہے اور معیہ کا سلسلہ نسب یہ ہے معیہ بنت محمد بن حارثہ بن معاویہ بن اسحاق بن زید بن حارثہ بن عامر بن مجمع بن العطاف بن صبیہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن الاوس ہے اور معیہ کوفہ کی رہنے والی تھی اور ابوالقاسم علی المعروف ابن معیہ کے تین بیٹے تھے (۱) ابوجعفر محمد النسابہ صاحب (المبسوط) ہے اس کی آگے نسل نہیں چلی۔ اس سے علم نسب شیخ الشرف العبیدلی نے حاصل کیا ہے (۲) ابوطاہر الحسن اس کی اولاد کثرت سے کوفہ میں تھی (۳) ابوعبداللہ الحسین الخطیب اس کے دو بیٹے تھے (۱) ابوالقاسم علی (۲) ابواحمد عبدالعظیم، اور ابوالقاسم علی کے دو بیٹے تھے (۱) ابوعبداللہ محمد (۲) ابوعبداللہ الحسین القیومی اور ابوعبداللہ محمد کا بیٹا ابوالطیب الحسن تھا جس کو بنو اسد نے قتل کیا تھا اور ابوعبداللہ الحسین القیومی

کا بیٹا ابوالطیب محمد تھا اور ابوالطیب محمد کا ابو عبداللہ الحسین قصری تھا یہ ابن ہبیرہ کے محل اور قصر میں آتا تھا لہٰذا اس کو قصری کہا جانے لگا۔ اس قصری کی اولاد سے ابوالحسن علی قصری تھا جس کو احمد بن عمار عبیدلی نے قتل کیا تھا اور ابوالحسن علی قصری کی اولاد سے بنو بدیوی تھے اور بنو بدیوی سے ابو عبداللہ محمد البدیوی بن ابی المعالی صبغۃ اللہ بن ابی الحسن علی قصری تھے ان کی اولاد عراق میں موجود ہے۔ ہم نے ذکر کیا ہے کہ اسماعیل بن ابراہیم الغمر کے دو بیٹے تھے ایک حسن التیج ان کا اور ان کی اولاد کا ذکر ہو چکا ہے اور دوسرے ابراہیم کو طبا طبا اس لیے کہتے ہیں کہ طبا طبا کا معنے سردار ہے اور یہ سادات کے سردار تھے، اور ابراہیم طبا طبا کے پانچ بیٹے تھے (۱) عبداللہ بن ابراہیم طبا طبا (۲) محمد بن ابراہیم طبا طبا (۳) الحسن بن ابراہیم طبا طبا (۴) احمد بن ابراہیم طبا طبا (۵) القاسم الرسی بن ابراہیم طبا طبا۔

ان میں سے عبداللہ بن ابراہیم طبا طبا کا بیٹا احمد تھا احمد کو ۲۷۰ھ میں مصر میں احمد بن طولون نے قتل کر دیا تھا۔ اس احمد اور اس کے باپ عبداللہ کی آگے نسل نہیں چلی ہے اور محمد بن ابراہیم طبا طبا کی کنیت ابوعبداللہ تھی یہ زیدیہ کے امام تھے انہوں نے مامون الرشید کے زمانہ میں ابوالسرایا السری بن منصور الشیبانی کے ساتھ مل کر کوفہ میں خروج کیا تھا پھر ابوالسرایا نے ان کو زہر دے دیا یہ ۱۹۹ھ میں فوت ہو گئے اس کی اولاد سے محمد بن الحسین بن جعفر بن محمد بن ابراہیم طبا طبا حبشہ کی طرف نکلا اور اس کے بارے میں پھر علم نہیں ہو سکا اور اس کی نسل سے محمد بن جعفر بن محمد بن ابراہیم طبا طبا بھی تھے۔ ان کو کرمان میں قتل کیا گیا اور قاتلوں نے ان کو دار (سولی) پر لٹکا دیا جب سولی پر لٹکایا تو زلزلہ شروع ہو گیا۔ چالیس دن برابر

زلزلہ رہا جب ان کا جسم پاک سولی سے اتارا تو زلزلہ ختم ہوا آگے ان کی نسل ختم ہو گئی اور ابراہیم طبا طبا کی نسل صرف تین بیٹوں یعنی حسن، احمد، القاسم سے چلی ہے اور حسن بن ابراہیم طبا طبا کے دو بیٹے تھے (۱) علی (۲) احمد مصری اور علی بن حسن بن ابراہیم طبا طبا کی اولاد سے ابو محمد الحسن بن علی بن محمد بن احمد بن علی بن حسن بن ابراہیم طبا طبا تھے ان کی آگے اولاد مصر بھی رہائش پذیر تھی اور احمد مصری کے چار بیٹے تھے (۱) ابو الحسن محمد الصوفی (۲) ابو الحسن محمد شجاع (۳) ابو جعفر محمد الرئیس (۴) ابو علی محمد، ان کی اولاد مصر میں موجود تھی اور احمد بن ابراہیم طبا طبا اس کی کنیت ابو عبداللہ ہے اور لقب الرئیس ہے، اس کے دو بیٹے تھے (۱) ابو جعفر محمد بن احمد (۲) ابو اسماعیل ابراہیم بن احمد ان کی نسل جاری ہے۔ اور ابو القاسم الرسی بن ابراہیم طبا طبا کی کنیت ابو محمد ہے ان کو الرسی اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ جبل الرس میں اترے تھے۔ یہ بہت بڑے عابد، زاہد اور شریف النفس تھے ان کی تصانیف بھی ہیں۔ ان کے سات بیٹے تھے (۱) یحیٰی العالم الرئیس (۲) الحسن (۳) اسماعیل (۴) سلیمان (۵) الحسین السید الجواد (۶) ابو عبداللہ محمد (۷) موسیٰ، ان میں سے یحیٰی عالم الرئیس رملہ میں اقامت پذیر تھے اور ان کی اولاد بھی یہیں رملہ میں تھی اور الحسن مدینہ منورہ میں رہتے تھے اور ان کی اولاد بھی مدینہ منورہ میں رہتی تھی اور اسماعیل اور ان کی اولاد مصر میں تھی اور سلیمان اور ان کی اولاد بصرہ میں رہائش پذیر تھی اور الحسین السید الجواد ان کی کنیت ابو عبداللہ تھی یہ سردار اور بہت بڑے سخی تھے ان کے دو بیٹے تھے (۱) ابو الحسین یحیٰی الہادی (۲) ابو محمد عبداللہ السید العالم ان دونوں بھائیوں کی ماں فاطمہ بنت الحسن بن محمد بن سلیمان بن داؤد بن

الحسن المثنیٰ بن حسن مجتبیٰ بن علی بن ابی طالب تھیں اور ابوالحسین یحییٰ الھادی بن الحسین السید الجواد بن ابوالقاسم الرسی یہ زیدیہ کے امام تھے بہت بڑے بہادر، پرہیزگار، زاہد، عابد مصنف اور شاعر تھے اور ان کا لقب ہادی الی الحق ہے اور یہ صوف کا لباس پہنا کرتے تھے، اور علم فقہ میں ان کی متعدد تصانیف ہیں ان کا مسلک فقہ حنفی کے قریب تر ہے اور ۲۹۸ھ معتضد عباسی کے دور حکومت میں ان کا یمن میں ظہور ہوا تھا آپ کی اولاد زیدیہ کے امام اور یمن کے بادشاہ تھے۔ یحییٰ الھادی کے تین بیٹے تھے (۱) الحسن العنیلی یہ جبل (پہاڑ) نیل کی طرف منسوب ہیں جو صعدہ کے مقام میں ہے (۲) ابوالقاسم المرتضیٰ المتوفی ۳۱۵ھ یہ اپنے والد یحییٰ ہادی کے بعد قائم مقام ہوئے ان کی نسل اور اولاد کثیر تھی (۳) احمدالناصر المتوفی ۳۲۲ھ یہ اپنے بھائی ابوالقاسم محمد المرتضیٰ کے بعد اپنے والد یحییٰ ہادی کے قائم مقام ہوئے۔ نیز امامت ان کی اولاد میں رہی اور یہ حلب میں اقامت پذیر رہے۔ اور کچھ ان میں سے اھواز اور واسط اور خوزستان میں چلے گئے اور ابوعبداللہ محمد بن ابوالقاسم الرسی بن ابراہیم طباطبا کے تین بیٹے تھے (۱) ابراہیم (۲) عبداللہ شیخ (۳) ابومحمد القاسم، ان تینوں کی اولاد کثیر تھی اور یہ شیراز میں موجود تھے، اور موسیٰ بن ابوالقاسم الرسی بن ابراہیم طباطبا یہ اور ان کی اولاد مصر میں اقامت پذیر تھے۔

ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ حسن مثنیٰ بن حسن مجتبیٰ بن علی بن ابی طالب کے پانچ بیٹے تھے جن میں سے ابراہیم الغمر کے بعد دوسرے بیٹوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

❖

(۲) حسن مثلث بن حسن مثنیٰ بن حسن مجتبیٰ بن علی بن ابی طالب

حسن مثلث المتوفی ۱۴۵ھ کے چند بیٹے تھے جن میں ایک ابوالحسن علی عابد تھے یہ بہت پرہیز گار تھے ان کو منصور عباسی نے قید کردیا تھا یہ قید میں عالت سجدہ میں ہی فوت ہو گئے تھے۔ علی عابد کے ایک بیٹے حسین بن علی عابد تھے ان کو بھی مقام فخ میں ۱۷۰ھ میں شہید کردیا گیا تھا ان کی آگے کوئی اولاد نہیں تھی اور علی عابد کے ایک دوسرے بیٹے حسن بن علی عابد تھے اور حسن بن علی عابد کے بیٹے عبداللہ تھے اور عبداللہ کے بیٹے ابوالزوائد تھے اور ابوالزوائد کی اولاد حجاز، عراق وغیرہ میں پھیلی ہوئی تھی۔ غرضیکہ حسن مثلث کی اولاد قلیل تھی۔

(۳) جعفر بن حسن مثنیٰ بن حسن مجتبیٰ بن علی بن ابی طالب

حضرت جعفر بن حسن مثنیٰ کی کنیت ابوالحسن ہے آپ سردار، بلیغ، فصیح تھے۔ آپ بنو ہاشم کے خطباء میں سے تھے آپ کو منصور عباسی نے گرفتار کیا پھر چھوڑ دیا یہ مدینہ منورہ میں ۱۳۸ھ میں فوت ہو گئے ان کا بیٹا حسن بن جعفر تھا اور حسن بن جعفر کے تین بیٹے تھے (۱) عبداللہ (۲) جعفر الغدار (۳) محمد سیلق بعض علماء نسابین اس کو سلیق (بروزن امیر) لکھا ہے۔ ان میں سے عبداللہ بن حسن کا بیٹا عبیداللہ تھا اس کو مامون الرشید عباسی نے کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا اور عبیداللہ گورنر کے چار بیٹے تھے (۱) ابوجعفر محمد الادرع (۲) ابوالحسن علی باغر (۳) ابوسلیمان محمد (۴) ابوالفضل محمد، ان میں سے ابوجعفر محمد الادرع کو ادرع اس لیے کہتے ہیں کہ انہوں نے شیر کے

ساتھ مقابلہ کیا اور شیر کو مار دیا بایں وجہ ان کو دارع کہا گیا یہ کوفہ میں فوت ہوئے اور کناسہ میں ان کو دفن کیا گیا ان کی اولاد کوفہ، خراسان ۔ اور ماوراالنہر میں تھی اور ابوالحسن علی باغر کو باغر اس لیے کہتے ہیں کہ متوکل عباسی کا ایک غلام باغر ترکی تھا جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا اور ابوالحسن علی نے اس کو شکست دی لہٰذا لوگوں نے ان کو باغر کہنا شروع کر دیا۔ اور ابوالحسن علی باغر کے چار بیٹے تھے (۱) ابو علی عبیداللہ (۲) ابوالفضل محمد (۳) ابوہاشم محمد (۴) ابوالحسن علی، ان چاروں کی اولاد بصرہ، نصیبین، اصفہان وغیرہ میں موجود تھی۔ اور ابوسلیمان محمد بن عبیداللہ گورنر کا بیٹا علی ہے اور علی کے بیٹے محمد اور احمد تھے اور ان دونوں کی اولاد فارس کے علاقہ میں رہائش پذیر تھی اور ابوالفضل محمد بن عبیداللہ گورنر کی اولاد طبرستان میں اقامت پذیر ہو گئی تھی۔

(۴) داؤد بن حسن مثنیٰ بن حسن مجتبیٰ بن علی بن ابی طالب

داؤد بن حسن مثنیٰ کی کنیت ابوسلیمان تھی داؤد کا بیٹا سلیمان تھا اور سلیمان کی والدہ کا نام ام کلثوم بنت امام زین العابدین علی بن حسین بن علی بن ابی طالب ہے اور سلیمان کا بیٹا محمد بن سلیمان تھا اور محمد بن سلیمان کے چار بیٹے تھے (۱) موسیٰ (۲) داؤد (۳) اسحاق (۴) الحسن ان میں سے موسیٰ کے چند بیٹے تھے جن سے نسل چلی ہے اور داؤد بن محمد بہت سخی تھے ان کی اولاد اتنی زیادہ نہیں تھی اور اسحاق بن محمد کی اولاد مصر میں اقامت پذیر تھی اور الحسن بن محمد کے دو لڑکے تھے (۱) اسحاق بن الحسن (۲) ابراہیم بن الحسن اور اسحاق بن الحسن کی اولاد حجاز کے علاقہ میں رہائش پذیر تھی اور اس اسحاق بن الحسن کی اولاد سے ابوعبداللہ محمد طاؤس تھے ان کو طاؤس اس لیے کہتے تھے

کر یہ بہت خوبصورت تھے طاؤس کی اولاد پہلے مدینہ منورہ میں رہتی تھی پھر بغداد میں منتقل ہوگئی تھی۔ اور طاؤس کی اولاد سے السید الزاہد سعد الدین ابو ابراہیم موسیٰ بن جعفر بن محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن محمد طاؤس تھے اور اس السید الزاہد سعد الدین کے چار بیٹے تھے (۱) شرف محمد المتوفی ۶۵۶ھ (۲) عز الدین الحسن المتوفی ۶۵۴ھ (۳) ابو الفضائل جمال الدین احمد المتوفی ۶۷۳ھ (۴) رضی الدین ابو القاسم المتوفی ۶۶۴ھ آگے جا کر ان کی نسل ختم ہوگئی ہے۔

(۵) عبداللہ المحض بن حسن المثنیٰ بن حسن مجتبیٰ بن علی بن ابی طالب

حضرت عبداللہ المحض کو محض اس لیے کہتے ہیں کہ ان کے والد گرامی حسن بن حسن مجتبیٰ ہیں اور ان کی والدہ فاطمہ بنت حسین ہیں اور ان کی شکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھی اور اپنے زمانہ میں بنو ہاشم کے شیخ اور بزرگ اور سردار تھے۔ آپ بہت بڑے جرارت مند اور بہادر تھے۔ جناب عبداللہ المحض کے بیٹوں کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

(۱) محمد نفس ذکیہ یہ مدینہ منورہ میں قائم تھے۔

(۲) ابراہیم یہ بصرہ میں قائم تھے۔

(۳) موسیٰ الجون ان تینوں کی والدہ ہند بنت ابی عبیدہ بن عبداللہ بن ربیعہ بن اسود بن المطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (قریش) ہیں۔

(۴) یحییٰ یہ دیلم میں قائم تھے۔ حضرت یحییٰ کی والدہ قریبہ بنت رکیح بن ابی عبیدہ بن عبداللہ بن ربیع بن اسود بن المطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ

بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (قریش) ہیں۔

(۵) سلیمان

(۶) ادریس ان دونوں کی والدہ عائشہ بنت عبدالملک مخزومیہ ہے اور سلیمان کو مقام فخ میں قتل کیا گیا تھا اور ادریس مغرب میں قائم تھے۔

(۷) عیسٰے اور عیسٰے کی آگے کوئی اولاد نہیں ہے اور محمد نفس ذکیہ اور ابراہیم اور یحییٰ کی اولاد قلیل ہے باقی ادریس، سلیمان اور موسیٰ الجون کی نسل کثیر ہے۔ تفصیل ملاحظہ کیجیے۔

(۱) امام محمد نفس ذکیہ:

محمد نفس ذکیہ نے خلافت کا دعویٰ کیا تھا اور امام مالک المتوفی ۱۷۹ھ نے ان کی حمایت میں فتویٰ دیا تھا اور امام ابوحنیفہ المتوفی ۱۵۰ھ نے بھی ان کی حمایت میں فتویٰ دیا تھا۔ منصور عباسی نے محمد نفس ذکیہ کے مقابلہ میں عیسٰے بن موسیٰ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کو چار ہزار لشکر کے ساتھ روانہ کیا سخت مقابلہ ہوا۔ ۱۴۵ھ ۱۴ رمضان کو محمد نفس ذکیہ شہید ہوگئے اور آپ کی عمر ۵۲ سال تھی اور آپ کی قبر شریف جنت البقیع میں ہے (شذرات الذہب ص۲۱۳ ج ۱) اور محمد نفس ذکیہ کے بیٹے عبداللہ اشتر تھے یہ سندھ کی طرف چلے گئے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت سے یہ پہلے شخص تھے جن کے قدوم میمنت لزوم کی زیارت سے ارض ہند سعادت اندوز ہوئی یہ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ حدیث وفقہ کی تعلیم اپنے عظیم القدر باپ محمد نفس ذکیہ سے حاصل کی یہ عباسی خلیفہ منصور کے ایام حکومت میں وارد سندھ ہوئے اس زمانے میں منصور کی طرف سے

عمر بن حفص عتکی علاقہ سندھ کے منصب گورنری پر متمکن تھا۔ حضرت عبداللہ اشتر کے ورود سندھ کی وجہ یہ ہے کہ والی سندھ عمر بن حفص عتکی حکومت عباسی کے ان سرکردہ افراد میں سے تھا جو ان کے والد محمد نفس ذکیہ سے بیعت تھے اور ان سے ہمدردانہ تعلق رکھتے تھے، محمد نفس ذکیہ نے منصور عباسی کے خلاف خروج کیا تو اپنے اس بیٹے (عبداللہ اشتر) کو بصرہ بھیجا یہ اور ان کے ساتھی بصرہ آئے پھر بصرہ سے بحری راستہ عمر بن حفص کے پاس سندھ پہنچے، عبداللہ تو کہیں چھپ گئے لیکن ان کے ساتھی عمر بن حفص سے ملے۔ ان کے پاس گھوڑے تھے جو انہوں نے بصرہ سے خریدے تھے۔ عمر نے ان کو گھوڑے لانے کا حکم دیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم تمہارے پاس ایسی چیز لائے ہیں جو ان گھوڑوں سے زیادہ بہتر ہے اور جس میں تیرے لیے دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے ہم تم سے امان کے طالب ہیں یا تو وہ چیز قبول کر لو اور یا اسے چھپا لو اور ہمیں کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ اور اگر تم کہو گے تو ہم تمہارے اس ملک سے نکل جائیں گے۔ عمر بن حفص نے ان کو امان دے دی تو انہوں نے اپنی آمد کا پورا واقعہ بیان کیا اور عبداللہ بن محمد نفس ذکیہ کے بارے میں ساری بات سنا دی اور کہا کہ ان کے والد محمد نفس ذکیہ نے ان کو تمہارے پاس بھیجا ہے۔

عمر بن حفص نے اس پر خوشی کا اظہار کیا، ان سب کو خوش آمدید کہا اور عبداللہ بن نفس ذکیہ کو کسی خفیہ طریقہ سے کسی جگہ رکھا خود ان کی بیعت کی شہر کے سرکردہ لوگوں اور اپنے اہل خانہ کو بھی بیعت کے لیے کہا سب لوگ ان کے حلقہ بیعت میں شامل ہو گئے تو عمر بن حفص کی بیوی نے اپنے شوہر کو اطلاع دی کہ عبداللہ کے والد محمد نفس ذکیہ کو منصور کے خلاف خروج کے نتیجے میں قتل کر دیا گیا ہے۔ عمر بن حفص کو اس کا بابت افسوس ہوا وہ عبداللہ کے

پاس گیا ان کو والد کے قتل کی خبر پہنچائی اور اظہارِ تعزیت کیا۔ باپ کے قتل کی خبر سے عبداللہ بہت غم ناک ہو گئے اور عمر بن حفص کو کہا کہ میرا معاملہ لوگوں پر ظاہر ہو چکا ہے۔ اب میرا خون تیری گردن پر ہے، یہ قصہ بہت طویل ہے مختصر یہ کہ عمر بن حفص عبداللہ کو سندھ کے ایک علاقہ کے ایسے حکمران کے پاس بھیج دیا جو بہتر کردار کا حامل اور دبدبہ و رعب کا مالک تھا وہ عبداللہ سے تکریم سے پیش آیا اور ان کی بڑی عزت کی اور عبداللہ کے حالات کا علم منصور کو ہوا تو اس نے عمر بن حفص کو خط لکھا اور عبداللہ کے معاملہ کی وضاحت طلب کی، عمر بن حفص نے جواب دیا اس سے منصور کی تسلی نہ ہوئی اور اس نے ہشام بن عمرو تغلبی کو سندھ کا والی مقرر کر دیا۔ منصور نے عبداللہ کو گرفتار کرنا چاہا مگر ہشام نے گرفتار نہ کیا۔ البتہ ہشام نے اس سردار کو خط لکھا جس کے پاس عبداللہ نے پناہ حاصل کی ہوئی تھی، منصور کو اس سلسلے کی تمام خبریں موصول ہو رہی تھیں۔ اچانک ایک روز ہشام کو خبر ملی کہ سندھ کے ایک علاقے میں حکومت کے خلاف گڑبڑ شروع ہے۔ ہشام نے اس پر قابو پانے کے لیے اپنے بھائی سفیح بن عمرو تغلبی کی سرکردگی میں ایک فوجی دستہ روانہ کیا راستے میں دریائے سندھ کے کنارے پر اس فوجی دستہ کی عبداللہ بن محمد نفس ذکیہ اور ان کے ساتھیوں سے مڈبھیڑ ہو گئی، معاملہ لڑائی تک پہنچا عبداللہ اور ان کے ساتھی قتل ہو گئے، ہشام بن عمرو نے منصور کو اس واقعہ کی اطلاع دی نیز عبداللہ کے بیٹے محمد کو بھی منصور کے پاس بغداد بھیج دیا، یہ واقعہ ۱۵۱ھ کا ہے (تاریخ کامل ابن اثیر) اور محمد بن عبداللہ بن نفس ذکیہ کے پانچ بیٹے تھے (۱) طاہر بن محمد (۲) علی بن محمد (۳) احمد بن محمد (۴) ابراہیم بن محمد (۵) الحسن الاعور، ان میں طاہر اور علی دونوں کی آگے جا کر نسل ختم ہو گئی ہے اور احمد کی نسل منفی

اور مستور ہوگئی اور ابراہیم کی اولاد و نسل طبرستان اور جرجان میں موجود تھی اور الحسن الاعور بنو ہاشم میں سے بہت بڑا سخی تھا اس کو ۲۵۱ھ میں جنوطی نے قتل کر دیا تھا اور الحسن الاعور کے پانچ بیٹے تھے (۱) ابوجعفر محمد یہ کوفہ میں نقیب تھے (۲) ابوعبداللہ الحسین یہ بھی کوفہ میں اپنے بھائی کے بعد نقیب تھے (۳) ابومحمد عبداللہ (۴) القاسم (۵) ابوالعباس احمد، اور ان میں سے ابوجعفر کی اولاد واسط میں اور ابوعبداللہ الحسین کی اولاد کوفہ میں تھی اور ابومحمد عبداللہ کی اولاد خراسان، آمل اور استر آباد میں اور قاسم کی اولاد طبرستان میں اور ابوالعباس احمد کی اولاد جرجان میں تھی۔

(۲) ابراہیم بن عبداللہ المحض :

امام ابراہیم بن عبداللہ المحض کا ظہور ۱۴۵ھ میں بصرہ میں ہوا آپ نے خلافت کا دعویٰ کیا بڑے بڑے محدثین اور علمائے امت نے آپ کی بیعت کی ان میں سے چند کے اسماء گرامی درج ذیل ہے۔

۱۔ بشیر الرحال (۲) اعمش سلیمان (۳) یزید بن ہارون (۴) عیسٰی بن یونس (۵) مفضل بن محمد (۶) سعید بن الحافظ (۷) امام اعظم ابوحنیفہ (۸) عباد بن عوام وغیرہم نیز امام ابوحنیفہ نے یہ فتویٰ جاری کیا کہ امام ابراہیم کا خروج مبنی برحق ہے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ آپ کا ساتھ دیں۔ چنانچہ آپ کے پاس ایک جوان آیا اس نے امام ابراہیم کے خروج کے بارے میں پوچھا تو امام ابو حنیفہ نے اس کو کہا کہ تم ضرور امام ابراہیم کا ساتھ دو، چنانچہ وہ امام ابراہیم کے ساتھ جنگ میں چلا گیا اور شہید ہوگیا اس کی شہادت کے بعد اس کی ماں ابوحنیفہ کے پاس آئی اور کہنے لگی تم نے میرے بیٹے کو امام ابراہیم کے ساتھ

جنگ میں بھیجا تھا وہ شہید ہو گیا تو ابو حنیفہ نے جواب دیا لیتنی کنت مکان ابنک کاش کہ میں تیرے بیٹے کی جگہ شہید ہو جاتا امام ابو حنیفہ نے اس جنگ کو بدر والی جنگ کا درجہ دیا تھا اور قاضی قتیبہ نے اس کو بدر صغریٰ والا درجہ دیا تھا امام ابراہیم کا یہ خروج منصور عباسی کے خلاف تھا جب دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا تو منصور کی فوج کو فتح ہوئی۔ امام ابراہیم کی شہادت ہوئی۔ آپ کی شہادت ۱۴۵ھ میں ہوئی اور آپ کی عمر ۴۸ سال تھی اور آپ کا سر منصور کے پاس بھیج دیا گیا۔ امام ابراہیم کی نسل صرف آپکے بیٹے حسن بن ابراہیم سے چلی ہے باقی آپکی اولاد منقرض ہوگئی تھی اور حسن بن ابراہیم کی ماں کا نام امامہ بنت عمرو عامریہ ہے جو کہ بنو جعفر بن کلاب کا قبیلہ ہے اور حسن بن ابراہیم کا بیٹا عبداللہ بن حسن ہے اور عبداللہ کی ماں کا نام ملیکہ بنت عبداللہ بن اخیم تیمیہ ہے جو کہ بنو مالک بن حنظلہ کے قبیلہ سے ہے اور عبداللہ بن حسن کے دو بیٹے تھے (۱) ابراہیم ارزق (۲) محمد الاعرابی آگے ان دونوں کی اولاد ینبع، عراق خراسان اور ماوراء النہر میں پھیلی ہوئی ہے۔

(۳) موسیٰ الجون بن عبداللہ المحض بن حسن مثنیٰ بن حسن مجتبیٰ بن علی بن ابی طالب

جناب موسیٰ الجون کی کنیت ابو الحسن ہے چونکہ آپ کا رنگ سیاہ تھا لہٰذا آپ کی ماں (ہند) نے آپ کا لقب جون رکھ دیا۔ آپ عالم، فاضل اور شاعر بھی تھے۔ منصور عباسی نے جب آپ کے خاندان کو گرفتار کیا تو آپ کو سو کوڑے مارے اور کہا کہ تم حجاز کی طرف چلے جاؤ چنانچہ آپ مکہ مکرمہ چلے آئے ایک مرتبہ محمد المہدی بن منصور عباسی المتوفی ۱۶۹ھ حج کرنے کے لیے

یا وہ طواف کر رہا تھا آپ بھی طواف میں تھے آپ نے مہدی بن منصور کو کہا کہ امیر اگر تو مجھے امان دے تو میں تجھے موسیٰ جون کے بارے میں بتاتا ہوں مہدی نے کہا اگر تم بتا دو تو میں تجھے امان دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اللہ اکبر میں ہی موسیٰ بن عبداللہ المحض ہوں مہدی نے کہا کہ کیا یہاں کوئی اولاد ابی طالب سے ہے جو کہ آپ کو پہچانتا ہو فرمایا یہ حسن بن زید ہے یہ موسیٰ بن جعفر ہے یہ حسن بن عبیداللہ بن عباس بن علی ہے، ان تمام نے کہا کہ واقعی یہ موسیٰ بن عبداللہ المحض ہیں۔ حضرت موسیٰ الجون ہارون الرشید المتوفی ۱۹۳ھ کے زمانہ تک زندہ رہے اور مقام سویقہ میں وفات پائی۔ حضرت موسیٰ الجون کے تین بیٹے تھے (۱) محمد بن موسیٰ الجون ان کی اولاد مخفی ہو گئی تھی (۲) ابراہیم بن موسیٰ الجون ان کی آگے اولاد کثیر تھی (۳) عبداللہ الشیخ الصالح الرضا بن موسیٰ الجون۔ ان دونوں یعنی ابراہیم اور عبداللہ کی والدہ کا نام ام سلمہ بنت محمد بن طلحہ بن عبداللہ بن عبدالرحمان بن ابو بکر صدیق ہے اور طلحہ بن عبیداللہ بن عبدالرحمان کی والدہ کا نام عائشہ بنت طلحہ بن عبیداللہ ہے اور عائشہ بنت طلحہ کی ماں کا نام ام کلثوم بنت ابو بکر صدیق ہے اور عبداللہ الشیخ الصالح الرضا کے پانچ بیٹے تھے (۱) سلیمان (۲) احمد مسور (۳) یحییٰ السویقی (۴) صالح (۵) موسیٰ ثانی اور موسیٰ ثانی کے سات بیٹے تھے (۱) ادریس (۲) یحییٰ (۳) صالح (۴) الحسن (۵) علی (۶) محمد الاکبر (۷) داؤد الامیر، اور داؤد الامیر کی والدہ کا نام محبوبہ بنت مزاحم الکلابیہ ہے، یہ داؤد بہت بڑے بزرگ اور امیر تھے اور داؤد الامیر کے تین بیٹے تھے (۱) موسیٰ ان کی نسل آگے جا کر ختم ہو گئی تھی (۲) حسن ان کی نسل جاری ہے (۳) محمد اور ان تینوں بھائیوں کو ابن رومیہ کہا جاتا ہے ان کی ماں ام ولد رومیہ تھیں اور محمد بن داؤد الامیر کے

بیٹے یحییٰ زاہد تھے اور یحییٰ الزاہد کے بیٹے عبداللہ تھے اور عبداللہ کے بیٹے ابوصالح موسیٰ تھے اور ابوصالح موسیٰ کے بیٹے شیخ عبدالقادر جیلانی تھے، علامہ شعرانی المتوفی سنہ ۹۷۳ھ نے طبقات کبریٰ ص۱۲۷ ج ۱ میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا سلسلہ نسب درج ذیل ذکر کیا ہے۔

سیّد عبدالقادر جیلانی

بن

سیّد ابوصالح موسیٰ

بن

سیّد عبداللہ

بن

سیّد یحییٰ الزاہد

بن

سیّد محمد

بن

سیّد داؤد الامیر

بن

سیّد موسیٰ ثانی

بن

سیّد عبداللہ

بن

سیّد موسیٰ الجون

بن

سید عبداللہ المحض

بن

سید حسن مثنیٰ

بن

سیدنا سبط الرسول حسن مجتبیٰ

بن

سیدہ فاطمۃ الزہراء (زوجہ علی بن ابی طالب

بنت

محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ ۴۷۱ھ میں قصبہ گیلان (ایران) میں پیدا ہوئے آپ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی ام الخیر فاطمہ ہے جن کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ ام الخیر فاطمہ بنت سید عبداللہ صومعی بن سید ابو جمال بن سید محمد بن سید محمود بن سید عبداللہ بن سید کمال الدین عیسٰے بن سید ابو علاؤالدین محمد الجواد بن سید علی الرضا بن سید موسیٰ کاظم بن سید امام جعفر صادق بن سید امام باقر بن سیدنا امام زین العابدین علی بن سیدنا امام حسین شہید کربلا بن سیدنا علی بن ابی طالب۔

ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ حضرت عبداللہ المحض اپنے والد اور والدہ دونوں کی طرف سے فاطمی محض یعنی حسینی اور حسینی ہیں بایں وجہ جو سادات عبداللہ المحض کی اولاد اور نسل سے ہیں وہ اپنے کو اس نسبت اعلیٰ کی وجہ سے حسنی اور حسینی سید کہلاتے ہیں۔ حضرت غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانی بغدادی چونکہ عبداللہ

المحض کی نسل سے ہیں۔ آپ اس نسبت اعلیٰ کی وجہ سے بھی حسنی اور حسینی سید ہیں نیز آپ اپنے والد کی طرف سے حسنی ہیں اور والدہ کی طرف سے حسینی ہیں۔ جیسے کہ آپ کے دونوں جانب کے نسب مذکورسے ثابت ہے تو غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانی بغدادی نسبی طور جیسے کہ حسنی اور حسینی سید ہیں اسی طرح آپ نجیب الطرفین سید ہیں۔ حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی سادات کرام بلکہ تمام اولیاء کرام میں ایک خاص شان اور ممتاز مقام رکھتے ہیں اور آپ کی وفات ۱۱ ربیع الثانی ۵۶۱ھ کو ہوئی اور بغداد میں دفن ہو گئے آپ کی مزار اقدس مرجع تمام خلائق ہے۔ آپ نے اپنے پیچھے درج ذیل بیٹے چھوڑے ہیں (۱) سید عبدالوہاب (۲) سید عبدالرزاق (۳) سید عیسٰے (۴) سید ابراہیم (۵) سید عبدالعزیز (۶) سید یحیٰی (۷) سید عبدالجبار (۸) سید موسٰی (۹) سید محمد (۱۰) سید عبداللہ اور ان کے کچھ حالات لکھے جاتے ہیں۔

(۱) سید عبدالوہاب بن سید عبدالقادر جیلانی:

سید عبدالوہاب ۵۲۳ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ حضرت غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانی کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے اور آپ کا اسم گرامی عبدالوہاب ہے، اور سیف الدین لقب ہے۔ آپ نے اپنے والد گرامی سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور حدیث کی بھی سماعت کی۔ پھر بلخ، بخارا اور عجم کے دور دراز علاقوں سے علوم ظاہری کی تکمیل کی پھر اپنے والد گرامی کے زیر نگرانی مدرسہ میں درس دینا شروع کیا والد ماجد کے انتقال کے بعد وعظ وافتاء کا سلسلہ بھی شروع کر دیا آپ کے شاگردوں میں بڑے بڑے نامی گرامی علماء ہوئے ہیں جن میں سے شریف الحسینی بغدادی اور احمد بن واسع وغیرہ ہو گئے ہیں۔ علامہ ابن رجب نے طبقات میں

لکھا ہے کہ آپ بہترین فقیہ، زاہد اور عمدہ واعظ تھے۔ آپ کے والد محترم کی اولاد میں آپ سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہیں ہوا اور آپ نے ۲۵ رشوال ۵۹۳ھ میں وفات پائی، اور ان یعنی سید عبدالوہاب بن سید عبدالقادر جیلانی بغدادی کی اولاد سے نابغہ روزگار مفکر اسلام قبلہ پیر سید عبدالقادر گیلانی (سید حسین شاہ) مدظلہم العالیہ ہیں جن کے نام پر ہم نے اپنی مشہور و معروف کتاب "حسب و نسب" کا انتساب کیا ہے۔ حضرت قبلہ مفکر اسلام سید عبدالقادر جیلانی مدظلہم العالیہ کا سلسلہ نسب درج ذیل ذکر ہے۔

۱۔ مفکر اسلام سید عبدالقادر (حسین شاہ)

بن

۲۔ سید ولایت علی شاہ	۸۔ سید سلطان علی شاہ
بن	بن
۳۔ سید مہتاب علی شاہ	۹۔ سید شاہ محی الدین احمد
بن	بن
۴۔ سید نور حسین شاہ	۱۰۔ سید شمس الدین
بن	بن
۵۔ سید حسنین علی شاہ	۱۱۔ سید شاہ چراغ لاہوری
بن	بن
۶۔ سید امیر علی شاہ	۱۲۔ سید شاہ عبدالوہاب (حاجی الحرمین)
بن	بن
۷۔ سید مردان علی شاہ	۱۳۔ سید شاہ عبدالقادر لاہوری
بن	بن

۱۴۔ سید شاہ محمد غوث بالا پیر
بن
۱۵۔ سید زین العابدین
بن
۱۶۔ سید عبد اللہ
بن
۱۷۔ سید شاہ بن محمد غوث اچی
بن
۱۸۔ سید شمس الدین
بن
۱۹۔ سید محمد
بن
۲۰۔ سید علی
بن
۲۱۔ سید محمود
بن
۲۲۔ سید احمد
بن
۲۳۔ سید عبد السلام صوفی
بن
۲۴۔ سید عبد الوہاب

۲۵۔ سید عبد القادر جیلانی
بن
۲۶۔ سید ابو صالح موسیٰ
بن
۲۷۔ سید عبد اللہ
بن
۲۸۔ سید یحییٰ الزاہد
بن
۲۹۔ سید محمد
بن
۳۰۔ سید داؤد الامیر
بن
۳۱۔ سید موسیٰ ثانی
بن
۳۲۔ سید عبد اللہ
بن
۳۳۔ سید موسیٰ الجون
بن
۳۴۔ سید عبد اللہ المحض
بن
۳۵۔ سید حسن مثنیٰ

بن

۳۶۔ سیدنا امام حسن

بن

۳۷۔ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء

(زوجہ علی بن ابی طالب)

بنت

۳۸۔ محمد رسول اللہ

بن

۳۹۔ عبداللہ

بن

۴۰۔ عبدالمطلب

بن

۴۱۔ ہاشم

بن

۴۲۔ عبدمناف

بن

۴۳۔ قصی

بن

۴۴۔ کلاب

بن

۴۵۔ مرہ

بن

۴۶۔ کعب

بن

۴۷۔ لوی

بن

۴۸۔ غالب

بن

۴۹۔ فہر (قریش)

بن

۵۰۔ مالک

بن

۵۱۔ نضر

بن

۵۲۔ کنانہ

بن

۵۳۔ خزیمہ

بن

۵۴۔ مدرکہ

بن

۵۵۔ الیاس

بن

۵۶- مضر

بن

۵۷- نزار

بن

۵۸- معد

بن

۵۹- عدنان

بن

۶۰- ادد

بن

۶۱- ھمیسع

بن

۶۲- سلامان

بن

۶۳- عوض

بن

۶۴- بوز

بن

۶۵- قموال

بن

۶۶- أبی

بن

۶۷- عوام

بن

۶۸- ناشد

بن

۶۹- حزا

بن

۷۰- بلداس

بن

۷۱- یدلاف

بن

۷۲- طابخ

بن

۷۳- جاحم

بن

۷۴- ناحش

بن

۷۵- ماخی

بن

۷۶- عیفی

بن

۷۷- عبقر

بن

۷۸۔ عبید

بن

۷۹۔ الطعان

بن

۸۰۔ حمدان

بن

۸۱۔ ستبر

بن

۸۲۔ یثربی

بن

۸۳۔ یحزن

بن

۸۴۔ یلحن

بن

۸۵۔ ارعوی

بن

۸۶۔ عیضی

بن

۸۷۔ دیشان

بن

۸۸۔ عیصر

بن

۸۹۔ اقناد

بن

۹۰۔ ایہام

بن

۹۱۔ مقتصر

بن

۹۲۔ ناحث

بن

۹۳۔ زارح

بن

۹۴۔ سمی

بن

۹۵۔ مزی

بن

۹۶۔ عوام

بن

۹۷۔ قیدار

بن

۹۸۔ اسماعیل

بن

۱۰۰۔ ابراہیم

بن

۱۰۱۔ تارخ

بن

۱۰۲۔ ناحور

بن

۱۰۳۔ سروج

بن

۱۰۴۔ رعو

بن

۱۰۵۔ فالج

بن

۱۰۶۔ عابر

بن

۱۰۷۔ ارفکشاد

بن

۱۰۸۔ سام

بن

۱۰۹۔ نوح علیہ السلام

بن

۱۱۰۔ لمک

بن

۱۱۱۔ متوشالخ

بن

۱۱۲۔ ادریس علیہ السلام

بن

۱۱۳۔ یارد

بن

۱۱۴۔ مہلائیل

بن

۱۱۵۔ قینان

بن

۱۱۶۔ انوش

بن

۱۱۷۔ شیث علیہ السلام

بن

۱۱۸۔ آدم علیہ السلام

حضرت قبلہ مفکرِ اسلام پیر سید عبدالقادر شاہ صاحب جیلانی کے والد ماجد سید السادات سید ولایت علی شاہ نور اللہ مرقدہ عابد، زاہد، متقی، پرہیزگار، ولی کامل تھے بے شمار لوگ عقیدت مند اور مریدین متوسلین تھے۔ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے، اپنی مشکلات پیش کرتے اور فیض یاب ہو کر اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرتے آپ کا مزار اقدس اور روضہ انور سندھول سیداں ضلع راولپنڈی میں ہے جو مرجع خلائق ہے آپ کے چھ فرزند ارجمند ہیں۔

۱۔ سید طالب حسین شاہ صاحب

۲۔ سید چراغ حسین شاہ صاحب

۳۔ سید عبدالرزاق حسین شاہ صاحب

۴۔ سید عبدالقادر جیلانی (سید حسین شاہ صاحب)

۵۔ سید احمد علی شاہ صاحب

۶۔ سید صابر حسین شاہ صاحب گیلانی

ان حضرات میں سے بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، نابغہ روزگار، مفکرِ اسلام نجیب الطرفین حضرت قبلہ پیر سید عبدالقادر جیلانی کو اس وقت جو اللہ تعالیٰ نے بلند مقام اور علمی شہرت عطا فرمائی ہے شاید ہی کسی کو نصیب ہو۔ آپ علم و عمل اور فکر و نظر سے اپنی مثال آپ ہیں۔ آپ کے برادر محترم حضرت پیر سید صابر حسین شاہ صاحب گیلانی مدظلہ العالی نے حضرت قبلہ مفکرِ اسلام سید عبدالقادر جیلانی اور آپ کے مشن کے عنوان پر ایک جامع اور ادیبانہ مضمون تحریر فرمایا ہے۔ ہم یہاں اس کو تبرکاً ذکر کرتے ہیں، چنانچہ آپ فرماتے ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا رحیم و کریم ہے جب کبھی یہ انسان

اس کی بتائی ہوئی راہوں سے دور ہو کر گمراہی کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گرتا رہا تو اللہ تعالٰے اپنی شان رحیمی کے طفیل اپنے بندوں کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے اپنے پیارے نبی اور رسول دنیا میں مبعوث فرماتا رہا اور یہ سلسلہ صدیوں چلتا رہا۔ آخر یہ سلسلہ نبوت آنحضور کی ذات بابرکات پر ختم ہوا پھر یہی کام اللہ تعالٰے نے اپنے دلیوں، برگزیدہ بندوں اور علمائے ربانی سے لیا اپنے پیارے نبی کی پیاری تعلیمات کو دنیا میں پھیلا کر بنی نوع انسان کو گمراہی سے بچانا اپنی زندگیوں کا مقصد سمجھتے رہے۔ صراط مستقیم پر چلنے کی دعوت دیتے رہے۔ ان بزرگوں میں کچھ ایسے بھی ہوئے جو اپنے اپنے وقت میں سب سے بڑے فتنے سے ٹکراتے رہے اور حق و صداقت کا سکہ بٹھا کر دین محمدی کو ایک تازہ زندگی دیتے رہے۔ ان میں صحابہ کبار، آئمہ اہل بیت اولیائے امت اور علمائے حق شامل ہیں ایسے لوگ ہر دور میں موجود رہے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے دین اکبری کے خلاف جہاد کیا اور شہنشاہ اکبر کو نیچا دکھایا حضرت سیّد پیر مہر علی شاہ نے قادیانی فتنے کو سرنگوں کیا۔ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے باطل عقیدوں کی نشان دہی فرما کر عامۃ المسلمین کو عقائد باطلہ میں غرق ہونے سے روکا۔ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ ان ہی اللہ کے مقرب بندوں اور علمائے حق میں سے حضرت سیّد عبدالقادر شاہ صاحب جیلانی بھی ہیں جو عقائد باطلہ اور کفر و الحاد کی باطل قوتوں کے خلاف برسرپیکار ہیں۔ اللہ تعالٰے جب اپنے بندوں سے کام لینا چاہتا ہے تو پھر ان کو صلاحیتیں بھی عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالٰے نے حضرت سیّد عبدالقادر شاہ صاحب جیلانی کو بھی گوناگوں صلاحیتوں سے مالا مال فرمایا ہے۔ اللہ کے برگزیدہ بندے کی نشانی یہ ہوا کرتی ہے کہ اس کو دیکھنے سے خدا یاد آ جائے تو یہ کیفیت حضرت

شاہ صاحب میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے جن کی نگاہیں جب اغیار یا اہلِ باطل پر پڑ جائیں تو طراک باز کی سی تیزی آ جاتی ہے اور جب یہ نگاہیں پیمانۂ عشقِ مصطفٰے کے متوالوں پر پڑ جاتی ہیں تو کیف و مستی کے جام چھلکتے نظر آتے ہیں اور جب کوئی عشقِ مصطفٰے یا محبت اہلِ بیت یا مقام اولیاء کی بات چھڑ جاتی ہے تو پھر وہی نگاہیں کیف و سرور کے بحرِ بیکراں میں غوطہ زن ہو جاتی ہیں اور آنسوؤں کی انمول موتیوں کی لڑیاں پرو دیتی ہیں۔ جب ایسی سوز و گداز اور وجدانی کیفیت میں بولتے ہیں تو علم و عرفان کے موتی بکھیرتے چلے جاتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے تفہیم کا ایسا ملکہ عطا فرمایا ہے کہ جاہل سے جاہل بھی آپ کی محفل سے خالی دامن نہیں جا سکتا۔ اپنی خداداد صلاحیتوں کے باعث ان کی للکار سے عقائدِ باطلہ کے ایوانوں میں ایک ہیجان بپا ہو چکا ہے جس سمت شاہ صاحب رُخ فرماتے ہیں ان عقائدِ باطلہ کے حامل افراد اپنے بستر لپیٹتے افتاں و خیزاں بھاگتے نظر آتے ہیں اور جو اپنے آپ میں کچھ دم خم سمجھتے ہیں یا سمجھتے تھے وہ مناظرے میں آکر منہ کی کھا کر بھاگے اور کچھ ایسے خوش نصیب بھی ہیں جو حق کو حق سمجھتے ہوئے حضرت شاہ صاحب کے دستِ حق پرست پر سچے دل سے توبہ کر چکے ہیں اور دینِ حقہ کے مبلغ بن گئے ہیں جن میں حضرت علامہ مولانا اورنگ زیب، صاحب قادری، اور حضرت علامہ مولانا عبداللطیف صاحب قادری جیسی قابلِ قدر اور قابلِ فخر ہستیاں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ سیکڑوں ایسے خوش نصیب دوست ہیں جو راہِ راست پر آنے کے بعد دینِ حقہ کی دل و جان سے خدمت کر رہے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب کی ان صلاحیتوں کے پیچھے اپنی ذاتی محنت کے علاوہ اپنے اسلاف کی خاص نگاہ کرم کارفرما ہے۔ اس حقیقت کو جاننے کے لیے حضرت شاہ

صاحب کا مختصر سا سوانحی خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

ولادتِ باسعادت:

حضرت شاہ صاحب کی ولادت سے پہلے جو واقعہ پیش آیا اس کا ذکر یہاں بے جا نہ ہوگا۔ ہوا یوں کہ حضرت شاہ صاحب کی والدہ ماجدہ جو اپنے وقت کے ولی کامل کی لختِ جگر تھیں ان کی زبانی یہ روایت ان کے خاندان میں ان کے بچپن سے چلی آ رہی تھی کہ حضرت شاہ صاحب کے نانا بزرگوار ان کی پیدائش سے پہلے وفات پا چکے تھے۔ جب شاہ صاحب شکم مادر میں تشریف لائے تو نانا جان نے پیدائش سے پہلے اپنی پیاری بیٹی کو بشارت دی کہ تیرے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوگا جو بڑا سعادت مند اور نیک بخت ہوگا اور میرا قائم مقام ہوگا اور اس کا نام سید حسین شاہ رکھنا چونکہ وہ اپنے وقت کے ولی کامل تھے، جن کے عقیدت مند خطہ پوٹھوار میں اب بھی خاصی تعداد میں موجود ہیں جن کی زبانی یہ معلوم ہوا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے نانا حضرت پیر سید عالم شاہ رحمتہ اللہ علیہ اتنے صاحب کرامت ولی تھے کہ ہم سے کوئی ایسا مرید نہیں تھا کہ جس نے حضرت کی بیعت کی ہو مگر کوئی کرامت نہ دیکھی ہو اس لیے ان کا اپنی بیٹی سے یہ فرمانا کہ بچہ پیدا ہوگا اور میرا قائم مقام ہوگا ایک گونہ ان ہی کی کرامت کا نتیجہ تھا کہ حضرت شاہ صاحب مورخہ ۱۴ دسمبر ۱۹۲۵ء میں جھنڈا شریف میں پیدا ہوئے اور حقیقت بن کر ہمارے سامنے موجود ہیں۔ دوسری طرف شاہ صاحب کے والد ماجد پیر سید ولایت علی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ بھی اپنے زمانے کے کامل ولی تھے اور جب حضرت شاہ صاحب پیدا ہوئے تو انہوں نے اپنے بیٹے کا نام سید عبدالقادر

جیلانی رکھنا چاہا تو اہلیہ محترمہ نے فرمایا کہ ان کے نانا جان نے خواب میں سید حسین شاہ نام تجویز کیا ہے تو اس پر حضرت سید ولایت علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے بھی کچھ اسی طرح کا اشارہ ملا ہے اور پھر چونکہ ہم نے اس سے دین کا کام لینا ہے اس لیے حضور غوث پاک کے نام پر نام رکھیں گے۔ اس پر حضرت سید ولایت علی شاہ کی اہلیہ محترمہ نے عرض کی کہ نانا جان کا تجویز کردہ نام ضرور ہونا چاہیے ورگرنہ کوئی نقصان ہونے کا احتمال ہے۔ اس طرح اتفاق رائے سے یہ طے پایا کہ دونوں نام چلیں گے۔ میں سید عبدالقادر بلایا کروں گا اور آپ سید حسین شاہ، اپنے جد امجد حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی طرح ان کے بھی دو نام ایک ساتھ مشہور ہیں خاندان اور آبائی مرید سب سید حسین شاہ صاحب کے نام سے بلاتے ہیں جبکہ شاہ صاحب کے اپنے جاننے والے مرید اور عقیدت مند سب سید عبدالقادر جیلانی کے نام سے جانتے ہیں اس طرح اپنے اپنے وقت کے دونوں کامل ولیوں کا ہاتھ آپ کی پشت پر ہے اور دونوں ولیوں کی مشترکہ کرامت اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے ہمارے درمیان موجود ہے۔

بچپن :

حضرت شاہ صاحب کا بچپن بھی عام بچوں سے بالکل مختلف تھا آپ بچپن سے ہی اپنے والد ماجد کی صحبت میں رہ کر عبادت و ریاضت میں لگ گئے تھے آپ نے بہت کم سنی میں ہی کئی چلے کاٹ لیے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے بچپن سے ہی آپ کا ستارہ بلند فرما دیا تھا کہ آپ کے جماعتی لڑکوں نے آپ کا بستہ سکول لے جانے اور لے آنے کے لیے اپنی اپنی باریاں مقرر کی

ہوئی تھیں، آپ کے بچپن کی زندگی بھی بڑی پاکیزہ گزری ہے آپ کے بچپن میں حسن و جمال کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ آپ کی والدہ ماجدہ اپنے میکے سے سسرال تشریف لے جا رہی تھیں۔ گوجر خان سے ریل گاڑی میں فرسٹ کلاس کے ڈبے پر سوار ہوئیں چونکہ اس وقت انگریز کا دور تھا تو اس ڈبے میں پہلے سے انگریز جوڑا موجود تھا۔ انہوں نے آپ کو حضرت مائی صاحبہ سے لے کر اپنی گود میں بٹھا لیا۔ دونوں پیار کرتے رہے۔ حضرت مائی صاحبہ نے راولپنڈی اترنا تھا سٹیشن آیا تو مائی صاحبہ نے بچہ لینا چاہا تو اس انگریز جوڑے نے دینے سے انکار کر دیا اور بہت بڑی رقم کی پیشکش کر دی جس پر مائی صاحبہ نے موقعہ پر موجود پولیس اور ریلوے حکام کو بتایا تو پھر کہیں جا کر انہوں نے بچہ واپس کیا لیکن حضرت مائی صاحبہ سے گھر کا پتہ پوچھتے رہے کہ پتہ دے دیں ہم صرف بچے سے گاہ بگاہ ملتے رہا کریں گے مگر حضرت مائی صاحبہ نے پتہ نہ دیا۔

تعلیم:

ابتدائی تعلیم کے لیے بھی حضرت شاہ صاحب کے والدین نے خاص اہتمام کیا تھا۔ آپ کو اپنے آبائی گاؤں کی بجائے ننھیال کے گاؤں میں لوئر مڈل سکول میں داخل کرایا۔ جہاں شاہ صاحب نے اپنی خداداد قابلیت کے جوہر دکھائے اور جماعت چہارم میں وظیفے کے امتحان میں نمایاں پوزیشن حاصل کی، چونکہ آپ کے والد ماجد اپنی ساری اولاد سے زیادہ پیار اور محبت انہی سے فرماتے تھے اس لیے یہ فرمایا کہ اللہ تعالٰی کے راستے میں وہ چیز دی جاتی ہے جو سب سے پیاری ہو اس لیے میں اپنے سب سے پیارے بچے کو راہ خدا میں پیش کرتا ہوں اس طرح سکول کی تعلیم چھڑوا دی اور دینی تعلیم کے لیے

روانہ فرمایا حضرت شاہ صاحب نے سب سے پہلے درس نظامی کی ابتدائی کتب چھاری بنگلہ تحصیل گوجر خان میں حضرت قاضی محمد یوسف صاحب سے بہت تھوڑے عرصے میں پڑھ لیں پھر آپ نے اپنے وقت کے باکمال اساتذہ سے کسب کمال کیا۔ کامرہ والے مشہور زمانہ استادوں سے اور بدھو والے بابا حضرت مولانا محمد دین صاحب سے منطق وفلسفہ کی دشوار گزار گھاٹیوں کو عبور کیا۔ درس نظامی کی تحصیل کے بعد مندرجہ ذیل امتحانات بڑی نمایاں پوزیشن میں پاس فرمائے۔ (۱) فاضل فارسی (۲) فاضل عربی (۳) فاضل اُردو (۴) ایم اے اسلامیات۔ (۵) ایل ایل بی۔ اس طرح دینی اور دنیوی دونوں تعلیموں کے حسین سنگم شاہ صاحب کی ذات ٹھہری مگر شاہ صاحب نے اسی پر ختم نہ فرمایا بلکہ پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے مدینہ یونیورسٹی تشریف لے گئے وہاں کئی مدارج میں بڑی اعلیٰ کامیابیاں حاصل کیں مگر عقائد کے اختلاف کی وجہ سے نہ صرف یونیورسٹی چھوڑنا پڑی بلکہ قید و بند کی صعوبتیں جھیلنی پڑیں مگر آپ کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی کیونکہ سعودی حکومت آپ کو خرید سکی نہ ڈرا سکی اس کے بعد آپ پی ایچ ڈی کے لیے انگلینڈ تشریف لائے، یہاں بھی عقائد باطلہ کے حامل لوگوں نے آپ کو ابتدائی دور میں خوب تنگ کیا مگر شاہ صاحب میں حیدری خون ہے "گھبرانا تھا نہ گھبرائے" "ڈرنا تھا نہ ڈرے" اور اس پرخطر دور میں بھی حضرت شاہ صاحب نے اپنی تعلیمی سرگرمیاں منقطع نہ فرمائیں بلکہ پی ایچ ڈی کا مقالہ تحریر فرما کر اپنے پروفیسر صاحب جو برمنگھم یونیورسٹی سے منسلک ہیں کو پیش کر چکے ہیں جو بڑی مہارت اور تیزی سے اس مقالے کا مطالعہ کر رہے ہیں اور ان شاءاللہ عنقریب یونیورسٹی کو منظوری کے لیے بھیج دیا جائے گا۔ ان تمام سرگرمیوں کے علاوہ حضرت شاہ صاحب

کئی سالوں سے بلاناغہ پوری رات آرام نہیں فرماتے اور ساری رات عبادت، ریاضت اور مطالعہ میں گزار دیتے ہیں۔

تعلیمی سرگرمیاں:

درس نظامی سے فراغت کے بعد حضرت شاہ صاحب نے ٹینچ بھاٹہ راولپنڈی کو اپنی تعلیمی اور تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنایا وہاں مدرسہ کی عمارت نہ ہونے کے باوجود آپ نے مسجد کے برآمدے اور حجرے سے کام شروع کیا۔ رات دن محنت شاقہ سے اس بوریہ نشینی کے باوجود بڑے بڑے جید علماء اور وکلاء پیدا کیے۔ علماء میں مولانا احمد نثار بیگ قادری، مولانا ظفر محمود فراشوی، مولانا غلام محی الدین سلطان، مولانا قاری عبدالرحیم، مولانا عبدالقادر اور مولانا مشتاق احمد چشتی جیسی قابل فخر ہستیاں موجود ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ شاہ صاحب کے دل کی تڑپ تھی کہ راولپنڈی میں ایک مثالی اور عالیشان درس گاہ قائم کروں گا۔ یہ خواب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے پورا فرمایا اور اب ٹینچ بھاٹہ میں تقریباً ۵۰ بڑے بڑے کمروں پر مشتمل ایک عالیشان عمارت تعمیر ہو چکی ہے جس میں تمام جدید سہولتیں موجود ہیں سینکڑوں طلباء درس نظامی اور حفظ میں فارغ التحصیل ہو رہے ہیں اور شاہ صاحب کے مشن کو آگے بڑھا رہے ہیں جب حضرت شاہ صاحب انگلینڈ تشریف لائے تو یہاں دیار غیر میں مسلمانان پاک و ہند کی زبوں حالی دیکھی کہ مسلمان یہاں آ کر مذہب اور دین سے اتنا دور ہو گیا ہے کہ خطرہ تھا کہ کہیں یہ مسلمان دین محمدی کو چھوڑ کر گمراہی کے اندھیروں میں بھٹک نہ جائیں تو حضرت شاہ صاحب نے یہاں انگلینڈ میں ایک دارالعلوم کی بنیاد رکھی جو فرسٹ سٹریٹ

میری رو ڈ واقع مسٹو پر واقع ہے جس کے لیے حضرت شاہ صاحب نے بڑی تگ و دو کے بعد ایک ایسی فضا پیدا کی کہ جس میں ایسے سرفروش پیدا ہو گئے جو دین حقہ کے لیے اپنا تن من دھن سب کچھ پیش کرنے کے لیے بے تاب ہیں ایسے مخلصوں اور عقیدت مندوں نے شاہ صاحب سے بھرپور تعاون کیا اور اب یہ دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہا ہے اور ان شاء اللہ عنقریب یورپ میں یہ ایک مثالی درس گاہ کا درجہ حاصل کر جائے گا۔ اس دارالعلوم میں اب تقریباً ۵۰ پچاس کے قریب بچے ناظرہ قرآن پاک کی تعلیم پا رہے ہیں جبکہ اسی تعداد کے برابر حفظ کے شعبے میں بھی بچے حفظ کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ طلباء درس نظامی کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں اس طرح یہ دونوں درس گاہیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بڑی تیزی سے ترقی کی منازل طے کر رہی ہیں اور ان شاء اللہ تعالیٰ وہ وقت دور نہیں جب یہ دونوں درس گاہیں عالمی شہرت کی حامل ہو جائیں گی۔

تبلیغی سرگرمیاں :

مندرجہ بالا تعلیمی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ حضرت شاہ صاحب نے اپنی تبلیغی مہمات میں بھی کمی نہ آنے دی۔ اپنے ملک پاکستان اور آزاد کشمیر کے کونے کونے میں دورے فرمائے اور دین مصطفےٰ کے پرچم کو سر بلند رکھا۔ اپنے ملک کے علاوہ بہت سے دوسرے ایشیائی ممالک کے بھی دورے فرمائے اور دین حقہ کی تبلیغ فرمائی۔ اپنے ملک میں جتنی بھی تحریکیں رہیں خواہ وہ تحریک نظام مصطفےٰ ہو یا تحریک ختم نبوت۔ حضرت شاہ صاحب ہر تحریک کے روح رواں ہوتے رہے اور ہر تحریک میں حضرت شاہ صاحب کو پس زندان ڈال

دیا جاتا رہا مگر ہر بار شاہ صاحب عزم و استقلال کا کوہ گراں ثابت ہوتے رہے
جب آپ انگلینڈ تشریف لائے تو یہاں بھی کفر و الحاد کے ساتھ ساتھ عقائد باطلہ
سے بھی نبرد آزما ہونا پڑا یہاں عقائد باطلہ کے کچھ لوگوں سے مناظرے بھی کرنے
پڑے جس میں حضرت شاہ صاحب کی علمی بالادستی کا سکہ لوگوں کو ماننا پڑا حضرت
شاہ صاحب اختتام ہفتہ انگلینڈ میں مختلف شہروں کے تبلیغی دورے فرماتے
اس کے علاوہ تمام یورپی ممالک کے دورے بھی حضرت شاہ صاحب اکثر فرماتے
رہتے ہیں۔ دوسری طرف جس مسجد میں حضرت شاہ صاحب جمعہ پڑھاتے ہیں وہ
بھی نیو یوکے میں تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بن چکا ہے یہاں جمعہ کی نماز کے علاوہ
تمام مذہبی تہواروں پر محافل پورے جوش و خروش سے منعقد کی جاتی ہیں اور
ہر جمعہ کی رات کو حضرت شاہ صاحب اردو اور انگریزی میں درس قرآن دیتے
جس کی وڈیو کیسٹ بھی تیار ہوتی ہیں جس سے مقامی لوگوں کے علاوہ دوسرے
شہروں میں عام لوگوں کو بھی فائدہ پہنچ رہا ہے۔ اس کے علاوہ ہر ماہ گیارھویں
شریف کی محفل بھی منعقد کی جاتی ہے جس میں عوام کے علاوہ علماء حضرات اور
نعت خوان حضرات بھی بڑی تعداد میں تشریف لاتے ہیں اور علماء کو مختلف موضوع
دیے جاتے ہیں پھر حضرت شاہ صاحب ہر عالم کی تقریر کے بعد اس تقریر
پر تبصرہ فرماتے ہیں اور جو نکات علماء سے رہ جاتے ہیں اور عوام میں ایک
تشنگی رہ جاتی ہے اس کو اپنے مخصوص انداز میں اور کہنہ مشق استاد کی طرح
ان نکات کی عقدہ کشائی فرماتے ہیں جو عوام الناس کے قلب و جگر پر پیوست
ہو جاتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب کے شاگرد یا عقیدت مند تقریباً تمام ممالک
میں دین حقہ کی دل و جان سے تبلیغ کر رہے ہیں اس طرح یہ کہنا بے جا نہ ہوگا
کہ حضرت شاہ صاحب کا علمی اور روحانی فیض بین الاقوامی سطح پر جاری و ساری ہے۔

کتب خانہ:

حضرت شاہ صاحب چونکہ اپنے وقت کی ایک بہت بڑی علمی شخصیت ہیں اور اس علمی کمال پر فائز ہونے کے لیے اپنی پوری زندگی مطالعہ کتب میں صرف فرمائی اس لیے جتنی کتب مطالعہ فرمائیں اپنی خرید کر مطالعہ فرمایا اور حضرت شاہ صاحب نے اپنی زندگی کا بے بہا سرمایہ اپنے کتب خانے کے لیے خرچ فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے کہتے ہوئے کوئی باک نہیں محسوس ہوتا کہ کسی بڑے سے بڑے عالم دین یا پیر طریقت یا دینی درس گاہ کے پاس اتنا بڑا کتب خانہ نہیں ہوگا جتنا بڑا کتب خانہ یہاں "دیوکے" میں یا "پاکستان" میں ہے پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ حضرت شاہ صاحب کے کتب خانے میں بہت سی ایسی کتابوں کا ذخیرہ ہے جو اب عالم اسلام میں نایاب ہیں۔ اس لحاظ سے حضرت شاہ صاحب کا یہ کتب خانہ ایک علمی سرمایہ ہی نہیں بلکہ تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ کتب خانہ دینی علوم کی تمام شاخوں پر لکھی گئی تمام کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔

روحانی فیض:

حضرت شاہ صاحب جہاں علم و عرفان کی بلندیوں کو چھو رہے ہیں وہاں روحانی فیض سے بھی لوگوں کی روحانی تشنگی کو سیراب فرما رہے ہیں اس وقت حضرت شاہ صاحب کے مریدوں کی تعداد اپنے آبائی مریدوں کے علاوہ ایک لاکھ سے تجاوز کر چکی ہے اور ان تمام دوستوں کی حضرت شاہ صاحب نے روحانی تربیت کی ہے اور سب کو یہ تلقین فرمائی ہے

کہ ساری زندگی دینِ حقہ اور عقیدہ صحیحہ پر عمل پیرا رہنا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناموس کے لیے جانسپاری کا وقت آئے تو حسنی و حسینی جذبے کے ساتھ اپنی جانوں کے نذرانے پیش کرنا۔ یہ ہے حضرت شاہ صاحب کا مختصر سا سوانحی خاکہ اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کا سایہ ہمارے سروں پر تا دیر قائم و دائم رکھے آمین ثم آمین۔ حضرت شاہ صاحب کے مریدین امریکہ، ناروے، سویڈن، ڈنمارک، ہالینڈ، جرمنی اور برطانیہ میں بڑی تعداد میں موجود ہیں اور پاکستان میں تقریباً ہر شہر میں شاہ صاحب کے مریدوں کی خاصی تعداد موجود ہے، اور مفکرِ اسلام سید عبدالقادر جیلانی کے چار فرزند ارجمند ہیں۔

۱۔ سید حبیب شاہ گیلانی

۵۔ سید علی امام گیلا

۲۔ سید نقیب شاہ گیلانی

۳۔ سید رحیم شاہ گیلانی

۴۔ سید انوار الحسن گیلانی

ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ سید ولایت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے چھ بیٹے تھے جن میں سے مفکرِ اسلام سید عبدالقادر جیلانی کا ذکر اور ان کی اولاد کے اسماء گرامی مذکور ہوئے۔ اب سید ولایت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے بیٹوں کی اولاد کے اسماء ذکر کیے جاتے ہیں ان میں سید طالب حسین شاہ گیلانی کی اولاد نہیں ہے اور سید چراغ حسین شاہ گیلانی کے تین بیٹے ہیں۔

۱۔ سید شاہد احمد شاہین گیلانی

۲۔ سید شاہد زمان طارق گیلانی

۳۔ سید وسیم حیدر شاہ گیلانی

اور سید عبدالرزاق شاہ گیلانی کے ایک ہی بیٹے ہیں سید ساجد حسین شاہ گیلانی اور سید احمد علی شاہ گیلانی کے دو بیٹے ہیں۔

۱۔ سید ضیاء الحسن گیلانی

۲۔ سید ریاض الحسن گیلانی

اور جناب سید صابر حسین شاہ صاحب گیلانی کے چار فرزند ارجمند ہیں۔

۱۔ سید اظہر حسین شاہ گیلانی

۲۔ سید نجیب الحسنین گیلانی

۳۔ سید مظہر الحسنین گیلانی

۴۔ سید نوید الحسنین گیلانی

(۲) سید عبدالرزاق بن غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانی

آپ کی ولادت ۵۲۸ھ میں ہوئی۔ آپ کا اسم گرامی عبدالرزاق ہے اور تاج الدین لقب ہے۔ بہت بڑے فقیہ اور محدث ہوئے ہیں۔ فقہ کا علم اپنے والد ماجد حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے حاصل کیا اور حدیث اپنے والد ماجد اور دیگر محدثین سے حاصل کی اور آپ کی وفات ۶۰۳ھ میں ہوئی آپ کی قبر انور بغداد میں ہے۔

(۳) سید شرف الدین عیسیٰ بن غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانی

آپ نے اپنے والد ماجد سے فقہ اور حدیث کی تعلیم حاصل کی اور آپ بلند پایہ مفتی اور واعظ تھے۔ آپ مصر تشریف لے گئے، بڑے بڑے مشاہیر

علمار نے آپ سے علوم حاصل کیے آپ نے مصر میں ۵۷۳ھ وفات پائی اور مصر میں آپ کی مزار اقدس ہے۔

(۴) سیدابوبکر عبدالعزیز بن غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانی

آپ کی ولادت ماہ شوال ۵۳۲ھ میں ہوئی آپ نے اپنے والد ماجد حضرت غوث اعظم سے علم حدیث و فقہ حاصل کیا۔ آپ سے بڑے بڑے علمار نے علوم حاصل کیے آپ جبال تشریف لے گئے وہیں آپ کی ۶۰۲ھ وفات ہو گئی وہیں آپ مدفون ہو گئے۔

(۵) سیدابوزکریا یحیٰی بن غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانی

آپکی ولادت ۵۵۰ھ میں ہوئی آپ نے اپنے والد ماجد اور دیگر محدثین سے علم حدیث اور فقہ حاصل کیا۔ آپ اپنے سب بھائیوں سے چھوٹے تھے تمام عمر درس و تدریس اور تلقین وارشاد میں گزار دی اور ۶۰۰ھ میں وفات پائی بغداد میں مدفون ہو گئے۔

(۶) سیدابواسحاق ابراہیم بن غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانی

آپ نے اپنے والد ماجد غوث اعظم سے حدیث و فقہ کی تعلیم حاصل کی اور پھر واسط تشریف لے گئے اور واسط میں ہی ۵۹۲ھ میں وفات پائی۔ وہیں آپ کا مزار اقدس ہے۔

(۷) سید عبدالجبار بن غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانی

آپ اپنے والد ماجد سے علم حدیث و فقہ حاصل کیا اور تصوف کے موضوع پر سالکان راہ طریقت کیلئے بہترین کتابیں تصنیف کیں اور عالم جوانی میں ۱۹ ذالحجہ ۵۷۵ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار بغداد میں ہے۔

(۸) سید ابوالفضل محمد بن غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانی

فقہ کی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی نیز بڑے بڑے محدثین سے بھی علم حدیث حاصل کیا اور ۵۶۰ھ میں وفات پائی اور بغداد میں مدفون ہوئے۔

(۹) سید عبداللہ بن غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانی

آپ کی ولادت ۵۲۸ھ میں ہوئی۔ آپ نے فقہ و حدیث کی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی اور دیگر محدثین سے علم حدیث کی تحصیل کی اور ۵۸۹ھ میں آپ نے وفات پائی۔

(۱۰) سید ابونصر موسیٰ بن غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانی

آپ کی ولادت ۵۳۵ھ میں ہوئی اور اپنے والد ماجد سے حدیث و فقہ کی تعلیم حاصل کی پھر بغداد سے دمشق چلے گئے۔ حنبلی مسلک پر سختی سے قائم تھے اور جمادی الآخر ۶۱۸ھ میں دمشق میں ہی وفات پائی اور جبل قاسیون میں مدفون ہوئے۔ سید ابونصر موسیٰ بن غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانی بغدادی

کی اولاد سے جناب پیر سید اشتیاق حسین شاہ صاحب مدظلہ العالی ہیں آپ ایک جید عالم، خطیب اور مدرس ہیں۔ نیز متعدد کتابیں اور رسائل تصنیف فرمائے ہیں جن میں سے "سیف القادری علی عنق الناصبی آپ کی مشہور تصنیف ہے جس میں آپ نے نواصب اور خوارج کا علمی محاسبہ کیا ہے۔ بالخصوص ایک ناصبی کا جس نے اپنے خبث باطن کو ظاہر کرتے ہوئے ایک چند ورقی رسالہ لکھا جس میں اس نے لکھا کہ اہل بیت کے ناموں پر لفظ سلام کا اطلاق ناجائز ہے۔ آپ نے اپنی اس عظیم تصنیف سیف القادری علی عنق الناصبی میں دلائل قویہ سے ثابت کیا ہے کہ اہل بیت اور ائمہ اہل بیت اطہار کے اسماء گرامی کے ساتھ سلام کہنا اور لکھنا جائز ہے۔ اس کے علاوہ نماز جوتے اتار کر پڑھنے کے بارے میں اور سیاہ لباس پہننے کے شرعی حکم کے بارے میں مدلل اور مبرھن رسائل تصنیف فرمائے ہیں آپ بہت بڑے مقرر اور شعلہ بیان خطیب بھی ہیں۔ اس وقت برطانیہ میں قیام پذیر ہیں اور رشد و ہدایت میں معروف ہیں۔ آپ گیلانی سید ہیں آپ کا سلسلہ نسب درج ذیل ہے۔

۱۔ سید اشتیاق حسین شاہ گیلانی	۵۔ سید امیر حسین شاہ
بن	بن
۲۔ سید مہر علی شاہ	۶۔ سید سخی میر
بن	بن
۳۔ سید ولایت شاہ	۷۔ سید حکیم میر
بن	بن
۴۔ سید مہتاب شاہ	۸۔ سید حمزہ میر

بن

۹۔ سید امیر ابوالفتح

بن

۱۰۔ سید جعفر شاہ

بن

۱۱۔ سید ابالحسن

بن

۱۲۔ سید میراں شاہ

بن

۱۳۔ سید قائم میر

بن

۱۴۔ سید میر میرک شاہ

بن

۱۵۔ سید شمس دین

بن

۱۶۔ سید بدر دین

بن

۱۷۔ سید ظاہر

بن

۱۸۔ سید ابراہیم

بن

۱۹۔ سید محمد یعقوب

بن

۲۰۔ سید محمد مصطفےٰ

بن

۲۱۔ سید ابو نصر

بن

۲۲۔ سید ابو نجیب

بن

۲۳۔ سید ابو نصر موسیٰ

بن

۲۴۔ سید غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانی بغدادی الحسنی والحسینی

بن

۲۵۔ سید ابو صالح موسیٰ

بن

۲۶۔ سید عبداللہ

بن

۲۷۔ سید یحییٰ الزاہد

بن

۲۸۔ سید محمد

بن

۲۹۔ سیّد داؤد الامیر

بن

۳۰۔ سیّد موسیٰ ثانی

بن

۳۱۔ سیّد عبداللہ

بن

۳۲۔ سیّد موسیٰ الجون

بن

۳۳۔ سیّد عبداللہ المحض

بن

۳۴۔ سیّد حسن مثنیٰ

بن

۳۵۔ سیّدنا سبط امام حسن مجتبیٰ

بن

۳۶۔ سیّدۃ النساء فاطمۃ الزہراء بنت رسول اللہ (زوجہ حضرت علی بن ابی طالب۔

بنت

۳۷۔ رسول اکرم نبی محترم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

حضرت غوث اعظم سیّد عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے دس بیٹوں کے حالات کتابوں میں موجود ہیں لہٰذا ہم نے اختصار کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے۔ اور جو سادات کرام ان کی اولاد سے ہیں وہ اپنے کو گیلانی کہتے ہیں جیسے کہ ہم نے پہلے بھی ذکر کیا ہے یہاں برطانیہ میں متعدد سادات کرام کے گھرانے ہیں جن میں سے پیر سیّد قمر علی شاہ صاحب بن سیّد مقصود علی شاہ صاحب ہیں۔ آپ بہت بڑے فیاض اور سخی ہیں۔ آپ مساجد اور دینی اداروں نیز دینی خدمات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، غریبوں اور یتیموں کی خدمت کرنا آپ کا شعار ہے۔ آپ نہایت بااخلاق اور بلند کردار، عابد، پرہیزگار ہیں۔ آپ کے دو صاحبزادے ہیں سید سعد علی اور سیّد مدثر علی، دونوں نیک اور شریف الطبع ہیں، برطانیہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور اپنے والدین کے

نہایت فرماں بردار ہیں۔ جناب سید قمر علی شاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ غوث اعظم کی اولاد اور گیلانی سادات سے ہیں۔ امام عبداللہ المحض کے تین بیٹوں امام محمد نفس ذکیہ، امام ابراہیم اور موسیٰ الجون اور ان کی اولادوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ اب عبداللہ المحض کے دوسرے بیٹوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۴) یحییٰ بن عبداللہ المحض بن حسن مثنیٰ بن حسن مجتبیٰ بن علی بن ابی طالب

حضرت یحییٰ بن عبداللہ المحض کا بلاد دیلم میں ظہور ہوا۔ بے شمار لوگ آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ وہاں کے امراء اور حاکموں نے آپ کی بیعت کر لی ہارون الرشید المتوفی ۱۹۳ھ کو جب آپ کے ظہور کا علم ہوا تو اس نے فضل بن یحییٰ برمکی کو ان کے مقابلے کے لیے بھیجا۔ فضل بن یحییٰ برمکی نے چاپلوسی اور مکر و فریب کرتے ہوئے امام یحییٰ بن عبداللہ المحض کو کہا کہ آپ ہارون الرشید کے پاس تشریف لے چلیں وہ آپ کو کچھ نہیں کہے گا اور آپ کو امان نامہ بھی لکھ دیا چنانچہ امام یحییٰ بن عبداللہ المحض بغداد تشریف لائے وہ امان نامہ ہارون الرشید کو دکھایا لیکن ہارون الرشید نے امام یحییٰ کے ساتھ دھوکہ کیا اور آپ کو قید کر دیا اور قید میں زہر دے کر آپ کو شہید کر دیا۔ اور امام یحییٰ کے بیٹے محمد یحییٰ تھے اور محمد کی والدہ کا نام خدیجہ بنت ابراہیم بن طلحہ بن عمر بن عبیداللہ بن معمر بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (قریش) ہے اور محمد بن یحییٰ کے دو بیٹے تھے (۱) عبداللہ (۲) احمد، ان دونوں کی والدہ کا نام فاطمہ بنت ادریس

بن عبداللہ المحض بن الحسن المثنیٰ ہے۔ عبداللہ بن محمد اور احمد بن محمد کی نسل کثیر جاری ہے۔

(۵) سلیمان بن عبداللہ المحض بن حسن مثنیٰ بن حسن مجتبیٰ بن علی بن ابی طالب

سلیمان کی کنیت ابو محمد ہے۔ سلیمان کی والدہ کا نام عائکہ بنت عبدالملک بن حارث الشاعر بن خالد بن عاص بن ہشام بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر و بن مخزوم ہے۔ سلیمان کو مقام فخ میں قتل کیا گیا۔ فخ مکہ مکرمہ میں ایک وادی ہے اسی فخ وادی میں حسین بن علی بن الحسن العلوی کو ۱۶۹ھ میں قتل کیا گیا۔ نیز ان کے ساتھ ان کی اہل بیت کو بھی قتل کیا گیا تھا۔ جب سلیمان قتل ہو گئے تو ان کا بیٹا محمد مغرب کی طرف اپنے چچا ادریس بن عبداللہ المحض کے پاس چلا گیا اور اس محمد بن سلیمان کے درج ذیل بیٹے تھے۔

(۱) عبداللہ (۲) احمد (۳) ادریس (۴) عیسےٰ (۵) ابراہیم (۶) الحسن (۷) الحسین (۸) حمزہ (۹) علی اور ان کی اولاد مغرب میں ہی قیام پذیر ہو گئی تھی۔

(۶) ادریس بن عبداللہ المحض بن حسن مثنیٰ بن حسن مجتبیٰ بن علی بن ابی طالب

ادریس کی کنیت ابو عبداللہ ہے۔ یہ فخ میں موجود تھے۔ جب یہاں اولاد

علی کو شکست ہوئی تو یہ مغرب میں داخل ہو گئے اور فاس و طنجہ میں پہنچے اور ان کے ساتھ ان کا غلام راشد بھی تھا۔ یہاں پہنچ کر لوگوں کو دین کی دعوت دی لوگوں نے ان کی دعوت کو قبول کیا اور ان کی بیعت کی اور ان کو اپنا بادشاہ بنایا جب ہارون الرشید کو علم ہوا تو وہ فکر مند ہوا۔ ہارون نے سلیمان بن جریر الرقی کو بلایا یہ زیدیہ کا مناظر اور متکلم تھا اس کو زہر بھی دیا اور کہا کہ یہ ادریس بن عبداللہ المحض کو زہر پلانا ہے۔ سلیمان بن جریر الرقی ادریس کے پاس پہنچا موقع پا کر ادریس کو زہر پلا کر بھاگ پڑا اس کو راشد نے قتل کر دیا لیکن ادریس بھی زہر کی وجہ سے فوت ہو گئے اور ادریس کا ایک ہی بیٹا ادریس تھا اور ادریس بن ادریس کے سات بیٹے تھے۔

(۱) قاسم (۲) عیسےٰ (۳) عمر (۴) داؤد (۵) یحییٰ (۶) عبداللہ (۷) حمزہ ابن حزم اندلسی نے ادریس بن ادریس کے اور بیٹوں کا بھی ذکر کیا ہے جن کے نام یہ ہیں۔

(۹) ادریس (۱۰) احمد (۱۱) عبیداللہ (۱۲) الحسن (۱۳) الحسین (۱۴) جعفر ان میں سے ادریس بن ادریس کے سات بیٹے وہ ہیں جو مغرب کے مختلف شہروں میں حاکم رہے تھے ان میں سے آخری بادشاہ الحسن بن القاسم کنون بن محمد بن القاسم بن ادریس تھا اس کو ۳۷۵ھ میں قتل کیا گیا اس کے مرنے کے ساتھ ادارسہ حکومت بلاد مغرب سے ختم ہو گئی۔ ان لوگوں نے تقریباً دو سو سال بلاد مغرب میں حکومت کی ہے۔ اور حضرت عبداللہ المحض کے ساتویں بیٹے عیسےٰ ہیں چونکہ ان کی آگے نسل نہیں چلی لہٰذا بعض علماء نسابین نے ان کا ذکر نہیں کیا۔

❖

امام حسین الشہید سبط الرسول بن علی بن ابی طالب

حضرت امام حسین علیہ السلام امام سوم ہیں۔ امام حسن علیہ السلام کے چھوٹے بھائی ہیں۔ آپ کا نسب اس طرح ہے، حسین بن فاطمۃ الزہرا (زوجہ علی بن ابی طالب) بنت محمد رسول اللہ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (قریش) ہے اور آپ کی والدہ فاطمۃ الزہرا بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ ۵ شعبان سنہ ۴ ہجری میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ جب امام حسین پیدا ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی اور جس طرح امام حسن کا عقیقہ کیا۔ امام حسین کا بھی کیا اور آپ کا نام حسین رکھا، آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔ اور آپ کے القاب سید، طیب، زکی، اور سبط الرسول ہیں اور سید جیسے امام حسن کا لقب ہے اسی طرح امام حسین کا لقب بھی ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا الحسن والحسین سیدا شباب اہل الجنۃ اور یہ بھی فرمایا حسین سبط من الاسباط (تہذیب التہذیب ص۲۹۷ و ص۳۴۶) کہ حسن اور حسین جوانان اہل جنت کے سردار ہیں اور حسین سبط (بیٹے) من الاسباط ہیں۔

امام حسین علیہ السلام کا زہد و تقویٰ:

امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام دن رات میں ہزار رکعت سے زیادہ نماز پڑھا کرتے تھے اور آپ نے پچیس حج

پیادہ کیے تھے، ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے بیس حج ادا کیے تھے یہ دونوں روایتیں صحیح ہیں کیونکہ امام حسین علیہ السلام نے بیس حج امام حسن کے ساتھ کیے تھے اور امام حسن کے بعد پانچ حج ایسا ادا کیے تھے، یہ زہد اور تقویٰ ہی تھا کہ جب آپ نے دیکھا کہ شریعت اسلامیہ کے احکام کی صریح خلاف ورزی کی جا رہی ہے خدا کے حرام کردہ کو حلال سمجھا جا رہا ہے اور مسلمانوں پر ظلم و ستم کیا جا رہا ہے تو آپ نے صرف اپنی جان کی ہی نہیں بلکہ اپنے اہل و عیال اور اعزہ و اقارب کی مقام کربلا میں قربانی دے کر حق کو بلند فرمایا۔

امام حسین علیہ السلام کی فیاضی اور سخاوت :

امام حسین علیہ السلام بہت بڑے فیاض اور سخی تھے۔ چنانچہ روایت ہے، کہ ایک سائل امام حسین علیہ السلام کے پاس آیا۔ آپ گھر میں ہی موجود تھے سائل نے ایک رقعہ لکھ کر بھیجا جس میں چند اشعار لکھے۔ جن کا ترجمہ یہ ہے

میں ایک غریب شخص ہوں میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو ایک جو کی بھی قیمت رکھے مگر میری آبرو اور عزت ہے جس کو میں نے ایک مدت سے محفوظ رکھا ہوا ہے جب آپ جیسا مجھے خریدار ملا ہے تو میں اس کو بیچنا چاہتا ہوں۔

یہ اشعار امام کے پاس بھیجنے کے بعد سائل نے کچھ اور اشعار لکھ کر بھیجے جن کا ترجمہ یہ ہے۔

جب میں آپ جیسے سخی کے در دولت سے نا امید ہو کر واپس جاؤں گا اور لوگ مجھ سے دریافت کریں گے کہ حسین جیسے سخی و کریم نے تجھے کیا عطا فرمایا

اگر میں کہوں کہ مجھے تھوڑا سا عطا کیا ہے تو لوگ سب مجھے جھوٹا کہیں گے (کیونکہ سخی حسین کسی کو تھوڑا دیتے نہیں ہیں) اگر کہوں کہ حسین نے کچھ بھی نہیں دیا تو یہ بھی غلط ہوگا۔ امام حسین نے جب یہ اشعار پڑھے تو آپ نے دس ہزار درہم سائل کو عطا فرمائے نیز فرمایا اے سائل تو نے بہت ہی جلدی کی اور اس جلدی کی وجہ سے ہم نے بہت ہی تھوڑا دیا نیز فرمایا ؎

خذہ اتقلیل وکن کانک لم تسأل

ونکون نحن کاننا لم نفعل

پس اس تھوڑے کو ہی پکڑ لو اور یہ تصور کرو کہ میں نے سوال ہی نہیں کیا اور ہم یہ سمجھیں گے کہ ہم نے کچھ دیا ہی نہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی المتوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام حسین کھانا کھانے لگے۔ خادمہ سے برتن بھرا ہوا چھوٹ کر امام حسین پر گر پڑا۔ امام حسین نے غصہ سے خادمہ کی طرف دیکھا خادمہ نے کہا والکاظمین الغیظ کہ آپ تو غصہ پینے والے ہیں جب امام حسین نے یہ سنا تو فرمایا کظمت غیظی میں نے اپنے غصے کو پی لیا پھر خادمہ نے کہا والعافین عن الناس کہ آپ تو لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں فرمایا عفوت عنک میں نے تجھے معاف کیا پھر خادمہ نے کہا واللہ یحب المحسنین اور اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں تو امام حسین نے خادمہ کو کہا کہ جا میں نے تم کو آزاد کیا۔

امام حسین علیہ السلام کے فضائل و کمالات :

حضرت امام حسین علیہ السلام کے بے شمار فضائل و کمالات ہیں۔ چنانچہ لیلی بن مرہ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

صحابہ کرام کے ساتھ کہیں تشریف لے جا رہے تھے راستہ میں امام حسین بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسین کو اٹھا کر پیار کیا اور فرمایا حسین منی وانا من حسین احب اللہ من احب حسینا حسین سبط من الاسباط (تہذیب التہذیب ص۳۴۶ ج۲) کہ حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں، جو حسین کے ساتھ محبت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے محبت رکھتا ہے، حسین اسباط سے ایک سبط ہے۔ السبط بیٹے اور نواسے کو کہتے ہیں نیز سبط کا معنے گروہ اور جماعت بھی ہے اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی کثیر اولاد ہو گی چنانچہ واقعہ یوں ہی ہے کہ آپ کی اولاد بہت زیادہ ہے۔ اس وقت دنیا میں بے شمار حسینی سادات موجود ہیں، حضرت ام الفضل زوجہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے بڑی پریشان کن خواب نظر آئی۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی میں نے عرض کیا کہ حضور مجھے پریشان کرنے والی خواب آئی ہے، حضور نے فرمایا بتاؤ کیا خواب آئی ہے میں نے عرض کی حضور میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپ کے جسم مبارک کا ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں ڈال دیا گیا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "چچی" یہ تو بہت اچھا خواب ہے اللہ تعالیٰ میری بیٹی فاطمہ کو بیٹا دے گا وہ تمہاری گود میں دیا جائے گا۔ چنانچہ حضور پاک کی چچی ام الفضل فرماتی ہیں کہ اس کے بعد امام حسین پیدا ہوئے میں نے ان کو اپنی گود میں لیا اور پھر ایک اور موقعہ پر میں نے امام حسین کو اپنی گود میں لے لیا ہوا تھا میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو حضور نے حسین کو مجھ سے لے کر اپنی گود میں بٹھا لیا۔ حضور نے جب حسین کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھا تو

حضور کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تو میں نے عرض کی کہ حضور یہ کیا تو حضور نے فرمایا مجھے جبرئیل علیہ السلام نے بتایا ہے کہ میرے بعد میرے بیٹے حسین کو شہید کر دیا جائے گا اور جس زمین (کربلا) میں شہید ہوں گے وہاں کی سرخ مٹی اٹھا کر جبرئیل نے مجھے دی ہے (مشکوٰۃ شریف صہ ۵۷۲) ایک دوسری روایت میں اس زمین کا نام کربلا مذکور ہے اور وہ مٹی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ام المومنین ام سلمہ کو دی اور فرمایا جب یہ مٹی خون ہو جائے گی اس وقت میرے حسین کو عراق کی زمین کربلا میں شہید کر دیا جائے گا حافظ ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں ایک ابلق کتے کو دیکھتا ہوں جو میری اہل بیت کے خون میں منہ ڈال رہا ہے وہ ابلق کتا شمر ملعون تھا اور امام حسین علیہ السلام نے خود فرمایا ہے کہ چتکبرا کتا شمر ہے، چنانچہ حافظ ابن کثیر نے اپنی سند کے ساتھ عمرو بن حسن سے روایت کی ہے کہ ہم کربلا میں امام حسین کے ساتھ تھے سو امام حسین نے جب شمر بن ذی الجوشن کو دیکھا فرمایا صدق اللہ و رسولہٗ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کانی انظر الی کلب ابقع یلغ فی دماء اھل بیتی (البدایہ والنہایہ صہ ۱۸۸ ج ۸) کہ اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایک چتکبرے کتے کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ میری اہل بیت کے خون کو لک رہا ہے، چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ام سلمہ کو فرمایا تھا کہ جب میرا حسین کربلا میں شہید کر دیا جائے گا تو یہ مٹی سرخ ہو جائیگی اور وہ حضور نے ام سلمہ کو دی تھی، حضرت ام سلمہ نے وہ مٹی ایک شیشی میں بند کر کے رکھ دی تھی جس دن امام حسین کربلا میں شہید ہوئے وہ مٹی خون

بن گئی نیز ام سلمہ فرماتی ہیں جس دن حسین شہید ہوئے اسی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے کہیں باہر تشریف لے گئے ہیں اور تھوڑی دیر کے بعد تشریف لائے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال مبارک بکھرے ہوئے اور غبار آلود ہیں ہاتھ میں کچھ پکڑا ہوا ہے۔ میں نے عرض کی کہ حضور یہ کیا حالت ہے فرمایا آج میں عراق کی زمین کربلا میں گیا تھا وہاں بیٹے حسین اور میرے دیگر فرزندوں اور ان کے ساتھیوں کو لوگوں نے شہید کر دیا ہے۔ ان کا خون اٹھا کر لایا ہوں۔ یہ وہی خون ہے علامہ نورالدین علی بن محمد الصباغ مالکی المتوفی ۸۵۵ھ نے اپنی کتاب فصول المہمہ میں اس روایت کو نقل کیا ہے (تہذیب التہذیب ص۳۴۷ ج ۲، صواعق محرقہ ص۱۹۱، نورالابصار ص۲۳۲) شرجیل جعفی عبداللہ بن نجی سے روایت کرتے ہیں کہ میرے باپ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کے ساتھ صفین تشریف لے گئے۔ میرا باپ حضرت علی کو وضو کراتا تھا جب حضرت علی نے دریائے فرات کے مقابل ایک گاؤں نینوی میں قیام فرمایا تو حضرت علی نے کہا ابو عبداللہ (حضرت امام حسین کی کنیت ہے) اس فرات کے کنارے پر صبر کرنا میرے والد کہتے ہیں میں نے کہا آپ کس ابو عبداللہ کو فرما رہے ہیں کہ صبر کرنا تو حضرت علی نے فرمایا کہ میں ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور پاک کے آنسو جاری تھے میں نے عرض کیا حضور یہ کیا ہے فرمایا تمہارے آنے سے پہلے میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے تھے انہوں نے کہا ہے کہ حسین فرات کے کنارے شہید ہوں گے۔ پھر حضور نے مجھے فرمایا کہ کیا وہاں کی مٹی تم دیکھنا چاہتے ہو۔ میں نے عرض کیا ہاں تو حضور پاک نے اپنا ہاتھ لمبا کیا اور مٹھی بھر مٹی اٹھا کر مجھے دی پس بلا اختیار میرے آنسو بہنے لگے۔

(تہذیب التہذیب صہ ۳۴۶ ج ۲، سعادت الکونین صہ ۱۰۵) یحیٰی بن سعید انصاری عبید بن حنین سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ مجھے امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا ابھی بچپن تھا کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ منبر پر خطبہ ارشاد فرما رہے ہیں میں ان کو دیکھ کر منبر پر چڑھ گیا اور میں نے عمر سے کہا کہ یہ میرے باپ کا منبر ہے آپ اس سے اتر جائیے اپنے باپ کے منبر پر جائیے انہوں نے کہا اے ابن رسول اللہ میرے باپ کا تو کوئی منبر نہیں ہے کہا جاؤں یہ آپ کا ہی ہے پھر انہوں نے مجھے اپنے پاس بٹھایا۔ جب خطبہ پڑھ کر فارغ ہوئے تو مجھے اپنے ساتھ گھر تشریف لے گئے اور فرمایا حسین، کیا کسی نے تم کو کہا تھا کہ عمر فاروق کو اس طرح کہو آپ نے فرمایا ہرگز نہیں یہ میں نے اپنی طرف سے کہا ہے (تہذیب التہذیب صہ ۳۴۶ ج ۲، سعادت الکونین صہ ۹۸) امام احمد بن حنبل نے اپنی سند کے ساتھ ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو حسن اور حسین کے ساتھ محبت رکھتا ہے میں اس کے ساتھ محبت رکھتا ہوں اور جو ان سے بغض رکھتا ہے میں اس سے بغض رکھتا ہوں۔ ایک اور روایت جو ابو ہریرہ سے ہی مروی ہے اس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی، حسن، حسین اور حضرت فاطمہ کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ جو تمہارے ساتھ لڑائی کرے گا میں اس کے ساتھ لڑائی کروں گا اور جو تمہارے ساتھ مصالحت کرے گا میں اس کے ساتھ مصالحت کروں گا۔ (البدایہ والنہایہ صہ ۲۰۵ ج ۸) اب اس سے ظاہر ہے کہ جس نے امام حسین کے ساتھ جنگ کی اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ کی اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ کرتا ہے وہ ملعون اور ازلی بدبخت ہے اس کے لیے آخرت میں کوئی ذریعہ نجات نہیں ہے

چنانچہ حافظ ذھبی المتوفی سن۷۴۸ھ نے لکھا ہے کہ شمر بن ذی الجوشن جو قاتلان حسین میں پیش پیش تھا ایک مرتبہ دعا کرنے لگا کہ اے اللہ مجھے بھی بخش دے تو ابو اسحاق نے کہا کہ تجھے کبھی بھی خدا نہیں بخشے گا کہ تو نے حسین ابن رسول اللہ کو شہید کیا ہے (میزان الاعتدال ص۲۸۰ ج ۲) امام بخاری نے ابن ابی نعیم سے روایت کی ہے کہ میں نے عبداللہ بن عمر سے سنا ہے جبکہ ان سے ایک سائل نے یہ سوال کیا کہ اگر کسی نے احرام باندھا ہوا ہو اور وہ حالت احرام میں مچھر کو مار ڈالے تو اس کا کیا کفارہ ہے۔ ابن عمر نے سائل سے پوچھا تم کہاں کے رہنے والے ہو اس نے کہا کہ عراقی ہوں۔ ابن عمر نے کہا کہ اے عراقی (بڑے افسوس کی بات ہے) کہ تو نے مکھی اور مچھر کے قتل کے بارے میں تو سوال کیا ہے اور تیری قوم نے تو رسول اللہ کے بیٹے کو قتل کیا ہے اس کے بارے میں تو نے شرعی حکم نہیں پوچھا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دونوں بیٹوں حسن اور حسین کے بارے میں فرمایا تھا وہ میرے دونوں پھول ہیں ان کے ساتھ لڑائی میرے ساتھ لڑائی ہے (البدایہ والنہایہ ص۲۰۵ ج ۸) امام احمد بن حنبل المتوفی سن۲۴۱ھ نے ابی سابط سے روایت کی ہے کہ امام حسین مسجد میں تشریف لائے تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جو پسند کرے کہ وہ اہلِ جنت کے سردار کو دیکھے وہ ان کو (امام حسین) دیکھے یہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے (البدایہ والنہایہ ص۲۰۶ ج ۸) امام حسین علیہ السلام کے بے شمار فضائل و کمالات ہیں (۲۱) اس سے بڑھ کر کیا فضیلت ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں اور جو حسین سے محبت رکھے اس سے اللہ تعالیٰ محبت رکھے۔

❊

امام حسین علیہ السلام کی شہادت:

امام حسین علیہ السلام کی شہادت ۱۰ محرم ۶۱ھ میں جمعہ کے دن میدان کربلا میں جسے طف بھی کہتے ہیں ہوئی طف بفتح طاء و تشدید فا ساحل اور کنارے کو کہتے ہیں جہاں امام حسین علیہ السلام شہید ہوئے تھے اسے طف اس وجہ سے کہتے ہیں وہ ایک طرف پر ہے۔ متصل فرات کے، آپ کی عمر مبارک اس وقت ۵۸ سال تھی۔ آپ بہت بہادر تھے۔ بوقت شہادت آپ کے جسم پاک پر ۳۳ زخم نیزوں کے اور ۳۴ زخم تلواروں کے لگے اور آپ کی شہادت کا واقعہ ہماری کتاب زین العابدین میں ملاحظہ کیجیے اور آپ کو شہید یزید بن معاویہ نے ابن زیاد کو کہہ کر کرایا۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں وقد تقدم انہ قتل الحسین واصحابہ علی یدی عبید اللہ بن زیاد (البدایہ والنہایہ صـ۲۲۲ ج ۸) یہ پہلے گزر چکا ہے کہ یزید بن معاویہ نے حسین اور آپ کے ساتھیوں کو عبید اللہ بن زیاد علیہ اللعنۃ کے ہاتھوں سے قتل کرایا اور امام حسین علیہ السلام کے قتل میں بڑے بڑے شریک ہونے والے شیطان اور لعنتی یہ تھے۔ شمر بن ذی الجوشن بن الاوس بن الاعور العامری الضبابی الکلابی، سنان بن ابی عمر بن انس النخعی۔ عمرو بن سعد بن ابی وقاص بن ابیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب۔

زرعہ بن شریک تمیمی، حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جب امام حسین شہید ہو گئے تو عمرو بن سعد نے دس شہسواروں کو بلا کر کہا کہ تم اب امام حسین علیہ السلام کے جسم پاک پر اتنی دیر گھوڑے دوڑاؤ کہ جسم کے ٹکڑے ٹکڑے، ریزے ریزے ہو جائیں، چنانچہ عمرو بن سعد کے کہنے پر آپ کے جسم پاک پر گھوڑے دوڑائے

گئے نیز عمر و بن سعد نے خولی بن یزید اصبحی علیہ اللعنۃ کو کہا کہ امام حسین کا سر کاٹ کر ابن زیاد کے پاس لیجائے۔ چنانچہ خولی بن یزید امام حسین کا سر کاٹ کر کوفہ میں ابن زیاد کے پاس لے کر گیا لیکن آگے جہاں ابن زیاد رہتا تھا اس محل کے تمام دروازے بند تھے اور خولی سر مبارک لے کر اپنے گھر آگیا اور اپنی بیوی نوار بنت مالک کو کہا کہ سارے زمانے کی عزت میں تیرے پاس لے آیا ہوں اس نے پوچھا کیا لائے ہو کہنے لگا امام حسین کا سر لایا ہوں اس نے کہا کہ لوگ تو سونا اور چاندی لاتے ہیں تو رسول اللہ کی بیٹی کے بیٹے کا سر لایا ہے اللہ کی قسم میں اور تو دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے اسی وقت وہ اٹھی اور چلی گئی (البدایہ والنہایہ صفہ ۱۹۰ ج ۸) نیز حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جس دن امام حسین کربلا میں شہید ہوئے اسی دن ابن عباس نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے ہیں اور آپ کے پاس ایک شیشی (بوتل) ہے جس میں خون ہے آپ نے فرمایا ابن عباس کیا تو جانتا ہے کہ لوگوں نے میرے بیٹے حسین کو کربلا میں شہید کر دیا ہے اور یہ خون ان کا ہی ہے۔ اب میں خون حسین کو لے کر اللہ کی بارگاہ میں استغاثہ دائر کر رہا ہوں

امام ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ نے اپنی سند کے ساتھ رزین سلمی سے روایت کی ہے کہ یہ کہتی ہیں کہ میں حضرت ام سلمہ کے پاس حاضر ہوئی میں نے دیکھا کہ آپ رو رہی ہیں میں نے رونے کا سبب پوچھا تو ام سلمہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ کو خواب میں دیکھا ہے کہ آپ کا سر اور داڑھی مبارک غبار آلودہ ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کیا حالت ہے تو فرمایا میرا بیٹا حسین شہید ہو گیا ہے وہاں سے آیا ہوں (البدایہ والنہایہ صفہ ۲۰۵ ج ۸)۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی طرف وحی نازل فرمائی جس میں فرمایا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن لوگوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کیا تھا میں نے یحییٰ علیہ السلام کے بدلے ان کے ستر ہزار آدمی قتل کرائے اور جن لوگوں نے آپ کے بیٹے حسین کو شہید کیا ہے میں حسین کے بدلے ان لوگوں کے دوگن یعنی ایک لاکھ چالیس ہزار آدمی قتل کراؤں گا (تہذیب التہذیب ص۳۵۴ ج ۲) اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ مختار ثقفی اور عبداللہ سفاح کے زمانے میں پورا ہوا وہ اس طرح کہ مختار ثقفی نے ستر ہزار شامی و کوفی قتل کیے اور پھر سلطنت عباسی کے بانی کے ہاتھ ستر ہزار شامی و کوفی مارے گئے۔ قاتلان حسین کا جو برا انجام ہوا اس کا مختصر ذکر ہم نے اپنی کتاب "امام زین العابدین" میں کیا ہے۔ عمرو بن سعد نے جب امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک خولی ملعون کے ہاتھ ابن زیاد کے ہاں کوفہ میں بھیجا تھا تو دوسرے شہداء کربلا کے بھی سر کاٹ کر ابن زیاد خبیث کے پاس بھیج دیے چونکہ امام حسین علیہ السلام کے ۷۲ آدمی شہید ہوئے تھے لہٰذا ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ۷۲ شہداء کے سر کاٹ کر عمرو بن سعد نے ابن زیاد کے پاس بھیج دیے اور ان شہداء کے لاشے دشت کربلا میں بے گور و کفن پڑے رہے۔ دوسرے روز اگلے دن بوقت عصر ۱۱ محرم ۶۱ھ بنو اسد مقام غاضریہ سے آئے اور انہوں نے ان تمام لاشوں اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی لاش پاک کے ٹکڑے جمع کر کے سب کو دفن کر دیا۔ علامہ ابن صباغ نے لکھا ہے اسی جگہ پر امام حسین علیہ السلام کا روضہ انور ہے، تمام دنیا وہاں ہی زیارت کے لیے حاضر ہوتی ہے۔ چونکہ امام حسین کا سر مبارک ابن زیاد ملعون نے یزید خبیث کے پاس دمشق بھیج دیا تھا لہٰذا مورخین اور محدثین نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ امام حسین

کا سر مبارک کہاں دفن کیا گیا ہے۔ علامہ شبلنجی نے اس بارے میں متعدد اقوال نقل کیے ہیں جن میں سے ایک قول یہ ہے کہ سر مبارک مدینہ منورہ جنت البقیع میں مدفون ہے جہاں آپ کی والدہ ماجدہ فاطمۃ الزہراء خاتون جنت اور آپ کے بھائی امام حسن علیہ السلام مدفون ہیں اور دوسرا قول صوفیاء کرام کا ہے کہ کربلا میں جہاں آپ کا جسم مبارک مدفون ہوا وہی آپ کا سر مبارک بھی لا کر دفن کیا گیا (نور الابصار صفحہ ۲۲۴) زیادہ صحیح قول صوفیاء کرام کا ہے کیونکہ سیدہ زینب علیہا السلام اور امام زین العابدین علیہ السلام یہ تو نہیں کر سکتے تھے کہ امام حسین کا جسم مبارک تو کربلا میں مدفون ہو اور سر مبارک کسی اور جگہ مدفون ہو لہٰذا جب امام زین العابدین دمشق سے واپس کربلا میں تشریف لائے تھے تو آپ نے اپنے والد ماجد کا سر مبارک کربلا میں دفن کیا تھا۔ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

امام حسین علیہ السلام کی اولاد اطہار:

امام حسین علیہ السلام کی اولاد پاک میں مختلف اقوال ہیں۔ علامہ ابن جوزی المتوفی ۵۹۷ھ صفوۃ الصفوۃ میں لکھتے ہیں کہ آپ کے تین صاحبزادے تھے (۱) امام علی اکبر یہ کربلا میں شہید ہوئے تھے (۲) علی الاوسط امام زین العابدین (۳) علی اصغر یہ بھی کربلا میں شہید ہو گئے تھے اور دو صاحبزادیاں تھیں (۱) حضرت فاطمہ (۲) حضرت سکینہ، ہم نے اپنے فتاویٰ برطانیہ میں امام حسین کی اولاد اطہار کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ کے صاحبزادے چار تھے چوتھے صاحبزادے حضرت جعفر تھے یہ بچپن میں ہی مدینہ منورہ میں فوت ہو گئے تھے۔ امام حسین کی آگے نسل صرف امام زین العابدین سے چلی ہے۔

امام زین العابدین علیہ السلام :

آپ امام چہارم ہیں آپ کا اسم گرامی علی ہے۔ کثرت عبادت کی وجہ سے آپ کو زین العابدین کہا جاتا ہے نیز آپ کو سجاد بھی کہا جاتا ہے آپ کی ولادت پاک مدینہ منورہ میں ۲۵ جمادی الاول ۳۸ھ میں ہوئی تھی۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام شہربانو بنت یزدجرد بن شہریار بن خسرو پرویز بن ہرمز بن کسریٰ نوشیروان عادل ہے۔ آپ میدانِ کربلا میں تشریف لے گئے آپ کی اس وقت عمر مبارک ۲۳ سال تھی سخت بیمار ہونے کی وجہ جنگ میں جانے کی اجازت نہ ملی۔ علامہ سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ نے آپ کا ذکر حفاظ کے طبقہ ثالثہ میں ذکر کیا ہے۔ زہری نے کہا کہ میں نے کوئی قریشی آپ سے نہ افضل دیکھا ہے اور نہ فقیہ دیکھا ہے۔ امام مالک نے کہا کہ آپ اہل فضیلت تھے۔ ابن مسیب نے کہا کہ میں نے آپ سے زیادہ کسی کو پرہیزگار نہیں دیکھا۔ ابن ابی شیبہ نے کہا کہ تمام سندوں سے صحیح سند زہری علی بن الحسین عن ابیہ عن علی ہے آپ کے تفصیلی حالات ہماری کتاب "امام زین العابدینؑ" میں ملاحظہ کیجیے۔ امام زین العابدین کی نسل دنیا میں چھ فرزندوں سے جاری ہے (۱) عبداللہ الباہر (۲) زید الشہید (۳) عمر الاشرف (۴) حسین الاصغر (۵) علی الاصغر (۶) امام باقر علیہ السلام۔ آپ کی صاحبزادیوں کا ذکر ہم نے حسب ونسب جلد سوم میں کیا ہے۔

۱۔ عبداللہ الباہر بن علی زین العابدین بن امام حسین بن علی بن ابی طالب

حضرت عبداللہ کا لقب الباہر ہے۔ آپ بہت خوبصورت تھے، بایں وجہ

آپ کو الباھر کہا جاتا ہے آپ کی والدہ کا نام ام عبداللہ فاطمہ بنت الحسن بن علی بن ابی طالب ہے یہ حضرت امام باقر علیہ السلام کی بھی والدہ ہیں اور عبداللہ الباہر کے بیٹے محمد الارقط تھے اور محمد الارقط کے بیٹے اسماعیل تھے اور اسماعیل کے دو بیٹے تھے (۱) حسین البنفسج (۲) محمد۔ اور حسین البنفسج کا بیٹا احمد تھا احمد اور اس کی اولاد شیراز میں قیام پذیر تھی اور البنفسج کا دوسرا بیٹا عبداللہ الاکبر تھا۔ اس کی اولاد جرجان اور رے شہر میں موجود تھی اور محمد بن اسماعیل کا بیٹا اسماعیل تھا یہ سیاہ کپڑے پہنا کرتے تھے اور اسماعیل بن محمد اسماعیل کا بیٹا محمد غریق تھا اس کی اولاد کو بنو غریق کہا جاتا ہے یہ زیادہ تر مصر اور علاقہ شام میں موجود تھے آگے ان کی اولاد مستغرق ہو گئی۔

۲۔ امام زید الشہید بن علی زین العابدین بن حسین بن علی بن ابی طالب

امام زید علیہ السلام اہل بیت اطہار میں سے ایک عظیم شخصیت تھے آپ ہمیشہ اپنے آپ کو خلافت کا اہل سمجھتے تھے اسی سلسلہ میں اہل کوفہ آپ کے پاس جمع ہو گئے اور آپ کی بیعت کرنا شروع کی، نیز مدائن، بصرہ واسط موصل، خراسان، جرجان وغیرہ کے لوگوں نے بھی آپ کی بیعت کر لی تو آپ نے خلافت کا اعلان کیا اور سنہ ۱۲۲ھ میں ہشام بن عبدالملک کے خلاف خروج کیا ہشام بن عبدالملک نے آپ کے مقابلہ کے لیے یوسف بن عمر ثقفی کو روانہ کیا۔ جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو امام زید کے ساتھی (شیعہ) کہنے لگے کہ ہم آپ کا ساتھ اس وقت دیں گے جب آپ ابو بکر صدیق اور عمر فاروق کے بارے میں اپنی رائے تبدیل کریں گے۔ یہ سن کر

امام زید نے فرمایا ان دونوں (ابوبکر، عمر) کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا میں نے تو بنوامیہ کے خلاف خروج (اعلانِ حق) کیا ہے یہ میرے دادا حسین کے خلاف ہیں یہ سن کر کوفی شیعوں نے کہا کہ ہم نے آپ کے ساتھ جو بیعت کی ہے وہ فسخ کرتے ہیں۔ امام زید علیہ السلام نے ان کو رافضی ہونے کا خطاب دیا۔ بقول حافظ ابن کثیر آپ کے ساتھ صرف دو سو اٹھارہ آدمی رہ گئے سخت مقابلہ ہوا۔ امام زید علیہ السلام کی پیشانی میں تیر لگا آپ شہید ہو گئے آپ کا سر مبارک کاٹ کر ہشام بن عبدالملک کے پاس بھیج دیا گیا اور آپ کا جسم مبارک سولی پر لٹکا دیا گیا۔ چار سال تک آپ کا جسم مبارک سولی پر لٹکا رہا۔ ابن عماد حنبلی المتوفی ۱۰۸۹ھ لکھتے ہیں کہ جب آپ کو سولی پر چڑھایا گیا تو آپ کے جسم کو دشمنوں نے ننگا کر دیا۔ اس وقت عنکبوت (مکڑی) نے آپ کے جسم پر جالا تن دیا چار سال کے بعد آپ کا جسم سولی سے اتارا گیا اور اس کو جلایا گیا اور اس کی خاک (راکھ) دریائے فرات میں ڈال دی گئی (البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۲۰ ج ۹۔ شذرات الذہب صفحہ ۱۵۹ ج ۱) ہم نے امام زید علیہ السلام کے مختصر حالات اپنی کتاب "امام زین العابدین" میں ذکر کیے ہیں وہاں ملاحظہ کریں۔

امام زید علیہ السلام کی اولاد امجاد :

امام زید علیہ السلام کے چار بیٹے تھے (۱) یحییٰ بن زید۔ ان کی والدہ کا نام ریطہ بنت ابی ہاشم عبداللہ بن محمد بن الحنفیہ بن امیر المومنین علی بن ابی طالب ہے، جب امام زید شہید ہو گئے تو یحییٰ بن زید مدائن چلے گئے یوسف بن عمر ثقفی نے ان کے پیچھے اپنے آدمی بھیجے تاکہ ان کو پکڑ کر لے آئیں لیکن

یحییٰ بن زید رے کی طرف چلے گئے پھر وہاں سے نیشا پور چلے گئے پھر یہاں سے نکل کر سرخس چلے گئے وہاں یزید بن عمر تمیمی کے پاس چھ ماہ قیام کیا ان ایام میں ہشام بن عبدالملک مر گیا۔ اس کے بعد ولید بن یزید بن عبدالملک بادشاہ بنا۔ ولید بن یزید نے نصر بن سیار لیثی کو یحییٰ بن زید کی تلاش میں بھیجا اور کہا کہ جہاں کہیں ملیں ان کو گرفتار کر لو اس نے بلخ پہنچ کر یحییٰ بن زید کو گرفتار کر لیا اور قید کر دیا اور یوسف کو اطلاع دی اور یوسف نے ولید بن یزید کو اطلاع دی مگر ولید بن یزید نے کہا کہ یحییٰ بن زید کو چھوڑ دیا جائے چنانچہ یحییٰ بن زید کو چھوڑ دیا گیا۔ اس کے بعد یحییٰ بن زید جوزجان چلے گئے اہل جوزجان سے پانچ سو آدمی آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ نصر بن سیار کو اس کا علم ہوا تو اس نے سالم بن احوز کو ان کے مقابلہ کا حکم دیا۔ سالم بن احوز لشکر لے کر مقابلہ کے لیے پہنچ گیا تین دن سخت لڑائی ہوئی یحییٰ بن زید کے سارے ساتھی مارے گئے۔ یہ معرکہ ۱۲۵ھ بمقام ارغوی میں ہوا اور اس وقت یحییٰ بن زید کی عمر ۱۸ سال تھی، یحییٰ کا سر کاٹ کر ولید بن یزید کے پاس بھیجا گیا اور ولید بن یزید نے یحییٰ کا سر مدینہ منورہ میں ان کی ماں ریطہ کے پاس بھیج دیا اور کہا کہ یہ سر یحییٰ کی ماں کی گود میں رکھا جائے۔ چنانچہ اسی طرح کیا گیا اور اللہ تعالےٰ سخت انتقام اور بدلہ لینے والا ہے۔ جب عباسی دور حکومت کا آغاز ہوا تو عبداللہ بن علی بن عبداللہ بن عباس نے مروان بن محمد کو جب قتل کیا تو مروان بن محمد کا سر کاٹ کر اس کی ماں کے پاس بھیج دیا اور کہا کہ یہ سر مروان بن محمد اموی کی ماں کی گود میں رکھا جائے۔ چنانچہ اسی طرح کیا گیا۔ یحییٰ بن زید کی کوئی اولاد نہیں تھی لہٰذا ان سے نسل جاری نہیں ہے البتہ امام زید علیہ السلام کی نسل باقی تین

فرزندوں، حسین ذی الدمعہ، عیسٰے موتم الاشبال، اور محمد سے چلی ہے۔

حسین ذی الدمعہ بن امام زید الشہید:

حسین کو ذی الدمعہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ امام زید اور یحیٰی بن زید کے قتل کے بعد زیادہ روتے تھے۔ لہٰذا ان کو ذی الدمعہ کہتے ہیں ان کی تربیت امام جعفر صادق علیہ السلام نے کی تھی۔ بایں وجہ یہ بہت بڑے عالم و فاضل تھے آپ کی وفات ۱۴۰ھ ہے۔ آپ کے تین بیٹے تھے (۱) یحیٰی بن ذی الدمعہ (۲) حسین بن ذی الدمعہ (۳) علی بن ذی الدمعہ۔ ان تینوں کی نسل کثیر ہے یہ لوگ ہندوستان کیتھل، سنبھل وغیرہ میں موجود ہیں۔

عیسٰے موتم الاشبال بن امام زید الشہید:

عیسٰے کو مؤتم الاشبال اس لیے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اس شیر کو قتل کیا جس کے بچے تھے تو ان کو مؤتم الاشبال کہا جانے لگا کہ شیر کے بچوں کو یتیم کرنے والے ہیں یہ عیسٰے مؤتم الاشبال ابراہیم بن عبداللہ المحض کے وصی تھے اور جنگ میں ان کے علم بردار ہوا کرتے تھے جب ابراہیم بن عبداللہ المحض شہید ہو گئے تو یہ مخفی اور پوشیدہ ہو گئے اور کوفہ میں لوگوں کے گھروں کو پانی دیا کرتے تھے۔ چنانچہ محمد بن محمد بن زید الشہید نے اپنے باپ محمد بن زید الشہید سے کہا کہ میں اپنے چچا عیسٰے بن زید کو دیکھنا چاہتا ہوں تو انہوں نے کہا اگر تم چچا کو دیکھنا چاہتے ہو تو کوفہ میں چلے جاؤ اور کوفہ کی فلاں سڑک پر جا کر بیٹھ جانا وہاں سے ایک آدمی گزرے گا جس کی پیشانی پر سجادہ کا نشان ہو گا اور اونٹ پر پانی کے مشکیزے ہوں گے۔ ہر قدم پر اللہ

کی تسبیح و تقدیس کرتا ہو گا وہ تمہارا چچا عیسٰے ہو گا۔ محمد بن محمد کہتے ہیں کہ میں کوفہ میں گیا وہاں اس سڑک پر بیٹھ گیا یہاں تک کہ میرے چچا تشریف لے آئے ان کی پیشانی میں سجادہ کا نشان تھا اور ساونٹ پر پانی کے مشکیزے بھی تھے میں نے ان کے ہاتھوں کو پکڑ کر بوسہ دیا وہ مجھ سے کچھ گھبرا گئے۔ میں نے کہا کہ میں محمد بن محمد بن زید ہوں ان کو کچھ اطمینان ہوا پھر اونٹ بٹھا کر ایک دیوار کے سائے میں بیٹھ گئے اور مجھ سے باتیں کرنا شروع کر دیں اور مجھ سے گھر کے تمام حالات و کوائف پوچھے پھر فرمایا بیٹا اب دوبارہ میرے پاس نہ آنا مجھے شہرت سے خطرہ ہے۔ شیخ تاج الدین نے ذکر کیا ہے کہ عیسٰے بن زید نے کوفہ میں ایک عورت سے نکاح کر لیا تھا وہ آپ کو پہچانتی نہیں تھی۔ اس سے آپ کی ایک بیٹی ہوئی، بیٹی جوان ہو گئی چونکہ عیسٰے سقا (پانی بیچنے) کا کام کرتے تھے، ایک گھر جس میں پانی دیا کرتے تھے ان کا ایک بیٹا تھا جو کہ نیک اور جوان تھا اس لڑکے کے ماں باپ نے مشورہ کیا کہ اس سقا سے لڑکی کا رشتہ مانگنا چاہیے۔ انہوں نے عیسٰے کی بیوی سے اس بارے میں گفتگو کی وہ راضی ہو گئی اور اس نے اپنے خاوند عیسٰے سے بات کی آپ اس معاملہ میں بڑے حیران ہو گئے کہ میری بیٹی جگر گوشہ رسول ہے اور سیدزادی ہے اور یہ لوگ غیر ہیں ان کو اپنی بیٹی کا کیسے نکاح دوں۔ آپ چونکہ مختفی زندگی گزار رہے تھے لہٰذا اپنی بیوی کے سامنے اپنا نسب اور اپنی بیٹی کے بارے میں ظاہر نہیں کرنا چاہتے کہ سیدزادی ہے یہ غیر سید کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتی۔ آپ نے اپنی بیٹی پہ بددعا کی۔ وہ اسی وقت زمین پر گر پڑی اور فوت ہو گئی۔ (عمدۃ الطالب ص ۳۱۸، علامہ ابو الفرج اصفہانی المتوفی ۳۵۶ھ لکھتے ہیں کہ آپ نے اپنی بیٹی کی وفات کے

بعد کہا کہ میں اس حالت میں ہوں کہ لوگوں کو یہ بتا نہیں سکتا بان ذالک غیر جائز کہ یہ نکاح جائز نہیں تھا کیونکہ یہ لڑکا ہمارا کفو نہیں ہے (مقاتل الطالبین ص۲۴۷) اس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ کی اولاد سادات کرام اپنے نسب کا خیال رکھتے ہیں اپنی بیٹیوں کا نکاح غیر سادات کے ساتھ نہیں کرتے، عیسٰے بن زید اپنے اختفار کے زمانے میں حج کے لیے تشریف لے گئے وہاں سفیان ثوری سے ایک سوال پوچھا تو سفیان ثوری نے کہا کہ اس معاملہ میں کچھ بادشاہ وقت کا بھی تعلق ہے لہٰذا میں یہ بتانے سے معذور ہوں وہاں سفیان ثوری کو ایک آدمی نے کہا کہ یہ تو عیسٰے بن زید ہیں، سفیان ثوری نے اٹھ کر آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور اپنی جگہ بٹھایا اور آپ کے سوال کا جواب بھی دیا۔ عیسٰے بن زید کی وفات سنہ ۱۹۶ھ میں ہوئی اور آپ کے چار بیٹے تھے (۱) احمد (۲) زید (۳) محمد (۴) الحسین ان چاروں بھائیوں کی آگے اولاد اور نسل کثیر ہے ان میں سے محمد کی نسل ہندوستان میں موجود ہے۔

محمد بن زید الشہید:

محمد بن زید کا بیٹا محمد تھا اس محمد بن محمد بن زید کا پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ یہ اپنے چچا عیسٰے کے پاس کوفہ میں گئے تھے اور جب ابوالسرایا السری بن منصور الشیبانی نے حکومت وقت کے خلاف خروج کیا تھا تو ابوالسرایا نے محمد بن ابراہیم بن اسماعیل بن ابراہیم بن الحسن بن الحسن المجتبیٰ بن علی بن ابی طالب کے لیے لوگوں سے بیعت لی تھی پھر محمد بن محمد بن زید کے لیے بیعت لے لی اور ان کو ان کی جگہ مقرر کر دیا اور ان کا لقب المؤید رکھا اور اس محمد بن محمد کو مامون عباسی نے زہر پلا دیا جس کی وجہ سے یہ مرو میں سنہ ۲۰۲ھ میں

وفات ہو گئے انہوں نے اپنے پیچھے ایک بیٹا ابو عبداللہ جعفر الشاعر چھوڑا تھا
اور ابو عبداللہ جعفر الشاعر کے تین بیٹے تھے (۱) محمد الخطیب (۲) احمد سکین (۳) القاسم
ان تینوں کی آگے نسل جاری ہے۔

۳) عمر الاشرف بن زین العابدین علی بن حسین بن علی بن ابی طالب

یہ امام زید الشہید کے ماں کی طرف سے سگے بھائی ہیں اور عمر میں ان سے بڑے ہیں ان کی کنیت ابو علی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ابو حفص ہے ان کو اشرف بہ نسبت عمر اطرف کے کہا جاتا ہے کہ عمر اشرف کو فضیلت اس وجہ سے ہے کہ وہ خاتون جنت کی اولاد سے ہیں اور عمر اطرف کو فضیلت حضرت علی شیر خدا کی نسبت سے ہے یعنی ایک طرف سے اس لیے ان کو اطرف کہا گیا، یہ اس طرح ہے جیسے کہ جعفر طیار کی اولاد میں ہے کہ اسحاق عریضی کو اطرف کہا جاتا ہے اور اسحاق بن علی زینبی کو اشرف کہا جاتا ہے کہ اسحاق عریضی کو صرف ایک نسبت ہے کہ وہ عبداللہ بن جعفر طیار کی طرف نسبت ہے اور اسحاق بن علی زینبی کو دو نسبتیں ہیں کہ علی زینبی کی والدہ سیدہ زینب بنت علی ہیں بایں وجہ اسحاق بن علی زینبی اشرف ہوئے اور اسحاق عریضی کی ماں ام ولد ہے لہٰذا یہ اطرف ہوئے۔ عمر الاشرف کی عمر ۶۵ سال تھی کہ آپ کی وفات ہوئی اور عمر اشرف کا صرف ایک ہی بیٹا تھا جس کا نام علی الاصغر المحدث تھا یہ حدیث کی روایت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کرتا تھا اور اس علی الاصغر المحدث کے تین بیٹے تھے (۱) القاسم (۲) عمر الشجری (۳) ابو محمد الحسن اور ان میں سے القاسم بن علی الاصغر المحدث کی کنیت ابو علی ہے یہ شاعر تھے پہلے

بغداد میں منتقل ہو گئے پھر حجاز چلے گئے وہاں سے ان کو ہارون الرشید نے گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا تھا اور قاسم بن علی الاصغر المحدث کا بیٹا ابو جعفر محمد الصوفی تھا اس کا لقب صوفی اس لیے تھا کہ یہ صوف کا لباس پہنتے تھے معتصم باللہ المتوفی سنہ ۲۲۷ھ کے زمانہ میں ان کا ظہور طالقان میں ہوا ان کی جنگ عبداللہ ابن الطاہر سے ہوئی ان کو شکست ہوئی عبداللہ بن طاہر نے ان کو گرفتار کر کے بغداد بھیج دیا وہاں معتصم نے ان کو قید میں ڈال دیا یہ قید سے بھاگ پڑے ان کو پکڑا گیا اور ان کو قتل کر کے باب شماسیہ میں دار پر لٹکایا گیا یہ زیدیہ کے اماموں سے ایک تھے۔ اور عمر شجری بن علی الاصغر المحدث کی نسل صرف ایک لڑکے ابو عبداللہ محمد سے چلی ہے ابو عبداللہ کے دو بیٹے تھے (۱) عمر بن محمد (۲) علی بن محمد، ان کی اولاد اور نسل کثیر ہے۔ اور ابو محمد الحسن بن علی الاصغر المحدث کے تین بیٹے تھے (۱) ابوالحسن علی العسکری (۲) جعفر دیباجہ (۳) ابو جعفر محمد ان میں سے علی العسکری کے تین بیٹے تھے (۱) ابو علی احمد الصوفی الفاضل المصنف (۲) ابو عبداللہ الحسین الشاعر المصنف (۳) ابو محمد الحسن الناصر الکبیر الاطروش ان میں سے ابو علی احمد الصوفی الفاضل المصنف کی اولاد مصر میں رہائش پذیر تھی اور ابو عبداللہ الحسین الشاعر المصنف کی بھی نسل کثیر جاری تھی اور ابو محمد الحسن الناصر الکبیر الاطروش یہ شیعہ زیدیہ کے پیشوا اور امام تھے اور علاقہ دیلم میں چلے گئے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ لوگوں نے دعوت کو قبول کیا اور ان کو اپنا بادشاہ بنایا، انہوں نے تین سال اور تین ماہ وہاں حکومت کی اور سنہ ۳۰۴ھ میں آمل شہر میں فوت ہو گئے اور جعفر دیباجہ بن ابو محمد الحسن بن علی الاصغر المحدث کی اولاد سے ابو جعفر محمد النقیب الطبری بن حمزہ بن محمد الفارس بن الحسن بن محمد بن جعفر دیباجہ ہے

ور نقیب طبری کی اولاد بغداد میں تھی اور ان کی نسل جاری ہے اور ابو جعفر محمد بن ابوالحسن بن علی الاصغر المحدث کے دو بیٹے تھے (۱) احمد الاعرابی (۲) محمد الاخرس۔ ان دونوں کی آگے نسل جاری تھی۔

(۴) حسین الاصغر بن امام زین العابدین علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب

حسین الاصغر کی والدہ ماجدہ کا نام ساعدہ ہے آپ محدث، فاضل اور عالم تھے آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے۔ آپ ۱۵۷ھ میں فوت ہوئے آپ کی نسل کثیر ہے جو کہ حجاز، عراق، شام اور بلاد عرب و عجم میں موجود ہے، آپ کے نو بیٹے تھے (۱) عبیداللہ (۲) عبداللہ (۳) زید (۴) محمد (۵) ابراہیم (۶) یحیٰی (۷) سلیمان (۸) الحسن (۹) علی، ان میں سے پانچ سے نسل جاری ہے وہ یہ ہیں (۱) عبیداللہ (الاعرج) (۲) عبداللہ (۳) سلیمان (۴) الحسن (۵) علی، ان میں سے عبیداللہ الاعرج بن الحسین الاصغر بن امام زین العابدین کی کنیت ابو علی ہے ان کے پاؤں میں خرابی تھی لہٰذا ان کو اعرج کہا جاتا ہے ان کی والدہ کا نام خالدہ بنت حمزہ بن مصعب بن زبیر بن عوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (قریش) ہے انہوں نے نفس زکیہ کی بیعت نہیں کی تھی یہ ابو العباس سفاح کے پاس چلے گئے۔ انہوں نے ان کو بہت بڑی زمین اور جاگیر دا ری جس کی سالانہ آمدنی اسی ہزار دینار تھی جہاں ان کی زمین تھی اس جگہ کا نام ذی امان تھا یہ وہیں فوت ہو گئے۔ ان کے چار بیٹے تھے (۱) جعفر الحجۃ (۲) علی الصالح

(۳) محمد الجوانی (۴) حمزہ آگے ان چاروں کی نسل کثیر تھی۔ اور عبداللہ بن الحسین الاصغر کی والدہ بھی خالدہ بنت حمزہ بن مصعب بن زبیر بن عوام ہے یہ اپنے باپ کی زندگی میں فوت ہو گئے تھے ان کا ایک ہی بیٹا تھا جس کا نام عبیداللہ تھا وہ بڑا فصیح بلیغ تھا اس کی آگے نسل کثیر تھی اور علی بن حسین الاصغر کے تین بیٹے تھے جن سے آگے نسل چلی ہے (۱) عیسے الکوفی (۲) احمد (۳) موسیٰ حمصہ، اور عیسے الکوفی کی اولاد متفرق شہروں میں پھیلی ہوئی تھی اور احمد کی نسل بغداد میں تھی اور موسیٰ حمصہ کی اولاد مصر، مکہ اور دمشق میں تھی اور ابو محمد الحسن بن الحسین الاصغر کی والدہ عبدہ بنت داؤد بن امامہ بن سہل بن حنیف الانصاری ہے اور ابو محمد الحسن محدث عالم اور فاضل تھے یہ روم کے علاقہ میں فوت ہوئے ان کی بے شمار اولاد تھی جو متفرق شہروں میں پھیلی ہوئی ہے اور سلیمان بن حسین الاصغر کی والدہ بھی عبدہ بنت داؤد بن امامہ بن سہل بن حنیف الانصاری ہے۔ سلیمان کے ایک بیٹے سے نسل چلی ہے اس کا نام بھی سلیمان تھا آگے سلیمان بن سلیمان کے دو بیٹے الحسن اور الحسین سے نسل چلی ہے اور الحسن بن سلیمان کی اولاد مغرب میں تھی اور الشیخ ابو الحسن العمری نسابہ نے کہا ہے ان میں سے کچھ علاقہ مصر میں تھے جن کو بنو فاطمہ کہا جاتا ہے۔ نیز الحسن بن سلیمان بن سلیمان کی اولاد سے الشریف الطاہر الفاطمی دمشق میں اقامت پذیر تھا اور حسین بن سلیمان بن سلیمان کی اولاد خراسان، طبرستان میں موجود تھی۔

✣

(۵) علی الاصغر بن امام زین العابدین علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب

علی الاصغر کا بیٹا الحسن الافطس ہے اور الحسن الافطس کے پانچ بیٹے تھے (۱) علی الحریری (۲) عمر (۳) الحسین (۴) الحسن المکفوف (۵) عبد اللہ الشہید ان میں سے علی الحریری بن الافطس کی بے شمار اولاد تھی اور عمر بن الافطس کا ایک ہی بیٹا تھا جس کا نام علی تھا اور اس علی بن عمر بن الافطس کے پانچ بیٹے تھے (۱) ابراہیم (۲) عمر یہ دونوں آذربیجان میں اقامت پذیر تھے (۳) ابو الحسن محمد (۴) ابو عبد اللہ الحسین یہ دونوں قم میں تھے (۵) احمد اور ان پانچوں کی آگے نسل جاری تھی اور الحسین بن الافطس کی بھی آگے نسل جاری تھی اور الحسن المکفوف بن الافطس چونکہ نابینا تھے لہٰذا آپ کو مکفوف اور ضریر کہا جاتا ہے آپ کے چار بیٹے تھے جن سے آگے نسل چلی ہے (۱) علی بن الحسن المکفوف یہ یمن میں قتل ہو گئے تھے (۲) حمزہ سمان (۳) قاسم شعرالبط (۴) عبد اللہ المفقود، اور ان میں سے علی جو یمن میں قتل ہوئے تھے ان کی آگے نسل ان کے بیٹے الحسین (زرنج) سے چلی ہے اور حمزہ سمان کی نسل اور اولاد اہواز میں تھی اور قاسم شعرالبط کی کوفہ میں رہتی تھی اور عبد اللہ المفقود کی بھی آگے نسل جاری تھی اور عبد اللہ الشہید بن الافطس کو قرامطہ نے قتل کیا تھا یہ مقام فخ میں حاضر ہوئے تھے ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حسین صاحب فخ نے کہا تھا کہ یہ عبد اللہ الشہید بن افطس میرا وصی ہے اس کے دو بیٹے تھے (۱) عباس (۲) محمد الامیر اور ان دونوں سے نسل

جاری تھی اور ان کی اولاد مدائن کے علاقہ میں اقامت پذیر تھی۔

امام محمد باقر بن امام زین العابدین علی بن حسین بن علی بن ابی طالب

آپ امام پنجم ہیں اور امام زین العابدین علیہ السلام کے بیٹے ہیں سلسلہ نسب یہ ہے محمد باقر بن علی (زین العابدین) بن حسین بن سیدہ فاطمۃ الزہراء (زوجہ علی بن ابی طالب) بنت محمد رسول اللہ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (قریش) بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان، اور آپ کی والدہ ماجدہ ام عبداللہ فاطمہ بنت حسن بن علی بن ابی طالب ہے یعنی آپ باپ کی طرف سے حسینی ہیں اور والدہ کی طرف سے حسنی ہیں آپ کو دونوں نسبتیں حاصل ہیں جیسا کہ عبداللہ المحض کو دونوں نسبتیں حاصل ہیں کہ عبداللہ المحض والد کی طرف سے حسنی ہیں اور والدہ کی طرف سے حسینی ہیں، اب فرق یوں ہوگا کہ امام باقر علیہ السلام حسینی اور حسنی سید ہیں اور عبداللہ المحض حسنی اور حسینی سید ہیں، امام باقر مدینہ منورہ میں تیسری صفر ۵۷ھ بروز جمعہ امام حسین کی شہادت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے آپ کی کنیت ابوجعفر ہے۔ اور لقب باقر ہے۔

باقر کی وجہ تسمیہ:

باقر بقر سے مشتق ہے اور اسم فاعل ہے اس کا معنے پھاڑنے اور وسعت دینے کے ہیں (المنجد مصنفہ معلوف یسوعی) اور محیط المحیط میں ہے

بقرہ ای فتحہ وشقہ ووسعہ، یعنی اس کو کھولا اور پھاڑا اور وسعت دی۔ والباقر ایضاً المتبقر فی العلم و المتوسع فی المال علم اور مال میں زیادتی والا ہونا (محیط المحیط صلہ مصنف معلم بطرس البستانی) ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ آپ کو باقر اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ نے علوم و معارف کو نمایاں فرمایا اور علم و حکمت کے وہ خزانے جو مخفی اور پوشیدہ تھے ان کو کھولا اور ظاہر فرمایا (صواعق محرقہ صلہ۱۲) حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں وسمی الباقر لبقرہ العلوم واستنباطہ الحکم اور آپ کا باقر نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ آپ نے علوم کو کھولا اور ظاہر کیا اور احکام کو استنباط کیا۔ آپ رفیع النسب اور عالی الحسب تھے چنانچہ آپ کا نسب یہ ہے محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف آپ جلیل القدر تابعی تھے۔ آپ سے روایت کرنے والے، امام جعفر صادق، حکم بن عتیبہ، ربیعہ، امام اعمش، ابو اسحاق السبیعی، امام اوزاعی، ربیعۃ الرائی، ابن شہاب زہری وغیرہم ہیں اور علامہ عجلی نے کہا کہ وہ مدنی تابعی ثقہ تھے۔ علامہ ابن سعد نے کہا کہ وہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔ سفیان نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ امام جعفر نے کہا کہ میرے باپ اپنے زمانہ میں روئے زمین پر تمام سے بہتر تھے (البدایہ والنھایہ صلہ۳۰۹ ج ۹) علامہ سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ نے آپ کا ذکر طبقہ رابعہ میں کیا ہے۔ علامہ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ امام باقر علامہ زمان اور سردار کبیر الشان تھے۔ آپ علوم میں بڑے متبحر اور وسیع الاطلاع تھے (وفیات الاعیان صلہ۴۵ ج ۱) حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ آپ بنو ہاشم کے سردار اور متبحر علمی کی وجہ سے باقر مشہور تھے آپ علم کی تہ تک پہنچ گئے تھے اور آپ نے علم کے دقائق کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا (تذکرۃ الحفاظ صلہ۱۱۱ ج ۱) علامہ شبراوی لکھتے ہیں کہ امام محمد

باقر کے علمی تذکرے دنیا میں مشہور ہو گئے اور آپ کی مدح وثنا میں کثرت سے قصائد اور اشعار لکھے گئے ہیں۔ چنانچہ مالک بن اعین جہنی ایک قصیدہ میں آپ کی مدح کرتا ہے ۔

اذا طلب الناس علم القرآن کانت قریش علیہ عیالا

جب لوگ علم قرآن سمجھنے کا مطالبہ کریں تو قریش اس پر ہی محتاج تھے یعنی قریش علم قرآن بتلانے سے عاجز رہے کیونکہ امام باقر کے محتاج ہیں۔ اگر فرزند رسول (محمد باقر) کے منہ سے کوئی بات نکل جائے تو وہ بے شمار مسائل اور تحقیقات کے ذخیرے جمع کر دے یہ وہ ستارے ہیں جو ہر قسم کی تاریکیوں میں چلنے والوں کے لیے چمکتے ہیں اور ان کے انوار سے لوگ راستے پاتے ہیں (الاتحاف صہ ۱۵۔ نورالابصار صہ ۲۵۱) ابن حجر مکی المتوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں کہ ابن مدینی المتوفی ۲۳۴ھ نے حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے روایت کی ہے کہ جابر نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ امام حسین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود مبارک میں تھے حضور نے فرمایا اے جابر میرے اس فرزند کا لڑکا ہوگا جس کو قیامت کے دن فرشتہ سید العابدین کے نام سے پکارے گا پھر سید العابدین کا لڑکا ہوگا جس کا نام محمد باقر ہوگا جب تم محمد (باقر) سے ملاقات کرو تو میرا اسے سلام کہنا چنانچہ زبیر بن مسلم المکی نے کہا کہ ہم حضرت جابر کے پاس تھے ان کے پاس امام زین العابدین تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ آپ کے بیٹے محمد باقر علیہ السلام بھی تھے۔ امام زین العابدین نے اپنے بیٹے محمد باقر سے کہا کہ چچا جابر بن عبداللہ انصاری کے سر پر بوسہ دو۔ محمد باقر نے حضرت جابر کے سر پر بوسہ دیا اور اس وقت حضرت جابر کی نظر کمزور ہو چکی تھی تو حضرت جابر نے کہا کہ یہ کون ہیں۔ امام زین العابدین نے کہا کہ یہ میرا بیٹا

محمد ہے تو حضرت جابر نے کہا اے محمد (باقر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تم کو سلام فرمایا ہے۔ امام باقر نے فرمایا رسول اللہ پر بھی سلام ہو، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

امام باقر علیہ السلام کا علم و فضل :

امام باقر بڑے ذکی اور عقلمند تھے، بڑے بڑے مشکل مسائل کا حل فرما دیا کرتے تھے خواہ ان کا تعلق احکام دینیہ سے ہو یا معاملات دنیاوی سے ہو چنانچہ علامہ کمال الدین دمیری المتوفی ۸۰۸ھ لکھتے ہیں کہ علامہ کسائی نے کہا کہ میں ایک دن ہارون الرشید عباسی کے پاس گیا وہ اپنے محل میں تھا اس کے سامنے درہم و دینار کی تھیلیاں پڑی ہوئی تھیں اور اپنے خاص خادموں میں تقسیم کر رہا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک درہم تھا جو اس میں لکھا ہوا تھا اس کو وہ پڑھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا تو ہارون نے مجھ سے دریافت کیا کہ اسلام میں درہم و دینار کے سکے کب اور کیسے رائج ہوئے تو میں نے کہا کہ درہم و دینار کے سکوں کا اجرا بادشاہ عبدالملک بن مروان بن الحکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف نے کیا ہے لیکن مجھے اس کی تفصیل کا علم نہیں ہے کہ ان کے ایجاد کی کیوں ضرورت پڑی تو ہارون الرشید نے کہا کہ ان کے اجرا اور ایجاد کی وجہ میں تمہیں بتاتا ہوں وہ یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں جو کاغذ وغیرہ ممالک اسلامیہ میں بھی استعمال ہوتے تھے وہ مصر میں تیار ہوا کرتے تھے جہاں اس وقت نصرانیوں کی حکومت تھی اور مصری بادشاہ نصرانی رومیوں کے مذہب پر تھے وکانت تطرز بالرومیۃ وکان طرازھا اباوابنا وروحا فلم یزل ذالک صدر الاسلام کلہ یمضی علی ماکان علیہ الخ،

ان ملک عبد الملک بن مروان فتبنہ لہ دکان فطنا فبینہما ھو ذات یوم اذمر بہ قرطاس فنظر الی طرازہ فامران یترجم بالعربیۃ ففعل ذالک فانکرہ۔ اور کاغذ پر جو ضرب (ٹریڈ مارک (TRAPE MARK) تھا وہ رومی زبان میں تھا اور ٹریڈ مارک میں اب ابن روح القدس رومی زبان میں لکھا ہوا تھا اور ابتدائے اسلام سے لے کر جتنے دور گزرے تھے ہمیشہ سے تمام میں یہی رائج تھا یہاں تک کہ جب عبد الملک بن مروان المتوفی سنہ ۸۶ھ کا دور حکومت آیا تو وہ بڑا ذہین اور سمجھدار تھا لہٰذا اس نے حکم دیا کہ اس کا عربی میں ترجمہ کیا جائے اور جب عربی میں ترجمہ ہوا تو اس کو یہ بات بری معلوم ہوئی کہ دینِ اسلام میں کاغذ وغیرہ پر ایسی ٹریڈ مارک ہو، چنانچہ اس نے اسی وقت مصر کے گورنر عبد العزیز مروان کو حکم دیا کہ رومی ٹریڈ مارک بلا تاخیر موقوف اور منسوخ کر دو یعنی اس کے بعد جو کپڑے کاغذ وغیرہ تیار ہوں ان میں یہ نشانات ٹریڈ مارک نہ لگنے دو اور اس کام کے جو کارندے ہیں ان کو حکم دو اب یہ لکھا کریں "شہد اللہ انہ لا الہ الا ھو" اور جب اس پر عمل کیا گیا اور یہ کلمہ توحید لکھا گیا اور ملک کے تمام حکام کو یہ کہا کہ رومی ٹریڈ مارک والے کاغذات، کپڑے وغیرہ بند کر دینے چاہئیں اور جو اس پر عمل نہ کرے یا تو اس کو شدید مارا جائے یا جیل خانہ میں بند کر دیا جائے جب نئے ٹریڈ مارک (کلمہ توحید) والے کپڑے کاغذات وغیرہ ملک روم میں پہنچے تو قیصر روم کو یہ بات ناگوار گزری تو اس نے اپنے سفیر کے ذریعہ عبد الملک بن مروان کے لیے تحفہ و تحائف بھیجے اور لکھا کہ ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ تم سے پہلے جو مسلمان بادشاہ گزرے ہیں وہ ہمارے اس سکہ اور ٹریڈ مارک پر ہی عمل کرتے رہے ہیں کیا وہ درستی پر تھے یا غلطی پر تھے۔ اگر وہ درستی پر تھے تو تم غلطی پر ہو گئے

جنہوں نے اس کو بند کیا ہے اگر تم درستی پر ہوئے تو وہ غلطی پر تھے اور اس کا جواب خود نیز میں نے تمہارے لیے تحفے اور تحائف بھیجے ہیں تمہیں چاہیے کہ کاغذات وغیرہ پر جو پہلے ٹریڈ مارک تھا اس کو بدستور جاری رہنے دو اس پر پابندی نہ لگاؤ فلما قرأ عبد الملک کتابہ رد الرسول واعلمہ انہ لاجواب لہ ورد الہدیۃ فانصرف بھا الیٰ صاحبہ جب یہ خط عبد الملک نے پڑھا تو قاصد کو واپس بھیجا اور اس کو بتایا کہ اس کے خط کا ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہے اور تمام تحفے تحائف بھی واپس کر دیے رومی بادشاہ نے جب دیکھا تو نئے تحائف دوگنے کئے پھر اپنے سفیر کو عبد الملک کی طرف روانہ کیا اور لکھا کہ تم نے میرے تحفے کم سمجھ کر واپس کر دیے ہیں اس لیے اب میں زیادہ بھیج رہا ہوں اور تم ان کو قبول کر لو اور کاغذات وغیرہ پر نیا مارک ختم کر دو۔ عبد الملک نے پھر تحفے تحائف واپس کر دیے اور کوئی جواب نہ دیا اور سفیر کو کہا کہ واپس چلے جاؤ، قیصر روم نے پھر سفیر کو تحفے تحائف دے کر بھیجا اور لکھا کہ تم نے نہ میرے تحفے تحائف قبول کیے اور نہ ہی میرے خطوط کا جواب دیا اور نہ ہی میری بات تسلیم کی اب میں مسیح کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ اگر اب تم نے رومی ٹریڈ مارک کو رائج نہ کیا اور توحید والے مارک کو ختم نہ کیا تو میں درہم و دینار پر تمہارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں نقش کر کے تمام ممالک اسلامیہ میں رائج کر دوں گا اور تم کچھ نہ کر سکو گے سکہ تو ہمارا ہی چلتا ہے، جب تم اس ہمارے خط کو پڑھو تو اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھ ڈالو پس میں چاہتا ہوں کہ تم میرا ہدیہ قبول کر لو اور ٹریڈ مارک رومی ہی رہنے دو جو پہلے ہے تاکہ ہمارے اور تمہارے جو تعلقات

یں وہ بدستور قائم رہیں پس جب عبدالملک نے یہ خط پڑھا تو اس پر یہ معاملہ سخت اور مشکل ہو گیا اور اس پر زمین تنگ ہو گئی نہایت پریشان ہوا اس کے بعد اہل اسلام (جن میں علماء فضلاء اور سیاست دان تھے) کو بلایا اور ان سے مشورہ لیا لیکن ان میں سے کسی نے کوئی بھی رائے قابل عمل نہ دی تو وزیر اعظم روح بن زنباع نے کہا اے بادشاہ تو بھی جانتا ہے کہ اس مشکل کام سے کون تم کو نکال سکتا ہے لیکن تم جان بوجھ کر اس کی طرف توجہ نہیں کر رہے بادشاہ نے کہا تجھ پر افسوس ہے خدا ہی تجھے سمجھے، بتا وہ کون ہے جو اس مشکل کام سے مجھے نجات دے سکتا ہے تو روح نے کہا عليك بالباقر من اهل بيت النبي صلى الله عليه وآله وسلم قال صدقت کہ تم امام باقر کی طرف رجوع کرو جو اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہیں۔ عبدالملک نے روح سے کہا کہ تم نے سچ کہا ہے اس وقت وہی ہماری مشکل حل کر سکتے ہیں۔ چنانچہ عبدالملک نے اسی وقت مدینہ منورہ کے حاکم اور گورنر کو لکھا کہ اس وقت اسلام پر ایک مصیبت آ گئی ہے اس کا حل کرنا سوائے امام باقر علیہ السلام کے ناممکن ہے لہٰذا تم امام کی خدمت میں حاضر ہو کر میری طرف سے عرض کرو کہ آپ ہمارے ہاں تشریف لائیں اور یہ خط مدینہ منورہ بھیج دیا اور رومی سفیر کو روک لیا اور کہا کہ جب تک یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا اس وقت تک تم کو واپس جانے کی اجازت نہیں ہے۔ عبدالملک کا خط حاکم مدینہ کو ملا اس نے وہ خط امام باقر کی خدمت میں پیش کر دیا۔ امام باقر علیہ السلام نے خط پڑھنے کے بعد فوراً سفر کا ارادہ فرما لیا اور اہل مدینہ کو کہا کہ چونکہ اسلام کا کام ہے لہٰذا میں اس کو تمام کاموں پر ترجیح دیتا ہوں غرضیکہ

امام باقر عبدالملک کے پاس تشریف فرما ہوئے تو عبدالملک نے فوراً یہ قضیہ حضور کی خدمت اقدس میں ذکر کیا۔ امام باقر علیہ السلام نے فرمایا لا یعظم ھذا علیک فانہ لیس بشئ یہ کام تجھ پر بڑا نہیں کیونکہ یہ کچھ بھی نہیں ہے اور بادشاہ روم کو اللہ تعالٰے اس فعل قبیح کی قدرت نہیں دے گا نیز اللہ تعالٰے نے تیرے ہاتھوں میں اس کام سے عہدہ برآ ہونے کی طاقت دے رکھی ہے۔ عبدالملک نے کہا اے ابن رسول اللہ وہ کونسی طاقت ہے جو مجھے اللہ نے دی ہے جس کے ذریعے میں اس کام میں کامیاب ہو سکتا ہوں تو امام باقر نے فرمایا تم اس وقت کاریگروں کو بلاؤ اور ان سے درہم و دینار کے سکے ڈھلوا اور بنوا کر تمام ممالک اسلامیہ میں رائج کردو عبدالملک نے عرض کیا ان کی شکل و صورت کیا ہوگی اور وہ کس طرح ڈھلیں گے۔ امام باقر نے فرمایا کہ سکہ کے ایک طرف کلمہ توحید اور دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام نامی اور سکہ جس شہر میں بنا اس کا نام اور سکہ بنانے کا سن لکھا جائے نیز امام باقر نے اس کے اوزان بیان فرمائے کہ اس وقت درہم کے تین سکے جاری ہیں ایک بغلیہ جو دس مثقال کے دس ہوتے ہیں اور دوسرے سمری خفاف جو چھ مثقال کے دس ہوتے ہیں اور تیسرے پانچ مثقال کے دس ہوتے ہیں یہ کل اکیس مثقال ہوئے اور اکیس کو تین پر تقسیم کرنے سے حاصل سات ہوئے اکا سات، مثقال کے دس درہم بنوائے جائیں اور اسی سات مثقال کی قیمت سونے کا دینار بنوایا جائے (جس کا خوردہ دس درہم ہو) سکہ درہم کا نقش چونکہ فارسی میں ہے اسے فارسی میں رہنے دیا جائے اور دینار کا سکہ رومی حرفوں میں ہے لہٰذا اسے رومی حرفوں میں رہنے

دیا جائے اور ڈھالنے کی مشین (سانچہ) شیشے کا ہونا چاہیے تاکہ سب ہم وزن تیار ہو سکیں، عبدالملک نے آپ کے حکم کے مطابق تمام سکے ڈھلوا لیے اور سب کام درست کر لیا۔ اس کے بعد امام باقر کی خدمت میں عرض کیا اب کیا کروں آپ نے حکم دیا کہ ان سکوں کو تمام اسلامی ملکوں میں رائج کر دیا جائے اور لوگوں کو حکم دیا جائے وہ انہی سکوں کے ساتھ کاروبار کریں اور جو ان کو چھوڑ کر کسی دوسرے سکے کے ساتھ کاروبار کرے اس کو قتل کی دھمکی دی جائے اور رومی سکے خلاف قانون قرار دیے جائیں عبدالملک نے امام باقر کے فرمان پر عمل کرنے کے بعد سفیر روم کو اجازت دی کہ وہ اپنے بادشاہ کے پاس چلا جائے اور بادشاہ سے کہے کہ ہم نے اپنے تمام ممالک اسلامیہ میں اپنے سکے رائج اور جاری کر دیے ہیں اور تمہارے سکوں کو غیر قانونی قرار دے دیا ہے اب تم سے جو ہو سکتا ہے وہ کرو سفیر جب اپنے بادشاہ کے پاس پہنچا اور اسے سارا واقعہ سنایا تو وہ حیران ہوا رومی لوگوں نے شاہ روم کو کہا کہ تم کو وہ سکہ جاری کرنا چاہیے جس پر مسلمانوں کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں ہوں تو بادشاہ نے کہا جب مسلمانوں نے اپنا سکہ جاری کر لیا ہے اور ہمارا سکہ وہاں غیر قانونی قرار دیا گیا ہے تو ہمارا ان سے لین دین ہی نہ رہا تو اب گالیوں والا سکہ بنانے کا کیا فائدہ ہے۔ (حیات الحیوان الکبریٰ ص۶۳ و ص۶۴ ج۱) علماء نے لکھا ہے کہ امام حسن اور امام حسین کی اولاد سے جس قدر امام باقر علیہ السلام سے علوم ظاہر ہوئے ہیں اور کسی سے ظاہر نہیں ہوئے۔ چنانچہ آپ کے زمانہ میں بڑے بڑے محدثین اور مفسرین نے مشکل مسائل کے حل کے لیے آپ کی طرف ہی رجوع کیا ہے۔ ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں طاؤس بن کیسان

الیمانی المتوفی ۱۰۶ھ جو کہ عظیم محدث تھے حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ چند مسائل کے جواب کے لیے حاضر ہوا ہوں تو امام باقر علیہ السلام نے فرمایا دریافت کیجیے تو طاؤس نے عرض کیا۔

سوال :۔

آدم علیہ السلام کا آدم کیوں نام رکھا گیا۔

جواب :۔

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام کے جسم اطہر کے لیے مٹی سفلی زمین کے ادیم اوپر والے حصہ سے اٹھائی گئی تھی۔ لہٰذا آپ کا نام آدم رکھا گیا۔

سوال :۔

حضرت حواء کا نام حواء کیوں رکھا گیا۔

جواب :۔

امام باقر نے فرمایا کہ حضرت حوا کو زندہ (آدم) کی پسلی سے پیدا کیا گیا لہٰذا آپ کا نام حواء رکھا گیا۔

سوال :۔

ابلیس کو ابلیس کیوں کہتے ہیں۔

جواب :۔

امام باقر نے فرمایا کہ ابلیس کا معنے ہے اللہ تعالےٰ کی رحمت سے ناامید ہونا اور شیطان بھی لوگوں کو اللہ تعالےٰ کی رحمت سے ناامید کرتا ہے لہٰذا اس کا نام ابلیس رکھا گیا ہے۔

⁂

سوال :-

جن کو جن کیوں کہتے ہیں۔

جواب :-

امام باقرؑ نے فرمایا جن کا معنے ہوتا ہے پوشیدہ ہونا چونکہ جن بھی لوگوں کی نظر سے پوشیدہ ہوتا ہے لہٰذا اس کو جن کہا جاتا ہے۔

سوال :-

وہ کون لوگ تھے جو خود جھوٹے تھے لیکن انہوں نے شہادت سچی دی تھی۔

جواب :-

امام باقرؑ نے فرمایا کہ وہ منافق تھے جنہوں نے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کا رسول سچا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ جانتا ہے کہ اللہ کا رسول سچا ہے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔

سوال :-

وہ کیا چیز ہے جو زیادہ بھی ہوتی ہے اور کم بھی ہوتی ہے اور وہ کیا چیز ہے جو زیادہ ہوتی ہے کم نہیں ہوتی اور وہ کیا چیز ہے جو کم ہوتی ہے زیادہ نہیں ہوتی۔

جواب :-

امام باقرؑ نے فرمایا وہ چیز جو زیادہ بھی ہوتی ہے اور کم بھی ہوتی ہے وہ چاند ہے اور جو چیز زیادہ ہوتی ہے کم نہیں ہوتی سمندر کا پانی ہے اور جو چیز کم ہوتی ہے زیادہ نہیں ہوتی وہ عمر ہے۔

سوال :۔

وہ کون سی صلواۃ مفروضہ ہے جو بلا وضو جائز ہے۔

جواب :۔

امام باقر نے فرمایا وہ درود شریف ہے۔

سوال :۔

وہ کونسا روزہ ہے جس میں کھانا پینا جائز ہے۔

جواب :۔

امام باقر نے فرمایا وہ خاموشی کا روزہ ہے جس میں انسان کھا بھی سکتا ہے اور پی بھی سکتا ہے۔ قرآن میں ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام نے خاموشی کا روزہ رکھا۔

سوال :۔

وہ کونسی چیز تھی جس کا تھوڑا استعمال حلال تھا اور زیادہ حرام تھا۔

جواب :۔

امام باقر نے فرمایا وہ نہر طالوت کا پانی تھا جس کا صرف ایک چلو حلال تھا اور اس سے زیادہ حرام تھا۔

سوال :۔

وہ کون ہے جس نے اپنی قوم کو عذاب سے ڈرایا نہ وہ جن ہے اور نہ انسان اور نہ فرشتہ۔

جواب :۔

امام باقر نے فرمایا وہ نملہ (چیونٹی) ہے جس نے چیونٹیوں کو کہا۔ یا ایتھا النمل ادخلوا مساکنکم لا یحطمنکم سلیمان وجنودہ،

اے چیونٹیو! اپنے گھروں میں چلی جاؤ تمہیں کچل نہ ڈالے سلیمان اور اس کا لشکر۔ اس نملہ (چیونٹی) کے بارے ایک واقعہ ہے کہ جب قتادہ کوفہ میں گئے اور وہاں کی خلقت ان کی گرویدہ ہوئی تو انہوں نے لوگوں سے کہا جو چاہو دریافت کرو۔ امام ابوحنیفہ اس وقت نوجوان تھے آپ نے حضرت قتادہ سے پوچھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی چیونٹی مادہ تھی یا نر۔ حضرت قتادہ خاموش ہو گئے تو پھر خود امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ وہ مادہ تھی۔ ابوحنیفہ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ مادہ تھی تو فرمایا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے قالت نملة۔ اگر نر ہوتا تو قرآن شریف میں قال نمل وارد ہوتا۔

امام باقر علیہ السلام کے کرامات :

امام باقر علیہ السلام کے بے شمار کرامات ہیں جن میں سے بعض کا ذکر ہم نے اپنی کتاب امام زین العابدین میں کیا ہے اور بعض یہاں ذکر کرتے ہیں چنانچہ شواہد النبوت میں ہے کہ حضرت امام باقر سے سوال کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ پر بندے کا کیا حق ہے تو آپ نے اپنا چہرہ سائل سے پھیر لیا۔ سائل نے پھر سوال کیا پھر آپ نے چہرہ پھیر لیا پھر سائل نے سوال کیا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ پر میرا یہ حق ہے کہ ان کھجور کے درختوں کو کہوں کہ ادھر آؤ تو ادھر آ جائیں۔ سائل کہتا ہے کہ آپ نے یہ بات کرتے وقت کھجور کے درختوں کی طرف اشارہ فرمایا تھا تو میں نے دیکھا کہ درخت حرکت میں آ گئے تا کہ آپ کی طرف آئیں لیکن آپ نے درختوں کو اشارہ دیا کہ وہ اپنی جگہ پر قائم رہیں کیونکہ آپ نے ان کو اس طرح آگے آنے کے لیے نہیں کہا تھا۔ نیز شواہد النبوت میں ہے کہ ایک آدمی نے کہا کہ میں امام باقر علیہ السلام کے پاس مدینہ منورہ گیا

آپ کے مکان کے دروازہ پر دستک دی۔ اندر سے ایک کنیز اور خادمہ آئی یہ آدمی کہتا ہے کہ جب میں نے اس کو دیکھا تو میری نیت خراب ہوئی۔ خادمہ نے اندر جا کر امام کی خدمت میں عرض کیا باہر کوئی مسافر ہے اندر آنے کی اجازت چاہتا ہے۔ امام باقر نے اجازت دی جب وہ اندر آیا تو امام باقر نے فرمایا کہ اپنی نیت کو غلط نہیں کرنا چاہیے یہ درو دیوار ہمارے سامنے حجاب نہیں بنتے اگر ہمارے سامنے حجاب بن جائیں تو ہمارے اور تمہارے درمیان فرق کیا رہا۔ نیز شواہد النبوت میں ہے کہ ایک آدمی نے کہا کہ میں اور امام باقر علیہ السلام مکہ اور مدینہ منورہ کی درمیانی وادی میں سفر کر رہے تھے۔ اس وقت امام باقر ایک خچر پر سوار تھے اور میں ایک گدھے پر سوار تھا اچانک آپ کے سامنے ایک بھیڑیا آیا اور اس بھیڑیے نے امام باقر کے ساتھ گفتگو شروع کر دی اور آپ سنتے رہے آخر میں آپ نے بھیڑیے کو کہا جاؤ میں نے دعا کر دی ہے جب وہ چلا گیا تو آپ نے مجھے فرمایا کہ کیا تمہیں پتہ ہے کہ وہ کیا کہتا تھا میں نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول اور رسول کا بیٹا ہی بہتر جانتا ہے۔ فرمایا وہ کہتا تھا کہ میری جفت (مادہ) بیمار ہے آپ اس کے لیے دعا کریں تو میں نے اس کے لیے دعا کی ہے۔ امام باقر علیہ السلام کے اور بھی بے شمار کرامات ہیں۔

امام باقر علیہ السلام کے ارشادات:

امام باقر علیہ السلام کے بے شمار علمی و فکری ارشادات ہیں جن میں بلاغت و فصاحت بھی ہے اور پند و نصائح بھی ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

مسلمان وہ بہتر ہے جس سے دوسرے مسلمان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

— مومن کامل وہ ہے جس کے اخلاق بہتر ہوں۔

— جہاد وہ بہتر ہے جس میں خون بہہ جائے۔

— نماز وہ بہتر ہے جس کا قیام طویل ہو۔

— بادشاہوں کے پاس جانا اچھا نہیں ہے کیونکہ اس سے دنیا کی محبت زیادہ ہو جاتی ہے اور موت سے فراموشی اور خدا کی رضا کم ہو جاتی ہے۔

— تکبر بُری چیز ہے یہ جس قدر انسان میں پیدا ہوگا اسی قدر اس کی عقل کم ہوگی۔

— امام باقرؑ نے فرمایا میرے ماننے والے وہ ہیں جو اللہ تعالےٰ کی اطاعت کریں۔

— ایک ہزار عابد سے وہ عالم بہتر ہے جو اپنے علم سے لوگوں کو فائدہ پہنچائے۔

— خدا کے خوف سے رونے والا بخش جاتا ہے۔

— جس انسان کے رخسار پر آنسو جاری ہوں وہ ذلیل نہیں ہوتا۔

— خدا کے نزدیک بہترین عبادت پاکدامنی ہے۔

— دعا سے قضا ٹل جاتی ہے۔

— بدترین عیب یہ ہے کہ انسان کو اپنی آنکھ کا شہتیر دکھائی نہ دے اور دوسرے کی آنکھ کا تنکا نظر آجائے یعنی اپنے بڑے بڑے گناہ اور عیب کی پرواہ نہ ہو اور دوسروں کے چھوٹے چھوٹے عیب اسے بڑے نظر آئیں یعنی خود عمل نہ کرے اور دوسروں کو تعلیم دیتا پھرے۔

— جو شخص خوشحالی میں تمہارا ساتھ دے اور تنگ دستی میں دور رہے وہ نہ تمہارا بھائی ہے اور نہ ہی تمہارا دوست ہے (مطالب السؤل فی مناقب الرسول صہ ۲۷۲)

—— اور حافظ ابن کثیر آپ کے ارشادات عالیہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

—— اگر عالم، قاری، مالدار لوگوں کے ساتھ محبت رکھتا ہے تو وہ دنیا دار ہے (حقیقت میں عالم نہیں ہے)۔

—— اگر عالم بادشاہ کے ساتھ محبت اور تعلق رکھتا ہے تو وہ چور ہے۔

—— کمینے شخص کا حربہ اور ہتھیار گالی گلوچ بکنا ہے۔

—— ہر چیز کے لیے ایک آفت (مصیبت) ہوتی ہے علم کے لیے آفت بھولنا ہے۔

—— تکاسل اور سستی محروم رہنے کی دلیل ہے۔

—— کسی بندے کے دل میں جب تکبر داخل ہوتا ہے تو اسی قدر یا اس سے زائد اس کی عقل کم ہو جاتی ہے۔

—— تین عمل بہت بڑے ہیں۔

۱۔ ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرنا۔

۲۔ اپنے نفس سے انصاف لینا۔

۳۔ اپنے مال سے بھائی کی مدد کرنا۔

—— جابر جعفی کو امام باقر نے فرمایا میں دنیا سے بالکل بے فکر ہوں۔ کیونکہ جس کے دل میں دین خالص ہو وہ دنیا کو کچھ نہیں سمجھتا۔

—— دنیا کی حقیقت صرف یہ ہے کہ وہ ایک چھوڑی ہوئی سواری اور اتارا ہوا کپڑا ہے۔

—— مومن دنیا میں باقی رہنے سے مطمئن نہیں ہوتا۔

—— اور مومن نے جو دنیا کی زینت وغیرہ دیکھی ہے، نور خدا اس سے

پوشیدہ نہیں ہوتا۔

— مومن کو تقویٰ اختیار کرنا چاہیے کیونکہ یہ اس کو متنبہ اور بیدار رکھتا ہے۔
دنیا ایک سرائے فانی ہے اس میں آنا جانا لگا رہتا ہے (آج آئے کل گئے۔

— دنیا ایک خواب ہے جو سراب کی مانند دیکھی جب جاگ اٹھے تو کچھ نہیں یعنی خواب میں ہاتھ میں پانی کا کاسہ دیکھا جب جاگے تو ہاتھ میں کچھ نہیں ہے اسی طرح دنیا ہے۔

— جھگڑے اور فساد سے بچنا چاہیے کیونکہ اس سے دل میں خرابی اور نفاق پیدا ہوتا ہے۔

امام باقر علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ چاندی کا دستہ تلوار کو لگانا جائز ہے تو آپ نے فرمایا فلا باس بہ یعنی جائز ہے قد حلی ابوبکر الصدیق سیفہ، بے شک ابوبکر صدیق کی تلوار کو چاندی کا دستہ تھا۔ راوی (عروہ) نے کہا کہ کیا آپ ابوبکر کو صدیق کہہ رہے ہیں۔ امام باقر نے قبلہ کی طرف منہ کر کے فرمایا نعم الصدیق، نعم الصدیق ہاں (وہ) صدیق صدیق ہیں فمن لم یقل الصدیق فلا صدق اللہ لہ قولاً فی الدنیا والآخرۃ پس جو ان کو صدیق نہ کہے گا اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کے قول تصدیق نہ فرمائے گا۔

نیز امام باقر علیہ السلام نے جابر جعفی کو کہا کہ مجھے علم ہوا ہے کہ عراق میں بعض لوگ ہمارے ساتھ اظہار محبت کرتے ہیں لیکن ابوبکر اور عمر کے ساتھ بغض رکھتے ہیں وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم نے ان کو یہ کہا ہے تم ان کو میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ میں ان لوگوں سے بیزار ہوں جو ابوبکر اور عمر سے اظہار بیزاری

کرتے ہیں من لم یعرف فضل ابی بکر و عمر فقد جہل السنۃ،
جو ابو بکر اور عمر کی فضیلت نہیں پہچانتا پس بے شک وہ سنت سے جاہل ہے
(البدایہ والنہایہ ص۱۰۳ و ص۱۰۴)

علامہ شبلنجی المومن لکھتے ہیں۔

❁ کہ امام باقر علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو ارشاد فرمایا کہ جب تجھے اللہ تعالے نعمت عطا فرمائے تو الحمد للہ کہو اور جب کوئی تکلیف پہنچے تو لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہو اور جب روزی تنگ ہو تو استغفر اللہ کہو یعنی استغفار پڑھا کرو۔

❁ جتنی محبت کسی بھائی اور دوست کی تمہارے دل میں ہوگی اتنی تمہاری محبت تمہارے بھائی اور دوست کے دل میں ہوگی (دل کو دل سے راہ ہوتی ہے)۔

❁ تین چیزوں کو اللہ نے تین چیزوں میں پوشیدہ رکھا ہے۔

۱۔ اپنی رضا اپنی اطاعت میں۔

۲۔ اپنی ناراضگی اپنی معصیت میں۔

۳۔ اپنے ولی کو اپنی مخلوقات میں یعنی مخلوقات میں کسی کو حقیر نہ سمجھو شاید وہی اللہ کا ولی ہو۔

❁ غنا اور فقر دونوں مومن کے دل کے اردگرد گھومتے رہتے ہیں جب توکل کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں تو وہاں اپنی جگہ بنا لیتے ہیں (اور توکل وہاں سے چلا جاتا ہے۔

❁ آسمانی بجلی مومن اور کافر دونوں پر گر سکتی ہے لیکن جو اللہ کا ذکر کرنے والا ہے وہ اس سے محفوظ رہتا ہے۔ (نور الابصار ص۲۵۴)

امام باقر علیہ السلام کی وفات :

امام باقر علیہ السلام کی وفات میں اختلاف ہے۔ حافظ ابن کثیر نے آپ کی وفات سنہ ۱۱۵ھ ذکر کی ہے۔ آپ کی عمر مبارک تر یسٹھ سال تھی۔ اور آپ کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی، بعض نے لکھا ہے کہ ہشام بن عبد الملک نے ابراہیم بن ولید حاکم مدینہ منورہ کے ذریعے امام باقر علیہ السلام کو زہر دیا جس سے آپ شہید ہوگئے اور آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

اولاد امجاد :

امام باقر علیہ السلام کی اولاد کے بارے میں علامہ شبلنجی المومن لکھتے ہیں کہ آپ کی چھ اولادیں تھیں اور بعض نے سات کہا ہے (۱) امام جعفر صادق علیہ السلام (۲) عبد اللہ افطح ان دونوں کی والدہ اُم فروہ بنت القاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق ہے۔ (۳) ابراہیم (۴) عبد اللہ ان دونوں کی والدہ ام حکیم بنت اسد بن مغیرہ الثقفیہ ہے (۵) علی (۶) زینب، ان کی والدہ ام ولد ہے جن کا نام لیلیٰ ہے جنہوں نے کہا کہ سات اولادیں تھیں انہوں نے ایک لڑکی کا ذکر کیا ہے جس کا نام ام سلمیٰ تھا۔ امام باقر علیہ السلام کی آگے نسل صرف ایک بیٹے امام جعفر صادق سے چلی ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام :

آپ امام ششم ہیں۔ آپ کا اسم گرامی جعفر ہے۔ کنیت ابو عبد اللہ ہے اور آپ کا مشہور ترین لقب صادق ہے آپ کی والدہ کا نام ام فروہ بنت

القاسم الفقیہ بن محمد بن ابی بکر صدیق ہے اور ام فروہ کی والدہ کا نام اسماء بنت عبدالرحمان بن ابی بکر صدیق ہے۔ اسی وجہ سے امام جعفر صادق نے فرمایا ولدنی ابوبکر مرتین کہ مجھے ولادت میں ابوبکر صدیق سے دوہرے واسطے ہیں آپ کی ولادت پاک مدینہ منورہ ۸۳ھ میں بروز سوموار ربیع الاول کے آخری عشرہ میں ہوئی آپ علمائے اہل بیت سے ہیں اور بڑے عالم ہیں۔ علامہ سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ نے آپ کا حفاظ حدیث کے طبقہ خامسہ میں ذکر کیا ہے۔ (طبقات الحفاظ سیوطی ص۷۹) بڑے بڑے محدثین نے آپ سے روایت لی جن میں امام موسیٰ کاظم، ابن جریج، امام مالک، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری امام شعبہ، ایوب سختیانی، حاتم بن اسماعیل، یحییٰ قطان، ابوعاصم نبیل امام ابوحنیفہ وغیرہم ہیں۔ امام ابوحنیفہ تو امام جعفر صادق علیہ السلام کے خصوصی شاگردوں میں شمار ہیں۔ امام ابوحنیفہ کا پہلے علمی رابطہ امام باقر علیہ السلام کے ساتھ تھا پھر آپ نے یہ علمی رابطہ امام جعفر صادق کے ساتھ قائم کر لیا اور متواتر دو سال امام جعفر صادق کی شاگردی میں رہے چنانچہ امام ابوحنیفہ اسی سلسلہ میں فرمایا کرتے تھے لولا السنتان لھلک النعمان۔ اگر دو سال نہ ہوتے تو ابوحنیفہ ہلاک ہو جاتا یعنی جو دو سال امام جعفر صادق کی شاگردی میں گذرے ہیں اگر وہ میسر نہ آتے تو میں (ابوحنیفہ) ہلاک ہو جاتا ابوحنیفہ نے کہا کہ میں نے جعفر بن محمد سے زیادہ فقیہ کسی کو نہیں دیکھا جب منصور عباسی کا امام جعفر صادق اور امام ابوحنیفہ سے اختلاف نہیں ہوا تھا۔ اس وقت منصور عباسی نے ابوحنیفہ کو کہا کہ تم کچھ مشکل مسائل تیار کرو جن کے جواب کا مطالبہ امام جعفر صادق سے کیا جائے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ نے اس سلسلہ میں چالیس مسائل تیار کیے امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ میں ان مسائل کو لے کر حیرہ کے مقام میں منصور عباسی

کے پاس گیا تو دیکھا کہ امام جعفر صادق بھی منصور عباسی کی دائیں جانب بیٹھے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر میں کچھ مرعوب سا ہو گیا سلام کہہ کر مجلس میں جا بیٹھا تو منصور عباسی نے پہلے امام جعفر صادق سے میرا تعارف کرایا اور پھر میری طرف متوجہ ہو کر کہا "ابو حنیفہ" مسائل امام جعفر صادق کے پیش کرو چنانچہ میں سوال کرتا تو وہ میرے سوال کے جواب میں فرماتے تمہارا مسلک یہ ہے اور اہل مدینہ کا مسلک یوں ہے اور ہماری اپنی رائے اس مسئلہ میں یہ ہے۔ اس طرح وہ اپنی رائے ظاہر کرتے وقت کبھی ہمارے ساتھ موافقت کا اظہار کرتے اور کبھی اہلِ مدینہ کی ہم نوائی کرتے حتیٰ کہ میں نے چالیس سوالات پوچھے امام جعفر صادق نے تمام کے جوابات دیے آخر میں فرمانے لگے سب سے بڑا عالم تو وہی ہو سکتا ہے جو لوگوں کے اختلاف کو خوب جانتا ہو (عبد وحیات ص۱۳۴) اس کے بعد امام ابو حنیفہ نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی شاگردی اختیار کر لی نیز وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ منصور عباسی امام ابو حنیفہ کا مخالف ہو گیا اور امام جعفر صادق کا بھی مخالف ہو گیا۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ میں امام جعفر صادق کے پاس جایا کرتا تھا جب آپ کے پاس آنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ہوتا تو آپ کا رنگ زرد ہو جاتا میں جب بھی آپ کے پاس آتا تو آپ نماز پڑھتے ہوتے یا حالت روزہ میں ہوتے یا قرآن پاک پڑھتے ہوتے آپ جب ہی حدیث رسول بیان کرنے لگتے تو پہلے وضو فرماتے پھر حدیث رسول بیان کرتے۔ علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ امام جعفر صادق سادات اہلِ بیت سے تھے وفضلہ اشہر من ان یذکر اور ان کی فضیلت اس سے زیادہ ہے کہ اس کو بیان کیا جائے (وفیات الاعیان ص۱۰۵ ج ۱) حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ امام جعفر صادق سے روایت کرتے والے

امام شعبہ، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، امام مالک، ابن جریج، امام ابوحنیفہ، امام موسیٰ کاظم، وہیب بن خالد، قطان، ابوعاصم اور خلق کثیر ہے۔ آپ سے روایت لینے والوں میں یحییٰ بن سعید انصاری اور یزید بن الھاد بھی ہے، امام جعفر صادق علیہ السلام کے بارے میں اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی سے آپ کے بارے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ امام جعفر صادق ثقہ ہیں۔ علامہ دوری نے کہا کہ مجھے یحییٰ بن معین نے کہا کہ وہ ثقہ اور مامون ہیں اور ابن ابی خیثمہ نے کہا کہ وہ ثقہ ہیں۔ ابن ابی حاتم نے اپنے باپ سے امام جعفر صادق علیہ السلام کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ آپ جیسی شخصیت کے بارے میں ایسا سوال نہیں کیا جا سکتا (یعنی امام جعفر صادق کے بارے میں ایسی بات نہیں کرنی چاہیے کیونکہ وہ تو ثقہ ہی ثقہ ہیں) ابن عدی نے کہا کہ جب میں نے امام جعفر صادق کو دیکھا کہ مجھے معلوم ہو گیا کہ آپ خاندان نبوت سے ہیں علی بن جعفر نے زہیر بن معاویہ سے روایت کی ہے کہ میرے باپ نے امام جعفر سے عرض کی کہ میرا پڑوسی آپ کے بارے میں کہتا ہے کہ آپ ابوبکر اور عمر سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں فرمایا اللہ تعالیٰ تیرے پڑوسی سے بیزار ہو (میں نے تو ایسا اظہار کبھی نہیں کیا) میں تو امید رکھتا ہوں کہ ابوبکر کی قرابت مجھے نفع دے گی۔ ابن حبان نے آپ کا ثقات میں ذکر کیا ہے۔ امام نسائی نے کہا کہ آپ ثقہ ہیں (تہذیب التہذیب ص۱۰۳ و ص۱۰۴ ج ۲) حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ امام جعفر صادق صاحب تقویٰ، صادق اور بڑے شان والے تھے، یحییٰ بن معین نے کہا کہ وہ ثقہ تھے، عباس نے یحییٰ بن معین سے روایت کی ہے کہ وہ ثقہ اور مامون تھے۔ ابوحاتم نے کہا کہ ان جیسے (عظیم شان) والے شخص کے بارے سوال کرنے کی کیا ضرورت ہے (میزان الاعتدال ص۱۴۵ ج ۱)

ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ امام جعفر صادق اپنے باپ کے خلیفہ اور وصی قرار پائے کیونکہ آپ افضل و اکمل تھے (صواعق محرقہ صہ ۱۹۹) علامہ عبدالرحمٰن جامی المتوفی ۸۹۸ھ لکھتے ہیں کہ آپ کے علوم کا احاطہ فہم و ادراک سے بلند ہے (شواہد النبوت صہ ۱۸۰) علامہ محمد خضری لکھتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے امام مالک بن انس، امام ابو حنیفہ اور اکثر علمائے مدینہ نے روایت لی ہے مگر امام بخاری نے ان سے کوئی روایت نہیں لی (تاریخ فقہ صہ ۲۷۳) امام بخاری نے جیسے کہ امام جعفر صادق سے اپنی صحیح بخاری میں روایت نہیں لی اسی طرح جو چار امام اہل بیت اطہار سے امام بخاری کے زمانہ میں تھے ان سے بھی روایت نہیں لی۔ وہ یہ ہیں۔ امام ہشتم سیدنا امام موسیٰ رضا علیہ السلام المتوفی ۲۰۸ھ امام نہم سیدنا امام تقی علیہ السلام المتوفی ۲۲۰ھ، امام دہم سیدنا امام نقی علیہ السلام المتوفی ۲۵۴ھ۔ امام یازدہم سیدنا امام حسن عسکری علیہ السلام المتوفی ۲۶۰ھ۔ امام بخاری نے ان چاروں اماموں کا زمانہ پایا ہے لیکن ان سے روایت نہیں لی۔ امام بخاری کی عظیم کتاب صحیح بخاری ان ائمہ اہل بیت اطہار کی روایت سے خالی پڑی ہے۔ حالانکہ حدیث ان ائمہ اہل بیت رسول کے گھر کی چیز تھی اور یہ بات مشہور ہے اہل البیت ادری بما فیہا۔ یعنی گھر والا گھر کے حالات کو زیادہ بہتر جانتا ہے۔ امام بخاری کو چاہیے تھا کہ ان ائمہ اہل بیت رسول سے روایت لیتے جو کہ حدیث کا ماخذ تھے لیکن امام بخاری نے بعض مجبوریوں کی بنا پر ان ائمہ اہل بیت اطہار سے روایت نہیں لی۔ چنانچہ محمد بن اسماعیل بخاری المتوفی ۲۵۶ھ جو کہ حکومت عباسیہ کے دور میں ہو گئے ہیں جب انہوں نے جامع صحیح بخاری کو مرتب کیا تو کہا ما وضعت فیہ الا الصحیح وما ترکت من الصحاح اکثر کہ میں نے اپنی جامع صحیح بخاری

میں جو احادیث ذکر کی ہیں وہ صحیح ہیں اور جو میں نے صحیح احادیث چھوڑی ہیں وہ تو ان سے بہت زیادہ ہیں۔ علامہ عبدالحلیم جندی لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ میں نے جو احادیث چھوڑی ہیں یہ وہی روایات ہیں جو حضرت علی اور حضرت اہل بیت اطہار کی شان میں وارد ہیں۔ امام بخاری حکومت عباسیہ کے خوف و رعب کی وجہ سے ان کو اپنی جامع میں نہیں لا سکے نیز صاحب تاریخ النواصب نے بحوالہ کتاب الجرح والتعدیل (ابن ابی حاتم رازی) ذکر کیا ہے کہ حافظ ابو عبداللہ سے سوال کیا گیا کہ امام بخاری نے ابوالطفیل عامر بن واثلہ صحابی کی روایت کیوں نہیں لی ابو عبداللہ نے کہا لانہ یفرط فی التشیع اس لیے کہ ابوالطفیل تشیع میں افراط کرتے تھے، سید انور شاہ کاشمیری دیوبندی المتوفی ۱۳۵۲ھ العرف الشذی میں لکھتے ہیں کہ حارث اعور کو شیعہ کہا گیا ہے و کذا الک قیل فی حق ابی الطفیل ای یحبان علیا اور اسی طرح ابوالطفیل صحابی کے حق میں کہا گیا ہے معنے یہ ہے کہ دونوں علی المرتضیٰ شیر خدا سے محبت کرتے تھے (تاریخ النواصب ص۱۹۶ ج ۱) اس سے ثابت ہے کہ امام بخاری حضرت ابوالطفیل صحابی سے اس وجہ سے روایت نہیں لے رہے کہ وہ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کے ساتھ زیادہ محبت رکھتے تھے۔ گویا کہ امام بخاری پر حکومت عباسیہ کا خوف و رعب تھا اس بنا پر انہوں نے ائمہ اہل بیت اطہار سے روایت نہیں لی یہ بات ظاہر ہے کہ دونوں حکومتوں بنو امیہ اور بنو عباس کے دور میں اہل بیت رسول اور ان کے ماننے والوں پر تشدد اور ظلم ہوتا رہا ہے جو بھی اہل بیت رسول سے تعلق و ربط پیدا کرتا یا روایت لیتا وہی مورد عتاب بن جاتا چنانچہ امام شعبی المتوفی ۱۰۴ھ فرماتے ہیں۔ ماذا یقینا من آل ابی طالب

ان احببناھم قتلنا وان ابغضناھم دخلنا فی النار کہ آل ابی طالب سے ہم کو کیا ملا ہے اگر ہم ان سے محبت کا اظہار کرتے ہیں تو قتل ہوتے ہیں اور اگر ہم ان سے بغض اور دشمنی رکھیں تو دوزخ میں جلتے ہیں یہ شعبی اموی حکومت کے قاضی تھے جو کہہ رہے ہیں کہ ہم اگر اہل بیت رسول سے محبت کا اظہار کریں تو حکومت وقت ہم کو قتل کر دے اور اگر ان سے بغض و عداوت رکھیں تو بے ایمان ہو کر مریں اور دوزخ میں جائیں جب یہ حالت تھی تو اہل بیت اطہار سے روایت لینا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی بھی لکھتے ہیں کہ امام مالک بھی امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نہیں لیتے تھے یہاں تک کہ بنو عباس کا امر ظاہر ہوا یعنی بنو عباس جب پورے طور پر برسر اقتدار آگئے تو پھر امام مالک نے امام جعفر صادق سے روایت بیان کرنا شروع کی اس سے پہلے روایت نہیں لی (تہذیب التہذیب صہ ۱۰۳ ج ۲) جیسے بنو امیہ اپنے دور حکومت میں اہل بیت اطہار اور ان کے عقیدت مندوں پر تشدد و ظلم کیا کرتے تھے اسی طرح بنو عباس جب برسر اقتدار آگئے تو انہوں نے بھی ظلم و تشدد شروع کر دیا۔ چنانچہ حکومت عباسیہ کے پہلے خلیفہ اور بادشاہ سفاح ہوئے ان کا نام ابو العباس عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف تھا اور ۱۳۲ھ میں ان کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔ انہوں نے تمام بنو امیہ کا خاتمہ کیا۔ اور عباسی حکومت کی بنیاد رکھی اور اس کو مضبوط کیا اور ۱۳۶ھ میں سفاح کی وفات ہو گئی، ان کے بعد ان کا بھائی ابو جعفر منصور حکمران ہوا۔ منصور نے اپنے دور حکومت میں زیادہ غلط یہ کام کیا کہ امام حسن سبط الرسول علیہ السلام کی اولاد کے ساتھ نہایت برا سلوک کیا، چنانچہ عبداللہ المحض اور ان کی

اولاد کو گرفتار کیا اور ان سب کو زنجیریں پہنائیں اور قید میں بند کر دیا یہاں تک کر تمام قید میں ہی وفات پا گئے۔

اسی سلسلہ میں علی بن حسن بن حسن بن حسن مجتبیٰ ابن علی بن ابی طالب منصور عباسی کے پاس آئے منصور نے پوچھا کس مقصد کیلیے آئے ہو فرمایا میرے تمام خاندان والوں کو تم نے گرفتار کر لیا ہے مجھے بھی انکے ساتھ قید کردو مجھے دنیا میں رہنے کی کوئی خواہش نہیں ہے منصور نے انکو بھی انکے خاندان والوں کیساتھ گرفتار کر لیا اور ان قیدیوں میں محمد بن ابراہیم بن حسن بن حسن مجتبیٰ بن علی بن ابی طالب بھی تھے یہ بڑے خوبصورت تھے اور خوبصورتی کی وجہ سے ان کو دیباج اصغر (زرد ریشم) بھی کہا جاتا تھا۔ منصور نے ان کو بلایا اور کہا کہ تم دیباج اصغر ہو آپ نے فرمایا لوگ ایسے ہی کہتے ہیں منصور نے کہا کہ میں تم کو بری طرح قتل کروں گا کہ اس سے پہلے میں نے کسی کو اس طرح قتل نہیں کیا پھر منصور نے ان کو زندہ ایک ستون میں چنوا دیا اور وہ اس طرح گھٹ کر مر گئے (البدایہ والنہایہ صفحہ ۹۲ ج ۱۰) امام حسن علیہ السلام کی اولاد کے ساتھ منصور کی عداوت اور بدسلوکی کی وجہ یہ تھی کہ بنو ہاشم کے دونوں قبیلے بنو ابی طالب اور بنو عباس بنو امیہ کے آخری زمانہ میں جمع ہوئے اور انہوں نے تباہ حالی اور مظلومیت کے بارے میں گفتگو کی کہ بنو امیہ کے خلاف تحریک چلائی جائے تو وہ اس وقت کامیاب ہو سکتی ہے کیونکہ لوگ بنو امیہ سے متنفر ہو رہے ہیں اس تحریک کے لیے ضروری ہے کہ ہمارا ایک سردار ہو چنانچہ محمد نفس ذکیہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے پر سب نے اتفاق کیا لیکن جعفر بن محمد نے کہا کہ حکومت منصور کو ملے گی آخر کار حکومت منصور کو مل گئی تو منصور نے نفس ذکیہ کو طلب کیا تاکہ وہ ان کو قتل کر دے یا معزول کر دے کیونکہ زیادہ تر لوگ محمد نفس ذکیہ کی طرف مائل تھے نیز منصور نے نفس ذکیہ کے باپ حضرت عبداللہ المحض کو کہا کہ نفس ذکیہ کو حاضر کرو حضرت عبداللہ

المحض نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اپنے بیٹوں کو تمہارے پاس لاؤں تاکہ تم ان کو قتل کردو پھر منصور نے عبداللہ المحض اور ان کی تمام اولاد اور اہل دھیال وخاندان کو گرفتار کر لیا ان میں سے کچھ جیلوں میں فوت ہو گئے اور کچھ کو قتل کردیا گیا چنانچہ اہل بیت اطہار اور اولاد رسول پر اتنا تشدد اور ظلم ہو رہا تھا تو ان کے ساتھ تعلقات قائم کرنا یا برقرار رکھنا یا ان سے روایت حدیث لینا بہت مشکل کام تھا۔ لہٰذا امام بخاری نے بھی نہ تو امام جعفر صادق سے روایت بیان کی اور نہ ہی اپنے زمانہ کے آئمۂ اہل بیت رسول سے روایت لی۔

سوال :۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ امام جعفر صادق کے بارے میں یحییٰ بن سعید قطان نے کہا ہے کہ مجالد احب الی منہ فی نفسی منہ شئ کہ امام جعفر صادق سے میرے نزدیک مجالد زیادہ پسندیدہ ہے اور میرے دل میں امام جعفر صادق کے متعلق کچھ خلش ہے، اور حافظ ابن حجر نے بھی لکھا ہے کہ ابن مدینی نے کہا کہ یحییٰ بن سعید قطان سے امام جعفر صادق کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے کہا فی نفسی منہ شئ ومجالد احب الی منہ کہ میرے نفس میں امام جعفر صادق کے بارے میں کچھ خلش ہے اور آپ سے تو مجالد میرے نزدیک پسندیدہ ہے۔

جواب :۔

یحییٰ بن سعید قطان نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے بارے دو باتیں کہیں ہیں پہلی بات کہ مجالد امام جعفر صادق سے یحییٰ بن سعید قطان کو زیادہ پسندیدہ ہے۔ یہ الفاظ جرح نہیں ہیں۔ اگر ان الفاظ کو جرح مانا

جائے تو لازم آئے گا کہ امام مالک بھی ضعیف ہوں کیونکہ ابن مہدی نے کہا ہے کہ سفیان ثوری امام مالک سے حفظ میں مقدم ہیں نیز صالح بن محمد نے کہا ہے کہ سفیان ثوری امام مالک سے زیادہ حافظ اور حدیث میں اکثر ہے اگر مقدم ہونا یا پسندیدہ ہونا الفاظ جرح ہوں تو پھر لازم آئے گا کہ امام مالک ضعیف ہوں نیز لازم آئے گا کہ شعبہ بن حجاج بھی ضعیف ہوں کیونکہ صالح بن محمد نے کہا ہے کہ سفیان ثوری تو شعبہ سے زیادہ حافظ اور اکثر الحدیث ہے اور یحییٰ بن معین نے کہا کہ سفیان بن عیینہ شعبہ سے مقدم ہے۔ اور عبدالرحمان بن مہدی نے بھی کہا ہے کہ میں ابن عیینہ کو شعبہ سے مقدم سمجھتا ہوں میں شعبہ سے حدیث سنتا ہوں لیکن لکھتا نہیں۔ اگر یہ الفاظ جرح ہوں تو شعبہ بن حجاج جو امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں ضعیف ہوں نیز سفیان بن عیینہ المتوفی ۱۹۸ھ خود ضعیف ہوں۔ انہوں نے خود اپنی ذات پر امام مالک المتوفی ۱۷۹ھ کو مقدم کہا ہے اور دیگر اصحاب جرح و تعدیل نے امام مالک کو سفیان بن عیینہ پر مقدم کہا ہے خود یحییٰ بن سعید قطان المتوفی ۱۹۸ھ نے کہا ہے کہ میرے نزدیک شعبہ بن حجاج المتوفی ۱۶۰ھ سے زیادہ کوئی پسندیدہ نہیں ہے لیکن اگر شعبہ کے خلاف سفیان ثوری المتوفی ۱۶۱ھ ہو جائے تو میں سفیان ثوری کو مقدم سمجھتا ہوں (تہذیب التہذیب صد ۱۱۳ ج ۴) اگر یہ الفاظ فلاں پسندیدہ ہے۔ فلاں بہت حافظ ہے فلاں مقدم ہے (جرح ہوں تو پھر تمام ثقہ اور صدوق حافظ راوی ضعیف ہوں گے اور خود یحییٰ بن سعید قطان بھی ضعیف ہو گا (ابراز الوھم صد ۴۹۲) معلوم ہوا کہ جارح کا یہ کہنا فلاں آدمی فلاں سے میرے نزدیک پسندیدہ ہے۔ جرح نہیں ہے بلذا یحییٰ قطان کا امام جعفر صادق کے بارے میں یہ کہنا کہ

مجاہد المتوفی ۱۴۳ھ میرے نزدیک پسندیدہ ہے یہ جرح نہیں ہے اور نہ اس سے ضعف لازم آتا ہے اور دوسری بات کہ میرے نفس میں امام جعفر صادق کے بارے میں خلش ہے۔ اس خلش کا یحیٰی قطان نے ذکر نہیں کیا لہٰذا یہ جرح مبہم ہے اور جرح مبہم غیر معتبر ہوتی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں ان کان غیر مفسر لم یقدح فی من ثبت عدالتہ (شرح نخبۃ الفکر ص۱۱۹) اگر جرح مبہم ہے اور راوی کی ثقاہت اور عدالت ثابت شدہ ہے تو پھر اس راوی پر جرح مبہم غیر معتبر ہے، جارح کو چاہیے کہ وہ جرح کرتے وقت جرح کے اسباب سے بھی بیان کرے کہ اس پر جرح کس بنا پر کی جا رہی ہے اگر راوی ثقہ، صدوق اور عادل ہے تو اس پر جرح مبہم غیر معتبر ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کی ثقاہت، صداقت اور عدالت تمام امت مسلمہ کے نزدیک مسلم اور معتبر ہے لہٰذا یحیٰی قطان کی یہ مبہم جرح مردود ہے چنانچہ اصحاب جرح و تعدیل لکھتے ہیں واما الجرح فانہ لا یقبل الا مفسرا مبین السبب لان الناس یختلفون فیما یجرح وما لا یجرح فیطلق احدھم الجرح بناء علی امر اعتقدہ جرحا ولیس بجرح فی نفس الامر فلابد من بیان سببہ لینظر فیہ ھل ھو جرح ام لا وھذا ظاہر مقرر فی الفقہ واصولہ وذکر الخطیب الحافظ انہ مذھب الائمۃ من حفاظ الحدیث ونقادہ (ابرازالوہم ص۲۵۹) اور لیکن جرح مقبول نہیں ہوگی مگر مفسر ہو جس میں اسباب کا بیان ہو کیونکہ جرح اور عدم جرح میں لوگ مختلف ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ ایک آدمی اپنے اعتقاد کے مطابق اس کو جرح کہتا ہے حالانکہ نفس الامر میں وہ جرح نہیں ہوتی پس ضروری ہے کہ جرح کا سبب بھی ذکر کیا جائے تاکہ دیکھا جائے کہ یہ جرح بھی ہے

یا نہیں یہ مسئلہ فقہ اور اصول فقہ میں موجود ہے اور خطیب بغدادی المتوفی ۴۶۳ھ نے ذکر کیا ہے کہ حفاظ حدیث اور اصحاب جرح و تعدیل کے اماموں کا یہی مذہب ہے، ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ تاج الدین سبکی المتوفی ۷۷۱ھ نے طبقات میں ذکر کیا ہے کہ جس شخص کی امامت و عدالت ثابت ہو اور اس کے مدح کرنے والے زیادہ ہوں اور جرح کرنے والے تھوڑے ہوں اور وہاں تعصب مذہبی وغیرہ اسباب جرح موجود ہوں تو کبھی بھی اس جرح کی طرف التفات نہیں کی جائے گی اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ جس کو جمہور نے اپنا دینی پیشوا تسلیم کر لیا ہو، اس کے بارے میں کسی طعن کرنے والے کا قول معتبر نہیں ہوگا۔ (الخیرات الحسان صہ ۱۸۰) اب اس سے ثابت ہوا کہ جرح مبہم غیر مفسر کا اعتبار نہیں ہے لہٰذا یحییٰ قطان نے جو جرح کی ہے وہ مردود اور غیر معتبر ہے اگر سائل اصرار کرے کہ یحییٰ بن قطان کے یہ الفاظ فی نفسی منہ شئی جرح ہی ہے اور یحییٰ قطان کے دل میں خلش برقرار ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یحییٰ بن قطان کے دل میں جو خلش ہے وہ مہمل خلش ہے کیونکہ یحییٰ قطان سمجھتا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام شیعہ ہیں۔ ظاہراً تو یحییٰ قطان نے یہ ذکر نہیں کیا اور نہ ہی خدا نے اس کو طاقت دی ہے کہ وہ رسول کریم کے بیٹے امام جعفر صادق علیہ السلام کے بارے میں یہ الفاظ کہے کہ وہ شیعہ ہیں لیکن کنایۃً کہا کہ وہ شیعہ ہیں اور یہ کنایہ بایں وجہ سمجھا گیا ہے کہ جو اس نے یہ کہا ہے کہ میرے نزدیک امام جعفر صادق سے تو مجالد پسندیدہ ہے کسی اور راوی کا نام نہ لیا بلکہ مجالد کا لیا کیونکہ مجالد کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ شیعہ ہے چنانچہ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ مجالد بن الہمدانی کے بارے اشج نے کہا ہے کہ مجالد شیعہ ہے (میزان الاعتدال صہ ۴۳۸ ج ۳) جب مجالد شیعہ ہے تو یحییٰ قطان نے شیعہ راوی کا ذکر کر کے کہا کہ

میرے نزدیک تو امام جعفر صادق سے مجالد زیادہ پسندیدہ ہے گویا کہ یہ ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ میرے دل میں خلش ہے کہ امام جعفر صادق بھی شیعہ ہیں لیکن یحییٰ قطان کو مجالد بن سعید ہمدانی کے شیعہ ہونے سے امام جعفر صادق علیہ السلام کے بارے میں یہ خلش پیدا نہیں ہونی چاہیے تھی کیونکہ یہ مجالد امام بخاری سے تقریباً ایک سو تیرہ سال پہلے ہوا ہے کیونکہ مجالد کی وفات ۱۴۳ھ ہے اور امام بخاری کی وفات ۲۵۶ھ ہے پہلے زمانہ میں شیعہ متوالی تھے صحیح بخاری میں بے شمار شیعہ راوی ہیں اور صحیح مسلم تو شیعہ راویوں سے بھری پڑی ہے جس کی تفصیل ہم نے حسب ونسب جلد سوم کی بحث تقدیم میں بیان کی ہے لہٰذا مجالد سے یحییٰ قطان کو یہ مہمل اور بیہودہ خلش پیدا نہیں ہونی چاہیے تھی اگر مجالد سے ہی یہ خلش پیدا ہوئی ہے تو پھر بھی یہ خلش صریح غلط ہے کیونکہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے جب خود تصریح فرما دی ہے کہ ہم شیخین (ابو بکر و عمر) سے ہرگز اظہار برأت نہیں کرتے بلکہ واللہ لا ارجوان ینفعنی اللہ بقرابتی من ابی بکر اور حفص بن غیاث المتوفی ۱۹۴ھ نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق سے سنا آپ فرما رہے تھے ما ارجو من شفاعته علی شیئا الا وانا ارجو من شفاعته ابی بکر مثله (تہذیب التہذیب صہ ۱۰۴ ج ۲) اب جب تصریح موجود ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام شیخین کے بارے میں حسن عقیدت رکھتے ہیں تو پھر یحییٰ قطان کا خدشہ اور خلش بے بنیاد اور غیر معتبر ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی کرامات:

امام جعفر صادق علیہ السلام کی بے شمار کرامات ہیں ہم ان سے چند

یہاں ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ لیث بن سعد المتوفی ۱۷۵ھ جو بہت بڑے محدث عالم اور فاضل ہیں اور بڑے بڑے جلیل القدر محدثین ان کے شاگرد ہیں اور ان کے شاگردوں میں ہشام بن سعد، ابن لہیعہ، عبداللہ بن مبارک، ابن وہب، محمد بن عجلان، یعقوب بن ابراہیم، عبداللہ بن عبدالحکم، حجاج بن محمد، سعید بن سلیمان، آدم بن ابی ایاس، سعید بن ابی مریم، سعید بن شرجبیل، سعید بن کثیر وغیرہم ہیں یہ لیث بن سعد ثقہ اور صدوق تھے احمد بن سعد الزہری نے کہا ہے کہ امام احمد نے فرمایا کہ لیث بن سعد ثقہ تھے۔ ابوطالب نے احمد سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا لیث کثیر العلم صحیح الحدیث تھے، ابن ابی خیثمہ اور اسحاق بن منصور نے یحیٰی بن معین سے روایت کی ہے کہ یحیٰی بن معین سے پوچھا گیا کہ آپ کے نزدیک لیث اچھے ہیں یا یحیٰی بن ایوب تو کہا کہ میرے نزدیک لیث زیادہ پسندیدہ ہیں۔ ابن مدینی نے کہا کہ لیث ثقہ تھے عجلی اور نسائی نے کہا کہ لیث ثقہ تھے۔ ابن ابی حاتم نے کہا کہ میں نے ابوزرعہ کو کہا کہ کیا لیث کی روایت کردہ حدیث کے ساتھ استدلال کیا جا سکتا ہے فرمایا کیوں نہیں لیث تو میرے نزدیک مفضل بن نضالہ سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے، ابوزرعہ نے کہا کہ لیث صدوق ہے۔ ابن خراش نے کہا کہ لیث صدوق اور صحیح الحدیث ہے۔ یعقوب بن شیبہ نے کہا کہ لیث ثقہ ہے، ابن وہب نے کہا کہ میں نے امام شافعی سے سنا آپ نے کہا کہ لیث تو امام مالک سے زیادہ فقیہ ہیں لیکن جتنا امام مالک کے شاگردوں نے حدیث کی اشاعت میں امام مالک کا ساتھ دیا اتنا لیث کے شاگردوں نے نہیں دیا، ابن سعد نے کہا کہ لیث ثقہ اور کثیر الحدیث تھے نیز یہ بہت بڑے سخی اور فیاض تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ منصور بن عمار حضرت

لیث کے پاس آئے تو ان کو ہزار دینار دیا اور جب ابن لہیعہ کا مکان جل گیا
تو ان کو ہزار دینار بھیجے نیز امام مالک کو ہزار دینار بھیجے (تہذیب التہذیب
ص۴۶۳ ج ۸) بہر صورت لیث بن سعد بہت بڑے محدث، ثقہ، صدوق تھے
یہ فرماتے ہیں کہ میں حج کے لیے گیا جب میں نے مسجد حرام میں عصر کی نماز
پڑھی تو میں کوہ ابو قبیس پر چڑھ گیا کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص بیٹھے ہوئے
یوں دعا مانگ رہے ہیں یا رب یا رب پھر خاموش ہو گئے پھر دعا کی یا حی
یا حی یا حی پھر دعا کی الہٰی میں انگور چاہتا ہوں مجھے انگور کھلا پھر دعا کی میری
دونوں چادریں پھٹ گئیں ہیں مجھے نئی چادریں چاہیں لیث بن سعد کہتے
ہیں کہ ابھی ان کی دعا تمام نہ ہوئی تھی کہ میں نے انگوروں کی بھری ہوئی ایک
طشتری دیکھی، حالانکہ اس وقت نہ کہیں انگور تھے اور نہ ہی انگوروں کا موسم
تھا اور دو چادریں دیکھیں جن کی مثل دنیا میں نہ تھیں جب انگور کھانے لگے تو
مجھے فرمایا آپ بھی کھائیے میں نے انگور کھانے شروع کیے لیکن کبھی
ایسے انگور آگے نہیں کھائے تھے اور نہ کھانے سے وہ کم ہوئے جیسے
تھے ویسے رہے آپ نے فرمایا ان کو ذخیرہ نہیں کرنا بعد ازاں ایک چادر
آپ نے لی اور ایک مجھے دی میں نے کہا کہ مجھے تو ضرورت نہیں ہے تو
آپ نے ایک چادر بطور تہبند باندھ لی اور دوسری بدن پر اوڑھ لی اور
اور پرانی چادریں ہاتھ میں لے کر پہاڑ سے اتر گئے جب آپ صفا و مروہ
کے درمیان پہنچے تو ایک آدمی نے آپ سے سوال کیا اے فرزند رسول
میں ننگا ہوں مجھے دونوں چادریں دیجیے آپ نے دونوں چادریں سائل کو
دے دیں اور آپ چلے گئے میں نے اس سائل سے پوچھا یہ کون ہیں اس
نے کہا کہ رسول اللہ کے بیٹے امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں۔ میں نے

ان کو تلاش کیا کر ان سے کچھ حدیث رسول سنو لیکن مجھے آپ نہ ملے (صواعق محرقہ صہ ۲۰۱، تذکرہ مشائخ نقشبند صہ ۴۸) ایک مرتبہ امام جعفر صادق مکہ شہر میں ایک گلی سے گذر رہے تھے کہ ایک عورت اور اس کے بچے رو رہے تھے اور قریب ایک گائے مردہ پڑی تھی۔ امام جعفر صادق نے عورت سے پوچھا کہ تم اور تیرے بچے کس وجہ سے رو رہے ہیں اس نے عرض کی حضور میرا اور میرے بچوں کا گذارہ اس گائے کے دودھ پر تھا۔ اب یہ مرگئی ہے اب ہم اس پریشانی سے رو رہے ہیں۔ امام نے فرمایا کیا تو یہ چاہتی ہے کہ اللہ تعالے تیری گائے کو زندہ کر دے عورت نے کہا کہ مجھ پر مصیبت پڑی ہے آپ کیا بات کر رہے ہیں تو امام جعفر صادق نے دعا فرمائی اور اپنے قدم سے گائے کو ایک ٹھوکر ماری اور وہ زندہ ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی اور آپ تشریف لے گئے (تذکرۂ مشائخ نقشبند صہ ۴۹) منصور عباسی نے جب عبد اللہ المحض اور ان کی اہل بیت کو شہید کر دیا تو ایک دن بڑا پریشان ہو کر بیٹھا ہوا تھا اس کے وزیر نے پریشانی کی وجہ پوچھی تو کہنے لگا کہ میں نے حضرت علی کی اولاد سے ایک بڑی جماعت کو قتل کر دیا ہے لیکن ان کے سردار کو چھوڑ دیا ہے وزیر نے پوچھا سردار کون ہے کہا جعفر بن محمد (امام جعفر صادق) منصور نے وزیر کو کہا کہ تم جاؤ جا کر امام جعفر صادق کو بلا لاؤ تا کہ میں اس کو بھی قتل کر دوں۔ وزیر نے کہا کہ جو شخص گوشہ نشین اور عبادت میں مشغول ہے اور دنیا سے قطع تعلق کیے ہوئے ہیں اسے قتل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ منصور وزیر کو اس بات پر ناراض ہوا اور وزیر کو کہا جاؤ جا کر بلا لاؤ میں ان کو ضرور قتل کرنا چاہتا ہوں۔ وزیر چلا گیا ادھر منصور نے اپنے جلاد کو کہا کہ جب ہی امام جعفر صادق آئیں اور میں سر سے

ٹوپی اتاروں تم نے ان کو قتل کر دینا ہے جب وزیر امام جعفر صادق علیہ السلام کو لے کر آیا تو منصور امام جعفر صادق کے استقبال کے لیے آگے بڑھا اور آپ کو نہایت ادب واحترام کے ساتھ تخت پر بٹھایا اور خود ادب سے سامنے بیٹھ گیا۔ جلاد دیکھ کر حیران ہو گیا۔ منصور نے عرض کیا آپ کیسے تشریف لائے آپ نے فرمایا تم نے مجھے بلایا منصور نے عرض کیا کہ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو فرمایئے امام جعفر صادق نے فرمایا کہ اس چیز کی ضرورت ہے کہ آپ مجھے یہاں نہ بلایا کریں اب مجھے اجازت دیجیے تاکہ میں جا کر اللہ تعالیٰ کو یاد کروں چنانچہ آپ تشریف لے گئے تو منصور کانپ کر بے ہوش گر پڑا تین روز تک بے ہوش رہا جب ہوش میں آیا تو لوگوں نے پوچھا کیا ہوا تھا کہنے لگا جب امام جعفر صادق یہاں تشریف لائے تھے تو میں نے دیکھا کہ آپ کے ہمراہ ایک اژدہا (سانپ) ہے اس کے منہ کا ایک حصہ زمین پر تھا اور دوسرا حصہ میرے محل پر اس سانپ نے مجھے کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے کہ اگر تو نے امام جعفر صادق کو کوئی تکلیف پہنچائی تو میں تجھے محل سمیت نگل جاؤں گا۔ چنانچہ میں اس اژدہا کو دیکھ کر بیہوش ہو گیا (تذکرۃ مشائخ نقشبند ص۴۹) حضرت امام جعفر صادق کے ایک غلام کو داؤد بن علی بن عبد اللہ بن عباس نے قتل کر دیا اور اس کا مال ومتاع بھی لوٹ لیا تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام داؤد کے پاس گئے وہ اس وقت اپنی چادر کو زمین پر بچھا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا تو نے میرے غلام کو بلا وجہ قتل کر دیا ہے اور اس کا مال لوٹ لیا ہے تم نے یہ اچھا کام نہیں کیا۔ اس معاملہ کو میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کروں گا۔ وہ کہنے لگا کہ آپ مجھے ڈراتے اور دھمکاتے ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام گھر چلے گئے۔ آپ جا کر عبادت میں مصروف

ہو گئے اور اسی اثنا میں آپ نے داؤد کے لیے بددعا فرمائی تو بلاتا خیر اطلاع
ئی کر داؤد کو کسی نے قتل کر دیا ہے (صواعق محرقہ صت۲۰۰) (شواہد النبوت
صہ۲۳۲) اسی طرح ایک اور راوی کا بیان ہے کہ میرا ایک دوست تھا جس
کو منصور عباسی نے قید کر دیا تھا۔ میری ملاقات حج کے موسم میں امام جعفر صادق
کے ساتھ میدانِ عرفات میں ہوئی۔ میں نے اپنے دوست کے بارے
میں امام علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ حضور ابھی وہ قید میں ہے آپ
نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا کہ تمہارے دوست کو بری کر دیا
گیا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ جب میں حج سے فارغ ہو کر واپس آیا تو میں نے
اپنے دوست سے پوچھا تم کس دن بری ہوئے۔ اس نے کہا کہ مجھے یوم
عرفہ (حج کے دن) بعد از نماز عصر بری کر دیا گیا تھا (شواہد النبوت صہ۲۳۵)
ایک راوی کا بیان ہے کہ ایک دن میں بہت سے اور آدمیوں کے ساتھ
امام جعفر صادق کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ نے فرمایا جب اللہ تعالےٰ
نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خذ اربعۃ من الطیر فصرھن الیک
کا حکم فرمایا تو آپ نے اللہ تعالےٰ کے حکم کے مطابق انکو ذبح کیا پھر وہ زندہ
ہوئے پھر فرمایا اگر تم چاہو تو تمہیں ویسا ہی کر دکھاؤں۔ ہم نے کہا ہاں آپ
نے فرمایا اے مور ادھر آجاؤ اسی وقت ایک مور حاضر ہو گیا پھر فرمایا اے کوے
ادھر آجاؤ تو ایک کوا آگیا پھر فرمایا اے باز ادھر آجاؤ اسی وقت ایک باز
آگیا پھر فرمایا اے کبوتر ادھر آجاؤ ایک کبوتر آگیا جب چاروں پرندے
آگئے تو فرمایا ان کو ذبح کر دو۔ ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو اور ان کا گوشت
آپس میں ملا دو لیکن ہر ایک کے سر کو بحفاظت رکھ کر اسی کے بعد آپ نے
مور کے سر کو پکڑ کر کہا اے مور زندہ ہو جا ہم نے دیکھا اس کی ہڈیاں اور

گوشت اور پر اس کے سر کے ساتھ مل گئے اور وہ ایک صحیح سالم مور بن گیا اسی طرح دوسرے تین پرندے بھی زندہ ہو گئے (شواہد النبوت صہ۲۲۵) جب امام زید الشہید علیہ السلام کو دشمنوں نے دار پر لٹکایا تو حکم بن عباس کلبی نے یہ شعر کہا ہے

صلبنا لکم زیداً علی جذع نخلۃ

ولم نر مہدیا علی الجذع یصلب

یعنی ہم نے زید کو سولی پر چڑھایا اور ہم نے کسی مہدی کو سولی پر چڑھتے نہیں دیکھا، کلبی کا مطلب تھا کہ حضرت زید علیہ السلام مہدی نہیں تھے اس لیے سولی پر چڑھے جب یہ شعر امام جعفر علیہ السلام کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا اللھم سلط علیہ کلباً من کلابک اے اللہ اس حکم کلبی پر اپنے کتوں سے ایک کتا مسلط کر چنانچہ یہ حکم کلبی کوفہ کی طرف آ رہا تھا راستہ میں ایک شیر نے اس کو پھاڑا اور مار دیا۔ جب امام جعفر صادق کے پاس اطلاع آئی کہ حکم کلبی کو شیر نے مار دیا ہے تو فرمایا اللہ تعالےٰ کی حمد ہے جس نے ہمارے وعدے کو پورا کیا (نور الابصار صہ ۲۵، صواعق محرقہ صہ ۲۰۰)۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کے ارشادات:

❖ چار چیزیں ہیں جن سے شریف آدمی کو شرم اور عار نہیں ہونی چاہیے۔

۱۔ اپنے والد کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا۔

۲۔ اپنے مہمان کی خدمت کرنا۔

۳۔ اپنے جانوروں کی خبر لینا خواہ اس کے سو غلام ہی کیوں نہ ہوں۔

۴۔ اپنے استاد کی خدمت کرنا۔

❁ نیکی سوائے تین خصلتوں کے تمام و کمال نہیں ہوتی۔

۱۔ اسے جلدی کرنا۔

۲۔ اسے چھوٹا سمجھنا۔

۳۔ اسے چھپانا۔

❁ جب دنیا کسی کے پاس آتی ہے تو اسے غیروں کی خوبیاں دیتی ہے اور جب اس سے منہ پھیر لیتی ہے تو اس کی ذاتی خوبیاں بھی چھین لیتی ہے۔

❁ جب تجھے اپنے بھائی سے کوئی ایسی چیز پہنچے جس کو تو ناپسند کرتا ہے تو اس کے لیے ایک عذر سے ستر عذر تلاش کر اگر تجھے اس کے لیے عذر نہ ملے تو یوں کہہ کہ شاید اس کے لیے کوئی عذر ہوگا جو مجھے معلوم نہیں ہے۔

❁ جب تم کسی مسلمان سے کوئی بات سنو تو اسے اچھے سے اچھے معنے پر حمل کرو یہاں تک کہ اگر تمہیں کوئی محمل نیک نہ ملے تو اپنے تئیں ملامت کرو۔

❁ تم ایسے ہاتھ کا کھانا نہ کھاؤ جو بھوکا تھا پھر امیر ہو گیا۔

❁ امام جعفر صادق علیہ السلام نے کسی قبیلے کے ایک شخص سے پوچھا کہ اس قبیلے کا سردار کون ہے اس شخص نے جواب دیا کہ میں آپ نے فرمایا اگر تم ان کے سردار ہوتے تو جواب میں میں نہ کہتے،

❁ جب تو گناہ کرے تو معافی مانگ کیونکہ گناہ انسانوں کے گلوں میں ان کی پیدائش سے پہلے ڈالے گئے ہیں اور ان پر اصرار کرنا کمال درجہ کی

ہلاکت ہے۔

- جو شخص اپنے رزق میں تاخیر پائے اسے استغفار زیادہ کرنا چاہیے۔
- جو شخص اپنے مالوں میں سے کسی کو پسند کرے اور یہ چاہے کہ یہ باقی رہے تو اسے یوں کہنا چاہیے ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ۔
- اللہ تعالیٰ نے دنیا کی طرف حکم بھیجا کہ جو شخص میری تابعداری کرے تو اس کی خدمت کر اور جو تیری تابعداری کرے تو اس کو تکلیف پہنچا۔
- علماء شریعت رسولوں اور نبیوں کے امین ہیں جب تک بادشاہوں کے دروازے پر نہ جائیں۔
- آپ کو جب کسی چیز کی حاجت ہوتی تو یوں دعا فرماتے یا ربا انا محتاج الی کذا (پروردگار مجھے فلاں چیز کی حاجت ہے) آپ کی دعا تمام نہ ہوتی کہ وہ چیز آپ کے سامنے موجود ہوتی۔
- جس نے اللہ کو پہچانا اس نے ماسوا سے منہ پھیر لیا۔
- عبادت توبہ کے سوا درست نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے توبہ کو عبادت پر مقدم کیا ہے چنانچہ فرمایا التائبون العابدون۔
- مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو چار چیزوں میں مبتلا ہو اور وہ چار سے غافل کیوں ہے۔

۱۔ تعجب ہے اس پر جو غم میں مبتلا ہو وہ یہ کیوں نہیں کہتا لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین کیونکہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فاستجبنا لہ ونجیناہ من الغم۔

۲۔ اور تعجب ہے اس پر جو کسی آفت سے ڈرتا ہے وہ یہ کیوں نہیں کہتا حسبنا اللہ ونعم الوکیل کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فانقلبوا

بنعمۃ من اللہ وفضل لم یمسسھم۔

۳۔ اور تعجب ہے اس پر جو لوگوں کے مکر سے ڈرتا ہے وہ یہ کیوں نہیں کہتا
وافوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد کیونکہ اللہ تعالے
فرماتا ہے فوقٰہ اللہ سیئات مامکروا۔

۴۔ اور تعجب ہے اس پر جو جنت کی رغبت کرتا ہے وہ یہ کیوں نہیں
کہتا ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ کیونکہ اس کے بعد اللہ تعالے
فرماتا ہے فعسیٰ ربی ان یؤتین خیراً من جنتک۔

☆ داؤد طائی جو بہت بڑے بزرگ ہیں انہوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام
کی خدمت میں عرض کی کہ حضور مجھے کچھ نصائح فرمائیں تو فرمایا۔ اے ابو سلیمان
(داؤد کی کنیت ہے) آپ زاہد زمانہ ہیں آپ کو میری نصیحت کی کیا ضرورت
ہے۔ داؤد طائی نے عرض کی اے فرزند رسول آپ کو سب پر فضیلت ہے
اس لیے آپ کے لیے ضروری ہے کہ سب لوگوں کو نصیحت کریں فرمایا
اے ابو سلیمان مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں قیامت کے دن میرے جد
بزرگوار میرا دامن نہ پکڑ لیں اور یوں فرما دیں کہ میرا حق متابعت کیوں ادا نہ
کیا یہ سن کر داؤد طائی نے رونا شروع کر دیا اور بارگاہِ الہٰی میں عرض کیا کہ
پروردگار جس شخص کی سرشت نبوت کے آب و گل سے اور جس کی طبیعت
کی ترکیب آثار رسالت سے ہوئی ہے اور جس کے جد بزرگوار رسول کریم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور ماں فاطمۃ الزہرا ہیں جب وہ ایسی حیرانی
میں ہیں تو داؤد کس شمار میں ہے کہ اپنے حال پر ناز و فخر کرے۔

☆ چار چیزیں تھوڑی بھی زیادہ ہیں۔

۱۔ آگ ۲۔ عداوت و دشمنی ۳۔ فقر و غربت ۴۔ مرض

(نورالابصار صـ ۲۵۹، طبقات کبریٰ للشعرانی صـ ۳۲ ج ۱، تذکرہ مشائخ نقشبند صـ ۵۰)

آپ کی وفات ۱۴۸ھ میں ہوئی اور آپ کی عمر ۶۸ سال تھی اور آپ جنت البقیع میں مدفون ہوئے، صلی اللہ تعالےٰ علی رسولہ وآلہ وسلم۔

اولاد امجاد:

امام جعفر صادق علیہ السلام کے پانچ بیٹے تھے (۱) اسماعیل (۲) علی العریضی (۳) محمد المامون (۴) اسحاق (۵) موسیٰ الکاظم، ایک بیٹی تھی جس کا نام فروہ تھا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کے بیٹوں سے بڑے بیٹے اسماعیل تھے اور اسماعیل کی والدہ فاطمہ بنت الحسین الاثرم بن حسن مجتبیٰ بن علی بن ابی طالب ہے اور امام جعفر صادق کی زندگی میں ہی اسماعیل ۱۳۸ھ میں مقام عریض پر فوت ہوگئے اور وہاں سے ان کو مدینہ منورہ لاکر جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کی امامت پر اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ متفق ہیں اور یہ ہی شیعہ امامیہ کے دو بڑے فرقے ہیں فرقہ امامیہ اس بات کا قائل ہے کہ امامت حضرت علی کے لیے ہے۔ ان کے بعد امام حسن امام ہیں پھر حسین امام ہیں۔ امام حسین علیہ السلام کے بعد استحقاق امامت کے سلسلہ میں باہمی اختلاف پیدا ہوگیا اور یہ متعدد فرقوں میں بٹ گئے جن کی تعداد ستر سے بھی زیادہ ہے لیکن ان میں دو فرقے بہت بڑے ہیں اول اثنا عشریہ، دوم اسماعیلیہ، اثنا عشریہ کے نزدیک ترتیب امامت یہ ہے۔ ۱۔ علی بن ابی طالب ۲۔ حسن بن علی، ۳۔ حسین بن علی، ۴۔ علی بن حسین، ۵۔ محمد باقر بن علی، ۶۔ جعفر صادق بن محمد باقر، ۷۔ موسیٰ کاظم بن جعفر صادق، ۸۔ علی الرضا بن موسیٰ کاظم

۹۔ محمد جواد تقی بن علی الرضا، ۱۰۔ علی الہادی نقی بن محمد جواد تقی، ۱۱۔ حسن عسکری بن علی نقی، ۱۲۔ محمد بن حسن عسکری، بارہویں امام محمد بن عسکری کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ یہ بمقام سر من رائے اپنے گھر کے تہہ خانہ میں داخل ہو گئے لیکن پھر واپس نہ آئے۔ قرب قیامت ظاہر ہوں گے۔ ان کے بارے میں تفصیل آگے آرہی ہے اور شیعہ اسماعیلیہ کی نسبت اسماعیل بن جعفر صادق کی طرف ہے ان لوگوں کا خیال ہے کہ امام جعفر صادق کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے اسماعیل منصب امامت پر فائز ہوئے۔ اگرچہ وہ اپنے والد امام جعفر صادق کی موجودگی میں وفات پا گئے تھے لیکن امام جعفر صادق نے اسماعیل کی امامت پر نص کر دی تھی لہٰذا اسماعیل امام ہوئے پھر اسماعیل کی اولاد میں امامت چلی ہے اور اسماعیل کے دو بیٹے تھے (۱) محمد بن اسماعیل (۲) علی بن اسماعیل، اسماعیل کے بعد ان کے بیٹے محمد بن اسماعیل امام تھے، ہارون رشید عباسی جب مکہ مکرمہ میں آیا تو اس محمد بن اسماعیل نے اس کو کہا کہ جب دو بادشاہ ہوں تو خراج اور آمدنی دونوں پر تقسیم ہونی چاہیے۔ ہارون نے محمد بن اسماعیل کو کہا کہ ایک تو میں خلیفہ اور بادشاہ ہوں دوسرا کون ہے، محمد بن اسماعیل نے کہا کہ دوسرا خلیفہ میرا چچا موسیٰ کاظم بن جعفر صادق ہیں، اسی وقت ہارون رشید نے حکم کیا کہ موسیٰ کاظم کو قید کر لیا جائے چنانچہ امام موسیٰ کاظم کو جیل میں بند کر دیا گیا۔ آگے محمد بن اسماعیل کے دو بیٹے تھے (۱) جعفر الشاعر (۲) اسماعیل ثانی اور جعفر الشاعر کا بیٹا محمد تھا اور محمد کا بیٹا الحسن البنیض تھا اور مصر میں فاطمیوں کے اول خلیفہ عبیداللہ نے دعویٰ کیا تھا وہ الحسن البنیض کا بھائی ہے اور فاطمی اول خلیفہ عبیداللہ ۳۲۲ھ میں فوت ہوا۔ اس کے بعد فاطمی حکومت میں درج ذیل خلفاء ہوئے ہیں۔ (۱) ابوالقاسم القائم محمد المتوفی ۳۳۴ھ،

(۲) منصور اسماعیل المتوفی ۳۴۱ھ، (۳) المعز ابو تمیم المتوفی ۳۶۵ھ (۴) العزیز نزار المتوفی ۳۸۶ھ (۵) الحاکم المنصور المتوفی ۴۱۱ھ (۶) الظاہر علی المتوفی ۴۲۷ھ (۷) المستنصر سعد المتوفی ۴۸۷ھ، (۸) المستعلی احمد المتوفی ۴۹۵ھ (۹) الامیر منصور المتوفی ۵۲۴ھ (۱۰) الحافظ ابو المیمون عبد المجید بن ابی القاسم محمد بن المستنصر المتوفی ۵۴۴ھ، (۱۱) الظافر ابو منصور اسماعیل المتوفی ۵۴۹ھ (۱۲) الفائز ابو القاسم عیسٰے المتوفی ۵۵۵ھ (۱۳) العاضد عبداللہ بن یوسف بن الحافظ المتوفی ۵۶۷ھ، یہ عاضد فاطمی حکومت کا آخری خلیفہ تھا، سلطان صلاح الدین ایوبی المتوفی ۵۸۹ھ نے اس کو گرفتار کیا اور فاطمی حکومت کو ختم کیا اور فاطمی حکومت کے نسب میں علماء نے اختلاف کیا ہے چنانچہ علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے کہ میں نے فاطمی خلفاء کا اپنی کتاب تاریخ الخلفاء میں اس لیے ذکر نہیں کیا کہ ان کے نسب میں اختلاف ہے لیکن علامہ ابن ابی عتبہ المتوفی ۸۲۸ھ جو کہ خود بھی ایک بہت بڑے نسابہ ہیں بڑے بڑے علماء نسابین کے حوالہ سے خلفاء فاطمیون کا نسب ذکر کیا ہے جس سے ثابت کیا ہے کہ فاطمی خلفاء حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی اولاد سے ہیں اور بنو فاطمہ ہیں اور محمد اسماعیل ثانی کے دو بیٹے تھے (۱) محمد (۲) احمد۔ ان دونوں کی کافی اولاد و نسل تھی ہم نے ذکر کیا ہے کہ اسماعیل بن امام جعفر صادق کے دو بیٹے تھے اول محمد بن اسماعیل جس کی اولاد کا ذکر ہوا ہے۔ دوم علی بن اسماعیل، اس علی کے دو بیٹے تھے (۱) اسماعیل بن علی بن اسماعیل اس کی اولاد مغرب میں موجود تھی۔ (۲) محمد بن علی بن اسماعیل۔ اس کی اولاد کثیر ہے۔ دمشق و عراق میں موجود ہے۔

علی العریضی بن امام جعفر صادق علیہ السلام:

علی العریضی کی کنیت ابوالحسن ہے۔ یہ امام جعفر صادق کے چھوٹے بیٹے ہیں۔ یہ بڑے عالم تھے اپنے بھائی امام موسیٰ کاظم سے روایت کرتے ہیں اور حسین ذی الدمعہ بن زید الشہید سے بھی روایت کرتے ہیں اور علی العریضی کی نسبت عریض کی طرف ہے۔ عریض مدینہ منورہ سے چار میل کے فاصلہ پر ایک بستی ہے۔ علی العریضی کی والدہ ام ولد ہیں۔ آپ کی اولاد کو عریضیون کہا جاتا ہے۔ دنیا میں عریضیون کثرت سے ہیں۔ علی العریضی المتوفی ۲۱۰ھ نے اپنے پیچھے چار بیٹے چھوڑے تھے (۱) جعفر اصغر (۲) حسن (۳) احمد الشعرانی (۴) محمد۔ ان میں سے جعفر اصغر کی نسل جاری تھی اور حسن کا بیٹا عبداللہ تھا اور عبداللہ کی اولاد مدینہ منورہ، مصر اور نصیبین میں قیام پذیر تھی اور عبداللہ کے دو بیٹے تھے (۱) علی (۲) موسیٰ اور علی بن عبداللہ کے چار بیٹے تھے (۱) ابو عبداللہ الحسین (۲) ابو القاسم احمد (۳) ابو جعفر محمد (۴) ابو محمد الحسن، اور ان میں سے ابو عبداللہ الحسین کا بیٹا علی تھا اور علی کا بیٹا حسن تھا اور حسن کا بیٹا داؤد تھا اور داؤد کی اولاد سے جو بہاؤالدین مذار میں ہیں اور بہاؤالدین کا نسب یہ ہے بہاؤالدین علی بن ابی القاسم علی بن محمد بن زید بن الحسن بن محمد بن جعفر بن الحسن بن محمد بن جعفر بن الحسن بن داؤد (جس کا اوپر ذکر ہوا ہے) اور ان میں سے بنو مختار بھی ہیں ان کا نسب یہ ہے مختار محمد بن الحسن بن یحییٰ بن الحسن بن محمد بن علی بن جعفر بن داؤد (المذکور) اور ان میں بنو یحییٰ بھی ہیں ان کا نسب یہ ہے یحییٰ بن محمد بن زید بن الحسن بن داؤد (المذکور) اور احمد الشعرانی بن علی العریضی

کے چار بیٹے تھے (۱) محمد بن احمد الشعرانی (۲) علی بن احمد الشعرانی (۳) حسن بن احمد الشعرانی کا بیٹا احمد تھا اس کی اولاد بنو جدہ کے نام سے مشہور ہے نیز محمد بن احمد الشعرانی کی اولاد سے ابوطاہر احمد بن فارس ابو محمد بن الحسن النجازی بن محمد بن احمد الشعرانی بھی ہے۔ آگے اس ابوطاہر کی اولاد موجود تھی اور علی بن احمد الشعرانی کی بھی آگے نسل جاری تھی اور حسن بن احمد الشعرانی کا بیٹا احمد صاحب السجادہ تھا اور احمد صاحب السجادہ کا بیٹا الحسین الجذوعی تھا اور الحسین الجذوعی کے چار بیٹے تھے (۱) زید (۲) علی الاصم (۳) احمد (۴) محمد، ان میں سے احمد بن الحسین الجذوعی کی اولاد قم میں موجود تھی۔ علامہ ابن طبا طبا نے کہا ہے کہ یہ لوگ مرو میں موجود ہیں اور احمد بن الحسین الجذوعی کا بیٹا اسماعیل تھا اور اسماعیل کی اولاد ابرقوہ میں تھی۔ یہ لوگ صاحب شرافت و ریاست تھے۔ ان میں سے السید الجلیل تاج الدین نصرۃ بن کمال الدین صادق بن نظام الدین مجتبیٰ بن شرف الدین محمد بن فخر الدین مرتضیٰ بن قاسم بن علی بن محمد الحسین الفقیہ بن اسماعیل المذکور تھے یہ قم میں سکونت پذیر تھے۔ تاج الدین نصرۃ کا بیٹا قوام الدین مجتبیٰ تھا اور قوام الدین کا بیٹا فخر الدین یعقوب تھا جس وقت شاہ منصور بن مظفر الدین یزدی قتل ہوا تھا تو قوام الدین اور فخر الدین بھی دونوں قتل ہوئے تھے لہٰذا ان کی اولاد کا علم نہیں ہو سکا گویا کہ تاج الدین نصرۃ کی نسل نہیں چلی اور تاج الدین نصرۃ کو بھی ابرقوہ میں ان کے حبشی غلام نے قتل کیا تھا، تاج الدین نصرۃ کا ایک بھائی مبارک شاہ جلال الدین تھا اور مبارک شاہ کے دو بیٹے تھے (۱) حسین اس کی اولاد کا علم نہیں ہو سکا۔ (۲) الحسن اس کی نسل چلی ہے اور محمد بن حسین الجذوعی کی بھی آگے نسل چلی ہے لیکن زید بن حسین الجذوعی اور علی الاصم بن حسین

المجدوعی کی آگے نسل نہیں چلی اور عبید اللہ بن احمد الشعرانی کی کنیت ابو محمد ہے نیز اس کی کنیت ابن الحنفیہ ہے۔ اس عبید اللہ کا بیٹا علی ہے اور علی کا بیٹا محمد ہے اور محمد کا بیٹا علی ہے اور علی کا المحسن ہے اور اس المحسن نے اپنے پیچھے ابوالقاسم، عبدالمطلب اور ابوالقشائر اسماعیل چھوڑے ہیں ان دونوں کی اولاد یزد میں ہے۔ بڑی عزت و عظمت والے سادات ہیں نیز محسن نے اپنے پیچھے ابوالکتاب نوح کو چھوڑا ہے اور ابوالکتاب کی اولاد بغداد، اصفہان وغیرہ میں موجود تھی آگے ابوالقاسم عبدالمطلب کی اولاد سے السید جلال الدین حسین الامیر عضد الدولۃ محمد بن ابی یعلیٰ بن ابی القاسم المجتبیٰ بن ابی محمد المرتضیٰ بن سلیمان بن حمزہ بن عبدالمطلب المذکور ہے یہ فارسی کا زبردست شاعر تھا پہلے یزد میں قیام پذیر تھا پھر یہاں سے منتقل ہو کر شیراز میں چلا گیا اور عبید اللہ بن احمد الشعرانی کی اولاد سے ابوطالب طاہر بن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ بن احمد الشعرانی بھی ہوا ہے اس کی نسل جاری تھی اور ان میں سے السید الجلیل شمس الدین محمد بن السید الجلیل رکن الدین محمد بن قوام الدین محمد بن النقیب الرئیس النظام بن ابی محمد شرف شاہ بن ابی المعالی عربشاہ بن ابی محمد بن ابی الطیب زید بن ابی محمد الحسن بن احمد بن عبید اللہ بن ابی جعفر محمد بن علی بن عبید اللہ بن احمد الشعرانی بھی تھے اور یہ یزد میں رہائش پذیر تھے۔ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ علی العریضی کے چار بیٹے تھے جن میں سے جعفر اصغر، حسن اور احمد الشعرانی کا ذکر ہو چکا ہے۔ اب چوتھے بیٹے محمد بن علی العریضی کا ذکر کیا جاتا ہے۔ محمد بن علی العریضی کی کنیت ابو عبد اللہ ہے ان کی اولاد متفرق شہروں میں پھیل گئی تھی۔ محمد بن علی العریضی کی اولاد سے یحییٰ المحدث بن یحییٰ الحسین بن عیسیٰ الرومی الاکبر بن محمد

بن علی العریضی تھا یہ مدینہ منورہ میں تھا اور ان میں سے ہی ابو تراب علی بن عیسے الرومی الاکبر بھی ہوا ہے اور انہی میں سے ابو الغوارس جعفر النا سب بن حمزہ الفقیہ بن الحسین بن علی بن عیسے الرومی الاکبر ہوا ہے آگے اس کی نسل جاری ہے اور ان میں سے موسیٰ بن عیسے الرومی الاکبر بھی ہوا ہے اس کی بھی نسل جاری تھی اور ان میں سے اسحاق بن عیسے الرومی الاکبر بھی تھا اس کی بھی آگے نسل جاری تھی اور ان میں سے الحسین الجیلی بن عیسے الرومی الاکبر بھی تھا اس کی نسل کثیر تھی اور ان میں سے ابو یعلی جہدی بن محمد بن الحسین امیر بن علی بن الحسین الجیلی تھا اس ابو یعلی جہدی کی بھی آگے نسل جاری تھی اور ان میں سے عیسے کور بن محمد بن الحسین الجیلی تھا اور اس عیسے کور نے بھی آگے اولاد چھوڑی تھی اور ان میں سے احمد الاتج بن ابو محمد الحسن الدلال بن محمد بن علی بن محمد بن احمد بن عیسے الاکبر الرومی تھا اس کی بھی نسل جاری تھی اور ان میں سے عیسے الازرق الرومی الثانی بن محمد بن علی بن عیسے الرومی الاکبر تھا اس کی بھی نسل جاری تھی اور ان میں سے بنو نوابہ بھی ہیں یہ علی بن محمد بن احمد بن محمد بن الحسن بن علی بن الحسن بن عیسے الرومی الثانی کے بیٹے تھے ان کو بنو نوابہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ نوابہ ان کی ماں تھی اور ان میں سے ہی عراق میں بنو المختص تھے اور المختص ابو منصور علی بن محمد بن علی بن علی بن نوابہ ہے اور ان میں سے ہی اہل بیت کا مادح (تعریف کرنے والا) السید محمد المعروف ابن حاتم بن علی بن محمد بن علی بن علی بن نوابہ تھا اس کی بھی نسل جاری تھی ۔ اور سید علی عریضی بن امام جعفر صادق علیہ السلام کی اولاد سے سید آصف محمد شاہ چراغ شاہ) آف کلیوال سیداں ضلع گجرات (پاکستان) حال مقیم برطانیہ

(لندن) بھی ہیں ان کا سلسلہ نسب درج ذیل ہے۔

۱۔ سیّد آصف محمد شاہ چراغ	۱۱۔ سیّد عبدالوہاب
بن	بن
۲۔ سیّد محمد اکبر شاہ جعفری	۱۲۔ سیّد اسمار اللہ
بن	بن
۳۔ سیّد خادم حسین شاہ	۱۳۔ سیّد نعمت اللہ
بن	بن
۴۔ سیّد حسن شاہ	۱۴۔ سیّد عماد الدین
بن	بن
۵۔ سیّد محمد شاہ	۱۵۔ سیّد سید محمد
بن	بن
۶۔ سیّد حضرت چراغ شاہ	۱۶۔ سیّد سلیمان
بن	بن
۷۔ سیّد حسن شاہ	۱۷۔ سیّد نظام الدین
بن	بن
۸۔ سیّد سلطان شاہ	۱۸۔ سیّد میاں طلبنی
بن	بن
۹۔ سیّد لطیف اللہ	۱۹۔ سیّد یاسین طلبنی
بن	بن
۱۰۔ سیّد امیر چھجو	۲۰۔ سیّد جلال الدین ملتانی
بن	بن

۲۱- سید حمید الدین ملتانی

بن

۲۲- سید محمد اجمل ملتانی

بن

۲۳- سید احمد ملتانی

بن

۲۴- سید عبداللہ

بن

۲۵- سید محمد خورزمی

بن

۲۶- سید علی مستانہ

بن

۲۷- سید محمد خورزمی مصری

بن

۲۸- سید عبداللہ مصری

بن

۲۹- سید حسن بغدادی

بن

۳۰- سید محمد بغدادی

بن

۳۱- سید علی العریضی

بن

۳۲- امام جعفر صادق

بن

۳۳- امام باقر

بن

۳۴- امام علی زین العابدین

بن

۳۵- امام حسین

بن

۳۶- سیدہ فاطمۃ الزہرا (زوجہ علی بن ابی طالب)

بنت

۳۷- محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

بن

۳۸- عبداللہ

بن

۳۹- عبدالمطلب

بن

۴۰- ہاشم

بن

۴۱- عبدمناف

بن

۴۲- قصی

بن

۴۳- کلاب
بن
۴۴- مُرّہ
بن
۴۵- کعب
بن
۴۶- لؤی
بن
۴۷- غالب
بن
۴۸- فہر (قریش)
بن
۴۹- مالک
بن
۵۰- نضر
بن
۵۱- کنانہ
بن
۵۲- خزیمہ
بن
۵۳- مدرکہ
بن
۵۴- الیاس
بن
۵۵- مضر
بن
۵۶- نزار
بن
۵۷- معد
بن
۵۸- عدنان
بن
۵۹- ادو
بن
۶۰- ہمیسع
بن
۶۱- سلامان
بن
۶۲- عوص
بن
۶۳- بوز
بن

۶۴۔ قموال

بن

۶۵۔ اُبی

بن

۶۶۔ عوام

بن

۶۷۔ ناشد

بن

۶۸۔ حزا

بن

۶۹۔ بلداس

بن

۷۰۔ یدلاف

بن

۷۱۔ طابخ

بن

۷۲۔ جاحم

بن

۷۳۔ ناحش

بن

۷۴۔ ماخی

۷۵۔ عیفی

بن

۷۶۔ عبقر

بن

۷۷۔ عبید

بن

۷۸۔ الطعان

بن

۷۹۔ حمدان

بن

۸۰۔ سنبر

بن

۸۱۔ یثربی

بن

۸۲۔ یحزن

بن

۸۳۔ یلحن

بن

۸۴۔ ارعویٰ

بن

۸۵۔ عیضی

۸۶- دلیشان
بن
۸۷- عیصر
بن
۸۸- اقناد
بن
۸۹- ایہام
بن
۹۰- مقصر
بن
۹۱- ناحث
بن
۹۲- زارح
بن
۹۳- سمی
بن
۹۴- مزی
بن
۹۵- عوض
بن
۹۶- عرام

۹۷- قیدار
بن
۹۸- اسماعیل علیہ السلام
بن
۹۹- ابراہیم علیہ السلام
بن
۱۰۰- تارخ
بن
۱۰۱- ناحور
بن
۱۰۲- سروج
بن
۱۰۳- رعو
بن
۱۰۴- فالج
بن
۱۰۵- عابر
بن
۱۰۶- ارفکشاد
بن
۱۰۷- سام

بن

۱۰۸۔ نوح علیہ السلام

بن

۱۰۹۔ لامک

بن

۱۱۰۔ متوشالخ

بن

۱۱۱۔ ادریس علیہ السلام

بن

۱۱۲۔ یارد

بن

۱۱۳۔ ملہل

بن

۱۱۴۔ قینان

بن

۱۱۵۔ آنوش

بن

۱۱۶۔ شیث علیہ السلام

بن

۱۱۷۔ آدم علیہ السلام

سید آصف محمد شاہ چراغ شاہ اور ان کا خاندان بڑے عزت و عظمت والے سادات ہیں اور صحیح العقیدہ اہلِ سنت وجماعت ہیں اور آپ تین بھائی ہیں (۱) سید ارشد محمود (بابر) (۲) سید خالد محمود عابد (۳) سید آصف محمد شاہ چراغ اور آگے سید ارشد محمود شاہ کے دو صاحبزادے ہیں۔

سید ارشد محمود (بابر)

سید ہمایوں ارشد شاہ — سید شاہد ارشد شاہ

نیز سید آصف محمد شاہ چراغ کے ماموں سید شفیق حسین شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) جو یہاں برطانیہ (لندن) میں مقیم تھے بڑے متقی، پرہیزگار ولی کامل تھے۔ یہاں ان کے بے شمار لوگ عقیدت مند تھے۔ سید شفیق حسین شاہ کا

سلسلہ نسب سید آصف محمد شاہ چراغ کے دوسری جگہ جو دادا ہیں یعنی سید حسن شاہ کے ساتھ جا ملتا ہے چنانچہ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے سید شفیق حسین بن سید غلام حسین شاہ بن سید حسن شاہ بن سید محمد شاہ بن سید حضرت چراغ شاہ، اور سید شفیق حسین شاہ تین بھائی ہیں (۱) سید مشتاق حسین شاہ ان کے بیٹے سید محمود الحسن شاہ (اختر) ہیں (۲) سید رفیق حسین شاہ ان کے تین بیٹے ہیں (۱) سید طیب عباس حسین شاہ (۲) سید فاروق حسین شاہ (۳) سید فیصل حسین شاہ اور سید شفیق حسین شاہ کے تین بیٹے ہیں۔

سید شفیق حسین شاہ بن غلام حسین

سید تنویر حیدر شاہ	سید پرویز حیدر شاہ	سید منیر حیدر جاوید شاہ

ہم نے پہلے لکھا ہے کہ علی العریضی بن امام جعفر صادق علیہ السلام کی کثرت سے اولاد کی اولاد ہوئی ہے اور متفرق ملکوں اور شہروں میں پھیلی ہوئی ہے ان کی اولاد سے صاحبزادہ سید فرمل حسین شاہ صاحب جماعتی آف گجرات (پاکستان) حال مقیم برطانیہ بھی ہیں۔ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے۔

سید فرمل حسین شاہ جماعتی	بن
بن	سید حامد شاہ
سید چراغ حسین شاہ چشتی	بن
بن	سید فضل شاہ
سید حاکم شاہ	بن
بن	سید احمد شاہ
سید قاسم شاہ	بن

سیّد حُر شاہ	بن
بن	سیّد باقر شاہ
سیّد چراغ شاہ	بن
بن	سیّد اسماعیل شاہ
سیّد محمد شاہ	بن
بن	سیّد عبدالرحمٰن شاہ
سیّد نور شاہ	بن
بن	سیّد نظام الدین شاہ
سیّد کمال شاہ	بن
بن	سیّد معین الدین شاہ
سیّد جبل شاہ	بن
بن	سیّد نشیمن طلبنی
سیّد غلام شاہ	بن
بن	سیّد جلال الدین
سیّد نظام شاہ	بن
بن	سیّد بہاؤالدین
سیّد محمد شاہ	بن
بن	سیّد جلال الدین
سیّد میراں موسیٰ شاہ	بن
بن	سیّد حمیدالدین
سیّد باقی شاہ	بن

سید محمد صدر اجل
بن
سید احمد ملتانی
بن
سید عبداللہ ملتانی
بن
سید محمد خوارزمی
بن
سید علی ستانہ خوارزمی
بن
سید عبداللہ مصری
بن
سید حسن بغدادی
بن
سید محمد بغدادی
بن
سید علی العریضی
بن
امام جعفر صادق
بن
امام باقر
بن
امام زین العابدین
بن
امام حسین
بن
سیدہ فاطمۃ الزہرا (زوجہ علی بن ابی طالب)
بنت
محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جناب سید چراغ حسین شاہ چشتی رحمۃ اللہ علیہ عابد و زاہد متقی، پرہیزگار ولی کامل تھے ہر وقت اللہ کی یاد میں مصروف رہتے تھے۔ آپ کے مریدین و متوسلین کے علاوہ اور لوگ بھی بے شمار آپ کے معتقد تھے آپ کے چار صاحبزادے ہیں، ان میں سے سید منزل حسین شاہ صاحب عالم فاضل ہیں اور بہت بڑے خطیب ہیں۔ آپ اس وقت برطانیہ میں

تبلیغ اور رشد و ہدایت سرانجام دے رہے ہیں۔ اور باقی تین صاحبزادے (۱) سید خضر حسین شاہ صاحب چشتی (۲) سید شبیر حسین شاہ صاحب۔ (۳) سید عارف حسین شاہ صاحب۔ پاکستان میں ہی ہیں ان میں سے سید خضر حسین شاہ صاحب اپنے والد ماجد سید چراغ حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین ہیں اور سید خضر حسین شاہ صاحب عالم و فاضل اور پاکستان کے مشہور اور نامور خطیب ہیں نیز متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ پاکستان میں رشد و ہدایت کا کام سرانجام دے رہے ہیں۔

محمد المامون (الدیباج) ابن امام جعفر صادق علیہ السلام:

آپ امام جعفر صادق علیہ السلام کے بڑے پیارے بیٹے ہیں۔ آپ کا نام محمد ہے دیباج لقب ہے دیباج آپ کو زیادہ خوبصورتی کی وجہ سے کہتے تھے نیز مامون بھی آپ کا لقب ہے لیکن زیادہ مشہور محمد المامون کے ساتھ ہیں آپکی والدہ ام ولد ہیں، محمد المامون محمد بن ابراہیم طبا طبا الحسنی کے داعی تھے محمد بن ابراہیم طبا طبا کی وفات کے بعد انہوں نے لوگوں کو اپنی دعوت دی مکہ مکرمہ میں ان کی بیعت ہوئی۔ انہوں نے امامت اور خلافت کا دعویٰ کیا۔ مامون الرشید عباسی نے ان کو گرفتار کر لیا۔ کچھ ایام کے بعد ان کو رہا کر دیا۔ یہ جرجان چلے گئے اور وہیں ۲۰۳ھ میں وفات پائی۔ جرجان میں ان کی قبر اقدس ہے۔ انہوں نے اپنے پیچھے درج ذیل بیٹے چھوڑے ہیں۔

(۱) اسماعیل (۲) یحییٰ (۳) عبداللہ (۴) عبیداللہ (۵) موسیٰ (۶) جعفر (۷) الحسین (۸) القاسم (۹) علی العارض (النخارص) ان تمام سے نسل صرف تین الحسین، القاسم اور علی العارض سے چلی ہے۔ ان تینوں میں سے الحسین

نے اپنے پیچھے دو بیٹے چھوڑے تھے (۱) علی بن الحسین (۲) محمد بن الحسین اور اس علی بن الحسین کا بیٹا حسین تھا اور حسین کا بیٹا محمد تھا اس سے نسل جاری تھی۔ اور قاسم کا بیٹا عبداللہ تھا اور عبداللہ کا رضا کا محمد تھا اور محمد کا لڑکا ابوالقاسم عبداللہ طیارہ تھا اور عبداللہ طیارہ کی اولاد کو بنو طیارہ کہتے ہیں یہ لوگ زیادہ تر مصر میں موجود تھے اور علی العارض کے دو بیٹے تھے (۱) الحسن (۲) الحسین۔ اور الحسن بن علی العارض کوفہ میں چلے گئے اور الحسن کا بیٹا ابو جعفر محمد تھا اور ابو جعفر کا بیٹا ابوالحسن محمد تھا اور ابوالحسن کی اولاد بغداد وغیرہ میں موجود تھی اور الحسین بن علی العارض کا بیٹا ابو طاہر احمد تھا یہ شیراز میں اقامت پذیر تھے۔ شیرازی سادات ان کی اولاد سے ہیں۔ قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین پیر سید حافظ جماعت علی محدث علی پوری نور اللہ مرقدہ (علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ پاکستان) بھی ان کی اولاد سے ہیں۔ چنانچہ

آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے۔

پیر سید حافظ جماعت علی محدث

علی پوری

بن

سید کریم شاہ

بن

سید منور علی شاہ

بن

سید محمد حنیف شاہ

بن

سید محمد عابد شاہ

بن

سید امان اللہ شاہ

بن

سید عبدالرحیم شاہ

بن

سید میر محمد

بن

سید علی

بن
سید محمد سعید نوروز
بن
سید حسین شیرازی
بن
سید محی الدین
بن
سید میر احمد
بن
سید امام الدین
بن
سید علی
بن
سید علاؤالدین
بن
سید جلال الدین
بن
سید منصور
بن
سید نظام الدین
بن

سید حبیب اللہ
بن
سید خلیل اللہ
بن
سید شمس الدین
بن
سید عبداللہ
بن
سید نور اللہ
بن
سید کمال الدین
بن
سید اسد اللہ
بن
سید خسرو
بن
سید عارف
بن
سید ابراہیم
بن
سید طاہر احمد

بن	بن
سید حسین	امام علی زین العابدین
بن	بن
سید علی عارض	امام حسین
بن	بن
سید ہارون	سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء
بن	(زوجہ علی بن ابی طالب)
امام جعفر صادق	بنت
بن	رسول اکرم و نبی محترم حضرت محمد
امام محمد باقر	مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

حضرت قبلہ پیر سید جماعت علی شاہ کے والد ماجد کی

اولاد امجاد

قبلہ سید کریم شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے تین فرزند ارجمند تھے (۱) سید نجابت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ (۲) سید صادق علی شاہ رحمۃ اللہ (۳) سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ، ان میں سے سید نجابت علی شاہ کے تین بیٹے تھے (۱) سید محمود حسین شاہ ان کا ایک ہی بیٹا سید امجد حسین شاہ ہے (۲) سید احمد حسین شاہ صاحب۔ ان کے چھ بیٹے ہیں (۱) سید منظور حسین شاہ صاحب (۲) سید مقبول حسین شاہ صاحب (۳) سید محبوب حسین شاہ صاحب (۴) سید ظہور الحسنین شاہ صاحب

(۵) سید شبیر حسین شاہ صاحب (۶) سید زاہد حسین شاہ صاحب (۴) جبید علی حسین بن سید نجابت علی شاہ کے ایک ہی بیٹے سید نذیر حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ تھے یہ بھلوال (ضلع سرگودھا) کے قریب ۹ ر چک جنوبی میں قیام پذیر تھے وہاں آپ کی زمینیں ہیں۔ یہ جلیل القدر سید قرآن پاک کے حافظ، عالم دین، عابد، زاہد، متقی، پرہیزگار، فیاض اور سخی تھے لوگوں کی بہت خدمت فرمایا کرتے تھے آپ ۹ ر چک جنوبی ۱۴۱۵ھ میں فوت ہو گئے اور وہاں آپ کی مزار اقدس ہے۔ آپ نے اپنے پیچھے چار بیٹے چھوڑے ہیں۔

سید نذیر حسین شاہ صاحب

سید اعجاز حسین شاہ صاحب	سید الطاف حسین شاہ صاحب
سید فیاض حسین شاہ صاحب	سید ریاض حسین شاہ صاحب

اور پیر سید نذیر حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادگان بلند کردار خوش اخلاق صاحب علم و فضل اور اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں۔

سید صادق علی شاہ بن سید کریم شاہ کے دو بیٹے تھے

(۱) سید آل حسین شاہ یہ جوانی میں ہی فوت ہو گئے تھے (۲) سید امداد حسین شاہ صاحب۔ ان کے صاحبزادے معین الملت پیر سید حیدر حسین شاہ صاحب تھے۔ پیر سید حیدر حسین شاہ صاحب پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری کے نواسے تھے بڑے فیاض اور سخی تھے آپ کی آ گے

کوئی اولاد نہیں ہے۔

(۳) قبلہ پیر سید حافظ جماعت علی شاہ محدث علی پوری کے تین فرزندار جمند تھے۔ (۱) شمس الملت پیر سید نور حسین شاہ صاحب، ان کے ایک صاحبزادے پیر سید بشیر حسین شاہ صاحب تھے۔ یہ پیر سید نور حسین شاہ صاحب کی زندگی میں فوت ہو گئے تھے۔ آگے اولاد نہیں ہے۔

(۲) پیر سید خادم حسین شاہ صاحب ان کے فرزندار جمند پیر سید نذر حسین شاہ ہیں جو کہ قرآن پاک کے حافظ عالم دین نہایت متقی، پرہیز گار اور جلیل القدر سید ہیں اور سید نذر حسین شاہ صاحب کے دو فرزند ہیں۔ (۱) سید منظر حسین شاہ (۲) سید اشتیاق حسین شاہ (۳) فاضل اجل عالم بے بدل پیر سید محمد حسین شاہ۔ یہ حضرت قبلہ پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری کے بڑے صاحبزادے تھے، بہت بڑے عالم، فاضل اور قرآن پاک کے حافظ تھے۔ آپ نہایت پاکباز متقی اور پرہیز گار تھے آپ کے دو فرزند تھے (۱) سید انور حسین شاہ صاحب یہ قرآن پاک کے حافظ اور عالم دین عابد و زاہد اور متقی پرہیز گار تھے آپ کی حقیقی اولاد کوئی نہیں ہے۔ (۲) سید پیر اختر حسین شاہ صاحب آپ قرآن پاک کے حافظ اور جلیل القدر عالم اور فقیہ تھے۔ آپ نے ہی سیرت امیر ملت تصنیف فرمائی ہے۔ آپ کے چھ فرزند ہیں (۱) پیر سید اشرف حسین شاہ صاحب (۲) پیر سید افضل حسین شاہ صاحب (۳) پیر سید خورشید حسین شاہ صاحب (۴) پیر سید منور حسین شاہ صاحب (۵) پیر سید ذاکر حسین شاہ صاحب (۶) پیر سید مظفر حسین شاہ صاحب اور ان میں سے حضرت قبلہ پیر سید افضل حسین شاہ صاحب، جلیل القدر عالم، حافظ قرآن، متقی، پرہیز گار

اور صاحب سجادہ ہیں، خانقاہی نظام کے اصل مقاصد جو ہیں۔ آپ پورے فرما رہے ہیں آپ اپنے تمام متوسلین اور معتقدین کا خیال رکھتے ہیں اور علماء کرام کی بہت قدر کرتے ہیں، غرباء اور فقراء کی بھی مدد کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ آپ کی عزت وعظمت میں اضافہ فرمائے۔ آپ کے فرزند ارجمند سید ظفر حسین شاہ صاحب ہیں جو کہ قرآن پاک کے قاری و حافظ اور عالم دین ہیں۔

اسحاق بن امام جعفر صادق علیہ السلام:

امام اسحاق کی کنیت ابو محمد ہے اور آپ کا لقب المؤتمن ہے۔ آپ عریض میں پیدا ہوئے جو مدینہ منورہ کے قریب ایک بستی ہے آپ کی اور امام موسیٰ کاظم کی ایک والدہ ہے۔ والدہ کے اسم گرامی کا ذکر آئندہ آرہا ہے۔ امام اسحاق بہت بڑے محدث اور مفسر تھے۔ سفیان بن عیینہ جب آپ سے روایت کرتا ہے تو اس طرح روایت کرتا ہے۔ حدثنی الرضا اسحاق بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین۔ امام اسحاق کے درج ذیل بیٹے تھے (۱) محمد (۲) جعفر (۳) الحسن (۴) الحسین (۵) القاسم لیکن نسل صرف تین بیٹوں محمد، الحسن، الحسین سے جاری ہے۔ ان میں سے محمد کے بیٹے اسماعیل تھے جو کہ بہت بڑے محدث اور جید عالم تھے۔ ان کے بڑے بڑے نامی گرامی علماء اور محدثین شاگرد ہوئے ہیں چنانچہ ابو محمد القاسم بن اصبغ بن یوسف البیانی المتوفی ۳۴۰ھ ان کے ہی شاگرد تھے نیز محمد کی اولاد سے بنو الوارث رہے ہیں تھے وہ وارث بن احمد بن محمد بن محمد بن حمزہ بن محمد بن اسحاق المؤتمن تھے ان میں سے ہی حمزہ النجار بن ناصر بن حمزہ بن ناصر بن حمزہ بن محمد بن علی بن محمد بن محمد بن احمد بن الوارث تھے

اور الحسن بن اسحاق المؤتمن کی اولاد مصر اور نصیبین میں قیام پذیر تھی اور الحسین بن اسحاق المؤتمن کی اولاد رقہ میں تھی۔

امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق علیہ السلام:

آپ ائمہ اہلِ بیتِ اطہار سے امام ہفتم ہیں آپ کی کنیت ابوالحسن ہے اور کاظم لقب ہے اور آپ مقام ابوا میں ۱۲۸ھ میں پیدا ہوئے آپ کی والدہ ماجدہ کا نام حمیدہ مغربیہ ہے۔ آپ بہت بڑے عالم اور محدث تھے۔ بڑے بڑے محدثین نے آپ سے روایت لی ہے۔ چنانچہ حافظ ابنِ حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ امام موسیٰ (کاظم) بن جعفر بن محمد (باقر) بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب الہاشمی ابوالحسن المدنی الکاظم سے روایت کرنے والے آپ کے دونوں بھائی محمد اور علی ہیں اور آپ کی اولاد سے ابراہیم، حسین، اسماعیل اور علی الرضی بھی آپ سے روایت کرتے ہیں نیز صالح بن یزید اور محمد بن صدقہ العنبری بھی روایت کرتے ہیں۔ ابو حاتم نے کہا کہ امام موسیٰ ثقہ اور صدوق اور مسلمانوں کے امام ہیں (تہذیب التہذیب صہ ۳۴۰ ج ۱۰) حافظ ذھبی لکھتے ہیں کہ ابن ابی حاتم نے کہا موسیٰ کاظم امام ہیں صدوق ہیں اور ابو حاتم نے کہا کہ ثقہ ہیں۔ امام ہیں اور آپ سے متعدد احادیث مروی ہیں اور یہ حدیث بھی آپ سے مروی ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الوضوء قبل الطعام ینفی الفقر و بعدہ ینفی الغم و یصح البصر کھانے سے پہلے وضو کرنا فقر اور غربت کو دفع کرتا ہے اور کھانے کے بعد وضو کرنا غم کو دور کرتا ہے اور نظر کو صحیح رکھتا ہے (میزان الاعتدال صہ ۲۰۲ ج ۴) اور کتب حدیث کی قسموں میں سے ایک قسم مسند ہے اور

مسند حدیث کی وہ کتاب ہے جس میں حدیثیں اسماء صحابہ کی ترتیب سے ان کی اسلامی خدمات کے پیش نظر جمع کی جائیں یا صحابہ کے حسب و نسب کے لحاظ سے جمع کی جائیں جیسے کہ مسند امام احمد بن حنبل اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی بھی مسند امام کاظم ہے نیز مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی آپ کے فتاویٰ موجود ہیں (تاریخ الحدیث صفہ ۲۱) امام موسیٰ کاظم بہت بڑے عالم، محدث، اور فقیہ تھے۔ چنانچہ امام موسیٰ کاظم کو جب ہارون الرشید نے جیل میں قید کر دیا تو قاضی ابو یوسف المتوفی ۱۸۲ھ اور امام محمد المتوفی ۱۸۹ھ جو کہ امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں) دونوں جیل خانہ میں امام کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ آپ سے علمی گفتگو کریں، اور پتہ لگ سکے کہ امام کا علم کہاں تک ہے۔ جب گفتگو شروع کرنے لگے تو جیلر آپ کے پاس آیا کہنے لگا حضور آج رات میں نے گھر جانا ہے صبح حاضر خدمت ہوں گا اگر کوئی چیز ضرورت ہو تو مجھے بتائیں میں صبح لیتے آؤں گا۔ آپ نے فرمایا چلے جاؤ کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے جب وہ چلا گیا تو امام موسیٰ کاظم نے قاضی ابو یوسف اور امام محمد کو کہا کہ اس آدمی پر مجھے تعجب ہے جو کہتا ہے کہ اگر کسی چیز کی ضرورت ہے تو مجھے بتائیں میں صبح پیش کر دوں گا، حالانکہ صبح سے پہلے رات کو ہی اس نے فوت ہو جانا ہے جب قاضی ابو یوسف اور امام محمد نے یہ بات سنی تو انہوں نے امام موسیٰ کاظم سے کوئی علمی گفتگو نہ کی بلکہ اٹھ کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے کہ ہم تو امام سے فرض اور سنت کے بارے میں گفتگو کرنا چاہتے تھے لیکن امام نے ہمارے ساتھ علم غیب کے بارے میں گفتگو شروع کر دی ہے۔ اللہ کی قسم ہم اس بات کی تحقیق کرنے کے لیے ایک آدمی کو اس جیلر کے گھر بھیجیں گے کہ امام موسیٰ کاظم نے جو بات جیلر کے بارے میں کی ہے وہ درست ہوتی ہے یا نہ

چنانچہ انہوں نے ایک آدمی کو مقرر کیا اور وہ جیلر کے مکان کے دروازے پر بیٹھا رہا جب نصف رات ہوئی تو جیلر کے گھر سے یہ آواز آئی کہ گھر کا مالک جیلر فوت ہو گیا ہے جو انہوں نے آدمی مقرر کیا تھا اس نے آکر ان کو بتایا کہ جیلر تو مر گیا ہے یہ بات سن کر قاضی ابو یوسف اور امام محمد حیران ہو گئے (نور الابصار صہ۲۶۵) امام موسیٰ کاظم حلیم اور بہت بڑے بردبار تھے اور رغیظ و غضب کو برداشت کرنے میں منفرد تھے۔ بایں وجہ آپ کا لقب کاظم ہے ایک مرتبہ ایک آدمی نے آپ کو تکلیف اور اذیت پہنچائی تو آپ نے اس کو معاف بھی کیا اور ہزار دینار بھی اس کو عطا فرمائے آپ کو مہدی عباسی خلیفہ نے بغداد طلب کیا جب آپ بغداد پہنچے تو اس نے آپ کو جیل میں بلا وجہ بند کر دیا۔ ایک رات مہدی بن منصور المتوفی سنہ ۱۶۹ھ نے حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کو خواب میں دیکھا آپ نے فرمایا فہل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض و تقطعوا ارحامکم، مہدی جب خواب سے بیدار ہوا تو اسی وقت اپنے وزیر ربیع کو بلایا، ربیع کہتا ہے کہ جب میں گیا تو مہدی اسی آیت کو بلند آواز سے پڑھ رہا تھا اور مجھے کہا کہ ابھی جا کر جیل سے موسیٰ بن جعفر (صادق) کو لے آؤ میں جا کر آپ کو لے آیا، مہدی نے اٹھ کر ادب و احترام کے ساتھ اپنے پاس بٹھایا اور انہیں خواب سنائی نیز کہا کہ آپ میرے خلاف بغاوت تو نہیں کریں گے آپ نے فرمایا نہ میرا یہ ارادہ ہے اور نہ ہی میں تمہارے خلاف بغاوت کرنا چاہتا ہوں۔ مہدی بولا بالکل ٹھیک بات ہے پھر اس نے ربیع کو کہا کہ امام کی خدمت میں دس ہزار دینار پیش کیے جائیں اور ان کو مدینہ منورہ واپس پہنچایا جائے چنانچہ آپ مدینہ منورہ تشریف لے آئے (شذرات الذہب صہ۳۰۴ ج ۱۔ شواہد النبوت صہ۲۳۷)

❁

کرامات:

آپ کی بے شمار کرامات ہیں۔ ہم یہاں چند ذکر کرتے ہیں چنانچہ شقیق البلخی الزاہد شیخ خراسانی المتوفی ۱۹۴ھ فرماتے ہیں کہ میں حج کے لیے جا رہا تھا قادسیہ شہر میں کسی کام کے لیے گیا وہاں میں نے ایک نوجوان کو دیکھا جس نے پشمینہ کے کپڑے پہنے ہوئے کندھے پر ایک شملہ ڈالا ہوا تھا لوگوں سے نکل کر ایک علیحدہ جگہ جا کر بیٹھ گیا۔ میں نے خیال کیا کہ یہ صوفیا کے طبقہ سے ہے میرے دل میں اس کے بارے کچھ بدظنی ہوئی میں اس کے پاس گیا تاکہ اس سے گفتگو کروں جب میں اس کے قریب پہنچا ابھی میں نے کوئی بات نہیں کی تھی اس نے کہا اے شقیق اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم (زیادہ گمانوں سے بچو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں) یہ کہہ کر وہاں سے چلا گیا میں نے خیال کیا کہ اس نے میرے مافی الضمیر کو بیان کر دیا یہ تو واقعی کوئی نیک آدمی ہے مجھے اس سے معذرت کر لینی چاہیے تھی میں اس کے پیچھے چلا لیکن اس کو نہ پایا۔ دوسری منزل پر پہنچے تو میں نے اس کو نماز پڑھتے دیکھا اس کے جسم پر لرزہ طاری تھا اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے میں نے چاہا کہ اس سے معافی مانگوں میں ان کی طرف چلا انہوں نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد کہا اے شقیق وانی لغفار لمن تاب وآمن وعمل صالحا ثم اهتدی (اور میں تو اس شخص کو بخشنے والا ہوں جس نے توبہ کی ایمان لایا نیک عمل کیے پھر ہدایت پائی جب ایک اور جگہ پر پہنچے تو میں نے اسے ایک کنویں پر کھڑا دیکھا اس کے ہاتھ میں ایک چرمی ڈول تھا جس سے وہ پانی نکالنا چاہتا تھا لیکن وہ ڈول ہاتھ سے کنویں

میں جا پڑا۔ اس نے آسمان کی طرف چہرہ کر کے کہا کہ اے اللہ تو ہی میرا پانی ہے جب مجھے پانی کی ضرورت ہوتی ہے اور تو ہی میری روزی ہے جب مجھے کھانے کی ضرورت ہوتی ہے جب اس نے یہ کہا تو میں نے دیکھا کہ اسی وقت کنوئیں کا پانی کنارے تک آگیا۔ اس نے اپنا ہاتھ بڑھا کر ڈول سطح پانی سے اٹھا لیا اور اس سے وضو کر کے نماز پڑھی پھر وہ ایک ریت کے ٹیلے کی طرف چل دیا اور اپنی مٹھی میں تھوڑی سی ریت لے کر ڈول میں ڈال دی پھر اسے ہلایا اور پی لیا میں اس کے قریب چلا گیا اور سلام پیش کیا اس نے جواب میں مجھے سلام کیا میں نے عرض کیا مجھے کھانا کھلایئے کیونکہ اللہ تعالٰی نے آپ کو بہت کچھ دے رکھا ہے۔ اس نے کہا اے شقیق ہمیشہ خداوند تعالٰی کی ظاہر و باطن کی نعمتیں مجھے ملتی رہتی ہیں اس لیے تو بھی خدا تعالٰی کے بارے میں اچھا گمان رکھ پھر اس نے مجھے ڈول دے دیا اس میں ستو اور شکر تھے میں نے وہ کھائے مجھے خدا کی قسم ان سے شیریں اور لذیذ تر چیز میں نے کبھی نہیں کھائی اور نہ پی اور سیر و سیراب ہو گیا یہاں تک کہ مجھے چند دن تک کھانے پینے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ اس کے بعد وہ مجھے نظر نہ آیا جب ہم مکہ مکرمہ پہنچے تو میں نے رات میں اسے تہجد پڑھتے ہوئے دیکھا وہ نہایت خضوع و خشوع سے نماز پڑھ رہا تھا۔ یہ سلسلہ تمام رات جاری رہا۔ صبح ہوئی تو نماز فجر کے بعد طواف کرنے لگ گیا۔ طواف کرنے کے بعد باہر چلا گیا۔ میں بھی اس کے پیچھے ہو لیا۔ اب میں نے دیکھا کہ بے شمار لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہو رہے تھے جو آتا وہ کہتا السلام علیک یا ابن رسول اللہ میں نے لوگوں سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ یہ تو امام موسیٰ کاظم ہیں اور میں نے کہا کہ ایسے جلیل القدر

سیّد سے اس قسم کی عجیب و غریب باتوں کا صادر ہونا کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ (نورالابصار صہ ۲۴۴، شواہدالنبوت صہ ۲۳۸) ابو خالد زبالی نے کہا کہ امام موسیٰ کاظم کو مہدی بن منصور نے پہلی بار جب بغداد میں طلب کیا تو آپ نے مجھے بازار میں بھیجا تاکہ کچھ ضروریات زندگی کی چیزیں خرید لاؤں جب میں بازار جانے لگا تو امام موسیٰ کاظم نے مجھے فرمایا کہ تم کچھ پریشان معلوم ہوتے ہو کیا وجہ ہے تو میں نے عرض کی "حضور" آپ ایک ایسے ظالم کے پاس جا رہے ہیں جس کے پاس جانے کا معلوم نہیں انجام کیا ہوگا۔ آپ نے فرمایا تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے اگر اس نے مجھے گرفتار کر لیا تو فلاں مہینے کی فلاں تاریخ کو میں واپس آجاؤں گا لہٰذا تم نے فلاں رات میرا انتظار کرنا ہوگا، معینہ رات کو میں نے انتظار کرنا شروع کر دیا کچھ دیر ہوگئی میں متردد ہوا لیکن آخر آپ تشریف لے آئے میں نے عرض کیا الحمدللہ آپ تشریف لے آئے ہیں۔ امام نے فرمایا کہ کہ یہ مجھے پھر بلائیں گے لیکن چھوڑیں گے نہیں۔ چنانچہ ہارون الرشید اپنے دور حکومت میں ماہ رمضان میں عمرہ کرنے کے لیے جب آیا تو عمرہ سے فارغ ہوا اور امام موسیٰ کاظم کو ساتھ لے گیا اور بغداد میں جا کر آپ کو قید کر دیا (نورالابصار صہ ۲۲۳، شواہدالنبوت صہ ۲۴۰) عیسےٰ مدائنی کا بیان ہے کہ میں مدینہ منورہ میں مجاور تھا اور ایک مکان کرایہ پر لیا ہوا تھا اور میں زیادہ تر امام موسیٰ کاظم کی خدمت میں حاضر رہتا تھا۔ ایک دن سخت بارش شروع ہوگئی آپ نے فرمایا تم اپنے مکان میں جاؤ بارش کی وجہ سے اس کی چھت گر پڑی ہے اور گھر کا سامان تمام اس کے نیچے دب گیا ہے میں نے چند آدمیوں کو ساتھ لیا اور تمام سامان نیچے سے نکالا۔ ایک طشتری نہ مل سکی جس سے

میں وضو کرتا تھا میں سامان کسی دوسری جگہ منتقل کر کے واپس امام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ سے طشتری کے بارے میں عرض کیا آپ نے فرمایا جاؤ اور مالک مکان کی کنیز سے پوچھو ہو سکتا ہے کہ اس نے طشتری اٹھائی ہو میں نے کنیز سے پوچھا چنانچہ کنیز نے وہ طشتری مجھے واپس دے دی (شواہد النبوت صفحہ ۲۴۰، نور الابصار صفحہ ۲۶۳) غرضیکہ امام موسیٰ کاظم کی بے شمار کرامات اور فضائل ہیں آپ بڑے بردبار اور بلند حوصلے والے تھے بڑی بڑی مشکلات اور مصائب دیکھے لیکن بُردباری کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ آپ جب چار سال کے تھے تو بنو اُمیہ کی حکومت ختم ہوئی اور بنو عباس کی حکومت قائم ہوئی لیکن آل علی پر جیسے کہ بنو اُمیہ ظلم و تشدد کرتے تھے اسی طرح بنو عباس نے بھی کیا اور بنو عباس کے پہلے خلیفہ ابوالعباس سفاح سنہ ۱۳۶ھ میں انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بھائی منصور عباسی خلیفہ ہوا اس نے آل علی پر بہت ہی ظلم کیا اور سنہ ۱۵۸ھ میں یہ فوت ہو گیا پھر اس کا بیٹا مہدی خلیفہ اور بادشاہ بنا اس نے کچھ قیدیوں کو آزاد کر دیا اور کچھ پھر جیلوں میں پڑے رہے اور اس نے امام موسیٰ کاظم کی شان و شوکت کو دیکھ کر ان کو قید کر لیا پھر خواب میں حضرت علی شیر خدا کے کہنے پر ان کو رہا کر دیا جیسے کہ پہلے کرامات کی بحث میں گزرا ہے اور سنہ ۱۶۹ھ میں مہدی فوت ہو گیا اس کی جگہ اس کا بیٹا ہادی خلیفہ اور بادشاہ بنا یہ بڑا متشدد اور ظالم تھا اسی کے دور حکومت میں حادثہ فخ ہوا وہ اس طرح کہ جب عباسی حکومت نے زیادہ ظلم شروع کر دیا تو حضرت علی شیر خدا کی اولاد سے حسین بن علی بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب حکومت وقت کے خلاف قیام کیا اور تین سو افراد کے ہمراہ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے تو فخ نامی جگہ پر

ہادی کی فوج نے ان کا محاصرہ کر لیا اور تمام کو تہہ تیغ کر دیا اور حسین بن علی کا سر کاٹ کر ہادی کے پاس بھیج دیا جس آدمی نے ہادی کے دربار میں سر پیش کیا ہادی نے اس کو کچھ انعام نہ دیا اور امام موسیٰ کاظم نے حسین بن علی کے بارے میں فرمایا خدا کی قسم انہوں نے اس حال میں شہادت پائی کہ عقیدے کے پکے مسلمان تھے اور عمل کے لحاظ سے صالح اور ایمان دار تھے اور بہت زیادہ روزے رکھتے تھے اور ہمیشہ رات عبادتوں میں بسر کرتے تھے لوگوں کو اچھی باتوں کا حکم کرتے اور برائی سے روکتے تھے اور ان کے خاندان میں ان جیسا کوئی بھی نہ تھا اور ۱۷۰ھ میں ہادی کو اس کی ماں نے قتل کرا دیا اور اس کی جگہ ہارون رشید بادشاہ بنا اور ہارون الرشید عمرہ کے لیے آیا اور اس سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ آیا اور مسجد نبوی میں داخل ہوا اور امام موسیٰ کاظم روضہ نبوی کے سامنے مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے۔ ہارون الرشید نے امام کو گرفتار کر لیا اور بغداد لے گیا اور آپ کو قید کر دیا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں ہارون الرشید نے آپ کو جیل سے نکلنے نہیں دیا۔ یہاں تک ماہ رجب ۱۸۳ھ میں آپ کی جیل میں وفات ہو گئی اور مشہور روایت یہ ہے کہ ہارون الرشید نے آپ کو جیل میں قید کر دیا اور ایک آدمی کو مقرر کیا کہ وہ آپ کو زہر پلائے، چنانچہ اس نے آپ کو زہر دے دیا جس سے آپ کو بخار ہوا اور تین دن کے بعد آپ کی وفات ہو گئی اور کاظمین (عراق) کے مقام میں آپ کو دفن کیا گیا۔ آپ کی عمر ۵۵ سال چھ ماہ تھی (تہذیب التہذیب صہ ۳۴۲ ج ۱۰۔ شواہد النبوت صہ ۳۴۲، نور الابصار صہ ۲۶۶ امام موسیٰ بن جعفر صہ ۲۰)

❁

اولادِ امجاد:

صاحب عمدۃ الطالب نے لکھا ہے کہ امام موسیٰ کاظم کے ۲۳ بیٹے تھے جن کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

(۱) عبدالرحمٰن (۲) عقیل (۳) القاسم (۴) یحییٰ (۵) داؤد۔ ان پانچ کی آگے نسل نہیں چلی۔ (۶) سلیمان (۷) فضل (۸) احمد۔ ان تینوں کی اولاد دختری تھی (۹) حسین (۱۰) ابراہیم الاکبر (۱۱) ہارون (۱۲) زید (۱۳) الحسن۔ ان پانچ کی اولاد میں علماء نسابین کا اختلاف ہے (۱۴) ابراہیم الاصغر (۱۵) العباس (۱۶) اسماعیل (۱۷) محمد عابد (الطیب) (۱۸) اسحاق (۱۹) حمزہ (۲۰) عبداللہ (۲۱) عبیداللہ (۲۲) جعفر (۲۳) امام علی الرضا۔

ان دس سے آگے نسل جاری ہے۔ ان میں سے ابراہیم الاصغر کے دو بیٹے تھے (۱) موسیٰ ابوسبحہ (۲) جعفر۔ ان دونوں کی آگے اولاد کثیر ہے جو کہ فارس، ترمذ، دینور وغیرہ میں ہے اور عباس بن موسیٰ کاظم کا بیٹا قاسم تھا اور قاسم کا بیٹا احمد تھا اور احمد کی اولاد کوفہ میں قیام پذیر تھی اور اسماعیل بن موسیٰ کاظم کا بیٹا موسیٰ بن اسماعیل تھا اور موسیٰ بن اسماعیل کا بیٹا جعفر تھا اور جعفر ابن کلثم کے ساتھ مشہور تھا اس کی اولاد کو کلثمیون کہتے ہیں۔ یہ مصر میں موجود تھے ان میں سے بنو سمار، بنو العساف اور بنو نسیب الدولۃ اور بنو دراق تھے یہ مصر اور شام میں موجود تھے اور محمد العابد (الطیب) بن موسیٰ کاظم کا بیٹا ابراہیم المجاب تھا اور ابراہیم المجاب کے تین بیٹے تھے (۱) محمد الحائری (۲) احمد (۳) علی اور ان تینوں کی اولاد کرمان کے علاقہ میں موجود تھی۔ اور اسحاق بن موسیٰ کاظم کے درج ذیل بیٹے تھے۔ (۱) عباس (۲) محمد (۳) الحسین

(۴) علی ان تمام کی نسل جاری ہے جو کہ شیراز، بلخ، بصرہ، مدینہ منورہ، اہواز، اور مکہ مکرمہ میں موجود ہیں۔

اور حمزہ بن موسیٰ کاظم کے دو بیٹے تھے (۱) قاسم (۲) حمزہ ابن حمزہ ان دونوں کی اولاد کثرت کے ساتھ عجم کے شہروں میں موجود ہے۔ اور عبداللہ بن موسیٰ کاظم کے دو بیٹے تھے (۱) موسیٰ بن عبداللہ (۲) محمد بن عبداللہ ان دونوں کی اولاد رملہ اور نصیبین میں رہائش پذیر تھی اور عبیداللہ بن موسیٰ کاظم کے آٹھ بیٹے تھے (۱) محمد یمانی (۲) جعفر (۳) قاسم (۴) علی (۵) موسیٰ (۶) الحسن (۷) الحسین (۸) احمد۔

ان سے تین یعنی محمد یمانی، القاسم اور جعفر سے نسل جاری ہے اور ان تینوں کی اولاد خراسان، مصر، آذربیجان، شیراز، ہمدان، مراغہ اور دیگر متفرق شہروں میں موجود ہے اور جعفر بن موسیٰ کاظم کا بیٹا ابوالحسن محمد تھا اس کی اولاد حجاز کے علاقہ میں موجود تھی۔

امام علی الرضا ابن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام:

آپ آئمہ اہل اطہار سے امام ہشتم ہیں۔ آپ کا لقب الرضا ہے آپ کی ولادت مدینہ منورہ بروز پنج شنبہ ۱۱ ربیع الاول ۱۵۳ھ میں ہوئی آپ کی والدہ ماجدہ ام البنین اروی ام ولد ہیں۔

امام علی رضا کا علم وفضل:

آپ اہل بیت اطہار سے بہت بڑے محدث، فاضل اور بلند شان والے ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد

ن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب الہاشمی ابوالحسن الرضیٰ سے روایت کرتے
والے آپ کے بیٹے محمد (تقی) ابوعثمان مازنی نحوی، علی بن علی (دعبلی) ایوب بن
منصور نیشاپوری، ابوالصلت عبدالسلام بن صالح الہروی، مامون بن الرشید، علی
بن مہدی بن صدقہ، ابواحمد داؤد بن سلیمان بن یوسف القاری القزوینی، عامر
ن سلیمان الطائی، ابوجعفر محمد بن محمد بن حبان، ان کے علاوہ اور لوگ بھی
پ سے روایت کرنے والے ہیں اور ابوالحسن یحییٰ بن ابی جعفر النسابہ العلوی
نے کہا کہ مامون عباسی نے آپ کو اپنا ولی عہد مقرر کیا اور ان ایام میں لوگوں
نے سبز لباس پہننا شروع کر دیا۔ مبرد نے ابوعثمان مازنی سے روایت کی
کہ امام علی الرضا سے سوال کیا گیا کہ کیا اللہ تعالیٰ بندوں کو اس چیز کی تکلیف
دیتا ہے جو ان کی استطاعت میں نہیں ہے فرمایا اللہ تعالیٰ اس سے
بہت زیادہ عادل ہے سائل نے پھر عرض کیا کہ کیا بندے اس کام کی
استطاعت رکھتے ہیں جو بھی ان کا ارادہ ہو فرمایا بندے اس سے عاجز ہیں
پ کی عمر جب بیس سال سے کچھ زائد تھی تو آپ مسجد نبوی میں بیٹھ کر
فتویٰ دیا کرتے تھے نیز آپ سے روایت کرنے والوں میں سے آدم بن ایاس
نصر بن علی الجہضمی، محمد بن رافع قشیری وغیرہم ہیں (تہذیب التہذیب ص ۳۸۷
ج ۷)، حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں کہ امام علی رضا سے روایت
کرنے والی ایک جماعت ہے جن میں مامون، ابوالصلت الہروی اور ابو
عثمان المازنی النحوی ہیں۔ ابوعثمان کہتا ہے کہ میں نے آپ سے سنا
آپ فرماتے تھے اللہ اعدل من ان یکلف اللہ العباد ما لا
یطیقون وھوا عجز من ان یفعلوا ما یریدون (البدایہ والنہایہ
ص ۲۵۰ ج ۱۰) کہ اللہ تعالیٰ اس سے بہت زیادہ عادل ہے کہ اللہ بندوں

کو اس چیز کی تکلیف دے جس کی وہ طاقت نہیں رکھتے اور بندے بہت عاجز ہیں اس بات سے وہ کام کرلیں جو وہ ارادہ رکھتے ہیں، ابن حجر مکی المتوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں کہ جب امام رضا نیشا پور میں تشریف لے گئے تو وہاں آپ سے سماع حدیث کرنے والے ابو زرعہ رازی المتوفی ۲۶۴ھ محمد بن اسلم طوسی المتوفی ۲۴۲ھ کے علاوہ بیس ہزار سے زائد محدثین تھے (صواعق محرقہ صہ۲۰۳) اب اس سے ثابت ہوا کہ امام علی رضا علیہ السلام علم کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا چنانچہ علامہ محمد بن طلحہ شافعی المتوفی ۶۵۲ھ لکھتے ہیں کہ آپ بارہ اماموں سے تیسرے علی ہیں آپ بڑی شان والے امام تھے آپ کا فضیلت میں مرتبہ نہایت بلند تھا آپ کے امکانات کرم نہایت وسیع تھے آپ کے مددگار بے شمار اور آپ کے براہین شرف و امامت نہایت روشن تھے اسی وجہ سے خلیفہ وقت مامون رشید عباسی نے آپ کو اپنے دل میں جگہ دی اور اپنی حکومت میں آپ کو شریک بنایا، خلیفہ حکومت بنایا اور اپنی لڑکی کی شادی آپ سے کر دی آپ کے مناقب و صفات نہایت بلند و ارفع تھے۔ آپ کے مکارم و اخلاق نہایت عظیم تھے تمام صفات حسنہ میں آپ کا درجہ بلند تھا۔ (مطالب السئول صہ۲۵۲)۔

مامون الرشید کا امام علی رضا کو اپنا ولی عہد مقرر کرنا:

۱۹۳ھ میں ہارون الرشید عباسی خلیفہ مقام طوس میں فوت ہوگیا اس کے بعد اس کا بیٹا امین خلیفہ ہوا۔ ہارون الرشید نے پہلے امین کو اور اس کے بعد مامون کو ولی عہد بنانے کے لیے لوگوں سے بیعت حاصل

کی تھی لیکن امین اور مامون کے درمیان اختلاف ہوا اختلاف نے جنگ کی صورت اختیار کی ۱۹۸ھ میں امین مارا گیا اور مامون خلیفہ مستقل ہوا اور اس کے لیے بغداد میں ۱۹۸ھ میں عام بیعت حاصل کی گئی لیکن مامون چار سال تک مرو میں رہا۔ حکومت کے تمام کام وزیر فضل بن سہیل کے سپرد تھے۔ عراق میں فضل بن سہیل کا بھائی حسن بن سہیل گورنر تھا الجزیرہ میں نصر بن شیث بن عقیل نے بغاوت کر دی وہ پانچ سال تک عباسی فوجوں کا مقابلہ کرتا رہا عراق میں بھی باغیوں نے سر اٹھانے شروع کر دیے یہ حالات دیکھ کر ابو عبداللہ محمد بن ابراہیم نے جو کہ زیدیہ کے امام تھے کوفہ میں خروج کیا اور لوگوں کو آلِ رسول کی متابعت کی دعوت دی ان کی حمایت میں بنو شیبان کا معزز سردار ابو السرایا سری بن منصور بن شیبان میدانِ جنگ میں آگیا انہوں نے حسن بن سہیل کی فوج کو کوفہ کے باہر شکست دی اور تمام جنوبی عراق پر قبضہ کر لیا دوسرے دن محمد بن ابراہیم فوت ہو گئے ابو السرایا نے ان کی جگہ محمد بن محمد بن زید الشہید کو امیر بنایا (جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے) اور ابو السرایا نے کوفہ میں امام علی الرضا علیہ السلام کے نام کے درہم و دینار بنائے اور آپ کے نام کا سکہ جاری کر دیا اور مدائن کی طرف فوج روانہ کر دی اور عراق کے متعدد شہر فتح کر لیے اور کوفہ میں جو عباسیوں کے مکان وغیرہ تھے ان کو تباہ کر دیا اور جو عباسی ملا اسے قتل کر دیا اس کے بعد جب موسم حج آیا تو ابو السرایا نے حسین بن حسن افطس) بن علی بن امام زین العابدین کو مکہ کا گورنر مقرر کیا اور ابراہیم بن موسیٰ کاظم کو یمن کا عامل بنایا اور فارس پر اسماعیل بن موسیٰ کاظم کو مقرر کیا اور مدائن کی طرف محمد بن سلیمان بن داؤد بن حسن مثنیٰ کو روانہ کیا اور حکم دیا کہ جانب

شرق سے بغداد پر حملہ کرے اس ابوالسرایا کی حکومت وسعت پکڑ گئی اور فضل بن سہیل نے ہرثمہ کو ابوالسرایا کے ساتھ مقابلے کے لیے بھیجا ابوالسرایا نہروان کے قریب شکست کھا کر مارا گیا۔ اور محمد بن محمد بن زید الشہید کو مامون عباسی کے پاس مرو میں بھیج دیا گیا اور ابوالسرایا کے قتل کے بعد حجاز میں لوگوں نے محمد بن جعفر صادق کو امیرالمومنین بنایا۔ افطس نے بھی ان کی بیعت کر لی اور یمن میں ابراہیم بن موسیٰ کاظم نے خروج کا اعلان کر دیا اس طرح ایران کی سرحد سے یمن تک تمام ملک میں خانہ جنگی پھیل گئی، اور ابوالسرایا کے قتل کے بعد ہرثمہ مغرب کے حالات بیان کرنے کے لیے بادشاہ مامون الرشید کے پاس حاضر ہوا کیونکہ وزیر ان تمام حالات کو بادشاہ سے مخفی رکھتا تھا ہرثمہ جب بادشاہ کے سامنے حالات بیان کر کے واپس آ رہا تھا تو وزیر نے اسے قتل کرا دیا یہ واقعہ ۲۰۰ھ کا ہے ہرثمہ کے قتل کی خبر سن کر بغداد کی فوج نے جو اسے دوست رکھتے تھے بغداد میں بغاوت کر کے حسن بن سہیل کو نکال دیا اور منصور بن مہدی کو اپنا گورنر بنا لیا، مامون الرشید کو جب باغیوں کی کثرت اور آل علی کے طلب خلافت میں اٹھنے کی خبر پہنچی تو اس نے یہی مصلحت دیکھی کہ امام علی رضا کو اپنا ولی عہد بنا لے چنانچہ مامون نے اپنے وزیراعظم فضل بن سہیل اور حسن بن سہیل کو مدینہ منورہ میں بھیجا کہ یہ دونوں جا کر امام علی رضا علیہ السلام کو مرو میں لے آئیں۔

امام رضا علیہ السلام کی مدینہ منورہ سے روانگی:

جب وزیراعظم فضل بن سہیل اور اس کا بھائی حسن بن سہیل دونوں

امام علیہ السلام کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ بادشاہ مامون الرشید نے آپ کو اپنا ولی عہد مقرر کیا ہے آپ ہمارے ساتھ مرو (خراسان) تشریف لے چلیں تو آپ نے انکار فرمایا لیکن بڑے اصرار کے ساتھ آپ جانے کے لیے راضی ہوئے، چنانچہ ماہ رجب ۲۰۰ھ میں آپ مدینہ منورہ سے چلے اور اپنے تمام گھر والوں کو مدینہ منورہ ہی چھوڑا اور اس وقت آپ کے صاحبزادے محمد تقی علیہ السلام کی عمر پانچ سال تھی وہ بھی مدینہ منورہ میں ہی رہے۔

امام علی رضا علیہ السلام کا نیشاپور میں ورود :

سفر کرتے کرتے جب امام علی رضا علیہ السلام نیشاپور کے قریب پہنچے تو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی لکھتے ہیں کہ جب امام علی رضا رضی اللہ عنہ نیشاپور میں تشریف لائے چہرہ مبارک کے سامنے ایک پردہ تھا، حافظان حدیث ابوذرعہ رازی و امام محمد بن اسلم طوسی اور ان کے ساتھ بے شمار طالبان علم و حدیث حاضر خدمت انور ہوئے اور گڑگڑا کر عرض کی کہ اپنا جمال مبارک ہمیں دکھائیے اور اپنے آبائے کرام کی ایک حدیث ہمارے سامنے روایت فرمائیے۔ امام نے سواری روکی اور غلاموں کو حکم دیا کہ پردہ ہٹالیں۔ خلق کی آنکھیں جمال مبارک کے دیدار سے ٹھنڈی ہوئیں دو گیسو شانہ پر لٹک رہے تھے پردہ ہٹتے ہی خلق کی یہ حالت ہوئی کہ کوئی چلاتا ہے کوئی روتا ہے کوئی خاک پر لوٹتا ہے کوئی سواری مقدس کا سم چومتا ہے اتنے میں علماء نے آواز دی خاموش سب لوگ خاموش ہو رہے۔ دونوں امام مذکور نے حضور سے کوئی حدیث روایت کرنے کو عرض کی۔ حضور نے فرمایا حدثنی ابی موسی

الکاظم عن ابیہ جعفر الصادق عن ابیہ محمد الباقر عن ابیہ زین العابدین عن ابیہ الحسین عن ابیہ علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم قال حدثنی حبیبی وقرۃ عینی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال حدثنی جبرئیل قال سمعت رب العزۃ یقول لا الٰہ الا اللہ حصنی فمن قال دخل حصنی آمن من عذابی

یعنی امام علی امام موسیٰ کاظم وہ امام جعفر صادق وہ امام محمد باقر وامام زین العابدین وہ امام حسین وہ علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے روایت فرماتے ہیں کہ میرے پیارے میری آنکھوں کی ٹھنڈک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے حدیث بیان فرمائی کہ ان سے جبرئیل نے عرض کی کہ میں نے اللہ عزوجل کو فرماتے سنا کہ لا الٰہ الا اللہ میرا قلعہ ہے تو جس نے اسے کہا وہ میرے قلعہ میں داخل ہوا اور جو میرے قلعہ میں داخل ہوا میرے عذاب سے امان میں رہا۔ یہ روایت فرما کر حضور رواں ہوئے اور پردہ چھوڑ دیا گیا دواتوں والے جو ارشاد مبارک لکھ رکھ رہے تھے شمار کیے گئے بیس ہزار سے زائد تھے۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا لو قرأت ھذا الاسناد علی مجنون لبریٔ من جنتہ۔ یہ مبارک سند اگر مجنون پر پڑھو تو ضرور اسے جنون سے شفا ہو۔ اقول فی الواقع جب اسماء اصحاب کہف قدست اسرارھم میں وہ برکات ہیں حالانکہ وہ اولیائے عیسویین میں سے ہیں تو اولیائے محمدیین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کا کیا کہنا ان کے اسماء کی برکت کیا شمار میں آسکے اے شخص تو نہیں جانتا کہ نام کیا ہے مسمّی کے انحائے وجود سے ایک نحو ہے۔ امام فخرالدین رازی وغیرہ علماء نے فرمایا ہے

کہ وجود شی کی چار صورتیں ہیں، وجود اعیان میں، علم میں، تلفظ میں، کتابت میں تو ان دو شق اخیر میں وجود اسم ہی کو وجود مسمیٰ قرار دیا ہے۔ بلکہ کتب عقائد میں لکھتے ہیں الاسم عین المسمی نام عین مسمیٰ ہے۔ امام رازی نے فرمایا المشہور عن اصحابہ ان الاسم ھو المسمی۔ مقصود اتنا ہے کہ نام کا مسمیٰ سے اختصاص کپڑوں کے اختصاص سے زائد ہے اور نام کی مسمیٰ پر دلالت تراشہ ناخن کی دلالت سے افزوں ہے (فتاویٰ رضویہ ص۱۳۷ ج ۴) اعلیٰ حضرت کی کلام کا مطلب یہ ہے کہ جب اسم عین مسمیٰ ہے تو جب ائمہ اہل بیت اطہار کی خود ذات گرامیاں برکت ہی برکت ہیں تو پھر ان کے اسماء گرامی بھی ان کی ذاتوں کی طرح باعث برکت ہیں۔ ان کے ناموں کے ساتھ توسل کرنا یا بیماروں پر پڑھ کر دم کرنا ان کے لیے باعث شفا ہی شفا ہے۔ سید السند ابراہیم قندوزی المتوفی ۱۲۹۴ھ لکھتے ہیں کہ امام علی رضا علیہ السلام نے جب یہ حدیث بیان فرمائی کہ جس نے لاالہ الااللہ پڑھا وہ عذاب سے امن میں رہا (اور جنت میں داخل ہوا) تو اس کے آخر میں فرمایا بشروطھا وانا من شروطھا یعنی لاالہ الااللہ پڑھنے سے عذاب سے محفوظ رہنا یہ مشروط ہے کہ اس کے دل میں امام علی رضا اور دیگر اہل بیت اطہار کی محبت بھی ہو اگر یہ نہ ہو تو لاالہ الااللہ اس کے لیے باعث نجات نہیں ہوگا چنانچہ اس کی تائید مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کا یہ قول کرتا ہے آپ نے فرمایا کہ لاالہ الااللہ کے شرائط ہیں۔ ان شرائط سے میں اور میری اولاد ہے اور سنن ابن ماجہ میں ابوالصلت عبدالسلام بن صالح بن سلیمان ہروی سے مروی ہے قال حدثنا علی الرضا بن موسیٰ عن ابیہ موسیٰ بن جعفر عن ابیہ جعفر بن محمد عن ابیہ محمد بن علی عن ابیہ علی بن الحسین بن علی عن ابیہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم قال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الایمان معرفۃ بالقلب واقرار باللسان وعمل بالارکان اور ابو الصلت نے کہا لو قرئ ھذا الاسناد علی مجنون لبرأ من جنونہ کہ اگر اس حدیث کی یہ سند مجنون پر پڑھیں تو وہ جنون کی بیماری سے نجات پائے اور اس کو شفا حاصل ہو اب اس سے ثابت ہوا کہ لا الہ الا اللہ پڑھنے سے آخرت میں نجات اس شرط سے مشروط ہے کہ کلمہ پڑھنے والا اہل بیت اطہار سے محبت اور عقیدت رکھے اگر اس کے دل میں بغض اہل بیت ہے تو پھر یہ کلمہ آخرت میں اس کے لیے ہرگز باعث نجات نہیں ہوگا۔ علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ ابو القاسم قشیری نے کہا کہ بعض سامانیہ کے رئیسوں کو یہ سلسلہ سند پہنچا تو انہوں نے اس کو سونے کے پانی کے ساتھ لکھوا کر اپنے پاس رکھ لیا اور مرتے وقت وصیت کی کہ میرے کفن میں اس کو رکھ دیا جائے (چنانچہ اسی طرح کیا گیا) مرنے کے بعد اس نے خواب میں بتایا غفرلی بتلفظی بلا الہ الا اللہ وتصدیقی ان محمد رسول اللہ اس کو علامہ عبدالروف مناوی نے جامع صغیر کی شرح کبیر میں ذکر کیا ہے (نور الابصار ۱۴۲) اس کے بعد امام علی رضا نے خراسان شہر میں نماز ادا فرمائی پھر آپ طوس شہر میں تشریف لے گئے پھر طوس سے روانہ ہو کر آپ دار الخلافہ مرو میں تشریف فرما ہوئے اس وقت عباسی حکومت کا یہی دار السلطنت تھا اور مامون الرشید بھی یہاں ہی تھا۔

مامون الرشید اور عباسیوں اور دیگر لوگوں کا امام علی کی بیعت کرنا

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ سنہ ۲۰۱ھ میں مامون الرشید نے امام علی رضا بن

موسیٰ الکاظم بن جعفر الصادق بن محمد (الباقر) بن علی بن الحسین الشہید بن علی بن ابی طالب کی اس بات پر بیعت کی کہ وہ میرے بعد ولی عہد ہوں گے اور آپ کا نام رضا آل محمد تجویز کیا اور بنو عباس کا جو سیاہ لباس تھا اس کو ختم کیا اور حکم دیا کہ سبز لباس پہنا جائے۔ چنانچہ سبز لباس مامون اور اس کی تمام فوج اور درباریوں نے پہنا اور یہ حکم تمام اسلامی ممالک میں جاری کیا یہ بیعت ماہ رمضان میں ہوئی اور مامون الرشید نے آپ کو اپنا ولی عہد اس لیے مقرر کیا کہ اس وقت آپ کی مثل کوئی نہیں تھا (البدایہ والنہایہ صہ ۲۴۷ ج ۱۰) علامہ شبلنجی المومن لکھتے ہیں کہ امام علی رضا کے ولی عہد ہونے کی بیعت ۲۰۱ھ بروز جمعرات ۶ رمضان شریف کو ہوئی۔ دربار کو نہایت عمدہ طریقہ سے سجایا گیا تھا جس میں تمام عباسی مرد و زن امراء وزراء علماء قضاۃ نے شرکت کی اور امام علی رضا کو نہایت شان و شوکت کے ساتھ دربار میں لاکر بٹھایا گیا اور تمام سے پہلے مامون الرشید نے اپنے بیٹے عباس کو کہا کہ تم امام کی بیعت کرو چنانچہ تمام سے پہلے عباس نے بیعت کی پھر مامون اور دوسرے لوگ بیعت سے مشرف یاب ہوئے سونے اور چاندی کے سکے امام علیہ السلام کے سر مبارک پر نثار کیے گئے پھر خطباء و اور شعراء نے باری باری کھڑے ہو کر امام علی رضا کی شان میں تعریفی کلمات اور مدحیہ قصائد پیش کیے اور بادشاہ کے تمام ارکان سلطنت، خطباء، شعرا اور غلاموں اور نوکروں کو انعامات سے نوازا گیا۔ مامون نے حکم دیا کہ امام علی رضا علیہ السلام کے نام کا سکہ جاری کیا جائے چنانچہ درہم و دینار پر امام کا نام نقش ہوا جمعہ کے خطبہ میں امام علیہ السلام کا نام نامی داخل کیا گیا۔ آپ نے ولی عہدی قبول کرنے کے بعد فرمایا۔ مامون الرشید نے ہمارے ان حقوق کو تسلیم کیا ہے جن کو ان کے آباؤ اجداد نے نہیں پہچانا تھا لہٰذا میں نے ان کی ولی عہدی کی درخواست قبول کرلی ہے لیکن جامعہ اور جفر تو

اس پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ امر تمام نہیں ہوگا۔ امام علی رضا نے قبول ولی عہدی کے سلسلہ میں جو کچھ تحریر فرمایا اس پر گواہوں کی حیثیت سے وزیر اعظم فضل بن سہیل، سہیل بن فضل، قاضی یحییٰ بن اکثم، عبداللہ بن طاہر، ثمامہ بن اشرس، بشر بن معتمر اور حماد بن نعمان وغیرہم کے دستخط تھے (نور الابصار صہ ۲۰۷)

امام علی رضا علیہ السلام کے ساتھ اُم حبیب بنت مامون کی شادی

ولی عہدی کے بعد ۲۰۲ھ میں مامون الرشید نے اپنی بیٹی ام حبیب کا نکاح حضرت امام علی الرضا سے کر دیا۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں وزوج علی بن موسیٰ الرضا بابنتہ ام حبیب یعنی امام علی رضا نے مامون الرشید کی بیٹی کے ساتھ نکاح کیا (البدایہ والنہایہ صہ ۲۴۹ ج ۱۰) علامہ شبلنجی لکھتے ہیں۔

وزوجہ المامون ابنتہ ام حبیب فی اول سنۃ اثنین ومائتین والمامون متوجہ الی العراق (نور الابصار صہ ۲۰۷) اور ۲۰۲ھ کے اوائل ہجری میں مامون نے اپنی بیٹی ام حبیب کا عقد حضرت امام علی رضا سے کیا جبکہ مامون عراق کے سفر کی تیاری کر چکا تھا غرضیکہ مامون الرشید نے امام علی رضا کو اپنا ولی عہد بھی مقرر کیا اگرچہ امام نے فرمایا کہ میں خلیفہ مامون عباسی کے کہنے پر ولی عہدی قبول کر لی ہے مگر جامعہ اور جفر دونوں کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام اپنے انجام کو نہیں پہنچے گا۔ نیز مامون الرشید نے اپنی بیٹی ام حبیب کا نکاح بھی امام علی رضا سے کر دیا۔

❖

امام علی رضا علیہ السلام کی بعض کرامات:

آپ سے بے شمار کرامات کا ظہور ہوا ہے جس میں سے بعض بیان ذکر کیے جاتے ہیں۔

٭ جب امام علی رضا علیہ السلام مامون الرشید کے ولی عہد مقرر ہو گئے تو مامون الرشید کے بعض خادموں اور نوکروں نے یہ خیال کیا کہ اب خلافت بنو عباس سے بنو فاطمہ کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ ان لوگوں نے امام علی رضا سے حسد و بغض رکھنا شروع کر دیا اور حضرت امام علی رضا کا ولی عہد مقرر ہونے کے بعد یہ اصول تھا کہ آپ مامون الرشید کو ملنے کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے تو جب آپ دروازہ کے قریب پہنچتے تھے تو تمام خدام دربان اور حاشیہ نشین وغیرہ آپ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے اور سلام کر کے دروازے کا پردہ اٹھایا کرتے تھے اور امام اندر تشریف لے جاتے ایک دن انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جب امام تشریف لائیں تو ہم نہ اٹھیں گے نہ سلام کریں گے اور نہ ہی دروازے کا پردہ اٹھائیں گے۔ جب امام آئے تو بعض غلاموں نے پردہ اٹھایا اور امام اندر داخل ہوئے اب دوسروں نے پردہ اٹھانے والوں کو ملامت کی کہ تم نے کیوں پردہ اٹھایا اب انہوں نے کہا کہ آئندہ ہم نہیں اٹھائیں گے۔ چنانچہ امام دوسرے دن تشریف لائے تو اب پردہ کسی نے نہ اٹھایا لیکن امام جب دروازہ پر پہنچے تو سخت قسم کی ہوا چلی جس نے پردہ اٹھا دیا امام اندر تشریف لے گئے جب امام واپس آئے اور باہر

نکلنے لگے تو پھر ہوا نے پردہ اٹھا دیا امام باہر تشریف لے گئے اس کے بعد تمام باہمی کہنے لگے کہ ان کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا رتبہ ہے اگر ہم نے پردہ نہیں اٹھایا تو ہوا نے دو مرتبہ یعنی داخل ہوتے وقت اور نکلتے وقت پردہ اٹھایا ہے۔ اب بحال سابق امام کی خدمت سرانجام دو یہی تمہارے لیے بہتر ہے (نور الابصار صہ ۲۷۹)

٭ امام حاکم حافظ ابو عبداللہ نے اپنی سند کے ساتھ محمد بن عیسیٰ سے وہ ابی حبیب سے روایت کرتے ہیں کہ ابی حبیب نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ہمارے شہر کی جو مسجد ہے جس میں حاجی لوگ جب آتے ہیں تو نماز پڑھتے ہیں اس مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں اور آپ کے سامنے ایک طشتری پڑی ہوئی ہے جس میں عمدہ (صیحانی) کھجوریں ہیں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مٹھی بھر کر مجھے کھجوریں عطا فرمائیں میں نے ان کو لے کر گنا۔ وہ اٹھارہ تھیں جب میں بیدار ہوا تو میں ان کی تعبیر یہ لی کہ میری عمر سے اٹھارہ سال باقی ہیں یعنی اٹھارہ سال زندہ رہوں گا۔ اس خواب کے بعد جب بیس دن گذر گئے تو میں اپنی زمین پر تھا۔ جب زراعت کرتا تھا تو مجھے اطلاع ملی کہ امام علی رضا علیہ السلام تشریف لائے ہیں اور اس مسجد میں ہیں اور لوگ دوڑ کر امام علیہ السلام کو سلام کرنے جا رہے ہیں اور میں بھی گیا اور امام کو مسجد میں اس چٹائی پر بیٹھے ہوئے دیکھا جس پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تھا اور آپ کے سامنے طشتری ہے جس میں صیحانی کھجوریں ہیں میں نے آپ کو سلام عرض کیا آپ نے

سلام کا جواب دیا اور مجھے قریب بلایا اور مٹھی بھر کھجوریں دیں۔ میں نے ان کو گنا وہ اتنی تھیں جتنی مجھے رات کو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دی تھیں یعنی اٹھارہ میں نے امام کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے زیادہ دیجیے تو امام نے فرمایا اگر تجھ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم زیادہ دیتے تو میں بھی ضرور زیادہ دیتا (نورالابصار ۲۷۹)

❁ حسین بن یسار سے روایت ہے کہ امام علی رضا نے ایک دن فرمایا مامون الرشید امین کو قتل کر دے گا میں نے کہا کیا مامون امین کو قتل کر دے گا تو امام نے فرمایا ہاں چنانچہ مامون اور امین کے درمیان سخت اختلاف ہو گیا۔ مامون الرشید نے ہرثمہ اور طاہر بن حسین کو جو خاص اس کے سردار تھے ایک بڑی فوج کے ساتھ بغداد کا محاصرہ کرنے اور امین سے لڑنے کے لیے بھیجا۔ ہرثمہ اور طاہر نے ایک مدت تک بغداد کا محاصرہ کیا اور دونوں فوجوں کے درمیان سخت مقابلہ ہوا اور آخر میں فتح مامون کے لشکر کے حصہ میں آئی اور امین مارا گیا اور اس کا سر اس کے بھائی مامون الرشید کے پاس خراسان بھیج دیا گیا۔ یہ واقعہ ۱۹۸ھ میں ہوا (نورالابصار صفحہ ۲۸، تاریخ الفخری صفحہ ۲۱۹)

❁ حسین بن موسیٰ سے روایت ہے کہ ہم چند جوان بنو ہاشم سے امام علی رضا کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ہمارے پاس سے جعفر بن عمر علوی گذرا اس کی حالت خستہ تھی ہم ایک دوسرے کے ساتھ اس کے بارے میں گفتگو کرنے لگے کہ یہ غریب آدمی ہے۔ امام علی رضا نے فرمایا کہ یہ عنقریب مال دار ہو جائے گا۔ اس کے خادم اور غلام ہوں گے یہ خستہ حالت نہیں رہے گا۔ اس کی حالت بہتر ہو جائیگی

ایک ماہ گذرنے کے بعد وہ مدینہ منورہ کا گورنر مقرر ہو گیا جب وہ ہمارے پاس سے گذرتا تو اس کے ارد گرد خادم اور غلام ہوتے اور ہم بھی اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے اور اس کے لیے سلام و دعا کرتے۔ (نورالابصار صد ۲۸۰)

❁ جعفر بن صالح سے روایت ہے کہ میں امام علی رضا کے پاس آیا میں نے عرض کی میرے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے لڑکا عطا فرمائے آپ نے فرمایا دو ہوں گے میں واپس ہوا میں نے دل میں خیال کیا کہ ایک کا نام علی رکھوں گا اور دوسرے کا نام محمد رکھوں گا امام نے مجھے بلایا فرمایا کہ ایک کا نام علی ہو گا اور دوسری ام عمرو میں جب واپس گھر کوفہ میں آیا تو جب میرے گھر پیدائش ہوئی تو ایک لڑکا اور دوسری لڑکی ہوئی لڑکے کا نام میں نے علی رکھا اور لڑکی کا نام ام عمر رکھا اور میں نے اپنی ماں کو کہا کہ ام عمر کا کیا مطلب ہے تو میری ماں نے کہا کہ تیری دادی کا نام ام عمر تھا۔ (نورالابصار صد ۲۸)

❁ امام حاکم نے اپنی سند کے ساتھ سعید بن سعید سے روایت کی ہے کہ سعید نے کہا کہ امام علی رضا نے ایک آدمی کی طرف دیکھا اور فرمایا اس کو میرے پاس بلاؤ جب وہ آیا تو آپ نے اس کو فرمایا کہ تم وصیت کر لو اور امر یقینی کے لیے تیار ہو جاؤ آپ کے اس فرمانے کے بعد وہ تیسرے دن مر گیا۔ (نورالابصار صد ۲۷۹)

امام علی رضا کے ارشادات:

❁ صلہ رحمی اور پڑوسیوں کے ساتھ اچھے سلوک کرنے سے مال میں

زیادتی ہوتی ہے۔

❁ شہد میں شفا ہے اگر کوئی شہد ہدیہ دے تو اس کو واپس نہ کرنا چاہیے۔

❁ اپنے بچوں کا ساتویں دن ختنہ کیا کرو اس سے ان کی صحت ٹھیک رہتی ہے۔

❁ جو کسی عورت کا مہر نہ دے یا مزدور کی اجرت نہ دے وہ بخشا نہیں جائے گا۔

❁ سب سے پہلے جنت میں وہ شہدا اور مالدار جائیں گے جو کہ متقی اور پرہیز گار ہوں گے۔

❁ اچھے اخلاق والا مسلمان قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ہوگا۔

❁ بالوں کی سفیدی کا سر کے اگلے حصے سے شروع ہونا سلامتی اور اقبال مندی کی دلیل ہے اور رخساروں یعنی داڑھی کے اطراف سے شروع ہونا شجاعت کی علامت ہے اور گدی سے شروع ہونا نحوست کی علامت ہے۔

❁ قرآن پاک پڑھنے، شہد کھانے اور دودھ پینے سے حافظہ بڑھتا ہے۔

❁ امام حسن اور امام حسین جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔

❁ اہل بیت کی مثال سفینہ نوح جیسی ہے نجات وہی پائے گا جو اس میں سوار ہوگا۔

❁ صدقہ دے کر خدا سے روزی مانگو۔

❁ قضا و قدر کے بارے میں فرمایا انسان نہ بالکل مجبور محض ہے اور نہ

بالکل آزاد ہے۔

ﷺ جس نے پہلی رجب کو روزہ رکھا اس کے لیے جنت واجب ہے اور جس نے درمیانی رجب کے روزہ رکھا وہ لوگوں کی شفاعت کرے گا اور جس نے آخری رجب کو روزہ رکھا وہ اپنے رشتہ داروں اور قریبیوں کی شفاعت کرے گا۔

امام رضا علیہ السلام کی وفات:

امام علی رضا کی وفات ۲۰۳ھ آخر ماہ صفر میں بمقام طوس واقع ہوئی اور آپ کو طوس محلہ سناباد میں دفن کردیا گیا جو آج کل مشہد مقدس کے نام سے مشہور ہے اور مرجع خلائق ہے اور آپ کی عمر مبارک پچپن سال تھی محمد بن یحییٰ الفارسی نے کہا کہ ایک دن ابو علی الحسن بن ہانی بن عبدالاول بن صباح المعروف ابونواس الشاعر المشہور المتوفی ۱۹۸ھ نے امام علی رضا علیہ السلام کو دیکھا اور آپ کے قریب جاکر سلام عرض کرکے کہا کہ اے ابن رسول اللہ میں نے آپ کی شان میں کچھ اشعار کہے ہیں میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھ سے سنیں تو آپ نے فرمایا سناؤ تو اس نے یہ اشعار پڑھے۔

ـــہ مطھرون نقیات ثیابھم
تجری الصلواۃ علیکم کلما ذکروا
من لم یکن علویا حین تنسبہ
فما لہ من قدیم الدھر مفتخر
واللہ لما برا خلقا فاتقنہ
صفاکم واصطفاکم ایھا البشر
فانتم الملاء الاعلی عندکم
علم الکتاب وما جاءت بہ السور

(وفیات الاعیان ص۱۷۲ ج ۳) یہ خود پاکیزہ ہیں اور ان کے لباس کیزہ ہیں ران پر درود جاری ہوتا ہے جب ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جب سب بیان کرتے وقت کوئی شخص حضرت علی شیر خدا کی اولاد سے نہ نکلے تو اس کے لیے ابتدا زمان سے کوئی فخر کی بات نہیں ہے پس آپ حضرات ہی ملا اعلیٰ ہیں اور آپ کے پاس ہی قرآن اور سورتوں کا علم ہے۔

امام علی رضا علیہ السلام کی اولاد امجاد:

امام علی رضا کے پانچ بیٹے تھے۔ (۱) حسن (۲) جعفر (۳) ابراہیم (۴) حسین (۵) امام محمد الجواد التقی اور امام علی رضا علیہ السلام کی نسل صرف محمد الجواد التقی سے جاری ہے۔

امام محمد الجواد التقی علیہ السلام:

آپ ائمہ اہل بیت اطہار سے امام نہم ہیں آپ کا اسم گرامی محمد ہے ابو جعفر کنیت ہے، جواد، مرتضیٰ، قانع اور تقی لقب ہیں، زیادہ مشہور لقب تقی ہے آپ کی پیدائش ۱۹ رمضان ۱۹۵ھ بروز جمعہ مدینہ منورہ میں ہوئی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی خیزران عرف سکینہ تھا۔ علماء نے لکھا ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ جناب ماریہ قبطیہ یعنی جناب ابراہیم بن رسول اللہ کے خاندان سے تھیں۔

امام التقی علیہ السلام کا علم و فضل:

جب امام علی رضا فوت ہوئے تو امام تقی علیہ السلام کی عمر تقریباً نو سال تھی

لیکن کم سن ہونے کے باعث پھر بھی علم وفضل سے مالامال تھے کیونکہ علم وفضل ان کو ورثہ میں ملا تھا چنانچہ علامہ محمد بن طلحہ شافعی فرماتے ہیں وان کان صغیرالسن فھو کبیرالقدر رفیع الذکر یعنی اگرچہ امام تقی کم سن اور چھوٹے تھے لیکن آپ قدر کے لحاظ سے بڑے اور شان کے لحاظ سے بلند تھے علامہ شبلنجی لکھتے ہیں وان کان صغیرالسن فھو کبیرالقدر رفیع الذکر ومناقبہ رضی اللہ عنہ کثیرۃ (نورالابصار صہ ۲۸۳) کہ اگرچہ امام تقی عمر کے اعتبار سے چھوٹے تھے پس وہ بڑی قدر والے اور بلند ذکر والے اور آپ کے بے شمار مناقب تھے، ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ جب امام تقی علیہ السلام علم وفضل کے لحاظ سے مشہور ہو گئے تو مامون الرشید نے ایک دن قاضی یحیٰی بن اکثم کو کہا کہ امام تقی علیہ السلام اگرچہ چھوٹے ہیں لیکن علم وفضل میں بہت بڑی فضیلت رکھتے ہیں۔ کسی دن آپ ان سے علمی گفتگو کریں۔ قاضی نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ چنانچہ مامون الرشید کے حکم کے مطابق علماء شعراء، ادباء اور وزراء بلکہ تمام لوگوں کو دعوت دی گئی کہ وہ اس علمی مجلس میں شرکت کریں جس میں امام تقی علیہ السلام اور قاضی یحیٰی بن اکثم باہمی علمی گفتگو کریں گے۔ چنانچہ تاریخ مقرر کی گئی اور تاریخ مقررہ پر دربار سجایا گیا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ نوسو کرسی صرف علماء وفضلاء کے لیے رکھی گئی مامون الرشید نے اپنے پاس امام تقی علیہ السلام کے لیے مسند رکھی اور سامنے قاضی یحیٰی بن اکثم کے بیٹھنے کی جگہ تھی جب تمام اہل بغداد اور دیگر لوگ جمع ہو گئے تو قاضی یحیٰی بن اکثم نے مامون الرشید کو کہا کہ حضور کیا اجازت ہے کہ میں امام تقی علیہ السلام سے کوئی مسئلہ دریافت کروں۔ مامون الرشید نے کہا تم خود کو ہی امام تقی سے اجازت طلب کرنا چاہیے۔ یہ سن کر قاضی امام کی

طرف متوجہ ہوا اور کہا کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں آپ سے کچھ دریافت کروں۔ آپ نے فرمایا قاضی صاحب آپ جو سوال کرنا چاہتے ہیں وہ کریں۔ قاضی صاحب نے حج کے بارے میں چند مسائل دریافت کیے۔ امام تقی علیہ السلام نے تشریح اور توضیح کے ساتھ ان کے جواب دیے تو تمام لوگوں کی طرف سے احسنت، احسنت (آپ نے اچھا جواب دیا آپ نے اچھا جواب دیا) کی آوازیں بلند ہونے لگیں اور مامون نے بھی امام علیہ السلام کو کہا احسنت کہ آپ نے اچھی گفتگو فرمائی نیز مامون الرشید نے امام علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ حضور آپ بھی کوئی قاضی صاحب سے سوال کریں۔ قاضی صاحب نے کہا کہ آپ سوال کریں فان کان عندی جواب اجبت به والا استفدت الجواب والله اسئال ان یرشدنی للصواب۔ اگر مجھے جواب معلوم ہوا تو میں عرض کر دوں گا ورنہ میں خود آپ سے جواب معلوم کروں گا اور میں اللہ تعالٰی سے سوال کرتا ہوں کہ وہ مجھے سیدھا راستہ دکھائے۔ امام تقی علیہ السلام نے قاضی صاحب سے سوال کیا کہ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جس نے صبح کے وقت ایک عورت کی طرف نظر کی تو وہ اس پر حرام تھی جب سورج طلوع ہوا تو وہ اس پر حلال ہو گئی پھر ظہر کے وقت حرام ہو گئی عصر کے وقت پھر حلال ہو گئی غروب آفتاب کے وقت پھر حرام ہو گئی عشاء کے وقت پھر حلال ہو گئی، آدھی رات کے وقت پھر حرام ہو گئی۔ صبح کے وقت پھر حلال ہو گئی۔ بتاؤ ایک ہی دن میں اتنی دفعہ وہ عورت اس شخص پر کس طرح حرام و حلال ہوتی رہی۔ فقال یحیٰی بن اکثم لا ادری پس یحیٰی بن اکثم نے کہا کہ مجھے اس کا جواب معلوم نہیں ہے اے ابن رسول اللہ آپ ہی اس کا جواب عطا فرمائیں تو امام علیہ السلام نے فرمایا سنو! یہ عورت کسی کی لونڈی تھی اس کی طرف صبح کے

وقت کسی اجنبی شخص نے نظر کی تو وہ اس کے لیے حرام تھی جب دن چڑھا تو اس نے یہ لونڈی خرید لی وہ اس کے لیے حلال ہوگئی۔ ظہر کے وقت اس کو آزاد کردیا وہ حرام ہوگئی۔ عصر کے وقت اس سے نکاح کرلیا پھر حلال ہوگئی۔ مغرب کے وقت اس نے اس سے ظہار کیا تو پھر حرام ہوگئی۔ عشاء کے وقت ظہار کا کفارہ دیا تو پھر حلال ہوگئی۔ آدھی رات کو اس شخص نے اس عورت کو طلاق رجعی دی جس سے وہ حرام ہوگئی اور صبح کے وقت اس طلاق سے رجوع کرلیا حلال ہوگئی (صواعق محرقہ صفحہ ۲۰۴، نور الابصار صفحہ ۲۸۴) اس سے ثابت ہوا کہ امام تقی علیہ السلام کو علم و فضل میں وہ مرتبہ تھا جو دوسرے لوگوں کو حاصل نہیں تھا۔ بایں وجہ مامون الرشید نے عباسیوں اور دوسرے لوگوں کو کہا کہ امام تقی علیہ السلام کی اس وقت دنیا میں کوئی مثل اور نظیر نہیں ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اپنی بیٹی کا نکاح امام تقی علیہ السلام سے کردوں چنانچہ مامون الرشید نے اپنی بیٹی ام الفضل کا نکاح امام تقی علیہ السلام سے کردیا نکاح کے بعد تقریباً ایک سال تک امام بغداد میں رہے پھر مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔

امام تقی علیہ السلام کی مدینہ منورہ واپسی:

امام تقی علیہ السلام جب تک بغداد میں تشریف فرما رہے مامون الرشید ہر طرح سے آپ کی عزت و عظمت کرتا رہا پھر آپ مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو آپ کی بیوی ام الفضل نے آپ کے ساتھ نہایت مؤدبانہ اور خوش گوار زندگی بسر کرنا شروع کردی۔ اسی دوران امام تقی علیہ السلام نے عمار بن یاسر کی نسل سے ایک سمانہ خاتون کے ساتھ نکاح کرلیا اس سمانہ خاتون سے امام تقی علیہ السلام کی نسل

امام تقی علیہ السلام کی بعض کرامات:

آپ کے بے شمار کرامات ہیں جن سے ہم یہاں چند ذکر کرتے ہیں۔

٭ ابو خالد سے روایت ہے کہ میں عسکر (عراق) میں تھا اور میں نے سنا کہ کسی نے ملک شام میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور اسے ایک جیل میں قید کر دیا گیا ہے اور میں جیل خانہ میں گیا اور جیلر کو کچھ درہم دے کر اس شخص کے پاس چلا گیا۔ میں نے دیکھا وہ تو بالکل ٹھیک اور بقائمی ہوش وحواس ہے میں نے پوچھا تمہیں کیا ہوا اس نے کہا کہ میں فلاں مسجد میں تھا اور وہاں عبادت میں مصروف ومشغول تھا جہاں امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک نیزے پر نصب کر کے رکھا گیا تھا۔ اچانک ایک شخص سامنے سے ظاہر ہوا جس نے مجھے کھڑا ہونے کو کہا میں کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا تم میرے ساتھ چلو میں ساتھ چل پڑا تھوڑی دیر کے بعد ہم مسجد کوفہ میں تھے اس شخص نے پوچھا کہ تم کو پتہ ہے کہ یہ کون سی جگہ ہے میں نے کہا کہ یہ کوفہ کی مسجد ہے وہ نماز کے لیے کھڑا ہو گیا میں نے بھی اس کی اقتدا کی نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے باہر آگیا میں بھی اس کے ساتھ باہر آگیا وہ تھوڑی دیر چلا میں بھی ساتھ چلتا گیا میں نے دیکھا کہ مسجد نبوی میں ہوں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ انور پر صلواۃ وسلام پڑھا وہ نماز پڑھنے لگا میں نے بھی نماز پڑھی وہ باہر آیا اور میں بھی باہر آگیا ابھی تھوڑی دیر چلے کہ میں نے اپنے آپ کو مکہ معظمہ میں پایا اس نے کعبہ کا طواف کیا اور میں نے بھی کعبہ

کا طواف کیا پھر ہم دونوں باہر نکلے وہ میری آنکھوں سے اوجھل ہو گیا اور میں نے اپنے آپ کو اسی مسجد (شام) میں پایا جہاں میں عبادت میں مشغول تھا ایسے حالات سے مجھے تعجب ہوا اور کچھ سمجھ نہ آئی کہ ایسے کیسے ہوا۔ آئندہ سال پھر یہی موقعہ آیا وہ شخص پھر ظاہر ہوا اور مجھے ساتھ لے کر پچھلے سال کی طرح بعینہٖ پھرتا رہا جب میں اپنی جگہ واپس آیا میں نے پوچھا حضور آپ کون ہیں آپ کی تعریف کیا ہے فرمایا انا محمد بن علی الرضا بن موسیٰ بن جعفر کہ میں محمد بن علی رضا بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق ہوں صبح ہوئی تو میں نے ان لوگوں کو یہ واقعہ سنایا جو میرے پاس تھے یہ بات والی شام محمد بن عبدالملک الزیات تک بھی پہنچ گئی اس نے مجھ پر دعویٰ نبوت کا الزام لگایا اور مجھے زنجیریں پہنا دیں اور مجھے عراق میں لے جا کر جیل میں ڈال دیا اب میری حالت ابو خالد تمہارے سامنے ہے ابو خالد نے کہا کہ میں تمہارا تمام واقعہ محمد بن عبدالملک زیات کی طرف لکھوں گا تاکہ وہ تم کو رہا کر دے ابو خالد نے تمام واقعہ من وعن لکھ کر محمد بن عبدالملک الزیات کی طرف بھیج دیا۔ محمد بن عبدالملک نے اسی رقعہ کی پشت پر یہ لکھ دیا قل للذی اخرجک من الشام الی هذه المواضع اللتی ذکرتها یخرجک من السجن یعنی جو شخص تجھے شام سے ان جگہ (کوفہ، اور کوفہ سے مدینہ منورہ اور وہاں سے مکہ اور پھر مکہ سے شام) تک پہنچا سکتا ہے اپنی رہائی کے لیے اس کی طرف رجوع کر۔ ابو خالد کہتے ہیں کہ جب والی شام کا میں نے جواب پڑھا تو مجھے سخت ہوا میں نے کہا

اس آدمی کے پاس جیل میں جاؤں گا اور اس کو صبر وغیرہ کی تلقین کروں گا۔ ابو خالد کہتا ہے کہ صبح کو میں جیل خانہ میں گیا تو دیکھا کہ جیل کے تمام ملازمین اور جیلر بڑے پریشان ہیں اور انہوں نے کہا جو آدمی مدعی نبوت ملک شام سے اس جیل خانہ میں لایا گیا تھا اس کے تمام طوق و زنجیریں جیل میں اتری پڑی ہیں اس کا پتہ نہیں وہ کہاں چلا گیا ہے؟ نزل فی الارض ام عرج بہ الی السماء کیا اس کو زمین نگل گئی ہے یا آسمان پر چڑھ گیا ہے۔ ابو خالد کہتا ہے میں اس واقعہ سے بڑا متعجب ہوا اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ والی شام محمد بن عبدالملک الزیات کی بات نہ بن سکی اور آدمی بھی جیل سے رہا ہو گیا اور اس واقعہ کو علامہ ابن صباغ نے نقل کیا ہے (نور الابصار صہ ۲۸۵)۔

❖ امام تقی علیہ السلام جب اپنی بیوی ام الفضل کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ جا رہے تھے تو راستہ میں کوفہ میں قیام کیا اور نماز مغرب کی ادائیگی کے لیے ایک مسجد میں تشریف لے گئے اس مسجد میں ایک بیری کا درخت تھا جو کبھی بھی بار آور نہ ہوا تھا۔ آپ نے پانی کا کوزہ طلب فرمایا اور اس درخت کی جڑ میں بیٹھ کر وضو فرمایا بعد ازاں نماز مغرب ادا کی اور واپس چلے آئے اور جس درخت کی جڑ میں وضو فرمایا تھا وہ سرسبز ہو گیا اور اس پر پھل لگ گئے اور لوگ بطور تبرک اس سے پھل لیتے اور کھاتے۔

❖ ایک شخص امام تقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی ذاتی گفتگو کے بعد ایک آدمی کے بارے میں عرض کیا کہ وہ حضور کی

خدمت میں عرض کرتا تھا کہ مجھے کوئی کپڑا عطا فرمائیں تاکہ میں اس کو اپنے کفن میں رکھ سکوں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اب اس کو کفن کے کپڑے کی ضرورت نہیں ہے یہ آدمی کہتا ہے کہ مجھے امام کی یہ بات سمجھ نہ آئی۔ آخر پتہ چلا کہ وہ اس مدت سے تیرہ چودہ دن پہلے فوت ہو چکا ہے۔

امام تقی علیہ السلام کے ارشادات :

- دین کو تباہ کر دینے والی بدعت ہے۔
- دین عزت ہے علم خزانہ ہے اور خاموشی نور ہے۔
- دعا کے ذریعہ ہر بلا اور مصیبت ٹل جاتی ہے۔
- اور انسان کو برباد کرنے والی چیز لالچ ہے۔
- جو صبر و ضبط کرے گا وہ کامیاب ہو گا۔
- جو دنیا میں تقویٰ اختیار کرے گا آخرت میں اس کا پھل پائے گا۔
- جو خدا پر توکل کرتا ہے اللہ تعالےٰ اسے ہر برائی اور تکلیف سے بچاتا ہے اور دشمنوں سے اسے محفوظ رکھتا ہے۔
- زہد کی انتہا تقویٰ ہے۔
- خدا کی رضا کے لیے تین چیزیں ضروری ہیں اول استغفار۔ دوم نرمی سوم کثرت صدقہ۔
- انسان کے کمالات کا دارومدار عقل کے کمال پر ہے۔
- انسان کی تمام خوبیوں کا مرکز زبان ہے۔
- فقر کی زینت عفت ہے اور خدائی امتحان کی زینت شکر ہے

حسب کی زینت تواضع ہے۔

❖ کلام کی زینت فصاحت ہے، روایت کی زینت حافظہ ہے، علم کی زینت انکساری ہے، ورع و تقویٰ کی زینت حسن ادب ہے قناعت کی زینت خندہ پیشانی ہے، پرہیزگاری کی زینت بلا فائدہ کاموں سے کنارہ کشی ہے۔

❖ ظالم اور ظالم کا مددگار اور ظلم پر راضی ہونے والا تینوں برابر ہیں۔

❖ اگر جاہل زبان بند رکھے تو خطرات نہ ہوں۔

❖ جب اللہ تعالےٰ کسی کو نعمت دیتا ہے تو ہمیشہ کے لیے دیتا ہے لیکن جب وہ مستحقین کو دینا بند کر دیتا ہے تو اس وقت نعمت اس سے زائل ہو جاتی ہے۔

❖ بری موت وہ ہے جو گناہ کے ذریعے سے ہو۔

❖ تین باتوں سے انسان عزیز ہو جاتا ہے۔

۱۔ معاشرے میں انصاف۔

۲۔ مصیبت میں ہمدردی۔

۳۔ پریشانی میں تسلی دینا۔

امام تقی علیہ السلام کی وفات:

آپ مدینہ منورہ سے ۲۲۰ھ میں بغداد تشریف لے گئے۔ وہاں بقول بعض مورخین کے معتصم بن ہارون الرشید نے آپ کو زہر پلایا اور ۲۹ ذی الحجہ بروز بدھ کو آپ کا انتقال ہوا اور آپ کو امام کاظم علیہ السلام کے مزار اقدس کے قریب کاظمین میں دفن کیا گیا۔ آپ کی عمر مبارک صرف

۴۵ سال تین ماہ کچھ دن تھی۔

امام نقی علیہ السلام کی اولاد امجاد:

آپ کے دو بیٹے تھے (۱) موسیٰ المبرقع (۲) علی الہادی نقی علیہ السلام۔

رضوی سادات:

امام علی رضا علیہ السلام کی نسل صرف امام تقی علیہ السلام سے چلی ہے چونکہ امام علی رضا علیہ السلام بہت زیادہ مشہور تھے لہٰذا امام تقی علیہ السلام کی اولاد اپنے آپ کو بجائے تقوی کہلانے کے اپنے دادا کی طرف نسبت کرتے ہوئے رضوی کہلاتے ہیں پھر آگے امام تقی علیہ السلام کے دو بیٹے ہوئے ایک علی ہادی نقی اور دوسرے موسیٰ المبرقع ان دونوں کی آگے نسل چلی ان میں سے جو امام علی ہادی نقی کی اولاد تھی انہوں نے اپنے کو نقوی کہلانا شروع کردیا اور جو موسیٰ المبرقع کی اولاد تھی انہوں نے اپنے کو رضوی کہلانا شروع کردیا۔ اب صورت حال یہ ہے کہ جو امام تقی علیہ السلام اور موسیٰ المبرقع کی اولاد ہے یہ اپنے کو رضوی کہلاتے ہیں اور جو امام نقی علیہ السلام کی اولاد ہے وہ اپنے کو نقوی کہلاتے ہیں۔

موسیٰ مبرقع بن امام تقی علیہ السلام:

موسیٰ مبرقع امام محمد تقی کے بیٹے ہیں اور امام حضرت علی نقی کے بھائی ہیں آپ کی کنیت ابو احمد ہے چونکہ بہت زیادہ خوبصورت تھے لہٰذا چہرہ مبارک پر ہر وقت نقاب ڈالا رکھتے۔ بایں وجہ آپ کو مبرقع کہا گیا ہے۔ آپ

دس رجب ۲۱۷ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور بہت بڑے عالم و فاضل تھے اور ۲۵۵ھ میں کوفہ تشریف لے گئے، پھر وہاں سے ۲۵۶ھ میں قم میں منتقل ہوگئے۔ علماء کا بیان ہے کہ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سادات رضویہ سے قم میں مستقل قیام کیا موسیٰ مبرقع کے بیٹے احمد تھے اور احمد کے بیٹے محمد الاعرج تھے آگے ان کی نسل جاری ہے۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام:

آپ ائمہ اہل بیت اطہار سے امام دہم ہیں۔ آپ کا اسم گرامی علی ہے اور کنیت ابوالحسن ہے آپ کے القاب بہت ہیں جن میں سے زیادہ مشہور نقی ہے آپ ۵ رجب ۲۱۴ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ سمانہ خاتون تھیں آپ جب پیدا ہوئے تو بادشاہ مامون الرشید تھا اور مامون الرشید ۲۱۸ھ میں فوت ہوا اس کے بعد اس کا بھائی معتصم بادشاہ بنا یہ ۲۲۷ھ میں فوت ہوا اس کے بعد واثق بن معتصم بادشاہ بنا اور واثق کا انتقال ۲۳۲ھ میں ہوا۔ اور واثق کے بعد اس کا بھائی متوکل بادشاہ بنا اور متوکل ۲۴۷ھ میں فوت ہوا اس کے بعد منتصر بن متوکل بادشاہ بنا اور یہ ۲۴۸ھ میں فوت ہوگیا اس کے بعد مستعین باللہ بادشاہ بنا اور اس کو ۲۵۲ھ میں معزول کیا گیا اور اس کے بعد معتز باللہ (محمد بن المتوکل) بادشاہ بنا اور بعض مورخین نے لکھا ہے کہ اس نے امام علی النقی علیہ السلام کو ۲۵۴ھ میں زہر دیا جس سے وہ شہید ہوئے۔

❖

امام علی نقی علیہ السلام کا علم و فضل:

جہاں تک ائمہ اہل بیت اطہار کے علم و فضل کا تعلق ہے وہ ان کو وراثت میں ملتا ہے۔ چنانچہ ابن حجر مکی امام علی نقی علیہ السلام کے بارے میں لکھتے ہیں وکان وارث ابیہ علماً کہ آپ علم کے اعتبار سے اپنے باپ کے وارث تھے یعنی آپ کو علم وراثت میں ملا تھا۔ چنانچہ مسئلہ قضا و قدر کے بارے میں فرماتے ہیں لا جبر ولا تفویض بل امر بین الامرین کہ انسان نہ بالکل مجبور ہے اور نہ بالکل مختار ہے بلکہ دونوں حالتوں کے درمیان حالت ہے۔ ائمہ اہل بیت اطہار کو جیسے کہ علم وراثت میں ملتا ہے اسی طرح سخاوت بھی ان کی موروثہ ہوتی ہے۔ چنانچہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں وکان وارث ابیہ سخاً کہ آپ سخاوت میں اپنے باپ کے وارث تھے چنانچہ ایک اعرابی آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کرنے لگا کہ حضور میں آپ کے دادا پاک حضرت علی بن ابی طالب کے عقیدت مندوں سے ہوں میں نے قرض دینا ہے جسے میں ادا نہیں کر سکتا اور آپ کے سوا میری گردن سے یہ کوئی بوجھ نہیں اتار سکتا۔ آپ نے فرمایا کتنا قرض ہے عرض کی دس ہزار درہم ہیں۔ آپ نے فرمایا فکر کی ضرورت نہیں ہے ان شاء اللہ تعالے قرض کی ادائیگی ہو جائے گی۔ چنانچہ امام علی نقی علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے ایک خط لکھا جس میں یہ لکھا کہ میں اس کے دس ہزار درہم ادا کر دوں گا فرمایا یہ خط لے لو کل جب میں لوگوں میں بیٹھوں گا تم نے مجھ سے قرض کا مطالبہ کرنا وہ کہنے لگا کہ میں آپ کی بے ادبی کیسے کر سکتا ہوں۔ امام نے فرمایا میری بات مانو میری مخالفت نہ کرو۔ چنانچہ دوسرے دن جب امام لوگوں

کے درمیان بیٹھے تو اس نے قرض کا مطالبہ کر دیا۔ آپ نے اس سے تین دن کی مہلت مانگی۔ اس نے مہلت دے دی۔ اس بات کا علم بادشاہ متوکل باللہ کو ہو گیا۔ بادشاہ نے اپنے خادم کو کہا کہ تیس ہزار درہم امام نقی علیہ السلام کے پاس لے جاؤ۔ چنانچہ آپ کے پاس تیس ہزار درہم پہنچ گئے۔ امام نقی علیہ السلام اس اعرابی کا انتظار کرنے لگے یہاں تک کہ وہ آ گیا آپ نے اسے فرمایا یہ تیس ہزار درہم ہیں دس ہزار سے اپنا قرض اتار دو اور باقی اپنے بچوں پر خرچ کرو اعرابی جب درہم لے کر جانے لگا تو کہنے لگا اللہ اعلم حیث یجعل رسالاتہ۔ (صواعق محرقہ صہ ۲۰۵، نور الابصار صہ ۲۹۱، شواہد النبوت صہ ۳۶۰)۔

امام نقی علیہ السلام کی بعض کرامات :

آپ کی کرامات تو بے شمار ہیں لیکن یہاں صرف چند ذکر کیے جاتے ہیں چنانچہ ایک مرتبہ جعفر متوکل علی اللہ کے دربار میں امام علی نقی علیہ السلام نے فرمایا کہ درندوں پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کا گوشت حرام ہے جب بادشاہ متوکل اور امام نقی علیہ السلام میں گفتگو ہو رہی تھی تو چند درباریوں نے کہا کہ اس بات کی آزمائش امام نقی علیہ السلام پر ہی ہونی چاہیے۔ آیا درندے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کو کھاتے ہیں یا نہ۔ چنانچہ بادشاہ نے کہا اگر آپ برکتہ السباع (شیر خانہ) میں تشریف لے جائیں تو لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ واقعی آلِ رسول کا گوشت درندوں پر حرام ہے۔ امام نقی علیہ السلام شیر خانہ کی طرف تشریف لے گئے متوکل نے اپنے بنائے ہوئے شیر خانہ میں جس میں درندے شیر موجود تھے۔ امام کو داخل کر کے دروازے بند کر دیے اور خود مکان کے بالاخانہ پر چلا گیا تاکہ وہاں سے امام نقی علیہ السلام کی حالت کو دیکھ سکے جب امام علیہ السلام

شیروں کے پاس گئے تو شیروں نے آپ کو چھوکر آپ کے گرد پھرنے لگے پھر عاجزی اور ادب کے ساتھ تمام شیر گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئے۔ چنانچہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں ان انصراب فی قضیۃ السباع الواقعۃ من المتوکل انہ دعوا لمتحن بھا دانھا لم تقربہ بل خضعت واطمأنت لما دانتہ (صواعق محرقہ صہ ۲۰۵، ینابیع المودۃ صہ ۱۴۲ ج ۳) آگے لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ اس واقعہ کے موافق ہے جو کہ ہارون الرشید اور یحیٰی بن عبداللہ المحض کے درمیان پیش آیا تھا وہ اس طرح کہ جب یحیٰی بن عبدالمحض بن الحسن المثنیٰ بن امام حسن علیہ السلام دیلم کی طرف چلے گئے۔ ہارون الرشید نے ان کی گرفتاری کا حکم دیا، چنانچہ وہ پکڑے گئے اور ان کو ہارون الرشید کے پاس لایا گیا اور ہارون الرشید نے ان کے قتل کا حکم کیا اور کہا ان کو برکتہ السباع (شیر خانہ) میں ڈال دیا جائے اور شیر کئی دنوں سے بھوکے رکھے ہوئے تھے جب امام یحیٰی بن عبداللہ کو شیر خانہ میں ڈال دیا گیا تو شیر جب ان کے قریب آئے ان کو کھانے سے رک گئے اور آپ کے گرد عاجزی سے پھرنے لگے جب شیروں نے امام یحیٰی بن عبداللہ کو کچھ نہ کہا تو ہارون الرشید نے کہا کہ ان کو قتل ضرور کرنا ہے لہٰذا آپ کو کھڑا کر کے ارد گرد دیوار چنوا دی جس سے آپ شہید ہو گئے (صواعق محرقہ صہ ۲۰۵) اس سے ظاہر ہے کہ اولاد رسول کا احترام درندے اور جانور بھی کرتے ہیں بلکہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ شیر اور درندے تو حضور پاک کے صحابہ کرام کا احترام کرتے تھے، چنانچہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کو رومی کافروں نے قید کر لیا تو یہ قید سے بھاگ پڑے جنگل میں راستہ بھول گئے راستہ میں سامنے شیر آ گیا اور شیر حملہ کرنے لگا تو حضرت سفینہ نے اس کو کہا یا ابا الحارث انا مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اے شیر میں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلام ہوں میں راستہ بھول چکا ہوں میں نے اسلامی لشکر میں جانا ہے۔ چنانچہ شیر حضرت سفینہ کے ساتھ چل پڑا یہاں تک آپ اسلامی لشکر میں پہنچ گئے (مشکوٰۃ شریف ص ۵۴۵) جب شیر نے حضرت سفینہ کو کچھ نہیں کہا بلکہ ان کی حفاظت کی اور ان کو اسلامی لشکر میں پہنچا دیا تو پھر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہیں یعنی امام نقی علیہ السلام اور یحییٰ بن عبداللہ المحض ان کو شیر اور درندے کیسے کچھ کہہ سکتے ہیں۔

علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ اسباطی جو کہ واثق باللہ کے حاشیہ نشینوں میں سے تھا وہ امام نقی علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ نے دریافت فرمایا واثق باللہ بادشاہ کا کیا حال ہے اسباطی کہنے لگا جب میں عراق سے آیا ہوں تو وہ ٹھیک ٹھاک تھا آپ نے فرمایا لوگ کہتے ہیں کہ واثق فوت ہو گیا ہے اسباطی کہتا ہے کہ میں یہ سن کر خاموش ہو گیا اور میں سمجھ گیا کہ امام نقی علیہ السلام نے جو فرمایا ہے وہ صحیح ہے پھر آپ نے فرمایا اچھا یہ بتاؤ کہ اس وقت محمد بن عبدالملک الزیات کا کیا حال ہے اسباطی نے کہا الناس معہ، والامر امرہٗ کہ لوگ اس کے ساتھ اور اس وقت اس کا طوطی بول رہا ہے اور اس کا حکم چل رہا ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا اے اسباطی اللہ کی تقدیر کو کوئی نہیں ٹال سکتا اور حکم اسی کا جاری ہے مات الواثق وجلس جعفر المتوکل وقتل ابن الزیات کہ واثق مر گیا ہے اور اس کی جگہ جعفر متوکل بادشاہ بن گیا ہے اور ابن زیات کو قتل کر دیا گیا ہے اسباطی کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا کہ یہ واقعہ کب ہوا ہے تو امام نے فرمایا تمہارے عراق سے نکلنے کے چھ دن بعد ہوا ہے اسباطی نے کہا کہ چند دن ہی گذرے کہ مدینہ منورہ میں قاصد آیا کہ واثق فوت ہو گیا ہے اور اس کی جگہ جعفر المتوکل بادشاہ بنا ہے اور ابن زیات کو کسی نے قتل کر دیا ہے (نور الابصار ص ۱۶۹)

اور ۲۳۲ھ میں متوکل بادشاہ بنا اس نے مدینہ منورہ کے حاکم عبداللہ بن محمد کو کہا کہ امام علی نقی کے بارے میں خیال رکھنا وہ حکومت کے خلاف کوئی اقدام نہ کریں۔ عبداللہ بن محمد گاہ بگاہ امام نقی علیہ السلام کے متعلق باعث اذیت باتیں کرتا رہتا۔ امام نقی علیہ السلام نے بادشاہ متوکل کو ایک خط لکھا جس میں حاکم مدینہ منورہ عبداللہ بن محمد کی بداعتدالیوں اور زیادتیوں کا ذکر کیا۔ اس کے جواب میں متوکل نے امام نقی علیہ السلام کو عرض کیا کہ آپ یہاں ہمارے پاس سامرہ آجائیں اس خط میں بادشاہ نے بڑا نرم رویہ اختیار کیا نیز بادشاہ نے یحییٰ بن ہرثمہ بن اعین کو دو سو لشکریوں کے ساتھ مدینہ منورہ بھیجا کہ وہ امام نقی کو سامرہ لے آئیں۔ امام نقی علیہ السلام یحییٰ بن ہرثمہ اور دیگر لشکریوں کے ساتھ سامرہ تشریف لے گئے اور جب سامرہ پہنچے تو متوکل نے کہا کہ آپ کو "خان الصعالیک" میں ٹھہرایا جائے یہ اچھی جگہ نہیں تھی آپ کے ایک عقیدت مند صالح بن سعید نے عرض کیا کہ حضور یہ جگہ آپ کی شان کے مناسب نہیں ہے۔ امام نے صالح بن سعید کو کہا ادھر آ یہ جگہ دیکھ جب صالح بن سعید نے دیکھا تو اس کو سامنے باغات اور محلات نظر آئے امام نے فرمایا اے صالح بن سعید ہم "خان الصعالیک" میں نہیں ہیں ہم جہاں ہوتے ہیں یہ چیزیں بھی ہمارے ساتھ ہوتی ہیں چند دنوں کے بعد متوکل نے آپ کے لیے اچھے مکانات کا انتظام کر دیا۔ (نورالابصار صہ ۲۹۲، شواہد النبوت صہ ۳۶۱)

امام نقی علیہ السلام کی وفات:

امام علی نقی الہادی علیہ السلام کی وفات ۲۵۴ھ میں سر من رائے میں

سری سر من رائے کو سامرہ بھی کہتے ہیں سامرہ شہر معتصم باللہ نے آباد کیا تھا خلفاء بغداد میں رہتے تھے البتہ ہارون الرشید گاہ بگاہ رقہ شہر میں بھی قیام کرتا تھا معتصم نے سامرہ کو دارالخلافہ بنایا اور جعفر المتوکل نے بھی سامرہ ہی کو دارالخلافہ رکھا۔ سامرہ میں امام علی نقیؑ کی ۲۶ جمادی الآخر ۲۵۴ھ میں وفات ہوئی۔ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

آپ کی اولاد امجاد :

امام علی نقی علیہ السلام کے تین بیٹے تھے (۱) محمد (۲) جعفر (۳) حسن عسکری۔ امام علی نقی کی نسل صرف دو بیٹوں سے جعفر اور حسن عسکری سے چلی ہے اور محمد کی کوئی اولاد نہ تھی۔

جعفر بن امام علی نقیؑ کی کنیت ابوعبداللہ ہے اور ابوکرین بھی ان کی کنیت ہے کیونکہ کر ساٹھ قفیز کو کہتے ہیں اور قفیز ایک پیمانہ ہے چونکہ یہ ایک سو بیس بچوں کے والد تھے اس لیے ان کی کنیت ابوکرین بھی ہے اور ان کا لقب جعفر تواب ہے اور درج ذیل بیٹوں سے نسل جاری ہے۔

(۱) محمد (۲) موسیٰ (۳) ہارون (۴) اسماعیل (۵) یحییٰ (۶) ادریس (۷) احمد (۸) عبیداللہ (۹) طاہر (۱۰) علی (۱۱) الحسن (۱۲) المحسن۔

ان میں سے محمد بن جعفر کا بیٹا محمد تھا اور موسیٰ بن جعفر کے دو بیٹے تھے ۱۔ احمد ۲۔ علی اور آگے اس احمد کا بیٹا محمد تھا اور علی کے دو بیٹے تھے ۱۔ محمد، ۲۔ حسین اور ہارون بن جعفر کا بیٹا الحسن تھا۔ اور اسماعیل بن جعفر کے تین بیٹے تھے (۱) محمد (۲) علی (۳) جعفر اور یحییٰ بن جعفر کا بیٹا محسن تھا محسن کا بیٹا الحسن تھا اور ادریس بن جعفر کا بیٹا القاسم تھا اور احمد بن

جعفر کا بیٹا محمد تھا اور عبیداللہ بن جعفر کا بیٹا محمد تھا اور اس محمد کی اولاد سے جعفر بن محمد بن ابراہیم بن محمد بن عبیداللہ بن جعفر تھے جو کہ بہت بڑے محدث اور فاضل تھے اور مکہ مکرمہ میں سنہ ۳۲۱ھ میں فوت ہوگئے اور طاہر بن جعفر کے تین بیٹے تھے ۱۔ محمد (۲) علی (۳) المحسن اور حسن بن جعفر کا بیٹا علی تھا اور محسن بن جعفر کا بیٹا حسین تھا اور علی بن جعفر کے بیٹے (۱) ابراہیم (۲) احمد (۳) المحسن (۴) موسیٰ (۵) جعفر (۶) حمزہ (۷) محسن (۹) علی (۱۰) محمد تھے یہ محمد بن علی بن جعفر بن علی نقی کو محمد نازوک کہا جاتا ہے اور محمد نازوک کی اولاد سے سید حافظ محمد اشرف علی شاہ نقوی بھاگھری مشہدی کلیانوی ہیں ان کا سلسلہ نسب یہ ہے۔

سید محمد اشرف علی شاہ نقوی
بن
سید قربان علی شاہ
بن
سید حاجی ولی محمد شاہ
بن
سید قطب نواز شاہ
بن
سید عالم شاہ
بن
سید افضل شاہ
بن
سید روشن علی شاہ
بن
سید سلطان علی شاہ
بن
سید شاہ جلال
بن
سید شاہ محمد
بن
سید حمید شاہ
بن
سید میر رضا شاہ
بن

سیّد شاہ حسن
بن
سیّد شہاب الدین
بن
سیّد دولت علی شاہ
بن
سیّد جالس علی شاہ
بن
سیّد عبدالکریم شاہ
بن
سیّد جمال الدین شاہ
بن
سیّد شادی شاہ
بن
سیّد عبداللہ شاہ
بن
سیّد احمد علی شاہ
بن
سیّد بدرالدین شاہ
(خطیب اوچ شریف)
بن

سیّد صدرالدین
(بادشاہ بن بجاکری)
بن
سیّد محمد مکی
بن
سیّد شاہ شجاع
بن
سیّد ابراہیم
بن
سیّد قاسم
بن
سیّد زید
بن
سیّد حمزہ
بن
سیّد ہارون
بن
سیّد عقیل
بن
سیّد اسماعیل
بن

سید رضو (ملقب مرتضیٰ عالم)
بن
سید محمد نازک (نازوک)
بن
سید علی (امنو بن خطیب)
بن
سید جعفر (ثانی تواب)
بن
سید امام نقی
بن
سید امام تقی
بن
سید امام علی رضا
بن
سید امام موسیٰ کاظم

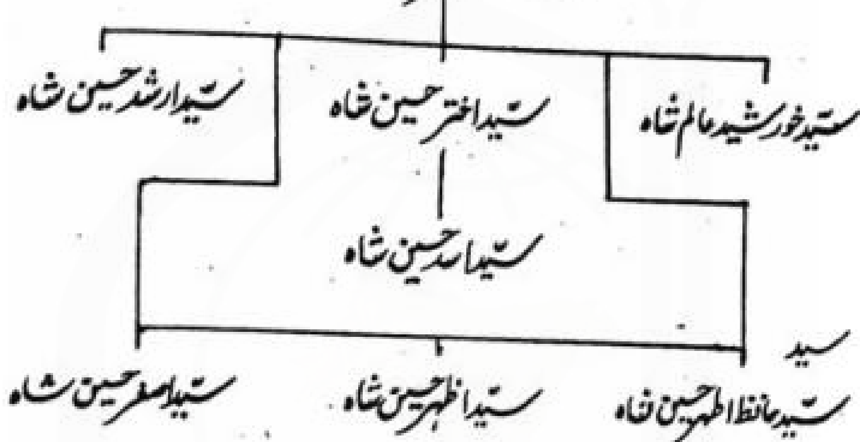
بن
سید امام جعفر صادق
بن
سید امام محمد باقر
بن
سید زین العابدین
بن
سید الشہداء امام حسین
بن
سیدہ فاطمۃ الزہراء
(زوجہ علی بن ابی طالب)
بنت
محمد رسول اللہ
(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

٭

سید حافظ محمد اشرف علی شاہ صاحب نقوی مشہدی بخاری کلیانوی پاکستان میں چیچہ وطنی ضلع ساہیوال بلاک ، میں رہائش پذیر تھے۔ صاحب فضیلت و منقبت سید تھے، حافظ، عالم، عابد، زاہد، متقی اور پرہیزگار تھے آپ کے بے شمار لوگ عقیدت مند اور مریدین و متوسلین تھے دین کی بڑی خدمت کرتے تھے ایک دینی درس گاہ قائم کی جس میں حفظ قرآن

وغیرہ کا انتظام کیا اور مسجدیں بھی تعمیر کروائیں۔ آپ کی مزار اقدس چھچھ وطنی میں ہے جو کہ مرجع خلائق ہے۔ آپ کے درج ذیل بیٹے ہیں۔

سید حافظ محمد اشرف علی شاہ نقوی



ان میں سے سید اختر حسین شاہ صاحب برطانیہ (لندن) میں قیام پذیر ہیں۔ صاحب فضیلت و منقبت سید ہیں بلند اخلاق اور بلند سیرت ہیں آپ بہت اچھی نعت پڑھتے ہیں۔ ان کے صاحبزادے سید اسد حسین شاہ صاحب ہیں جو کہ یہاں لندن میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

علامہ سید زاہد حسین شاہ صاحب رضوی:

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی اولاد سے پیر طریقت، رہبر شریعت، حضرت علامہ پیر سید زاہد حسین شاہ صاحب رضوی دامت برکاتہم العالیہ آف ڈڈیال (میرپور آزاد کشمیر) حال مقیم برطانیہ (نوٹنگھم) بھی ہیں آپ جلیل القدر عالم اور بڑی عظمت والے سید ہیں۔ جامع علوم عقلیہ و نقلیہ اور حاوی اصول و فروع ہیں تمام علوم پر آپ کو عبور حاصل ہے۔ علوم دینیہ میں بڑی وسعت اور دسترس

رکھتے ہیں۔ آپ ایک عظیم خطیب ہیں آپ کا خطاب حقائق ودقائق پر مبنی اور وسیع معلومات پر مشتمل ہوتا ہے۔ آپ کے مریدوں اور عقیدت مندوں کا پاکستان اور برطانیہ میں وسیع حلقہ ہے آپ نے نوٹنگھم میں ایک عظیم الشان اسلامی درس گاہ جامعہ فاطمیہ قائم کی ہے جس میں عظیم اسلامی کتب خانہ بھی موجود ہے اور آپ کے صاحبزادوں میں سے سید حسنین رضا نقوی یہاں برطانیہ میں دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور نہایت اچھے خطیب ہیں اور حضرت پیر سید ناہد حسین رضوی کا سلسلہ نسب درج ذیل ہے۔

محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم

بنت

فاطمۃ الزہراء (زوجہ علی بن ابی طالب)

بن

امام حسین

بن

امام علی (زین العابدین)

بن

امام محمد (باقر)

بن

امام جعفر (صادق)

بن

امام موسیٰ (کاظم

بن

امام علی (رضا)

بن

امام محمد (تقی)

بن

امام علی (نقی) علیہ السلام

بن

سیّد جعفر ثانی

بن

سیّد علی اصغر

سیّد عبداللہ | سیّد ابوالقاسم (لاولد) | سیّد اسمٰعیل ان کی اولاد بھکر (پنجاب میں ہے)

سیّد عبداللہ

بن

سیّد احمد

بن

سیّد محمود

بن

سیّد محمد

بن

سیّد جعفر ثالث

بن

سیّد علی
بن
سیّد جلال الدین بخاری سُرخ

جو سب سے پہلے اُچ شریف
ریاست بہاولپور میں تشریف لائے
ان کی اولاد بخاری کہلاتی ہے۔

سیّد سلطان احمد کبیر

پیر محمد غوث
ان کی اولاد اُچ شریف
میں ہے۔

بہاؤالدین
(لاولد)

سیّد علی

سیّد جعفر

ان کی اولاد بخارا میں ہے۔

سیّد جلال الدین
مخدوم جہانیاں جہاں گشت

سیّد حسن صدرالدین راجو قتال

سیّد شاہ حسن

سیّد جلال محمد
ان کی اولاد پنجاب کے
مختلف علاقوں میں ہے

سیّد عبداللہ
ان کی اولاد مدینہ
پاک میں ہے

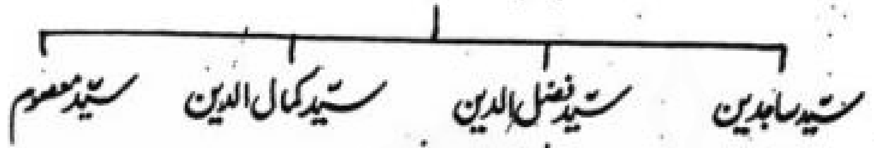
سیّد احمد نوبہار

سیّد جمال الدین

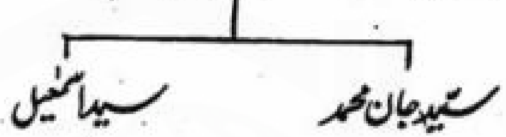
سیّد محمود

سیّد علاؤالدین
انکی اولاد ہندوستان میں ہے
(دہلی، بلگرام)

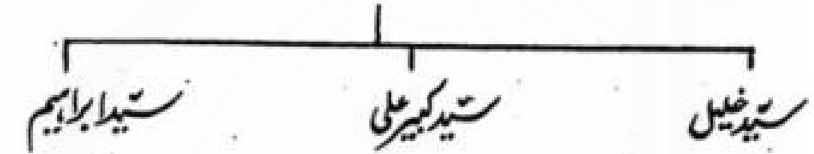
سید احمد نوبہار



سید ساجدین — سید فضل الدین — سید کمال الدین — سید معصوم



سید جان محمد — سید اسمٰعیل



سید خلیل — سید کبیر علی — سید ابراہیم

بن

سید کمال علی

بن

سید جمال الدین

بن

سید نورالدین

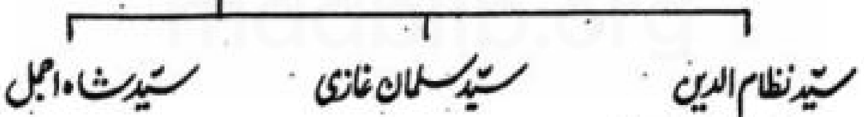


سید حسین علی

ان کے آٹھ بیٹے تھے جو ہندوستان کے

مختلف علاقوں میں آباد ہوئے

سید مبارک علی

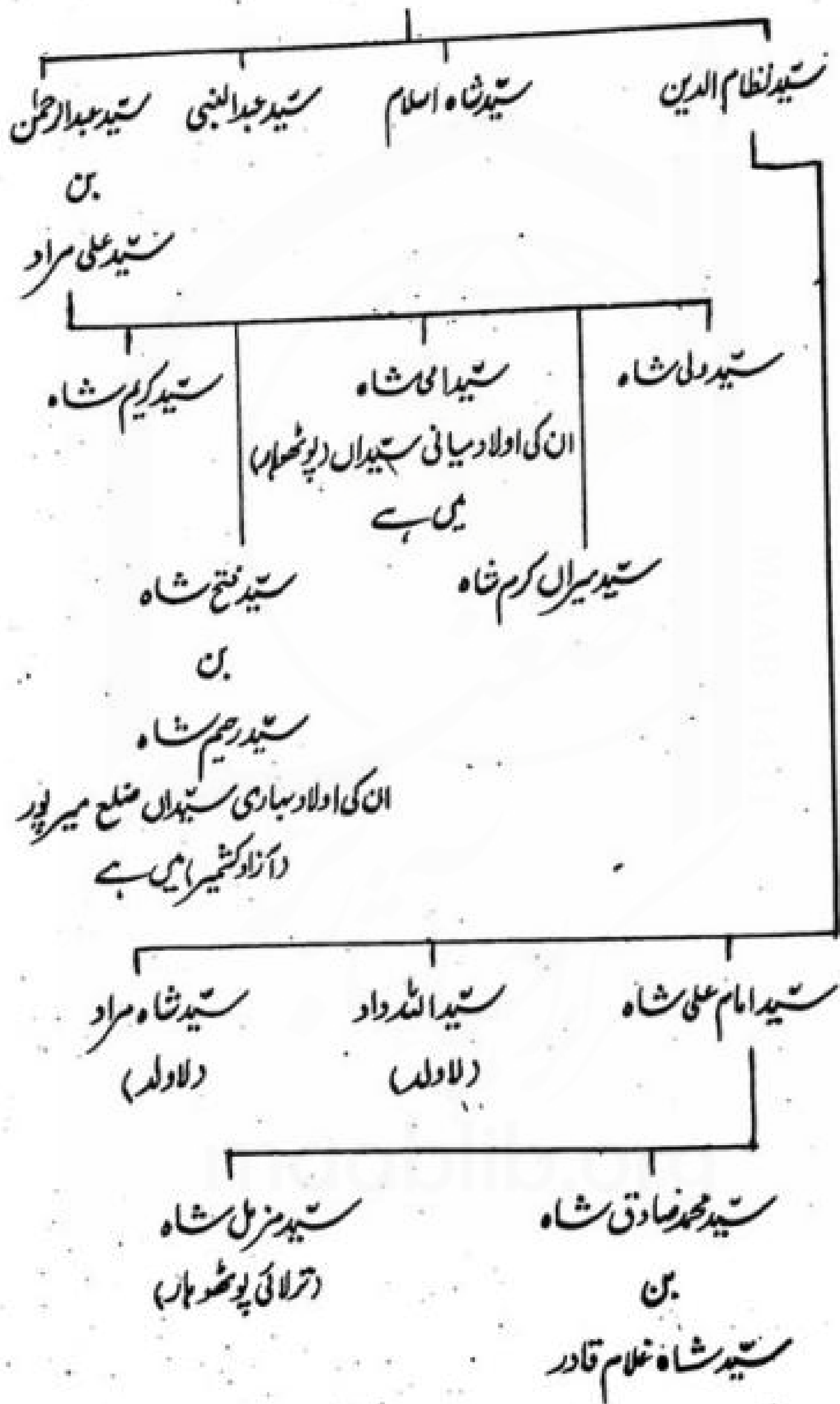


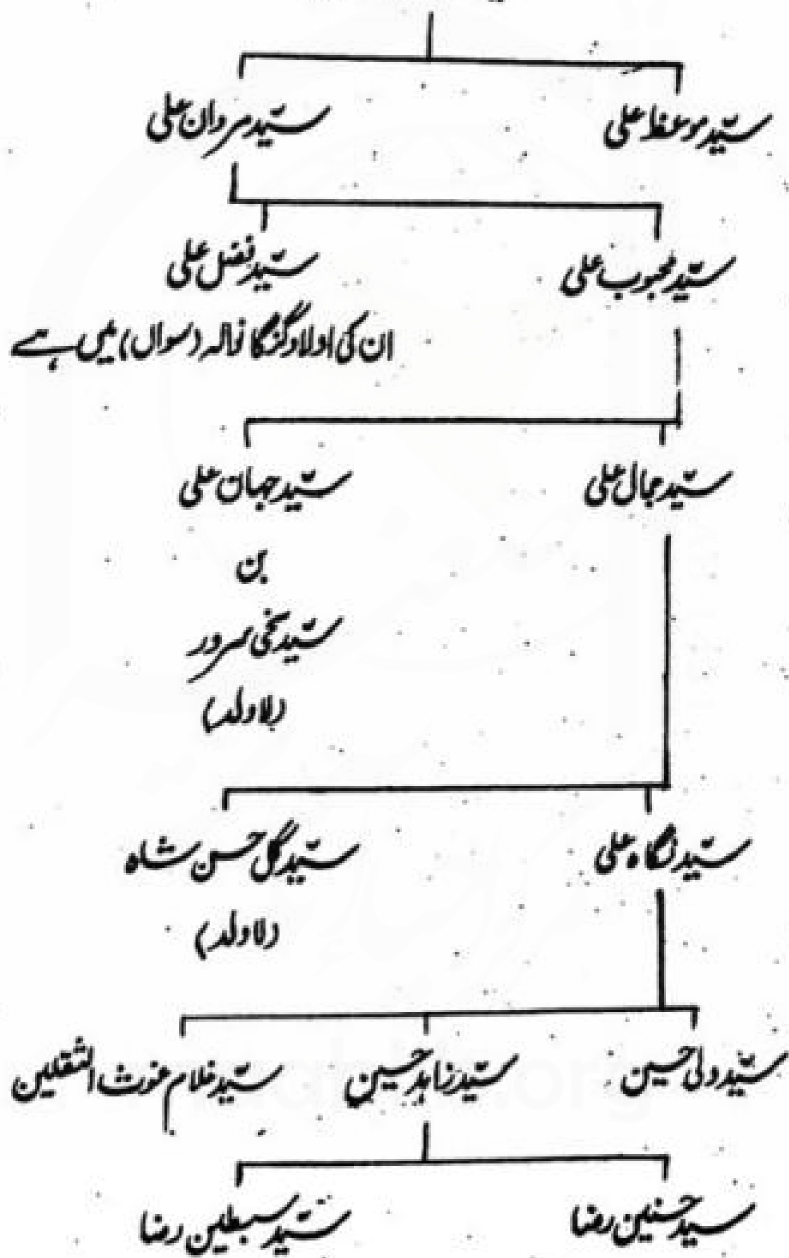
سید نظام الدین

ڈھرنال ضلع اٹک

(جاری)

سید سلمان غازی — سید شاہ اجمل


سید مبارک علی
سید نظام الدین
سید شاہ اسلام
سید عبدالنبی
سید عبدالرحمٰن
بن
سید علی مراد
سید ولی شاہ
سید علی شاہ
ان کی اولاد میانی سیداں (پوٹھوہار) میں ہے
سید کریم شاہ
سید میراں کرم شاہ
سید فتح شاہ
بن
سید رحیم شاہ
ان کی اولاد سباری سیداں ضلع میرپور (آزاد کشمیر) میں ہے
سید امام علی شاہ
سید اللہ داد
(لاولد)
سید شاہ مراد
(لاولد)
سید محمد صادق شاہ
بن
سید شاہ غلام قادر
سید منزل شاہ
(ترلائی پوٹھوہار)


سیّد شاہ غلام قادر
بن
سیّد شاہ گل حسن
سیّد سروان علی
سیّد موعظ علی
سیّد فضل علی
ان کی اولاد گنگا نالہ (سواں) میں ہے
سیّد محبوب علی
سیّد جہان علی
بن
سیّد سخی سرور
(لاولد)
سیّد جمال علی
سیّد گل حسن شاہ
(لاولد)
سیّد نگاہ علی
سیّد غلام غوث الثقلین
سیّد زاہد حسین
سیّد ولی حسین
سیّد سبطین رضا
سیّد حسنین رضا

حضرت قبلہ سید زاہد حسین شاہ صاحب رضوی کے شجرہ نسب میں جتنے آپ کے آباؤ اجداد کا ذکر ہوا ہے وہ تمام عالم اور ولی کامل تھے ان میں چند حضرات کا بالاختصار ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت سید جلال الدین مخدوم :

اپنے دور کے ہر لحاظ سے نابغۂ روزگار شخصیت کے حامل تھے، طریقت و شریعت میں انفرادیت کا مقام رکھتے تھے۔ آپ کی ساری زندگی بلادِ اسلامیہ کی سیر و سیاحت اور خلق خدا کی ہدایت و رہنمائی میں گزری۔ اسی بنا پر جہاں گشت آپ کے اسم مبارک کا جزو بن گیا جب آپ پہلی بار دیار پاک مدینہ میں حاضر ہوئے تو وہاں کے سادات سے ملاقات ہوئی۔ سادات مدینہ نے آپ کو سید ماننے سے انکار کیا۔ طویل بحث و تمحیص کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر مکین گنبدِ خضرا یہ فرمادیں کہ میں اُن کی اولاد ہوں تو کیا آپ مان لیں گے؟ سب نے ازراہ تعجب کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آپ سب کو ساتھ لے کر سرکار کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور ان الفاظ سے سلام عرض کیا۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا جَدِّیْ:

تو قبر انور سے آواز آئی۔

وَعَلَیْكَ السَّلَامُ یَا وَلَدِیْ

حضور کا ارشاد سننے کے بعد سادات مدینہ معافی کے خواستگار ہوگئے۔ مدینہ پاک کے جو بزرگ سید تھے انہوں نے اپنی صاحبزادی کو آپ کے حبالہ عقد میں دیا۔ آج بھی مدینہ پاک میں بخاری سادات موجود ہیں جو آپ کی اولاد سے ہیں۔

موضع ڈھرنال جو قدیم بستی ہے کئی بار زلزلہ کا شکار ہوئی کسی بزرگ نے اہل ڈھرنال کو بتایا کہ اگر کسی سید آل رسول کو اپنے گاؤں میں آباد کریں تو آل رسول کی برکت سے آپ اس تباہی سے بچ سکتے ہیں۔ تو وہاں سے ایک وفد کی صورت میں کچھ حضرات اُچ شریف میں حاضر ہوئے اور اپنی سرگذشت سنائی اور درخواست پیش کی کہ ہمارے ساتھ کسی بزرگ کو روانہ فرمائیں ہم اُن کے ہر قسم کے آرام و آسائش اور ضروریات زندگی کی کفالت کریں گے۔ تو اُس وقت وہاں کے بزرگوں نے باہمی مشورہ کے بعد سید نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کو اُن کے ساتھ روانہ فرمایا۔

آج بھی ڈھرنال کے وسط میں آپ کا مکان اور مسجد پیراں کے نام سے مشہور ہے موجود ہے۔ آپ کا مزار پاک آج بھی مرجع خلائق ہے جو کالی خانقاہ کے نام سے مشہور ہے۔ آپ ہی کے صاحبزادہ سید شاہ اللہ داد جن کا کافروں سے جہاد کرتے ہوئے سر تن سے جُدا ہو گیا۔ دو میل تک تن بغیر سر کے معروف جنگ رہا۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ تن بے سر برسر پیکار ہے۔ راز فاش ہونے پر آپ زمیں بوس ہو گئے۔ آج بھی گنگا نوالہ میں آپ کا مزار مبارک ہے۔ سر انور کا مزار مبارک وہاں سے دو میل کے فاصلہ پر ہے جو ٹپ شریف کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت سید نظام الدین علیہ الرحمۃ جو اہل ڈھرنال ضلع اٹک کے احباب کی درخواست پر اُچ شریف سے براہ میانی سیداں ضلع جہلم سے ہوتے ہوئے ڈھرنال میں اقامت پذیر ہوئے ان کی اولاد امجاد آج بھی ڈھرنال گنگا نوالہ ضلع راولپنڈی، گوہالہ سیداں۔ ترلائی۔ رہاڑا۔ ملوٹ۔ ترپٹ۔ ضلع راولپنڈی میں آباد ہے اور ہر شعبۂ زندگی میں شہرت پذیر ہیں۔

سید جمال علی شاہ صاحب کا ضلع میرپور کشمیر میں ورود مسعود سید سوار شاہ صاحب رحمۃ اللہ جو اپنے وقت کے عظیم بزرگ تھے جن کا حلقۂ ارادت پنجاب و کشمیر تک پھیلا ہوا تھا۔ ایک بار ضلع میرپور علاقہ اندرہل میں طاعون کی وبا آئی جس نے سارے علاقہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ایک ایک دن میں کئی جنازے اٹھتے۔ اہل علاقہ اس اندوہناک بیماری سے گھبرا کر اپنے پیر و مرشد سید سوار شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر اس ہلاکت خیز وبا کا ذکر کیا۔ طالب فریاد رسی ہوئے آپ خود اس وقت صاحب فراش تھے اور سفر کی صعوبت برداشت کرنے کے قابل نہ تھے۔ طالبان فریاد کو محروم لوٹانا بھی شان کریمی کے خلاف سمجھتے تھے۔ اتفاق سے بیمار پرسی کی غرض سے آپ کے بہنوئی سید جمال علی شاہ آپ کے پاس موجود تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ آپ ان لوگوں کے ساتھ تشریف لے جائیں۔ آپ رشتہ کی نزاکت اور لوگوں کی حالت زار کے مدنظر انکار نہ کر سکے ان لوگوں کے ہمراہ ۱۳۱۰ھ میں پہلی بار علاقہ میرپور آزاد کشمیر میں تشریف لائے آپ کے قدوم میمنت لزوم اور دعا کی برکت سے اہل علاقہ کو اللہ تعالے نے اس مہلک بیماری سے نجات عطا فرمائی۔ آپ کی یہ کرامت دیکھ کر اہل علاقہ جوق در جوق آپ کے حلقہ ارادت داخل ہونا شروع ہو گئے چند ایام نہ گزرنے پائے تھے، تمام علاقہ آپ کی غلامی پر نازاں اور فرحان تھا۔ آپ چونکہ جامع شریعت و طریقت تھے جہاں آپ ایک متبحر عالم تھے وہاں آپ عظیم پایہ کے طبیب حاذق بھی تھے۔

ربع صدی تک لوگ آپ مستفیض ہوتے رہے۔ آخر آپ نے ۱۳۳۲ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ آج بھی آپ کا مزار موہڑہ کھٹیال ضلع میرپور میں

مرجع خلائق ہے۔ حال ہی میں آپ کا روضہ مبارک تعمیر کیا گیا اس کا باعث یوں ہوا کہ آپ کے خاندان کی ایک ارادت مند خاتون جو تیس سال ازدواجی زندگی گزارنے کے باوجود اولاد سے محروم تھی۔ ہر دن اور رات اولاد کی محرومی پر آنسو بہاتے گزرتے۔ عمر کا وہ دور تھا جہاں صرف اولاد کی خواہش ہی کی جا سکتی ہے۔ ایک دن اسے خیال آیا کہ دادا پیر کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اللہ تعالےٰ سے دعا کیوں نہ کروں۔ مزار پر حاضر ہوئی اور دل میں عہد کیا اگر اللہ تعالےٰ نے مجھے بیٹا دیا تو آپ کا روضہ تعمیر کراؤں گی۔ تھوڑے دن گزرنے پائے تھے کہ اللہ تعالےٰ نے کرم کیا۔ بیٹے کی ولادت کے بعد اس نے عظیم الشان روضہ تعمیر کیا۔ اور بھی آپ کی بہت ساری کرامات ہیں مگر صفحات کا دامن تنگ ہے آپ کی خدمت میں اکثر حضرت عارف کھڑے حاضری دیا کرتے تھے۔

آپ کے وصال کے بعد آپ کے فرزند ارجمند حضرت پیر سید نگاہ علی صاحب نے علاقہ اندریل میں مستقل سکونت اختیار فرمائی اور بہاری سیداں کے عظیم صاحب کرامات بزرگ سید خیرات علی شاہ صاحب کی بیٹی سے شادی فرمائی۔ بہاری سیداں کے سادات بھی انہی کے خاندان بخاری سے یعنی سیداں سے منسلک ہو جاتے ہیں۔ آپ بھی اپنے وقت کے بہت بڑے عالم اور پایہ حکیم تھے۔ دورہ حدیث جامعہ امینیہ دہلی سے آپ نے پڑھا۔ باقی کتب والد گرامی سے پڑھیں تھیں۔ طبابت کی سند آپ نے طبیہ کالج دہلی سے حاصل کی۔

آپ کو خواجہ احمد نور بہالوی ضلع اٹک سے سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں خلافت حاصل تھی۔ خواجہ احمد نور ترنہ شریف کے خلیفہ تھے۔ آپ کا

خاندانی سلسلہ سہروردی ہے جو حضرت سید جلال الدین بخاری سے پشت در پشت چلا آرہا ہے۔ حضور مولائے کائنات سے لے کر آپ تک کوئی غیر عالم نہیں ہوا۔ ہر بزرگ اپنے دور کے مایہ ناز عالم گزرے ہیں۔

ایک زمانہ آپ سے فیض یاب ہوتا رہا۔ آپ کا وصال مبارک ۴ شوال ۱۳۸۵ھ ڈڈیال میں ہوا۔ آپ کا مزار مبارک سیالکوٹ ڈڈیال میں ہے۔

امام حسن عسکری علیہ السلام:

ائمہ اہل بیت اطہار سے امام یازدہم ہیں۔ اسم گرامی حسن ہے اور کنیت ابو محمد ہے اور آپ کے القاب عسکری، زکی خالص وغیرہ ہیں زیادہ مشہور عسکری ہے اور عسکری لقب اس وجہ سے ہے کہ آپ سر من رائے کے محلہ عسکر میں رہتے تھے اور اس محلہ کو عسکر اس بنا پر کہتے ہیں کہ عباسی خلیفہ معتصم اس مقام پر فوج اور لشکر رکھتا تھا اور خود بھی یہاں ہی رہتا تھا اس لیے اس محلہ کو عسکر کہتے تھے۔ امام حسن عسکری یہاں رہنے کی وجہ سے عسکری مشہور ہو گئے (وفیات الاعیان صہ ۹۴ ج ۲)۔

آپ کا علم و فضل:

امام حسن عسکری کو بھی علم و فضل وراثت میں ملا تھا چنانچہ ابن حجر مکی اور علامہ شبلنجی اور دیگر مورخین لکھتے ہیں کہ ایک دن بہلول دانا نے دیکھا کہ بچے کھیل رہے ہیں ان کے قریب ایک خوبصورت بچہ کھڑا ہوا ہے بہلول دانا اس بچے کے قریب گئے اور اس کو کہا کہ تم اس لیے نہیں کھیل رہے ہو کہ جو کھلونے ان بچوں کے پاس ہیں وہ تمہارے پاس نہیں تم یہاں ہی رہنا میں

زار سے تمہارے لیے کھلونے لے آتا ہوں۔ آپ کم سنی کے باوجود فرمانے لگے کہ اے اللہ کے بندے ہم کھیلنے کے لیے پیدا نہیں ہوئے بلکہ ہم تو علم و عبادت کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔ بہلول دانا نے پوچھا کہ تمہیں یہ کیونکر معلوم ہوا کہ پیدا ہونے کی غرض و غایت علم اور عبادت ہے تو آپ نے فرمایا قرآن پاک میں ہے افحسبتم انما خلقناکم عبثا (پ ۱۸ رکوع ۱) کیا تم نے یہ گمان کیا ہے کہ ہم نے تم کو بے فائدہ (کھیل کود) کے لیے پیدا کیا ہے۔ یہ سن کر بہلول حیران ہو گئے پھر بہلول نے کہا کہ آپ مجھے نصیحت فرمایئے آپ نے بہلول کو اشعار میں نصیحتیں کیں پھر بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جب افاقہ ہوا تو بہلول نے کہا کہ تم کو کیا ہوا تھا کہ تم بیہوش ہو گئے تم سے تو گناہ کا تصور نہیں۔ امام نے فرمایا کم سنی سے کیا ہوتا ہے میں نے اپنی والدہ کو دیکھا ہے کہ جب وہ آگ جلاتی ہیں تو بڑی لکڑیوں کو جلانے کے لیے چھوٹی لکڑیاں استعمال کرتی ہیں۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں جہنم کے بڑے ایندھن کے لیے ہم چھوٹے اور کم سن لوگ استعمال نہ کیے جائیں (صواعق محرقہ صہ ۲۰۵، نور الابصار صہ ۲۹۴) اس سے ثابت ہوا کہ ائمہ اہل بیت اطہار کو علم وراثت میں ملتا ہے۔ امام حسن عسکری بہت بڑے قرآن کے مفسر تھے چنانچہ آپ نے جو قرآن پاک کی تفسیر لکھی ہے وہ تفسیر عسکری کے نام سے مشہور ہے۔

امام حسن عسکری کے بعض کرامات:

آپ کی کرامات کثرت سے ہیں لیکن ہم یہاں چند ذکر کرتے ہیں۔ علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ جس کرامت کا ہم ذکر کرنے لگے ہیں وہ جامع کرامات ہے،

وہ یہ کہ ابو ہاشم داؤد بن قاسم جعفری نے کہا کہ میں اور میرے ساتھ حسن بن محمد المقتفی اور احمد بن ابراہیم العمری اور فلاں فلاں پانچ یا چھ آدمی ایک قید خانہ میں تھے ہمیں معلوم ہوا کہ اس جیل خانہ میں امام حسن عسکری اور آپ کے بھائی جعفر (تواب) بھی تشریف لارہے ہیں ہم نے آپ کا استقبال کیا اور جیلر صالح بن یوسف الحاجب تھا اور ہمارے ساتھ قید میں ایک مرد عجمی تھا۔ امام حسن عسکری نے ہماری طرف دیکھ کر کہا اگر یہ مرد نہ ہوتا تو میں تمہیں بتا دیتا کہ اللہ تعالےٰ کب تمہیں اس مصیبت سے نجات دے گا اور یہ بھی بتا دیتا کہ اندرون معاملہ کیا ہے وہ وقتی طور پر ایک طرف چلا گیا تو امام نے فرمایا یہ خلیفہ کا جاسوس ہے اور اس کے پاس کاغذات ہیں جو اس کے جاسوس ہونے کا ثبوت دیتے ہیں تم اس سے پرہیز کرو یہ سن کر اس کی تلاشی لی گئی تو واقعی وہ جاسوس نکلا تو ہم اس سے احتیاط برتنے لگے اور امام حسن عسکری جیل میں روزہ رکھتے تھے جب آپ روزہ افطار کرتے اور کھانا کھاتے تو ہم بھی آپ کے ساتھ کھانا کھاتے۔ ابو ہاشم نے کہا کہ میں نے روزہ رکھنا شروع کر دیا۔ ایک دن میں کمزوری کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکا تو میں نے اپنے غلام کو کہا کہ وہ بازار سے کیک لائے چنانچہ وہ لے آیا میں لے کر علیحدہ ایک طرف چلا گیا میں کھا کر واپس آگیا اور لوگوں کو پتہ نہ لگا لیکن امام مجھے دیکھ کر مسکرانے لگے فرمایا کہ کیا تم نے افطار کر دیا میں کچھ شرمندہ ہوا آپ نے فرمایا جب تم اپنے کو کمزور دیکھتے ہو اور طاقتور بننا چاہتے ہو تو گوشت کھاؤ کیک میں طاقت نہیں ہے۔ ابو ہاشم کہتا ہے کہ پھر زیادہ وقت امام حسن عسکری قید میں نہیں رہے کیونکہ سر من رائے میں قحط پڑا ہوا تھا کوئی چیز کھانے پینے کو نہیں مل رہی تھی بادشاہ وقت

المعتمد بن المتوکل نے لوگوں کو کہا کہ وہ تین دن تک متواتر نماز استسقاء پڑھیں لیکن نماز پڑھنے کے باوجود بارش پھر بھی نہ ہوئی پھر راہب اپنے نصرانی لوگوں کو لے کر جنگل میں گیا اور راہب نے آسمان کی طرف اپنا ہاتھ بلند کیا اسی وقت بادل چھا گئے اور بارش ہونا شروع ہو گئی۔ اسی طرح اس راہب نے دوسرے دن کیا اور بارش ہوئی۔ یہ حالت دیکھ کر بعض جاہل مرتد ہو گئے۔ یہ واقعہ بادشاہ پر بہت شاق گذرا۔ بادشاہ نے امام حسن عسکری کو طلب کیا اور عرض کیا

ادرک امة جدک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبل ان یھلکو کہ حضور اپنے نانا پاک کی امت کی خبر لو قبل اس کے کہ وہ ہلاک ہو جائیں یعنی اپنے نانا پاک کی امت کو ہلاکت اور گمراہی سے بچاؤ۔ امام حسن عسکری نے فرمایا کہ راہبوں اور نصرانیوں کو کہا جائے کہ وہ کل صبح پھر میدان میں آکر بارش کے لیے دعا کریں تو میں ان شاء اللہ تعالٰے لوگوں کو شک اور شبہ زائل کر دوں گا۔ چنانچہ دوسرے دن وہ راہب اور نصرانی جب جمع ہوئے اور راہب نے معمول کے مطابق ہاتھ بلند کیے آسمان پر بادل بنتے اور بارش شروع ہو گئی تو امام حسن عسکری نے ایک آدمی کو کہا کہ راہب کے ہاتھ پکڑ کر راہب کے ہاتھ میں جو کچھ ہے وہ لے لو اس شخص نے راہب کا ہاتھ پکڑا اور اس میں ایک ہڈی تھی وہ پکڑ کر امام حسن عسکری کو پیش کر دی آپ نے راہب کو کہا کہ اب ہاتھ اٹھا کر بارش کے لیے دعا کر جب اس نے ہاتھ اٹھا کر بارش مانگی تو بجائے بارش ہونے کے مطلع صاف ہو گیا اور دھوپ نکل آئی اور تمام لوگ حیران ہو گئے۔ بادشاہ نے امام حسن عسکری سے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا اصل بات یہ ہے کہ یہ ایک نبی (علیہ السلام) کی ہڈی ہے جو اس راہب نے کسی قبر سے اٹھائی ہے اور اس کی وجہ سے راہب اس

میں کامیاب ہوتا رہا ہے کیونکہ نبی کی ہڈی میں یہ اثر ہوتا ہے کہ جب وہ زیرِ آسمان کھولی جائے تو بارانِ رحمت ضرور نازل ہوگا یہ بات سنا کر امام نے ہڈی کو آسمان کے سامنے کیا تو بادل بنے اور بارش شروع ہوگی جو لوگ مرتد ہوگئے وہ مسلمان ہوگئے اس کے بعد امام حسن عسکری اپنی قیام گاہ پر تشریف لے گئے اور بعض روایات میں آتا ہے کہ امام حسن عسکری نے اس ہڈی کو کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا اور اس کے بعد نماز استسقاء پڑھائی اللہ تعالیٰ نے اتنی بارش کی کہ قحط ختم ہو گیا نیز امام حسن عسکری نے بادشاہ کو کہا کہ تمام قیدیوں کو رہا کیا جائے چنانچہ بادشاہ نے تمام قیدی رہا کر دیے (صواعق محرقہ ص۲۰۲، نور الابصار ص۲۹۲)۔

علامہ جامی لکھتے ہیں کہ ایک شخص اپنے والد سمیت امام حسن عسکری کے راہ میں بیٹھ کر یہ سوال کرے گا کہ اگر امام باپ کو پانچ سو درہم اور بیٹے کو تین سو درہم دے دیں تو تمام کام ہو جائیں گے چنانچہ امام تشریف لائے یہ دونوں امام کو پہچانتے نہیں تھے، امام خود ان کے قریب آئے اور ان کو ساتھ دیا اور پانچ سو باپ کو دیے اور تین سو اس کے بیٹے کو دیے (شواہد النبوت ص۳۶۴)۔

آپ کے ارشادات عالیہ:

- بہترین شخص وہ ہے جو اللہ پر ایمان لائے اور لوگوں کو فائدہ پہنچائے۔
- بدترین وہ شخص ہے جو ذوجہتین یعنی دو منہ رکھتا ہو جب اس کا کوئی دوست سامنے آئے اس کو زبان سے خوش کر دے اور جب وہ چلا جائے تو اس کو کھانے کی تدبیر سوچے جب اس کے دوست کو کچھ ملے تو حسد کرے اور جب اس پر کوئی مصیبت آئے تو یہ اس کے قریب نہ جائے۔

❖ حسد کرنے اور کینہ رکھنے والے کو کبھی سکون قلب نصیب نہیں ہوتا۔
❖ بہترین عبادت گزار وہ ہے جو فرائض ادا کرے۔
❖ بہترین متقی وہ ہے جو بالکل گناہ چھوڑ دے۔
❖ بے وقوف کا دل اس کے منہ میں ہے اور عقلمند کا منہ اس کے دل میں ہے۔
❖ جو حق کو چھوڑ دیتا ہے وہ ذلیل ہوتا ہے خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اور جس کے ساتھ حق ہے وہ عزت والا ہے خواہ کوئی معمولی آدمی ہو۔
❖ جاہل کی دوستی مصیبت ہے۔
❖ امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا میں اپنے ماننے والوں کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اللہ سے ڈریں۔ دین کے بارے میں پرہیزگاری کو شعار بنائیں خدا کے احکام کی تابعداری کریں، سچ بولیں، امانتیں خواہ مومن کی ہوں یا کافر کی ہوں ان کو ادا کریں اپنے سجدوں کو لمبا کریں اور سوالات کے شیریں جواب دیں اور قرآن مجید کی تلاوت کیا کریں اور خدا کے ذکر سے کبھی غافل نہ ہوں۔
❖ جو دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہے اور دنیا میں اندھا وہ ہے جو ہماری مودت سے غافل ہے۔
❖ دو شنبہ کے شر و نحوست سے بچنے کے لیے نماز صبح کی رکعت اول میں سورت ھل اتیٰ (دھر) پڑھنا چاہیے۔
❖ وہ چیز موت سے بدتر ہے جو تمہیں موت سے بہتر نظر آئے۔
❖ وہ چیز زندگی سے بہتر ہے جس کی وجہ سے تم زندگی کو برا سمجھو۔
❖ بلاوجہ ہنسنا جہالت کی دلیل ہے۔

- دنیا کی تلاش میں خدا کے فرائض کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔
- خدا تعالیٰ کے بارے میں سوچ بچار کرنا بڑی عبادت ہے۔
- حرص اور لالچ کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے جو ملنا ہے وہی ملے گا۔

امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات:

آپ کی وفات ۸ ربیع الاول سنہ ۲۶۰ھ کو جمعہ کے دن بوقت نماز صبح ہوئی۔ آپ کو اپنے والد ماجد کے پہلو سرمن رائے میں دفن کیا گیا۔ آپ کی عمر ۲۸ سال تھی۔ علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ آپ کی وفات کی خبر مشہور ہوتے ہی تمام سامرہ میں رونے پیٹنے کا شور برپا ہوا بازار، دکانیں بند ہو گئیں، تمام بنوہاشم اور حاکمان قصاص، منشی، قاضی، ارکان عدالت اور عام مخلوق آپ کے جنازے میں شرکت کے لیے دوڑ پڑے اور سرمن رائے اس دن قیامت کا نمونہ تھا (نورالابصار صـ ۱۵۲)۔ بعض نے لکھا ہے کہ ائمہ اہل بیت اطہار اکثر کو زہر دیا گیا جس سے ان کی وفات ہوئی۔ چنانچہ امام زین العابدین علیہ السلام کو ولید بن عبدالملک نے زہر دیا جس سے آپ شہید ہوئے اور امام محمد باقر کو ہشام بن عبدالملک نے زہر دیا جس سے آپ شہید ہوئے اور امام جعفر صادق کو منصور عباسی نے زہر دیا جس سے آپ شہید ہوئے اور امام موسیٰ کاظم کو ہارون الرشید عباسی نے زہر دیا جس سے آپ شہید ہوئے اور امام محمد تقی کو معتصم باللہ عباسی نے زہر دیا جس سے آپ شہید ہوئے اور امام علی نقی کو معتز بن متوکل نے زہر دیا جس سے آپ شہید ہوئے اور امام حسن عسکری کو معتمد عباسی نے زہر دیا جس سے آپ شہید ہوئے اور امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے پیچھے

یک بیٹے محمد چھوڑے ہیں۔ ان کے بارے میں شیعہ حضرات کہتے ہیں کہ یہ غائب ہو گئے ہیں۔ قرب قیامت تشریف لائیں گے اور اہل سنت کہتے ہیں کہ محمد بن حسن عسکری بچپن میں فوت ہو گئے تھے اور امام مہدی علیہ السلام جو قرب قیامت تشریف لائیں گے وہ امام حسن عسکری کے بیٹے نہیں ہیں بلکہ وہ حضرت عبداللہ کے بیٹے ہوں گے جن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بشارت فرمائی ہے۔ اب امام مہدی کے بارے میں قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

امام مہدی علیہ السلام:

دنیا میں جب سب جگہ کفر کا تسلط ہو گا اس وقت تمام اولیاء سب جگہ سے سمٹ کر حرمین شریفین کو ہجرت کر جائیں گے صرف وہاں ہی اسلام ہو گا اور ساری زمین کفرستان ہو جائے گی رمضان شریف کا مہینہ ہو گا، ابدال، اور اولیاء طواف کعبہ میں مصروف ہوں گے حضرت امام مہدی علیہ السلام بھی وہاں ہوں گے۔ اولیاء ان کو پہچان جائیں گے ان سے درخواست بیعت کریں گے وہ انکار کریں گے دفعتہً غیب سے ایک آواز آئے گی ھذا خلیفۃ اللہ المھدی فاسمعوا لہ واطیعوہ۔ یہ اللہ کا خلیفہ مہدی ہے اس کی بات سنو اور اس کا حکم مانو، تمام لوگ ان کے دست مبارک پر بیعت کریں گے وہاں سے سب کو اپنے ہمراہ لے کر ملکِ شام کی طرف تشریف لے جائیں گے اور جب دمشق میں پہنچیں گے تو حضرت عیسٰی علیہ السلام آسمان سے جامع مسجد دمشق کے مشرقی منارہ پر نزول فرمائیں گے صبح کا وقت ہو گا نماز فجر کے لیے اقامت ہو

بھی ہو گی حضرت امام مہدی علیہ السلام کہ اس جماعت میں موجود ہوں گے امامت کا حکم دیں گے امام مہدی نماز پڑھائیں گے، اہل سنت وجماعت کے نزدیک امام مہدی قرب قیامت پیدا ہوں گے اور ظہور آپ کا مکہ مکرمہ میں ہو گا۔ آپ کا نام محمد ہو گا اور آپ کے باپ کا نام عبداللہ ہو گا چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے "لا تقوم الساعۃ حتیٰ یملک رجل من اھل بیتی یواطی اسمہ اسمی واسم ابیہ اسم ابی فیملاء قسطا وعدلا (موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان ص۴۶۴) اور یہ بھی حدیث پاک میں آتا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام خاتون جنت کی اولاد سے ہوں گے چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا المھدی من عترتی من اولاد فاطمۃ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص۱۸۰ ج ۵) اور شیعہ کہتے ہیں کہ امام مہدی علیہ السلام پیدا ہو چکے ہیں آپ امام حسن عسکری علیہ السلام کے بیٹے ہیں اور غار سر من رائے میں پوشیدہ ہیں، قرب قیامت ظاہر ہوں گے۔ غرضیکہ شیعہ کے نزدیک امام مہدی علیہ السلام حضرت امام حسن عسکری کے بیٹے ہیں۔ اور پیدا ہو چکے ہیں اور سامرہ پہاڑ کی غار میں پوشیدہ ہیں قرب قیامت ظہور فرمائیں گے لیکن اہل سنت وجماعت کہتے ہیں کہ امام مہدی کو اللہ تعالےٰ قرب قیامت پیدا کرے گا جب چاہے گا اور آپ کا نام محمد ہو گا اور آپ کے باپ کا نام عبداللہ ہو گا اور آپ کا ظہور مکہ مکرمہ میں ہو گا اور پھر آپ دمشق چلے جائیں گے وہاں حضرت عیسےٰ علیہ السلام ان کی اقتداء میں نماز پڑھیں گے اور ان کے زمانہ میں ہی دجال نکلے گا حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کے بارے میں اہل سنت وجماعت کہتے ہیں کہ اس پر اعتقاد

رکھنا کہ قرب قیامت امام مہدی تشریف لائیں گے واجب اور ضروری ہے کیونکہ اس بارے میں احادیث وارد و متواتر ہیں لہٰذا ان کے ظہور کی تصدیق واجب ہے، بڑے بڑے محدثین نے کتب حدیث میں اپنی اپنی سندوں کے ساتھ متعدد احادیث روایت کی ہیں جن میں امام مہدی علیہ السلام کے قرب قیامت تشریف لانے کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ امام ابو داؤد المتوفی ۲۷۵ھ نے سنن ابو داؤد میں امام مہدی علیہ السلام کے بارے میں متعدد احادیث ذکر کی ہیں جن سے ہم چند ذکر کرتے ہیں۔

سنن ابو داؤد کی پہلی حدیث:

ابو داؤد نے اپنی سند کے ساتھ عاصم بن ابی النجود کے طریق سے وہ زر بن جیش سے وہ عبداللہ بن مسعود سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا لولم یبق من الدنیا الا یوم لطول اللہ ذالک الیوم حتی یبعث اللہ فیہ رجلا منی او من اہل بیتی یواطی اسمہ اسمی واسم ابیہ ابی کہ اگر دنیا کے رہنے میں صرف ایک دن ہو گا تو اللہ تعالیٰ اس کو لمبا کر دے گا یہاں تک اللہ تعالیٰ اس دن میں مجھ سے یا میری اہل بیت سے ایک آدمی کو مبعوث فرمائے گا اس کا نام میرا نام ہو گا۔ یعنی محمد اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کا نام ہو گا یعنی عبداللہ (سنن ابو داؤد صفحہ ۱۰۶ الجزء الرابع)۔ اس حدیث سے ثابت ہے کہ امام مہدی قیامت سے پہلے ضرور تشریف لائیں گے۔

سوال:۔

یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس میں راوی عاصم بن ابی النجود ضعیف ہے چنانچہ امام احمد بن حنبل نے کہا ہے کہ اعمش اس سے زیادہ حافظ تھا، اور شعبہ امام اعمش کو اس سے زیادہ ثابت فی الحدیث سمجھتا تھا اور محمد بن سعد نے کہا ہے کہ عاصم اگرچہ ثقہ ہے لیکن حدیث میں کثرت سے غلطی کرتا ہے۔ یعقوب بن سفیان نے کہا ہے کہ عاصم کی حدیث میں اضطراب ہے۔ عبدالرحمان بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ کو کہا کہ ابوزرعہ نے کہا ہے کہ عاصم ثقہ ہے تو میرے باپ نے کہا یہ اس کا مرتبہ نہیں ہے نیز ابن عیینہ نے اس میں کلام کی ہے اور کہا کہ ہر شخص جس کا نام عاصم ہے وہ اچھے حافظہ والا نہیں ہے اور امام نسائی کا قول اس کے بارے میں مختلف ہے۔ ابن خراش نے کہا کہ اس کی حدیث میں نکارت ہے اور ابوجعفر عقیلی نے کہا کہ اس کا حافظہ خراب ہے دارقطنی نے کہا کہ اس کے حفظ میں کچھ خرابی ہے۔ یحیٰی قطان نے کہا کہ میں نے جو عاصم پایا وہ ردی حافظے والا پایا، شعبہ نے کہا کہ لوگ اس میں کلام کرتے ہیں۔ حافظ ذہبی نے کہا کہ قرآن کا اچھا قاری ہے لیکن حدیث میں مضبوط نہیں ہے صدوق ہے لیکن اس کو وہم ہوتا ہے اور علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ جرح تعدیل پر مقدم ہوتی ہے جب عاصم پر محدثین جرح کر رہے ہیں تو جرح کی تقدیم کا اعتبار کرتے ہوئے یہ ضعیف ہوا لہٰذا اس سے یہ مروی حدیث ضعیف اور قابل استدلال نہ ہوگی۔

جواب:۔

اس سوال کا جواب پڑھنے سے پہلے یہ پڑھ لیجیے کہ جو ابن خلدون نے کہا کہ جرح مقدم ہوتی ہے تعدیل پر یہ غلط ہے کیونکہ بعض دفعہ تعدیل مقدم

ہوتی ہے۔ جرح پر اور بعض دفعہ جرح مقدم ہوتی ہے۔ تعدیل پر چنانچہ اس میں چار قول ہیں۔

قول اوّل :۔

جرح تعدیل پر مقدم ہوتی ہے جبکہ جرح کے اسباب وغیرہ بیان کیے گئے ہوں یہ جمہور، خطیب، علامہ باجی، علامہ رازی اور آمدی کا قول ہے۔

قول دوم :۔

تعدیل مقدم ہوتی ہے جرح پر کیونکہ بعض دفعہ جارح ایسی جرح کرتا ہے جو کہ نفس الامر میں جرح نہیں ہے۔ یہ قول ابو جعفر طحاوی نے امام ابوحنیفہ اور قاضی ابویوسف کا نقل کیا ہے۔

قول سوم :۔

جارحین اور معدلین سے اکثر کا قول معتبر ہوگا اگر جرح کرنے والے زیادہ ہوں تو ان کا قول معتبر ہوگا۔ اگر تعدیل کرنے والے زیادہ ہوئے تو ان کا قول معتبر ہوگا۔

قول چہارم :۔

اگر جرح و تعدیل کا تعارض ہوا تو ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے پر مقدم نہیں ہوگا البتہ جب کوئی ترجیح دینے والا ہو تو جس قول کو وہ ترجیح دے گا وہ قول مقدم ہوگا خواہ وہ قول جرح والا ہو یا تعدیل والا ہو، جب جرح و تعدیل کے مسئلہ میں چار قول ہیں تو یہ قول باطل ہوا کہ ہمیشہ جرح مقدم ہوتی ہے بلکہ بعض دفعہ تعدیل مقدم ہوتی ہے، چنانچہ حافظ ابو عمرو بن الصلاح نے علوم الحدیث میں ذکر کیا ہے کہ تعدیل تو بغیر کسی سبب کے مقبول اور مقدم ہوتی ہے اور جرح کا جب تک سبب نہ بیان کیا جائے وہ مقبول

نہیں ہوتی کہ جرح کس سبب سے ہوئی ہے کیونکہ جرح کرنے میں لوگ مختلف قسم کے ہوتے ہیں بعض اپنے نظریہ کے مطابق جرح کرتے ہیں لیکن وہ نفس الامر میں جرح نہیں ہوتی لہٰذا جرح کرنے والے کو سبب جرح ذکر کرنا پڑے گا۔ اگر جارح جرح کا سبب بیان نہ کر سکا تو اس کی جرح مقبول نہیں ہوگی۔ اس کی تحقیق فقہ اور اصول فقہ میں موجود ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ بعض دفعہ محدثین کسی راوی پر جرح کرتے ہیں لیکن وہ حقیقت میں جرح نہیں ہوتی اور اس راوی کی روایت مقبول ہوتی ہے چنانچہ خطیب نے ذکر کیا ہے کہ بعض دفعہ محدثین نے عکرمہ مولی ابن عباس، اسماعیل بن ادریس، عاصم بن علی، عمر بن مرزوق وغیرہم پر جرح کی ہے لیکن امام بخاری نے ان سے استدلال کیا ہے جس سے ثابت ہے کہ بخاری کے نزدیک یہ جرح جرح نہیں ہے اسی طرح سوید بن سعید پر بعض نے جرح کی ہے لیکن امام مسلم نے اس سے استدلال کیا ہے اسی طرح ابو داؤد نے بعض ان راویوں سے روایت لی ہے جن پر بعض محدثین نے جرح کی ہے معلوم ہوا کہ بخاری، مسلم، اور ابو داؤد کے نزدیک یہ جرح نہیں ہے کیونکہ اس جرح کا سبب ذکر نہیں ہوا۔ اگر جرح کا سبب مذکور ہو تو پھر جرح معتبر ہے اگر سبب مذکور نہیں تو پھر جرح کا اعتبار نہیں ہوگا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے شرح نخبۃ الفکر میں بیان کیا ہے کہ جرح تعدیل پر تب مقدم ہوگی جبکہ جارح سبب ذکر کرے اگر وہ جرح کے اسباب سے واقف نہیں تو پھر جرح کا اعتبار ہرگز نہیں ہوگا اور تعدیل مقدم ہوگی اور حافظ عراقی نے الفیہ میں ذکر کیا ہے کہ تعدیل بلا اسباب بھی مقبول ہے لیکن جرح اس وقت تک مقبول نہیں ہے جب تک اس کے اسباب نہ ذکر کیے جائیں۔ تاج الدین سبکی طبقات کبریٰ میں لکھتے ہیں کہ یہ درست نہیں کہ

جرح تعدیل پر مقدم ہوتی ہے بلکہ درست بات یہ ہے کہ جس راوی کو زیادہ عادل کہنے والے ہوں اور تھوڑے جرح کرنے والے ہوں تو یہ بات اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس کی جرح مذہبی تعصب پر مبنی ہے ایسی جرح ہرگز مقبول نہیں ہوگی۔ اگر مطلق جرح کا اعتبار کیا جائے تو کوئی بڑا سے بڑا امام اور عادل متقی شخص سے بھی نہ بچ سکے گا۔ کیونکہ کوئی ایسا شخص اور نہ امام گذرا ہے کہ جو جرح اور طعن سے بچ سکا ہو۔ جب ایسی صورت ہے تو جرح مطلق معتبر نہ ہوگی بلکہ جرح کا کوئی سبب واضح ہونا چاہیے جس کی وجہ سے جرح ہوئی ہے اگر جرح کا سبب موجود نہیں تو جرح کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ ایسے لوگ بھی گذرے ہیں کہ ان کی علمی شان بلند ہوئی اور مقبولیت عامہ حاصل ہوئی تو حسد اور بغض کی بنا پر ان پر جرح کی گئی جیسے کہ امام ابوحنیفہ کی مقبولیت عام ہوئی تو بعض علماء نے مذہبی تعصب کی بنا پر ان جرح و قدح کی چنانچہ حافظ ابوعمر بن عبدالبر نے اپنی کتاب العلم میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ علماء کی بات سنو لیکن جب یہ آپس میں ایک دوسرے کے خلاف گفتگو کریں تو ان کی بات نہ مانو مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ علماء اور قراء کی بات مان لو لیکن جب یہ آپس میں ایک دوسرے کے خلاف بات کریں تو پھر ہرگز نہ مانو۔ عبداللہ بن وہب نے کہا ہے لا یجوز شہادۃ القاری علی القاری یعنی العلماء لانھم اشد الناس تحاسدا و تباغضا کہ ایک عالم اور قاری کی دوسرے عالم و قاری کے خلاف شہادت جائز نہیں ہے کیونکہ دوسرے لوگوں کی بہ نسبت یہ لوگ آپس میں نہایت حسد اور بغض رکھتے ہیں۔ یہ بات سفیان ثوری اور مالک بن دینار سے بھی منقول ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ علامہ ابن خلدون نے جو کہا ہے کہ جرح مقدم ہوتی ہے تعدیل پر یہ درست نہیں ہے کیونکہ ہمیشہ جرح مقدم نہیں ہوتی بلکہ بعض دفعہ تعدیل مقدم ہوتی ہے۔ اب سائل نے جو راویوں پر جرح ذکر کی ہے۔
اس کا جواب پڑھیے سائل کا یہ کہنا کہ امام احمد نے کہا ہے کہ اعمش عاصم سے زیادہ حافظ تھے اور شعبہ اعمش کو عاصم سے زیادہ پسند کرتے تھے یہ جرح نہیں ہے سائل نے غلط فہمی کی بنا پر اس کو جرح کہہ دیا ہے اگر ایسے الفاظ جرح ہوں تو لازم آئے گا کہ کئی ثقہ، صدوق، محدثین بھی ضعیف ہوں، چنانچہ ابن مہدی نے کہا ہے کہ سفیان ثوری امام مالک سے زیادہ حافظ تھے اور صالح بن محمد نے کہا ہے میرے نزدیک سفیان سے زیادہ حافظ کوئی نہیں ہے۔ وہ تو امام مالک سے بھی حدیث میں مقدم ہیں۔ اب سائل کے قول کے مطابق تو لازم آئے گا۔ امام مالک بھی ضعیف ہوں نیز لازم آئے گا کہ شعبہ بن حجاج بھی ضعیف ہوں کیونکہ صالح بن محمد نے کہا ہے سفیان ثوری تو شعبہ سے بھی زیادہ حافظ ہے۔ نیز لازم آئے گا کہ یحیٰی بن معین، سفیان بن عیینہ بھی شعبہ پر مقدم ہوں کیونکہ عبدالرحمان بن مہدی کہتے ہیں کہ میں سفیان بن عیینہ سے حدیث سنتا ہوں اور اس کو مقدم سمجھتا ہوں اور شعبہ سے سنتا ہوں لیکن لکھتا نہیں ہوں۔ معلوم ہوا کہ امام احمد کے یہ الفاظ عاصم کے بارے میں جرح نہیں ہیں اور محمد بن سعد کا کہنا کہ عاصم ثقہ ہے لیکن حدیث میں زیادہ خطا کرتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لسان المیزان میں لکھا ہے کہ جب جرح ان الفاظ سے ہو کہ اخطاء فی حدیث او وھم او تفرد کہ اس نے حدیث میں خطا کی ہے یا اس کو وہم ہوا یا یہ حدیث میں متفرد ہوا ہے یہ جرح نہیں ہے ولا یرد بہ حدیثہ اور نہ ہی اس کی حدیث رد ہو گی

چونکہ یہ جرح نہیں ہے ۔ باایں وجہ محمد بن سعد نے کہا ہے کہ ثقہ ہے اور ثقہ محدثین کی اصطلاح میں تعدیل کے اعلیٰ مراتب سے ہے اور یہ صدوق وغیرہ کے الفاظ سے بھی اعلیٰ ہے کیونکہ ثقہ وہ ہوتا ہے جو صدوق بھی ہو اور متقن (مضبوط) ہو ۔ اور یعقوب بن سفیان کا کہنا کہ عاصم کی حدیث میں اضطراب ہے ۔ اس کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب میں لکھا ہے کہ یعقوب بن سفیان نے کہا ہے کہ اس کی حدیث میں اضطراب ہے ۔ حالانکہ وہ تو ثقہ ہے ۔ حافظ ابن حجر نے اس کو ثقہ کہہ کر یعقوب بن سفیان کے قول کو رد کر دیا ہے اور عبدالرحمان بن ابی حاتم کا کہنا کہ میرے باپ نے کہا ہے کہ عاصم کا حافظہ خراب ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں عبدالرحمان بن ابی حاتم کی رائے عاصم کے بارے میں اس طرح ذکر کی ہے کہ ابن ابی حاتم نے اپنے باپ سے ذکر کیا تو اس کے باپ نے کہا کہ وہ صالح ہے اور ابوقیس اودی سے زیادہ حدیث بیان کرتا ہے یہ اس سے میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے اور یہ عبدالملک بن عمیر سے میرے نزدیک اختلافاً اقل ہے اور ابن ابی حاتم نے کہا کہ میں نے ابوزرعہ سے اس کے بارے میں سوال کیا تو اس نے کہا کہ وہ ثقہ ہے اور ابن ابی حاتم نے کہا کہ اس کا ذکر میرے باپ نے بھی کیا اور کہا کہ عاصم کا میرے نزدیک مرتبہ اور محل صدق ہے اور صالح ہے اور اس کا یہ مرتبہ نہیں ہے کہ اس کو ثقہ کہا جائے اور نہ ہی وہ حافظ تھا اور ابن علیہ نے اس میں کلام کی ہے اب اس سے ظاہر ہے کہ ابی حاتم نے تو کہا ہے کہ میرے نزدیک عاصم کا مرتبہ صدق ہے اور یہ اس کے لیے صالح ہے (تہذیب التہذیب صـ۳۹ ج ۵) اب اس سے ظاہر ہے کہ یہ تو عاصم بن بہدلہ بن ابی النجود المتوفی سنہ ۱۲۸ھ کی تعدیل اور ثنا ہے اب اس کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ ثقہ نہیں ہے ،

یہ جرح نہیں ہے کیونکہ اس سے اس کے صدوق اور معتمد علیہ ہونے کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ ثقہ ہونا ایک عظیم مرتبہ ہے ثقہ وہ ہوتا ہے جو صدوق بھی ہو اور متقن بھی ہو گویا کہ ابو حاتم عاصم کو صرف صدوق اور صالح سمجھتا ہے ثقہ نہیں کہتا یہ جرح نہیں ہے بلکہ اس کے لیے تعدیل کے بعض مراتب مانتا ہے اور بعض نہیں مانتا اس سے اس کے صدوق اور صالح ہونے کی نفی نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کو جرح کہا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں دوسرے لوگوں نے بھی اس کو ثقہ کہا ہے جیسا کہ ابن سعد اور ابو زرعہ وغیرہ نے کہا ہے۔ گویا کہ انہوں نے عاصم کے لیے جیسے کہ صدوق اور صالح ہونے کے مراتب مانے ہیں اسی طرح ثقہ ہونے کا مرتبہ بھی مان لیا ہے اور جس نے بعض مراتب مانے ہیں تمام نہیں گویا کہ وہ بعض مراتب کا انکار کرتا ہے اس کو جرح نہیں کہا جاتا اور ابن علیہ عقیلی اور یحییٰ قطان کا اس کو سئی الحفظ اور خراب حافظہ والا کہنا بھی اس کو ضعیف نہیں بناتا چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی تقریب میں یونس بن یزید کو ثقہ کہا ہے حالانکہ وکیع بن الجراح اس کو سئی الحفظ کہتے ہیں۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی لکھتے ہیں کہ اس میں زہری سے راوی یونس بن یزید ہیں جنہیں تقریب میں ثقہ فرمایا مگر زہری سے ان کی روایت میں کچھ وہم ہے اور غیر زہری سے روایت میں خطا ہے اثرم نے کہا کہ امام احمد نے یونس کا کام ضعیف بتایا امام ابن سعد نے کہا کہ یونس قابل احتجاج نہیں۔ امام وکیع بن الجراح نے کہا سئی الحفظ ہے یعنی یونس کا حافظہ خراب ہے۔ امام احمد نے ان کی کئی حدیثوں کو منکر بتایا ہمارے نزدیک یونس راوی ساقط نہیں ہے (فتاویٰ رضویہ ص ۲۵۱) اب اس سے ثابت ہے کہ جو راوی خراب حافظے والا ہو وہ ساقط الاعتبار نہیں ہے بلکہ وہ ثقہ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اگر راوی سے غلطیاں ہوں تو وہ صدوق بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی لکھتے ہیں کہ احمد بن طیب وغیرہ جو بخاری و مسلم کے راویوں میں سے ہے صدوق لہ اغلاط یعنی صدوق ہے یہ روایت میں غلطیاں کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ غلطیاں کرنے والا راوی صدوق ہے۔ بایں وجہ ابن سعد نے عاصم کو ثقہ بھی کہا ہے اور کثیر الخطا بھی کہا ہے۔ گویا کہ روایت میں غلطیاں کرنے کی وجہ سے اس کے صدوق اور ثقہ ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کتنے رجال ہیں جن کے بارے میں صدوق یہم، ربما وھم، صدوق لہ اوہام کہا گیا ہے باوجودیکہ وہ ثقہ ہیں چند اوہام یا خطائیں محدث کو ضعیف نہیں کرتیں۔ تمام محدثین کے امام الائمہ سفیان بن عیینہ جنہوں نے زہری سے روایت میں بیس سے زیادہ حدیثوں میں خطا کی۔ امام احمد فرماتے ہیں مجھ میں اور علی بن مدینی میں مذاکرہ ہوا کہ زہری سے روایت میں ثابت تر کون ہے علی نے کہا سفیان بن عیینہ میں نے کہا امام مالک کہ ان کی خطائیں سفیان کی خطاؤں سے کم ہے۔ قریب بیس حدیثوں کے ہیں جن میں سفیان نے خطا کی پھر میں نے اٹھارہ گن دیں اور ان سے کہا کہ آپ مالک کی خطائیں بتائیں وہ دو تین حدیثیں لائے پھر جو میں نے خیال کیا تو سفیان نے بیس سے زیادہ حدیثوں میں خطا کی ہے ذکرہ فی المیزان۔

بایں ہمہ امام سفیان کے ثقہ ثبت حجت ہونے پر علماء اُمت کا اجماع ہے (فتاویٰ رضویہ ج۱۰۱ ۲۵۱) نیز اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں کہ حجاج بن ارطاۃ صدوق کثیر الخطا ہے۔ شریک بن عبداللہ صدوق یخطی الکثیر فلیح بن سلیمان صدوق کثیر الخطا ہے مطر الوراق صدوق کثیر الخطا ہے۔ نعیم بن حماد صدوق یخطی کثیرا ہے۔ صحیح بخاری کے رجال ہیں جو کہ کثیر الخطا ہونے کے باوجود صدوق ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ص۲۴۷) اس سے ظاہر ہے کہ اگر محدث کے

اوہام یا غلطیاں ہوں تو پھر بھی وہ ثقہ اور حجت رہتا ہے۔ بایں وجہ ابن سعد نے عاصم کی خطا ثابت کرتے ہوئے بھی اس کو ثقہ کہا ہے اور ثقہ ہونا ایک اعلیٰ مرتبہ ہے کیونکہ ثقہ وہ ہوتا ہے جس میں وصف عدالت بھی ہو اور وصف اتقان بھی ہو اور ابن خراش نے جو کہا ہے کہ عاصم کی حدیث میں نکارت ہے نیز یہ بھی عاصم کے ثقہ ہونے کے منافی نہیں ہے کیونکہ یونس راوی کو امام احمد نے منکر بتایا ہے۔ اس کے باوجود وہ ثقہ ہے اسی طرح منیرہ راوی سنن اربعہ کے رجال سے ہے اس کے بارے میں یحییٰ بن معین نے کہا کہ اس کے لیے ایک حدیث منکر ہے۔ اس نکارت کے باوجود وکیع نے کہا کہ ثقہ ہے ابو داؤد نے کہا کہ صالح ہے۔ ابن عدی نے کہا کہ لا باس بہ ہے یعنی اس میں کوئی برائی نہیں ہے اور اس کی حدیث حسن ہونے میں کلام نہیں ہے (فتاویٰ رضویہ ص۲۵۳) جب نکارت ثقہ ہونے کے خلاف نہیں ہے تو پھر عاصم کا ثقہ ہونا ظاہر ہے۔ چنانچہ عاصم کے بارے میں یحییٰ بن معین نے کہا لا باس بہ ہے یعنی اس میں کوئی برائی نہیں ہے اور یحییٰ بن معین نے یہ بھی کہا ہے کہ جس راوی کے بارے میں یہ کہوں کہ وہ لا باس بہ ہے تو اس سے مراد ثقہ ہوتی ہے۔ ابن شاہین نے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے کہ یحییٰ بن معین نے عاصم کو ثقہ لا باس بہ کہا ہے اور امام نسائی نے کہا کہ لیس بہ باس، اور امام احمد، حافظ ابو زرعہ، ابن سعد یعقوب بن سفیان، ابن حبان اور ابن شاہین نے عاصم کو ثقہ کہا ہے اور ابوحاتم نے کہا کہ اس کا مرتبہ صدوق ہے۔ ان مذکورہ بالا محدثین کی رائے کے مطابق حدیث عاصم صحیح ہے اور امام نسائی، دارقطنی، عجلی، عقیلی اور ذہبی وغیرہ کے نزدیک عاصم کی حدیث حسن ہے اور اس حدیث عاصم کے

متابعات اور شواہد ہیں جن کی وجہ سے یہ حدیث ان محدثین کے نزدیک بھی صحیح ہے۔ چنانچہ اس کے متابعات سے وہ حدیث ہے جس کو امام حاکم نے بطریق حبان بن مدیر عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے کہ رجل من اهل بيتي يواطئ اسمه اسمي واسم ابيه اسم ابي فيملؤها قسطا وعدلا كما ملئت جوراً وظلما۔

سوال :۔

یہ متابع حدیث حبان بن مدیر کے ضعیف ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ چنانچہ ازدی نے کہا کہ ليس بالقوي عندهم کہ حبان بن مدیر ان کے نزدیک قوی نہیں ہے، جب قوی نہ ہوا تو ضعیف ہوا لہٰذا یہ متابع حدیث ضعیف ہو گی۔

جواب :۔

ليس بالقوي عندهم اور ليس بقوي کے درمیان فرق ہے ليس بالقوي عندهم راوی کی حدیث حسن ہوتی ہے۔ چنانچہ مغیرہ راوی سنن اربعہ کے رجال سے ہے اس کے بارے میں امام نسائی نے کہا ہے ليس بالقوي عندهم۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی لکھتے ہیں کہ حدیث حسن ہونے میں کلام نہیں ہے اگرچہ درجہ صحاح پر نہیں پہنچی جس کے سبب نسائی نے ليس بالقوي عندهم کہا ہے (فتاویٰ رضویہ صہ۱۵۲) اس سے ظاہر ہے کہ حبان بن مدیر کی حدیث حسن ہے اور حدیث حسن متابع ہو سکتی ہے نیز اس حدیث کو ابن ماجہ نے ایک دوسری سند سے ذکر کیا ہے وہ یہ حدثنا عثمان بن ابي شيبة ثنا معاوية بن هشام ثنا علي بن عاصم عن يزيد بن ابي زياد عن ابراهيم عن علقمة عن عبدالله بن مسعود) قال بينما نحن عند رسول الله صلى

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رجل من اھل بیتی یواطئ اسمہ اسمی واسم ابیہ اسم ابی فیملک الارض فیملؤھا قسطا وعدلا کما ملؤھا جوراً وظلماً۔ اب اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں چنانچہ عثمان بن ابی شیبہ صحیحین کے رجال سے ہے اور ثقہ ہے اور معاویہ بن ہشام ثقہ ہے سنن اربعہ اور امام مسلم نے اس سے روایت لی ہے اور امام ابوداؤد نے اس کی توثیق بیان کی ہے اور علی بن عاصم صحیح مسلم کے رجال سے ہے اور امام احمد، یحییٰ بن معین، امام نسائی عجلی، ابن سعد اور ایک جماعت نے اس کی توثیق ذکر کی ہے اور یزید بن ابی زیاد سے سنن اربعہ اور بخاری و مسلم نے روایت لی ہے اور ابراہیم و علقمہ دونوں ثقہ ہیں اور حدیث عاصم کے تابع ایک اور روایت بھی ہے جس کو ابو الشیخ نے کتاب الفتن میں ذکر کیا ہے وہ یہ ہے حدثنا عبدان ثنا ابن نمیر حدثنا ابوبکر بن عیاش عن یزید بن ابی زیاد الی آخرہ اور یہ حدیث عاصم کے لیے متابعت تو یہ ہے اور حدیث عاصم کے شواہد بھی ہیں یعنی عبداللہ بن مسعود کے علاوہ بھی صحابہ سے یہ مروی ہیں بلکہ تمام مروی احادیث مہدی ابن مسعود کے سوا اس کے شواہد ہیں البتہ وہ احادیث جو شواہد ہیں اور ابن مسعود کی حدیث کے قریب تر الفاظ کے لحاظ سے حدیث علی ہے جس کو امام احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ اور حدیث ابوہریرہ ہے جس کو ابن ماجہ اور دیلمی نے ذکر کیا ہے اور حدیث ابوسعید ہے جس کو امام احمد بن حنبل، ابویعلی، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے ذکر کیا ہے اور جب حدیث عاصم کے شواہد اور متابعات ہیں تو یہ حدیث عاصم صحیح ہے نیز اس حدیث عاصم کو درج ذیل راویوں نے ذکر کیا ہے۔

(۱) عمر بن عبید عن عاصم اس کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔
(۲) سفیان بن عیینہ عن عاصم، اس کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔
(۳) عبیداللہ بن موسیٰ عن فطر عن عاصم اس کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔
(۴) سلام بن سلیم عن عاصم اس کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔
(۵) شعبہ بن حجاج عن عاصم اس کو امام حاکم نے روایت کیا ہے۔
(۶) عبیداللہ بن موسیٰ عن زائدہ عن عاصم اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے

اور یہ کل راوی صحیحین کے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ سنن ابوداؤد کی یہ حدیث عاصم صحیح اور قابل استدلال ہے نیز حدیث عاصم پر امام حاکم اور امام ترمذی نے نص کی ہے کہ یہ صحیح ہے اور امام ابوداؤد نے اس پر سکوت کیا ہے اور جس پر ابوداؤد سکوت کرے وہ صالح حدیث ہے اور صالح حدیث ان کے نزدیک وہ ہے جو کہ حسن اور صحیح ہے۔ بہر صورت حدیث عاصم صحیح ہے سائل کا اس کو ضعیف بتانا غلط ہے۔

سنن ابوداؤد کی دوسری حدیث:

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ بطریق فطر بن خلیفہ، قاسم بن ابی بزہ سے وہ ابوالطفیل سے اور وہ حضرت علی سے اور حضرت علی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے راوی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لولم یبق من الدنیا الا یوم لبعث اللہ رجلا من اھل بیتی یملوھا عدلا کما ملئت جورا (ابوداؤد صہ ۱۰۷ الجزء الرابع) اگر دنیا سے صرف ایک دن ہی باقی رہ گیا (تو بھی) اللہ تعالےٰ میری اہل بیت سے ایک آدمی کو مبعوث

فرمائے گا جو کہ اس کو عدل و انصاف سے بھر دے گا جیسے کہ پہلے ظلم سے بھری ہوگی۔ اس حدیث سے بھی ثابت ہے کہ قیامت سے پہلے امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا۔

سوال :۔

اس حدیث میں راوی فطر بن خلیفہ ضعیف ہے اور اس بنا پر یہ حدیث ضعیف ہے چنانچہ عجلی نے کہا کہ اس کی حدیث تو اچھی ہے لیکن اس میں قدرے تشیع ہے اور ابن معین نے کہا کہ یہ ثقہ ہے اور شیعہ ہے اور احمد بن عبداللہ بن یونس نے کہا کہ میں اس کے پاس سے گذرتا ہوں اور اس کو اس طرح چھوڑتا ہوں جیسے کہ کتے کو چھوڑا جاتا ہے دارقطنی نے کہا کہ یہ قابل احتجاج نہیں ہے۔ ابوبکر بن عیاش کہتے ہیں کہ میں نے اس سے روایت اس کے بدمذہب ہونے کی بنا پر چھوڑی ہے جوزجانی نے کہا کہ یہ زائغ (حق سے انحراف کرنے والا) اور غیر ثقہ ہے جب فطر بن خلیفہ پر ان محدثین نے جرح کی ہے تو ثابت ہوا کہ یہ مجروح اور ضعیف ہے اور اس کی مذکورہ بالا مروی حدیث بھی ضعیف ہے۔

جواب :۔

جناب یحیٰی بن معین اور عجلی نے جو کہا ہے کہ فطر بن خلیفہ شیعہ ہے یہ جرح نہیں ہے کیونکہ شیعہ اور رافضی میں فرق ہے۔ راوی رفض سے تو مجروح ہوتا ہے لیکن شیعیت سے مجروح نہیں ہوتا۔ چنانچہ پہلے زمانہ میں جو شخص اہل بیت کی طرف زیادہ جھکاؤ رکھتا اس کو شیعہ کہتے تھے اور جو خلفاء ثلاثہ کی خلافت کو خلافت غاصبہ کہتا اور صحابہ پر تبرا بازی کرتا اس کو رافضی کہتے اگر بوقت جرح و تعدیل کسی کو شیعہ کہا جاتا تو اس کو جرح تصور نہ کیا جاتا چنانچہ

سید انور شاہ کاشمیری دیوبندی المتوفی سنہ ۱۳۵۰ھ لکھتے ہیں کہ علماء جرح و تعدیل کے نزدیک رافضی وہ ہے جو صحابہ کرام کو برا کہے اور جس کی محبت اہل بیت کے ساتھ نسبتاً زیادہ ہو اس کو شیعہ کہتے تھے اور ان کا عرف (رسم و رواج) یا نہ تھا جیسے اب شائع ہو گیا ہے کہ شیعی اور رافضی ایک ہے جب کسی کے بارے میں علم ہو کہ اس کا رخ (چہرہ) اہل بیت کی طرف ہے تو اسے شیعیت کا طعنہ دیتے ہیں یہ کوئی جرح نہیں ہے۔ اب اس سے ظاہر ہے کہ شیعہ اور رافضی میں فرق ہے پہلے زمانہ کے لوگ رافضی اس کو کہتے جو صحابہ کرام کو سب و شتم کرتا اور ان کو برا کہتا اور شیعہ اس کو کہتے جو کہ صحابہ کرام کے ساتھ حسن عقیدت رکھتا اور اہل بیت اظہار کے ساتھ زیادہ محبت رکھتا اور یہ لوگ جب کسی محدث یا راوی کا زیادہ جھکاؤ اہل بیت کی طرف دیکھتے اس کو شیعہ کہہ دیتے لیکن اصحاب جرح و تعدیل کے نزدیک یہ شیعیت جرح نہیں ہے اور نہ ہی ایسی بات سے کوئی راوی اور محدث ضعیف ہوتا ہے اس کی تفصیل ہم نے حسب و نسب جلد سوم کی بحث تقدیم میں ذکر کی ہے اور احمد بن یونس نے جو کہا ہے کہ میرے نزدیک فطر بن خلیفہ متروک ہے اور میں اس سے اس طرح گذرتا ہوں جیسے کہ کتے سے گذرا جاتا ہے یہ احمد بن یونس کی بات مذہبی تعصب پر مبنی ہے کیونکہ فطر بن خلیفہ شیعہ متوالی ہے کہ اہل بیت اطہار کے ساتھ زیادہ اظہار محبت کرتا ہے اور احمد بن یونس عثمانی ہے اور جب یہ عثمانی ہے تو اس کی فطر بن خلیفہ پر جرح غیر معتبر ہے چنانچہ علامہ رافعی لکھتے ہیں کہ جرح میں جارح کا مذہبی تعصب سے پاک ہونا ضروری ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس اختلاف و تعصب کی بنا پر جرح کرنے والا عادل کو غیر عادل کر دے اور جو مجروح نہیں تھا اس کو مجروح بنا دے۔ چنانچہ

علامہ سُبکی نے طبقات میں کہا کہ کثیر ائمہ نے اس بنا پر جو جرح کی ہے وہ غلط ثابت ہو گئی ہے۔ چنانچہ ابوزرعہ اور ابوحاتم نے امام بخاری پر اس بنا پر جرح کی ہے کہ وہ تلفظ قرآن کو حادث سمجھتے ہیں اور انہوں نے کہا کہ بخاری متروک ہے حالانکہ یہ جرح غلط تھی اسی طرح بعض مجسمہ نے ابوحاتم بن حبان کے بارے میں کہا کہ ہم اس کو سجستان سے نکال دیں گے وہ تنزیہ کا قائل ہے حافظ ذھبی کے بارے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ وہ بھی اہل تنزیہہ سے نفرت کرتا ہے اور اہل تنزیہہ کے عیب اور نقص نکالتا ہے اور مجسمہ اور اہل اثبات کی طرف زیادہ مائل ہے لہٰذا کہا گیا ہے فلا یجوز ان یعتمد علیہ کہ ذھبی پر اعتماد کرنا جائز نہیں ہے اور ذھبی جو خود جرح کرے گا وہ معتبر نہیں ہوگی (ابراز الوہم ص۲۴۹) جب جرح کی بنیاد اختلاف مذہب ہو تو وہ جرح غیر معتبر ہے چونکہ احمد بن یونس عثمانی ہے اس کا مذہب فطر بن خلیفہ کے خلاف ہے تو اس کی جرح فطر بن خلیفہ کے بارے میں غیر معتبر ہے۔ اور سائل نے جو یہ کہا ہے کہ دار قطنی نے کہا ہے کہ فطر بن خلیفہ قابل احتجاج نہیں ہے۔ سائل کی یہ بات غلط ہے کیونکہ دار قطنی نے یہ نہیں کہا کہ فطر بن خلیفہ قابل احتجاج نہیں ہے۔ چنانچہ تہذیب میں دار قطنی سے منقول ہے کہ دار قطنی نے کہا کہ بخاری نے اس کے ساتھ احتجاج نہیں کیا یعنی دار قطنی کہتے ہیں کہ فطر بن خلیفہ امام بخاری کے شرائط کے مطابق نہیں ہے۔ اسی وجہ سے امام بخاری نے اس سے مستقل طور پر روایت ذکر نہیں کی بلکہ متابع کے طور پر کی ہے۔ اب کسی راوی کا بخاری کے شرط کے مطابق نہ ہونا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ثقہ نہیں ہے اس سے ثابت ہوا کہ دار قطنی نے ہرگز نہیں کہا کہ فطر بن خلیفہ قابل احتجاج نہیں ہے بلکہ دار قطنی تو فطر بن خلیفہ کو ثقہ سمجھتا ہے چنانچہ ہدی الساری میں ہے کہ دار قطنی

نے فطر بن خلیفہ کی توثیق کی ہے اور فطر بن خلیفہ کے خلاف جو ابو بکر عیاش سے
کہا ہے کہ میں نے اس کو سوء مذہب کی وجہ سے چھوڑا ہے یہ جرح بھی غیر معتبر
ہے کیونکہ اس نے اس کو تشیع کی وجہ سے چھوڑا ہے اور ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں
کہ کسی راوی کا شیعہ ہونا جرح نہیں ہے بلکہ رافضی ہونا جرح ہے اور فطر بن
خلیفہ کے متعلق جوزجانی کا کہنا کہ یہ حق سے ہٹا ہوا ہے اور غیر ثقہ ہے یہ بھی
غلط ہے کیونکہ یہ جرح بھی مذہبی تعصب پر مبنی ہے کیونکہ جوزجانی ناصبی اور
خارجی ہے۔ ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے کہ جوزجانی مذھباً حروری ہے
اور حروری خوارج ہیں جو کہ حضرت علی کے دشمن ہیں اور ابن عدی نے کہا ہے
کہ جوزجانی اہل دمشق کے مذہب کی طرف زیادہ مائل تھا، سلمی نے دارقطنی سے
روایت کی ہے کہ جوزجانی حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ سے منحرف تھا ایک
مرتبہ کا واقعہ ہے کہ جوزجانی کے پاس درس حدیث کے لیے بے شمار اہل علم
جمع تھے جوزجانی کی لونڈی آئی اس کے ہاتھ ایک مرغی کا چوزہ تھا اس نے
کہا اس کو ذبح کر دیں۔ اہل علم سے کوئی بھی اس کے ذبح کے لیے تیار نہ ہوا تو
جوزجانی نے کہا کہ تم سے کوئی بھی جانور ذبح نہیں کر سکتا اور حضرت علی شیر خدا تو
چاشت کے وقت میں بیس ہزار سے زائد مسلمانوں کو ذبح کر دیتے تھے۔

حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں ذکر کیا ہے کہ فطر بن خلیفہ کے بارے
میں جوزجانی کا قول مقبول نہیں ہے جب فطر بن خلیفہ شیعہ متوالی ہے کہ حضرت
علی کے ساتھ زیادہ محبت رکھتا ہے اور جوزجانی مشہور ناصبی اور خارجی اور
حروری ہے اور حضرت علی کا دشمن ہے تو اس کی جرح مذہبی تعصب کی بنا پر
غیر معتبر ہوگی اور فطر بن خلیفہ کی یہ مروی حدیث صحیح ہوگی نیز فطر بن خلیفہ رجال
بخاری سے ہے اور احمد نے کہا ہے کہ یہ ثقہ اور صالح الحدیث ہے اور یحییٰ

بن سعید قطان نے کہا کہ فطر بن خلیفہ ثقہ ہے۔ ابن ابی خثیمہ نے یحییٰ بن معین سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ فطر بن خلیفہ ثقہ ہے عجلی نے کہا کہ یہ ثقہ ہے اور اچھی حدیث والا ہے۔ ابو حاتم نے کہا کہ صالح الحدیث ہے۔ یحییٰ بن سعید اس کو پسند کرتے تھے اور اس کے بارے میں اچھی گفتگو کرتے تھے اور اس سے حدیث بھی روایت کرتے تھے۔ امام نسائی نے کہا کہ لا باس بہ ہے اور ایک دوسرے مقام میں ذکر کیا کہ یہ ثقہ اور عقلمند حافظ ہے۔ علامہ ساجی نے کہا کہ صدوق اور ثقہ ہے۔ ابو ذرعہ دمشقی نے کہا کہ میں نے ابو نعیم سے سنا وہ فطر بن خلیفہ کی توثیق کرتا اور کہتا کہ وہ حدیث میں ثبت ہے اور ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ فطر بن خلیفہ کا ابو الطفیل صحابی سے سماع ثابت ہے اس بنا پر فطر بن خلیفہ تابعی ہے۔ ابن سعد نے کہا کہ فطر بن خلیفہ ثقہ ہے (تہذیب التہذیب ص۳۰۱ ج ۶) اب اس سے ثابت ہوا کہ فطر بن خلیفہ المتوفی ۱۵۳ھ تابعی ثقہ، اور صدوق ہے اور اس کی مروی حدیث صحیح اور قابل استدلال ہے۔

سنن ابو داؤد کی تیسری حدیث:

ابو داؤد نے اپنی سند کے ساتھ بطریق ہارون بن مغیرہ ابو اسحاق (سبیعی) سے روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے (امام) حسن کو دیکھا اور فرمایا یہ میرا بیٹا سید ہے جیسے کہ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سید فرمایا ہے اور عنقریب اس کی اولاد سے ایک مرد ہوگا جو تمہارے نبی کے نام سے موسوم ہوگا۔ عادت میں ان کے مشابہ ہوگا اور شکل میں مشابہ نہ ہوگا اور زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیگا اور اس حدیث کی دوسری سند بطریق ہارون، ہلال

بن عمرو سے مروی ہے کہ ہلال بن عمرو کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یخرج رجل الٰی آخرہ (سنن ابوداؤد صہ ۱۰۸ الجزء الرابع)

سوال :۔

یہ حدیث بھی ضعیف ہے کیونکہ امام ابوداؤد نے خود کہا ہے کہ ہارون (بن مغیرہ) شیعہ کی اولاد سے ہے نیز ابوداؤد کی روایت ہارون بن مغیرہ سے منقطع ہے اور علامہ سلیمانی نے کہا کہ ہارون میں نظر ہے اور اس حدیث میں دوسرا راوی عمرو بن ابی قیس ہے۔ اس کے بارے میں ابوداؤد نے کہا ہے لاباس بہ ہے لیکن اس کی حدیث میں خطا ہے اور حافظ ذھبی نے کہا کہ صدوق ہے لیکن اس کے لیے اوہام (وہم) ہیں اور تیسرا راوی ابواسحاق سبیعی ہے اس کو آخر عمر میں اختلاط ہو گیا تھا نیز اس کی روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقطع ہے اور دوسری سند میں دو راوی، ابو الحسن، اور ہلال بن عمرو مجہول ہیں۔ بایں وجہ یہ حدیث دو سندوں کے اعتبار سے ضعیف ہے۔

جواب :۔

یہ حدیث دونوں سندوں کے اعتبار سے صحیح ہے۔ چنانچہ پہلی سند میں ہارون بن مغیرہ بن حکیم بجلی رازی کے بارے میں جریر لکھتے ہیں کہ میں اس کے شہر میں اس سے زیادہ صحیح حدیث والا کسی کو نہیں جانتا۔ امام نسائی نے کہا کہ یحیٰی بن معین، ہارون بن مغیرہ کی حدیث لکھتے تھے نیز کہا کہ یہ صدوق ہے اور آجری نے ابوداؤد سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ لاباس بہ ہے اور شیعہ ہے اور ابن حبان نے اس کو ثقات میں شمار کیا ہے

اور کہا ربما اخطاء اور عبداللہ بن احمد بن حنبل نے یحییٰ بن معین سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اس کو شیخ صدوق اور ثقہ کہا ہے (میزان الاعتدال ص۲۸۷ ج ۳، تہذیب التہذیب ص۱۲۰ ج ۱۱) اور سائل کا یہ کہنا کہ ابو داؤد کی روایت ہارون بن مغیرہ سے منقطع ہے اس کا جواب یہ ہے کہ سائل نے یہ انقطاع حُدِّثت عن ہارون بن مغیرہ کے الفاظ سے سمجھا ہے کہ حُدِّثتُ مجہول کا صیغہ ہے جس سے وہم ہوتا ہے کہ ابو داؤد نے براہ راست ہارون سے نہیں سنا یہ سائل کی غلطی ہے کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ حدیث ضعیف ہو اور ابو داؤد تدلیس کریں اور پھر اس پر سکوت کریں یہ ابو داؤد کی عظمت اور شان کے خلاف ہے۔ ابو داؤد نے جب اس حدیث پر سکوت کیا ہے تو حدیث صحیح ہے کیونکہ ابو داؤد نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ جس حدیث پر میں سکوت کروں گا وہ احتجاج کے لیے صالح ہے اور اسی سند میں جو دوسرا راوی عمرو بن ابی قیس الرازی الازرق ہے اس کے بارے میں ابو داؤد نے کہا ہے لا بأس بہ فی حدیثہ خطاء اور ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور ابن شاہین نے بھی اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور عثمان بن ابی شیبہ نے کہا لا بأس بہ ہے لیکن اس کو حدیث میں وہم ہوتا ابوبکر بزار نے اپنی سنن میں کہا ہے کہ یہ مستقیم الحدیث ہے۔ عبد الصمد بن عبد العزیز المقری نے کہا کہ رازیون لوگ سفیان ثوری کے پاس گئے پس انہوں نے ثوری سے احادیث دریافت کیں تو ثوری نے کہا کہ کیا تمہارے پاس عمرو بن ابی قیس ازرق نہیں ہے اس سے احادیث دریافت کر لیا کرو اور اسی سند کا تیسرا راوی شعیب بن ابی خالد رازی بھی ثقہ ہے چنانچہ ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور نسائی نے کہا لا بأس بہ

ہے یعنی اس میں کوئی برائی نہیں ہے اور عجلی نے کہا کہ شعیب رازی ثقہ ہے اور علامہ دوری نے یحیٰی بن معین سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ یہ لیس بہ بأس ہے (تہذیب التہذیب صہ ۳۵۲ ج ۴) اور اس سند میں چوتھا راوی ابو اسحاق عمرو بن عبداللہ السبیعی الکوفی ہے اور یہ ائمہ تابعین سے ہے (میزان الاعتدال صہ ۲۷ ج ۲) نیز رجال صحیحین سے ہے اور امام احمد یحیٰی بن معین، امام نسائی، عجلی، ابو حاتم اور ایک جماعت نے اس کی توثیق بیان کی ہے، معلوم ہوا کہ اس حدیث کی سند اول کے تمام راوی ثقہ ہیں اور ابن حبان کا ہارون کے بارے میں کہنا کہ وہ خطا کرتا ہے اور ابو داؤد کا عمرو بن قیس کے بارے میں کہنا کہ وہ خطا کرتا ہے یہ ان کے ثقہ اور صدوق ہونے کے منافی نہیں ہے جیسے کہ ہم نے فتاویٰ رضویہ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے اور ابو داؤد کا یہ کہنا کہ ہارون بن منیرہ رازی اولاد شیعہ سے ہے یہ جرح نہیں ہے بلکہ ابو داؤد یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وہ شیعہ ہے ہم پہلے سید انور شاہ کاشمیری دیوبندی کے حوالہ سے ذکر کر چکے ہیں کہ راوی کا شیعہ ہونا کوئی جرح نہیں ہے بلکہ رافضی ہونا جرح ہے اور سلیمان نے جو کہا ہے کہ اس میں نظر ہے یہ جرح مبہم ہے کیونکہ اس نے نظر کی تشریح اور توضیح ذکر نہیں کی ہے لہٰذا یہ معتبر نہیں ہے نیز سلیمان کا یہ مبہم قول یحیٰی بن معین کے مقابلہ میں کچھ وقعت نہیں رکھتا یحیٰی بن معین تو اس کو ثقہ کہہ رہے ہیں اور حافظ ذہبی نے جو عمرو بن ابی قیس کے بارے میں کہا ہے کہ اس کے لیے وہم ہیں یہ بھی راوی کے صدوق اور ثقہ ہونے کے منافی نہیں ہے اور ابو اسحاق سبیعی کے بارے میں جو سائل نے ذکر کیا ہے کہ اس کو آخری عمر میں اختلاط ہو گیا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض تو تب ہو جبکہ سماع

حدیث بعد از اختلاط ہو اگر قبل ہو تو پھر سماع قبول ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں دالحکو نیہ ان ماحدث بہ قبل الاختلاط اذا تمیز قبل (شرح نخبۃ الفکر) کہ حکم اس میں یہ ہے کہ جو حدیث اس نے قبل از اختلاط بیان کی ہے اور اس کی تمیز ہو جائے کہ یہ قبل از اختلاط ہی بیان کی ہے تو وہ مقبول ہے اور اس مسئلہ میں بھی یہی صورت ہے کیونکہ ابو اسحاق سبیعی سے شیب بن خالد نے قبل از اختلاط ہی سماع کیا ہے کیونکہ شیب بن خالد اس کے قدیم (پرانے) ساتھیوں سے ہے جو اس سے روایت کرنے والے ہیں جب سماع قبل از اختلاط ہے تو حدیث صحیح ہوئی اور سائل کا یہ کہنا کہ ابو اسحاق سبیعی کی یہ روایت حضرت علی سے کرنا منقطع ہے یہ درست نہیں کیونکہ اس کا سماع حضرت علی سے ثابت ہے اور یہ حضرت علی المرتضیٰ سے موصولاً روایت کرتا ہے۔ چنانچہ علامہ بغوی نے کہا کہ احمد زبیری کا بیان ہے کہ ابو اسحاق نے حضرت علی سے ملاقات کی ہے اور علامہ ابن سعد نے طبقات میں ذکر کیا ہے کہ ابو اسحاق نے حضرت علی المرتضیٰ کے پیچھے جمعہ کی نماز پڑھی ہے۔ علاوہ ازیں یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے اور اپنے شواہد کی وجہ سے درجہ صحیح تک پہنچ چکی ہے اور سائل نے جو دوسری سند کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ اس میں دو راوی ابو الحسن اور بلال بن عمر و مجہول ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان دو راویوں کا ذکر امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں کیا ہے ان کی کسی نے جرح و تعدیل بیان نہیں کی جب کسی راوی کے بارے میں جرح بیان نہیں کی جائے تو وہ عادل ہوتا ہے کیونکہ اصل تعدیل ہے جب ابو داؤد ان سے روایت لے رہے ہیں اور اس کی حدیث پر سکوت کر رہے ہیں تو یہ راوی عادل اور صحیح ہیں غرضیکہ امام ابو داؤد کی

مروی حدیث دونوں سندوں کے اعتبار سے صحیح اور قابل استدلال ہے۔

سنن ابوداؤد کی چوتھی حدیث:

امام ابوداؤد نے اپنی سند کے ساتھ بطریق علی بن نفیل حضرت ام سلمہ سے روایت کی ہے آپ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا المھدی من عترتی من ولد فاطمۃ کہ مہدی میری اولاد سے اولاد فاطمہ سے ہے (سنن ابی داؤد ص۱۰۷ الجزء الرابع)

سوال:۔

یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کے راویوں میں سے علی بن نفیل ضعیف ہے اس کی تضعیف ابوجعفر عقیلی نے بیان کی ہے نیز کہا ہے کہ اس حدیث میں علی بن نفیل کو کوئی متابع نہیں ہوا گویا کہ وہ اس میں متفرد ہے راوی کا منفرد اور شاذ ہونا علامت ضعف ہے۔

جواب:۔

یہ بات غلط ہے کیونکہ عقیلی نے حدیث کے ضعیف ہونے کی تصریح نہیں کی بلکہ عقیلی نے علی بن نفیل بن زراع النہدی المتوفی ۱۵۲ھ کے بارے میں اس طرح کہا ہے کہ علی بن نفیل حرانی النہدی یہ نفیلی کا دادا ہے اور امام مہدی کے بارے میں اس نے جو سعید بن مسیب سے روایت کی ہے اس کا کوئی متابع نہیں ہوا۔ نیز لکھا ہے کہ امام مہدی کے بارے میں اس کے علاوہ بے شمار جید احادیث موجود ہیں جن میں رجل من اہل بیتی کے الفاظ موجود ہیں لیکن ان میں من ولد فاطمہ کے الفاظ موجود نہیں ہیں۔ گویا کہ

من ولد فاطمہ کے الفاظ کے ساتھ علی بن نفیل منفرد ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ عقیلی کا صرف یہ اعتراض ہے کہ علی بن نفیل من ولد فاطمہ کے الفاظ کے ساتھ منفرد ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی راوی کا منفرد ہونا اس وقت علامت ضعف ہوتا ہے جبکہ وہ ثقہ نہ ہو اگر وہ ثقہ ہے تو علامت ضعف نہیں ہے اور علی بن نفیل ثقہ ہے۔ ابو الملیح نے اس کی تعریف کی ہے امام ابو حاتم نے کہا ہے کہ لا باس بہ ہے اور ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے (تہذیب التہذیب ص۳۹۱ ج ۷) اور علی بن نفیل پر کسی نے جرح نہیں کی جب یہ ثقہ ہے تو اس کا تفرد اس کے ضعیف ہونے کا سبب نہیں ہے چنانچہ محدثین لکھتے ہیں کہ شاذ وہ ہے اگر منفرد ثقہ راوی کسی ایسے راوی کے خلاف روایت کرے جو اس سے زیادہ ضابط اور ثقہ ہے تو اس کو شاذ کہتے ہیں اور یہ شاذ قابل قبول نہیں ہے اگر خلاف نہ کرے بلکہ ایسی روایت کرے جسے اس کے غیر نے روایت نہیں کیا باوجودیکہ وہ ثقہ ہے تو اس کی مروی حدیث صحیح ہے علی بن نفیل نے اپنے سے کسی زیادہ ثقہ کی مخالفت نہیں کی بلکہ صورت حال یہ ہے کہ حدیث المہدی من اھل بیت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے یہ الفاظ المہدی من ولد فاطمہ مخصص ہیں۔ گویا کہ المہدی من اھل بیت النبی عام ہے اور المہدی من ولد فاطمہ خاص ہے۔ یعنی اس حدیث المہدی من ولد فاطمہ نے خاص کر دیا کہ مہدی جو اہل بیت نبی سے ہوگا وہ اولاد فاطمہ سے ہوگا اس کو تفرد نہیں کہا جاتا بلکہ یہ تخصیص ہے جو کہ قرآن وحدیث کے اصول کے عین مطابق ہے نیز اس حدیث المہدی من ولد فاطمہ کے دیگر راوی بھی حافظ، ثقہ اور صدوق ہیں چنانچہ ان میں سے زیاد بن بیان الرقی کے بارے میں امام بخاری نے کہا ہے کہ ابو الملیح کا زیاد بن بیان سے سماع بھی ہے اور اس کی وہ تعریف بھی کرتا ہے

اور امام نسائی نے کہا ہے کہ زیاد بن بیان الرقی لیس بہ باس ہے اور ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور کہا کان شیخاً صالحاً (تہذیب التہذیب صہ ۳۵۶ ج ۳) اور ابو الملیح الحسن بن عمرو الرقی کے بارے میں امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں ثقہ ہے، ضابط الحدیث ہے، اور صدوق ہے اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ اس کی حدیث لکھی جاتی ہے اور دار قطنی نے کہا کہ ثقہ ہے اور عثمان دارمی نے یحییٰ بن معین سے روایت کی ہے کہ یحییٰ بن معین بھی ابو الملیح کو ثقہ کہتے تھے اور ابن حبان نے بھی اس کو ثقات میں شمار کیا ہے (تہذیب التہذیب صہ ۳۰۹ ج ۲) اور سعید بن مسیب جلیل القدر تابعی ہیں جب حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں تو حدیث صحیح ہے اور عقیلی کا یہ کہنا کہ علی بن نفیل کے کوئی متابع نہیں ہوا یہ بھی غلط ہے۔ چنانچہ پہلے یہ حدیث گذر چکی ہے کہ حضرت علی نے فرمایا یہ میرا بیٹا سید ہے اس کی اولاد سے ایک مرد ہو گا جو تمہارے نبی کا ہم نام ہو گا یعنی محمد نام ہو گا اور حافظ ابن عساکر نے حضرت علی المرتضیٰ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہراء کو ارشاد فرمایا البشری بالمہدی منک اور نعیم بن حماد نے حضرت علی سے روایت کی ہے المہدی رجل منا من ولد فاطمۃ اس سے ثابت ہوا کہ علی بن نفیل پر متعدد محدثین متابع ہو گئے ہیں نیز اس حدیث کے شواہد بھی ہیں۔

متابع اور شواہد میں فرق:

متابع وہ حدیث ہے جس حدیث کو کوئی راوی کسی دوسرے راوی کے موافق روایت کرے بشرطیکہ دونوں حدیثیں ایک ہی صحابی سے مروی ہوں اور شاہد وہ ہے کہ ایک صحابی نے ایک حدیث روایت کی اگر کسی دوسرے صحابی سے اس

جیسی حدیث مروی ہو تو اس کو شاہد کہتے ہیں یعنی اگر کسی دوسرے صحابی سے ایسا متن مل گیا ہو جو پہلے صحابی کی مروی حدیث کے ساتھ لفظاً و معناً مشابہ ہو یا صرف معنے مشابہ ہو اس کو شاہد کہتے ہیں اور جب علی بن نفیل کی مروی حدیث المھدی من ولد فاطمۃ کے توابع اور شواہد موجود ہیں۔ نیز راوی بھی تمام ثقہ اور عادل ہیں تو پھر حدیث بھی صحیح ہوئی اور قابل استدلال بھی ہوئی۔

سنن ابوداؤد کی پانچویں حدیث:

امام ابوداؤد نے اپنی سند کے ساتھ بطریق عمران قطان ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا المھدی منی اجلی الجبھۃ اقنی الانف یملاء الارض قسطاً وعدلا کما ملئت ظلما وجورًا (سنن ابوداؤد ص ۱۰۷ الجزء الرابع) کہ مہدی مجھ سے ہوں گے چوڑی پیشانی والے اونچی ناک والے، زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے جیسے کہ وہ ظلم وستم سے بھری ہوئی تھی، اس حدیث سے بھی ثابت ہے کہ امام مہدی علیہ السلام قیامت سے پہلے ظہور فرمائیں گے۔

سوال:۔

اس حدیث کے راویوں میں سے عمران قطان ضعیف راوی ہے چنانچہ یحیٰی بن معین نے کہا ہے کہ یہ لیس بالقوی ہے یعنی قوی نہیں ہے اور ایک مرتبہ کہا کہ لیس بشئی ہے۔ یزید بن زریع نے کہا ہے کہ عمران قطان حروری تھا اور اس نے اہل قبلہ پر تلوار چلائی ہے اور امام نسائی نے کہا یہ ضعیف ہے اور ابوعبید الآجری نے کہا کہ میں نے ابوداؤد سے اس کے

بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ ضعیف ہے اس نے امام ابراہیم بن عبداللہ المحض کے حق میں فتویٰ دیا کہ ان کا خروج حکومت وقت کے خلاف جائز ہے اس کی بنا پر کئی لوگوں کا خون بہا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ عمران قطان ضعیف ہے اور اس کی مروی حدیث ضعیف ہے۔

جواب :-

عمران قطان ضعیف نہیں بلکہ ثقہ ہے۔ چنانچہ حافظ منذری نے تہذیب السنن میں کہا ہے کہ عمران قطان کے ساتھ امام بخاری نے استشہاد پکڑا ہے اور عفان بن مسلم نے اس کی توثیق کی ہے اور یحییٰ بن سعید قطان نے اس کی تعریف و توصیف بیان کی ہے اور علامہ ساجی نے کہا ہے کہ عمران قطان صدوق ہے۔ ترمذی نے کہا کہ امام بخاری نے اس کو صدوق کہا ہے البتہ اس کو وہم ہوتا ہے اور ابن شاہین نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور یہ قتادہ کے خصوصی شاگردوں میں سے تھا عجلی نے کہا کہ یہ ثقہ ہے اور امام حاکم نے کہا کہ یہ صدوق ہے اور ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور ابن عدی نے کہا کہ اس کی حدیث لکھی جاتی ہے۔ عمران قطان پر جو جرح کی گئی ہے وہ مذہبی تعصب پر مبنی ہے جو کہ غیر معتبر ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں وتارة من المخالفة فی العقائد وهو موجود کثیرا قدیما وحدیثا ولا ینبغی اطلاق الجرح بذالک (شرح نخبۃ الفکر ص۱۱۹) اور کبھی جرح اعتقادی مخالفت سے بھی صادر ہوتی ہے اس قسم کی تعدی اور زیادتی متقدمین اور متاخرین میں بکثرت موجود ہے مگر اعتقادی مخالفت کی وجہ سے عموماً جرح کرنا ناجائز ہے جب عمران قطان پر جرح مذہبی تعصب کی بنا پر ہوئی تو

یہ جرح غیر معتبر ہے باقی اس کو حروری اور خارجی کہنا یہ ہرگز درست نہیں ہے کیونکہ اس نے اہل بیت اطہار کی حمایت کی۔ چنانچہ امام ابراہیم بن عبداللہ المحض کے حق میں فتویٰ دیا تھا کہ ان کا خروج حکومت وقت کے خلاف جائز ہے جب امام ابراہیم بن عبداللہ المحض اور محمد نفس زکیہ بن عبداللہ المحض دونوں بھائیوں نے منصور کے خلاف خروج کیا اور منصور عباسی سے خلافت کی واپسی کا مطالبہ کیا کیونکہ منصور عباسی نے اموی دور حکومت میں محمد نفس ذکیہ کی بیعت کی تھی کہ جب ہماری تحریک کامیاب ہو جائے گی اور اموی حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے گا تو محمد نفس ذکیہ خلیفہ اور امیر المومنین ہوں گے لیکن منصور نے خلافت واپس کرنے کی بجائے ان پر تشدد و ظلم شروع کر دیا تو امام ابراہیم اور محمد نفس ذکیہ نے اس کے خلاف خروج کیا اور اس خروج کی حمایت میں عمران قطان نے فتویٰ دیا کہ ان ائمہ اہل بیت اطہار کا منصور کے خلاف خروج جائز ہے۔ جب اس نے امام ابراہیم کی حمایت میں فتویٰ دیا تو حروری اور خارجی نہ ہوا کیونکہ خوارج اور نواصب تو اہل بیت کے دشمن ہیں نیز نواب صدیق خان قنوجی المتوفی ۱۳۰۷ھ نے کہا ہے کہ فتویٰ دینا ضبط اور صدق کے منافی نہیں ہے۔ روایت کا دار و مدار ضبط و صدق پر ہے وہ جب اس میں ثقہ ہے تو پھر ثقہ اور صدوق ہوا (ابراز الوہم صہ ۵۱۰) اس سے ثابت ہوا کہ عمران قطان خارجی نہیں تھا بلکہ اہل سنت اور ثقہ و صدوق تھا اور اس کی یہ مروی حدیث صحیح ہے البتہ ایک دوسرا عمران بن حطان (رح) ہے جو کہ حروری اور خارجی تھا اس کے خارجی ہونے کے بارے میں علامہ کمال الدین دمیری المتوفی ۸۰۸ھ نے لکھا ہے کہ عمران بن حطان خارجی تھا اس نے حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کے قاتل عبدالرحمان بن ملجم خارجی علیہ اللعنۃ

کی تعریف کی ہے (حیاۃ الحیوان کبریٰ ص۲۹۴) اب واضح ہوا کہ عمران قطان خارجی نہیں تھا بلکہ عمران بن حطان خارجی تھا اور حدیث مہدی کا راوی عمران قطان ہے عمران بن حطان نہیں ہے جیسے کہ امام مہدی علیہ السلام کے بارے میں امام ابو داؤد نے متعدد احادیث روایت کی ہیں اسی طرح دیگر محدثین نے بھی امام مہدی علیہ السلام کے متعلق متعدد احادیث ذکر کی ہیں جن میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

مستدرک کی حدیث:

امام حاکم نے اپنی سند کے ساتھ بطریق اسد بن موسیٰ عن حماد بن سلمہ عن مطر الوراق وابی ہارون العبدی عن ابی الصدیق الناجی عن ابی سعید الخدری روایت کی ہے کہ رسول پاک نے فرمایا یخرج رجل من عترتی یملک سبعا کہ میری عترت سے ایک مرد ظاہر ہوگا جو سات سال حکومت کرے گا اور زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا اس سے بھی ثابت ہے کہ امام مہدی علیہ السلام قرب قیامت تشریف لائیں گے۔

سوال:۔

یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس میں راوی ابی ہارون عبدی ضعیف ہے اور متہم بالکذب ہے اور اسد بن موسیٰ کے بارے میں نسائی نے کہا کہ ثقہ ہے اگر یہ تصنیف نہ کرتا تو اس کے لیے بہتر تھا اور ابن حزم اندلسی نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ اسد بن موسیٰ منکر الحدیث ہے۔

جواب:۔

یہ حدیث ضعیف نہیں ہے بلکہ صحیح ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ اور

صدوق ہیں چنانچہ ابو الصدیق الناجی کے بارے میں یحییٰ بن معین نے کہا کہ وہ ثقہ ہے، حافظ ابو زرعہ اور امام نسائی نے بھی کہا ہے کہ یہ ثقہ ہے اور ابن حبان نے بھی اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے بخاری، مسلم، ابو داؤد، ابن ماجہ، ترمذی نسائی نے اس سے حدیث اخذ کی ہے جس سے ثابت ہے کہ ابو الصدیق الناجی صدوق ہے۔ اور مطر بن طہمان وراق کے متعلق اسحاق بن منصور نے یحییٰ بن معین سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ وہ صالح ہے ابو زرعہ نے کہا کہ اس کی روایت حضرت انس سے اگرچہ مرسل ہے مگر صالح ہے ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ کو اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ وہ صالح الحدیث ہے اور مجھے یہ سلیمان بن موسیٰ سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے یہ قتادہ کے بڑے شاگردوں سے تھا امام بخاری نے اس کا اپنی صحیح بخاری کے باب التجارت فی البحر میں ذکر کیا ہے اور ابو بکر بزار نے کہا ہے لیس بہ بأس ہے اور علامہ ساجی نے کہا صدوق یہم صدوق ہے اس کو وہم ہوتا ہے ابن حبان نے اس کا ذکر ثقات میں کیا ہے اور کہا کہ بہت دفعہ خطا کرتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مطر وراق ثقہ اور صدوق ہے۔ اور ابن حبان اور ساجی نے جو کہا ہے اس کو وہم ہوتا ہے یا خطا کرتا ہے یہ اس کے صدوق اور ثقہ ہونے کے منافی نہیں ہے جیسے کہ ہم نے پہلے فتاویٰ رضویہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے جب مطر وراق ثقہ اور صدوق ہوا تو اب عمارہ بن جوین بن ابی ہارون عبدی کی توثیق کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اصل راوی تو مطر وراق ہے ابی ہارون عبدی کی روایت تو علی طریق متابعت ہو رہی ہے اور حماد بن سلمہ المتوفی ۱۷۰ھ مشہور ثقہ ہے چنانچہ کوسج نے یحییٰ بن معین سے روایت کی ہے کہ یحییٰ بن معین نے کہا کہ ثقہ ہے اور امام احمد بن حنبل نے بھی اس کو ثقہ کہا ہے اور امام بخاری نے تعلیقات میں

اس کی تخریج کی ہے اور امام مسلم نے اس سے علی طریق متابعت روایت لی ہے (میزان الاعتدال ص۵۹۴ ج ۱۔ تہذیب التہذیب ص۱۶ ج ۲) اور اسد بن موسیٰ اسد السنۃ المتوفی ۲۱۲ھ بھی ثقہ ہے۔ چنانچہ امام نسائی، ابن یونس ابن قانع، بزار اور عجلی نے اس کو ثقہ کہا ہے اور عجلی نے اس کے بارے میں یہ بھی کہا ہے کہ یہ صاحب السنۃ ہے اور ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور علامہ خلیلی نے کہا کہ یہ صالح ہے (تہذیب التہذیب ص۲۶ ج ۱) اور سائل کا یہ کہنا کہ امام نسائی نے کہا ہے کہ یہ ثقہ تو ہے لیکن اگر تصنیف نہ کرتا تو اچھا تھا یہ جرح نہیں کیونکہ جب نسائی نے اس کو ثقہ کہہ دیا ہے تو اب جرح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور سائل کا یہ کہنا کہ ابن حزم اندلسی نے کہا ہے کہ اسد بن موسیٰ منکر الحدیث یہ بھی غلط ہے کیونکہ ابن حزم مذہبی تعصب رکھتا ہے۔ ابن حزم نہایت متشدد ہے اس کی زبان سے کوئی بھی محفوظ نہیں رہا۔ چنانچہ حضرت ابوالطفیل صحابی رسول کے بارے میں اس نے کہا کہ یہ مجروح ہیں۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی لکھتے ہیں اس خبیث اللسان نے سیدنا ابوالطفیل رضی اللہ عنہ کو عیاذ باللہ متروح و مجروح بتایا ہے (فتاویٰ رضویہ ص۲۶۶) نیز علماء نے لکھا ہے کہ حزم اور عقلمندی اسی میں ہے کہ ابن حزم کی تقلید سے بچا جائے اور حافظ ذہبی نے اسد بن موسیٰ کے بارے میں لکھا ہے اسد بن موسیٰ بن ابراہیم بن خلیفہ الولید بن عبدالملک بن مروان الاموی لقب صاحب السنۃ ہے اور یہ حافظ الحدیث ہے۔ امام بخاری نے کہا کہ یہ مشہور الحدیث ہے اور امام بخاری نے صحیح بخاری میں اس کے ساتھ استشہاد کیا ہے اور امام ابوداؤد، امام نسائی نے اس کے ساتھ بھی احتجاج کیا ہے (میزان الاعتدال ص۲۰۶ ج ۱) نیز اس کی متابعت حسن بن موسیٰ نے کی ہے جس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے

قال الحسن بن موسیٰ حدثنا حماد بن سلمہ عن ابی ھارون العبدی ومطر الوراق عن ابی الصدیق الناجی عن ابی سعید الخدری کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری عترت سے ایک مرد نکلے گا کہ وہ زمین جو ظلم وجور سے بھری ہوگی عدل وانصاف سے بھر دے گا اور سات سال حکومت کرے گا۔ اب اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور حسن بن موسیٰ رجال صحیحین سے ہے حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ حسن بن موسیٰ الاشیب ابو علی بغدادی یہ طبرستان، موصل اور حمص کے قاضی تھے یہ حماد بن سلمہ، شعبہ، جریر بن حازم، زہیر بن معاویہ، عبدالرحمان، عبداللہ بن دینار، حریز بن عثمان، لیث، ابوھلال الراسی اور ابن ابی ذئب وغیرہم سے روایت کرتا ہے اور آگے اس سے روایت اخذ کرنے والے امام احمد بن حنبل، حجاج بن الشاعر، عثمان بن ابی شیبہ، فضل بن سہل الاعرج، ہارون الحمال، ابو یعقوب بن شیبہ، عباس دوری، حارث بن ابی اسامہ، اسحاق حربی، بشر بن موسیٰ اور ایک جماعت ہے، امام احمد فرماتے ہیں کہ یہ اہل بغداد کے مضبوط آدمیوں سے ہے۔ یحییٰ بن معین نے کہا کہ یہ ثقہ ہے۔ ابو حاتم نے علی بن مدینی سے روایت کی ہے کہ علی بن مدینی نے اس کو ثقہ کہا ہے اور خود ابو حاتم، صالح بن محمد اور ابو خراش نے کہا ہے کہ یہ صدوق ہے ابو حاتم نے کہا کہ جب یہ رے میں فوت ہوا تو میں اس کے جنازے میں حاضر ہوا تھا۔ عبداللہ مدینی نے اس کی تضعیف ذکر کی ہے لیکن خطیب بغدادی نے کہا کہ میں وجہ تضعیف نہیں سمجھ سکا گویا کہ خطیب بغدادی اس کو ثقہ اور صدوق سمجھتا ہے، ابن سعد نے بھی اس کو ثقہ کہا ہے اور کہا کہ یہ ۲۰۹ھ میں فوت ہوا تھا اور ابن حبان نے بھی اس کو ثقات میں شمار کیا ہے اور امام مسلم نے بھی اس کو ثقات کے طبقہ میں شمار کیا ہے۔ ابن عمار نے کہا کہ یہ حافظ الحدیث تھا (میزان الاعتدال

صہ ۵۲۴ ج ۱)۔ تہذیب التہذیب صہ ۳۲۷ ج ۲) اس سے ثابت ہوا کہ حسن بن موسیٰ بغدادی ثقہ اور صدوق ہے اور اس کی یہ مروی حدیث صحیح اور قابل استدلال ہے۔

مصنف عبدالرزاق کی مروی حدیث :

امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ ابوسعید نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مصیبت کا ذکر کیا جو اس امت کو پہنچے گی یہاں تک کہ آدمی ظلم کی وجہ سے کوئی جائے پناہ نہیں پائے گا فیبعث اللہ رجلاً من عترتی من اھل بیتی پس اللہ تعالےٰ میری عترت میری اہل بیت سے ایک آدمی کو بھیجے گا پس وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا جیسے کہ وہ ظلم وستم سے بھری ہوگی اور اس سے آسمان وزمین کے رہنے والے تمام راضی ہوں گے آسمان اپنا کوئی قطرہ نہ چھوڑے گا مگر وہ برسا دے گا اور زمین اپنی کوئی سبزی نہ چھوڑے گی مگر اگا دے گی۔ یہاں تک زندہ لوگ مردوں کی آرزو کریں گے (مصنف عبدالرزاق باب المہدی)۔

سوال :-

عبدالرزاق مشہور شیعہ ہے نیز یہ آخر عمر میں نابینا ہو گئے اور ان کو روایت میں اختلاط ہو جاتا تھا۔ ابن عدی نے کہا کہ عبدالرزاق شیعہ ہے جب امام عبدالرزاق شیعہ ہے اور آخر عمر میں ان کو اختلاط ہو جاتا تھا تو یہ ضعیف ہو گئے لہٰذا ان کی مروی حدیث بھی ضعیف ہوگی۔

جواب:۔

امام عبدالرزاق المتوفی سنہ ۲۱۱ھ کے متعلق جو سائل نے کہا ہے وہ شیعہ تھے یہ جرح نہیں ہے کیونکہ یہ شیعہ اس معنے میں ہیں کہ اہل بیت اطہار سے زیادہ محبت رکھتے تھے جیسے کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ امام عبدالرزاق بہت بڑے حافظ الحدیث اور مشہور محدث تھے آپ امام احمد بن حنبل یحیٰی بن معین وغیرہ کے استاد ہیں۔ احمد بن صالح مصری کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل کو کہا کہ کیا آپ نے کوئی عبدالرزاق سے زیادہ اچھا محدث دیکھا ہے فرمایا نہیں حافظ ابو زرعہ کہتے ہیں کہ عبدالرزاق سے زیادہ کوئی حدیث میں ثابت نہیں ہے۔ ابن ابی خیثمہ نے کہا کہ میں نے یحیٰی بن معین سے سنا جبکہ اس کو کہا گیا کہ امام احمد نے فرمایا کہ عبیداللہ بن موسیٰ کی حدیث اس کے شیعہ ہونے کی وجہ سے رد کی گئی ہے تو یحیٰی بن معین نے قسم اٹھا کر کہا کہ عبدالرزاق اس سے زیادہ شیعہ ہے اتنا میں نے عبیداللہ بن موسیٰ سے حدیث کا سماع نہیں کیا جتنا کہ میں نے عبدالرزاق سے سماع کیا ہے اور محمد بن اسماعیل فزاری نے کہا میں صنعاء یمن میں تھا مجھے کسی نے بتایا کہ یحیٰی بن معین اور امام احمد بن حنبل دونوں نے عبدالرزاق کی حدیث کو ترک کر دیا ہے فزاری کہتے ہیں کہ مجھے اس بات سے فکر لاحق ہوئی، مجھے حج کے ایام میں یحیٰی بن معین ملے میں نے ان سے اس بارے میں گفتگو کی تو انہوں نے کہا اگر عبدالرزاق اس طرح بھی ہو جائے تو پھر بھی ہم اس سے حدیث ترک نہ کریں گے تمام حفاظ حدیث نے امام عبدالرزاق کی تعریف و توصیف بیان کی ہے بعض لوگوں نے کہا امام عبدالرزاق تدلیس کرتے تھے تدلیس کا مفہوم یہ ہے کہ راوی اپنے شیخ (استاذ) کا نام ساقط کر دے

اور شیخ کے شیخ یا اس سے مافوق کا ذکر کرے لیکن یہ بات غلط ہے کیونکہ امام عبدالرزاق نے کبھی بھی تدلیس نہیں کی بلکہ انہوں نے خود کعبہ پر ہاتھ رکھ کر تدلیس سے بیزاری کا اظہار کیا ہے کہ میں نے کبھی بھی تدلیس نہیں کی۔

صاحب "ہدی الساری" نے لکھا ہے کہ تمام ائمہ حدیث نے امام عبدالرزاق کی توثیق ذکر کی ہے البتہ عباس بن عبدالعظیم عنبری نے آپ کے بارے میں زیادتی کی ہے مگر عنبری کا اس معاملہ میں کسی نے بھی ساتھ نہیں دیا۔ ابو زرعہ دمشقی نے کہا کہ امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا کہ ابن جریج کے حق میں عبدالرزاق اور محمد بن البکر البرسانی دونوں میں کون زیادہ مضبوط ہے۔ فرمایا عبدالرزاق زیادہ ثابت اور مضبوط ہے عباس دوری نے یحییٰ بن معین سے روایت کی ہے کہ معمر سے حدیث بیان کرنے میں ہشام بن یوسف سے عبدالرزاق زیادہ مضبوط ہے، امام ذہلی نے کہا کہ محدثین سے امام عبدالرزاق حدیث میں زیادہ سمجھدار اور زیادہ حافظ تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں ابوبکر بن زنجویہ نے کہا کہ میں نے سنا عبدالرزاق نے کہا کہ رافضی کافر ہیں۔ (تہذیب التہذیب صہ ۳۱۴ ج ۶۔ میزان الاعتدال صہ ۶۱۳ ج ۲) اور سائل کا یہ کہنا کہ آخر عمر میں آپ نابینا ہو گئے اور آپ کو حدیث بیان کرنے میں اختلاط ہوتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ۲۰۰ھ سے پہلے جن لوگوں نے سماع کیا ہے اسی میں اختلاط نہیں ہے کیونکہ امام عبدالرزاق دو سو ہجری کے بعد نابینا ہوئے تھے بخاری اور مسلم اور دیگر کتب میں جو اکثر احادیث ہیں وہ دو سو ہجری سے پہلے جن راویوں نے سماع کیا ہے ان کے مرویات ہیں لہٰذا اختلاط والا سوال درست نہیں ہے البتہ وہ روایات جو دو سال کے بعد کے ہیں ان میں اختلاط کا وہم ہے۔ ان کے بھی جب متابعات اور شواہد موجود ہیں تو ان سے بھی

اختلاط کا دم منقطع ہو جائے گا غرضیکہ امام عبدالرزاق کو جو شیعہ کہا گیا ہے وہ جرح نہیں ہے کیونکہ پہلے زمانہ میں جو شخص اہل بیت کی طرف زیادہ جھکاؤ رکھتا تھا اس کو شیعہ کہتے تھے۔ اس قسم کے بے شمار راوی بخاری اور مسلم میں موجود ہیں یہ جرح نہیں ہے بلکہ جرح تو رافضی ہوتا ہے جو کہ صحابہ کرام کو سب وشتم کرے اس کو تو امام عبدالرزاق نے خود کفر کہا ہے ہمارے زمانہ میں چونکہ شیعہ اور رافضی ایک معنے میں مستعمل ہے لہٰذا امام عبدالرزاق، امام حاکم، امام نسائی کو شیعہ نہ کہنا چاہیے کیونکہ اب عوام دونوں معنے میں فرق نہیں کرتے جو شیعہ ہے اس کو رافضی سمجھتے ہیں۔ اور جو رافضی ہے اس کو شیعہ سمجھتے ہیں لہٰذا اگر اب کہا گیا کہ امام عبدالرزاق، امام نسائی، امام حاکم شیعہ تھے تو لوگ ان کو بھی شیعہ رافضی سمجھیں گے لہٰذا ان کو شیعہ ہرگز نہ کہنا چاہیے پاکستان (لاہور) کے بعض جاہل ملاؤں نے اپنی جہالت پر کہہ دیا ہے کہ امام عبدالرزاق، امام نسائی، امام حاکم وغیرہ شیعہ تھے حالانکہ وہ شیعہ نہیں تھے وہ تو پہلے کی زمانہ کی اصطلاح کے مطابق شیعہ کہلاتے تھے جو کہ درحقیقت اہل سنت تھے وہ تمام صحابہ کرام سے حسن عقیدت رکھتے تھے البتہ اہل بیت رسول کیساتھ زیادہ محبت رکھتے تھے جیسے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اس مسئلہ کو فتاویٰ رضویہ میں تفصیل سے ذکر کیا ہے اور ہم نے بھی اس مسئلہ کو قدرے تفصیل کے ساتھ حسب ونسب جلد سوم کی بحث تقدیم میں ذکر کیا ہے۔

سنن ابن ماجہ کی مروی حدیث:

محمد بن یزید قزوینی ابن ماجہ المتوفی ۲۷۵ھ نے اپنی سند کے ساتھ بطریق ابی قلابہ حضرت ثوبان سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خلیفۃ اللہ المہدی کا ذکر کیا اور فرمایا کہ جب وہ تشریف لائیں تو اُن کی بیعت کرنا (کتاب الفتن) اس سے بھی ثابت ہے کہ امام مہدی تشریف

لائیں گے۔

سوال:۔

یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں راوی ابوقلابہ الجرمی کے بارے میں حافظ ذہبی نے ذکر کیا ہے کہ وہ تدلیس کرتا تھا اور تدلیس علامت ضعف ہے نیز سفیان ثوری مشہور مدلس ہے ان دونوں نے روایت کرتے وقت عنعن کا استعمال کیا ہے اور عنعن سے مدلس کی روایت غیر معتبر ہوتی ہے چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں ویرد المدلس بصیغۃ من صیغ الاداء یحتمل وقوع اللقی بین المدلس ومن اسند عنہ کعن وکذا قال (شرح نخبۃ الفکر ص۵۶) کہ حدیث مدلس عن وقال وغیرہ ایسے الفاظ سے بیان کی گئی کہ جس سے یہ احتمال پیدا ہو کہ مدلس کی اس کے مروی عنہ سے ملاقات ہے تو مردود ہے جب اس حدیث کے دونوں راوی مشہور مدلس ہیں اور روایت کو عنعن سے بیان کر رہے ہیں تو پھر روایت ضعیف ہے جو کہ قابل استدلال نہیں ہے۔

جواب:۔

سائل نے جو ابوقلابہ کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ وہ تدلیس کرتا تھا یہ درست نہیں ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ ابوقلابہ عبداللہ بن زید بن عمرو الجرمی کو ابن سعد نے اہل بصرہ کے طبقہ ثانیہ میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ ثقہ کثیر الحدیث ہے عجلی نے کہا ابوقلابہ ثقہ ہے اور ابو خراش نے کہا ثقہ ہے اور ابوحاتم نے کہا کہ تدلیس نہیں کرتا تھا (تہذیب التہذیب ص۲۲۶ ج۵) جب ابوحاتم نے کہہ دیا ہے کہ ابوقلابہ تدلیس نہیں کرتا تھا تو ابوحاتم کے قول کا اعتبار ہوگا کیونکہ فن جرح و تعدیل میں ابوحاتم مقدم ہے لہٰذا ابوحاتم

کے قول کو ترجیح ہو گی اور ابو قلابہ غیر مدلس ہو گا اور اس کی مرسل حدیث صحیح ہو گی اور سائل نے جو سفیان ثوری کے بارے میں کہا ہے کہ وہ مشہور مدلس تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ سفیان بن سعید بن مسروق ثوری اگر تدلیس کرتے تھے تو وہ ثقہ سے تدلیس کرتے تھے اور ثقہ سے تدلیس کرنا علماء محدثین کے نزدیک جائز ہے سفیان ثوری کوئی کم مرتبہ نہیں ہیں بلکہ وہ ایک عظیم امام اور مشہور محدث تھے، چنانچہ شعبہ بن حجاج، سفیان بن عیینہ، ابو عاصم، اور یحییٰ بن معین وغیرہ نے کہا ہے کہ سفیان ثوری امیر المومنین فی الحدیث ہیں عبداللہ بن مبارک نے کہا کہ میں نے تقریباً گیارہ سو محدثین سے حدیث لکھی ہے لیکن سفیان ثوری سے کوئی افضل نہیں تھا۔ ابن مہدی نے کہا کہ وہب تو سفیان ثوری کو حفظ میں امام مالک سے بھی مقدم سمجھتا تھا اور یحییٰ قطان نے کہا ہے کہ میں شعبہ کو پسند کرتا ہوں اور شعبہ کے برابر کسی کو بھی نہیں سمجھتا لیکن جب اس کی مخالفت سفیان ثوری کریں تو میں سفیان ثوری کو ترجیح دیتا ہوں علامہ دوری نے کہا کہ میں نے یحییٰ بن معین کو دیکھا ہے وہ سفیان ثوری سے فقہ حدیث اور زہد میں کسی دوسرے کو مقدم نہیں سمجھتے تھے، علامہ آجری نے ابوداؤد سے روایت کی ہے کہ جب کسی چیز میں سفیان ثوری اور شعبہ میں اختلاف ہو اہے تو سفیان ثوری کا پلہ بھاری رہا ہے۔ امام مروزی نے امام احمد بن حنبل سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا میرے دل میں سفیان ثوری سے زیادہ کوئی مقدم نہیں ہے خطیب بغدادی نے کہا ہے سفیان ثوری مسلمانوں کے اماموں سے ایک امام ہیں اور ان کی امامت پر اتفاق ہے۔ امام نسائی نے کہا کہ سفیان ثوری اس کے محتاج نہیں ہیں کہ ان کو ثقہ کہا جائے وہ تو ثقہ ہی ثقہ ہیں مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو متقین کا امام بنائے گا۔ ابن ابی ذئب

نے کہا ہے کہ سفیان ثوری تابعین کے مشابہ تھے، ابو حاتم، ابوزرعہ، اور یحییٰ بن معین نے کہا ہے کہ یہ شعبہ سے زیادہ حافظ تھے اور زائدہ نے کہا ہے کہ سفیان ثوری لوگوں کو فتویٰ دینے میں بہت بڑے عالم تھے۔ ابن حبان نے کہا ہے کہ سفیان ثوری فقہ و پرہیزگاری اور حفظ و ضبط میں لوگوں کے سردار تھے اور ابن مدینی نے کہا کہ میں نے یحییٰ بن سعید کو کہا کہ آپ کے نزدیک سفیان ثوری کی رائے پسند ہے یا امام مالک کی کہا سفیان ثوری کی رائے ہر معاملہ میں امام مالک کی رائے سے برتر ہے۔ اور صالح بن محمد نے کہا کہ سفیان ثوری سے زیادہ مقدم میرے نزدیک کوئی نہیں ہے سفیان ثوری امام مالک سے زیادہ حافظ الحدیث تھے ابو اسحاق فزاری نے کہا کہ اگر مجھے اختیار دیا جائے کہ امت مسلمہ کے لیے کسی کو پسند کروں تو میں سفیان ثوری کو پسند کروں۔ ابو صالح شعیب بن حرب سے منقول ہے کہ وہ کہتے تھے کہ میرا خیال ہے کہ قیامت کے دن سفیان ثوری مخلوقات پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہو گا لوگوں کو کہا جائے گا اگر تم نے انبیاء کرام کو نہیں پایا تھا۔ سفیان ثوری کو تو دیکھا تھا اس کی تم نے اقتداء کیوں نہیں کی (تہذیب التہذیب ص۱۱۵ ج ۴، ابراز الوہم المکنون ص۴۷ م)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سفیان ثوری کے بے شمار فضائل ہیں۔ محدثین کے نزدیک ثقہ و صدوق ہیں اور جو تدلیس کرتے ہیں وہ ثقہ لوگوں سے کرتے ہیں چنانچہ علماء جرح و تعدیل نے لکھا ہے کہ جو محدثین تدلیس کرتے تھے ان کے کئی طبقات ہیں۔

(۱) یہ وہ لوگ ہیں جو بہت کم تدلیس کرتے تھے جیسے کہ یحییٰ بن سعید۔

(۲) یہ وہ ہیں جن کی تدلیس کو محدثین نے برداشت کیا ہے اور کتب صحاح

میں ان سے روایات لی ہیں اور یہ ثقہ لوگوں سے تدلیس کرتے تھے جیسے کہ زہری، سلیمان بن اعمش، ابراہیم، نخعی، اسماعیل بن ابی خالد، سلیمان تیمی، حمید الطویل، حکم بن عتبہ، یحییٰ بن ابی کثیر، ابن جریج، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، شریک ہشیم، ان کی صحیحین وغیرہما میں کثیر احادیث ہیں اور سماع کی بھی تصریح نہیں ہے۔ جب تدلیس ثقہ سے جائز ہے تو یہ ضعف کی علامت نہ ہوئی اس سے ثابت ہوا کہ سنن ابن ماجہ کی سفیان ثوری سے مروی حدیث صحیح اور قابل استدلال ہے۔

سنن ابن ماجہ کی دوسری حدیث:

ابن ماجہ نے اپنی سند کے ساتھ بطریق ابن عبدالوہاب وہ سعد بن عبدالحمید بن جعفر سے وہ علی بن زیاد الیمامی سے وہ عکرمہ بن عمار سے وہ اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ سے وہ انس بن مالک سے انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپ فرما رہے تھے کہ ہم اولاد عبدالمطلب ہیں۔ اہل جنت کے سردار ہیں میں اور حمزہ اور علی اور جعفر، اور حسن اور حسین اور مہدی (کتاب الفتن) اس سے ظاہر ہے کہ امام مہدی علیہ السلام قبل از قیامت تشریف لائیں گے۔

سوال:

یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کے راوی ضعیف ہیں۔ چنانچہ سعد بن عبدالحمید بن جعفر کے بارے میں سفیان ثوری نے کلام کیا ہے کہ یہ فتویٰ دیتے وقت مسائل میں غلطی کرتا تھا۔ ابن حبان نے کہا کہ یہ فحش خطا کرتا تھا اس کے ساتھ احتجاج نہ کیا جائے۔ امام احمد بن حنبل نے کہا کہ سعد بن عبدالحمید سماع

دعویٰ کرتا تھا اور امام مالک سے کتب پیش کرتا تھا اور کہتا تھا کہ میں نے امام مالک سے سماع حدیث کیا ہے اور لوگ اس بات کا انکار کرتے تھے یہ توجہ کرنے کے لیے نہیں گیا اور نہ ہی مدینہ منورہ گیا ہے اس نے سماع کیسے کر لیا حافظ ذہبی نے بھی اس میں کلام کی ہے اور اس حدیث کے دوسرے راوی علی بن زید یمامی کے بارے میں حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ میں نہیں جانتا وہ کون ہے اور اس حدیث کے تیسرے راوی عکرمہ بن عمار کے متعلق ابوحاتم نے کہا ہے کہ یہ تدلیس کرتا تھا اور تدلیس بھی علامت ضعف ہے۔ جب اس حدیث کے مذکورہ بالا راوی ضعیف ہیں تو حدیث ضعیف اور قابل استدلال نہ ہوئی۔

جواب :-

حدیث صحیح ہے سائل نے جو سعد بن عبدالحمید کے بارے میں ذکر کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ سعد بن عبدالحمید بن جعفر بن عبداللہ بن الحکم بن رافع بن سنان الانصاری المتوفی ۲۱۹ھ کے بارے میں ابراہیم بن جنید نے یحییٰ بن معین سے روایت کی ہے کہ یحییٰ بن معین نے کہا لیس بہ باس کہ اس میں کوئی خرابی نہیں ہے اور اس کی حدیث لکھی جاتی ہے اور اس کی خطا وغیرہ اس کے ثقہ ہونے منافی نہیں ہے اور علی بن زیاد کے بارے میں ذہبی نے کہا ہے کہ اس روایت میں علی بن زیاد نہیں ہے بلکہ عبداللہ بن زیاد ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ راوی عبداللہ بن زیاد ہے، بخاری اور ابوحاتم نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن زیاد عکرمہ بن عمار سے روایت کرتا ہے اور اس سے سعد بن عبدالحمید روایت کرتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ راوی ابوالعلاء عبداللہ بن زیاد (یمامی) تھا تبدیل ہو کر علی بن زیاد

ہو گیا اس کے بارے میں بخاری نے ذکر کیا ہے کہ اس کی حدیث میں نکارت ہے اور لیس بشئ ہے۔ ابن ابی حاتم نے اس کے متعلق جرح نہیں کی۔ ابن حبان نے اس کو ثقات کے طبقہ رابعہ میں ذکر کیا ہے اور یعقوب بن ابی شیبہ نے اس کی توثیق ذکر کی ہے اور یحییٰ بن معین نے اس کے بارے میں لا باس بہ کہا ہے (تہذیب التہذیب ص۲۶۴ ج ۲، ص۲۲۱، ج ۷) باقی رہا عکرمہ بن عمار کے متعلق تو وہ ثقہ ہے اور جو بعض محدثین نے اس میں کلام کی ہے وہ اس روایت میں ہے جو یحییٰ بن کثیر سے روایت کرتا ہے نہ کہ تمام روایات میں جب محدثین نے ایک خاص روایت کے بارے میں اس کے متعلق گفتگو کی ہے تو مطلقاً ضعیف نہ ہوا چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لسان المیزان کے خطبہ میں ذکر کیا ہے کہ معاویہ بن صالح جب یحییٰ بن معین سے روایت لیتا ہے تو ثقہ ہے اسی طرح قلابی جب یحییٰ بن معین سے روایت لیتا ہے تو ثبت ہے۔ اسی طرح ابن خیثمہ جب یحییٰ بن معین سے روایت لیتا ہے تو صدوق ہے لیس بہ باس ہے اب اس سے ظاہر ہے کہ بعض راوی بعض سندوں میں ثقہ ہوتے ہیں اور بعض میں ضعیف جو بعض کسی خاص سند میں ضعیف ہوئے تو دوسری سندوں میں ثقہ ہوں گے اسی طرح عکرمہ بن عمار یحییٰ بن کثیر کے علاوہ دوسری سندوں میں ثقہ اور صدوق ہے ابو حاتم نے ابن معین سے روایت کی ہے کہ یہ آدمی ان پڑھ تھا اور حافظ تھا، محمد بن عثمان بن ابی شیبہ نے علی بن مدینی سے روایت کی ہے کہ علی بن مدینی نے کہا کہ عکرمہ بن عمار ہمارے اصحاب کے نزدیک ثقہ ثبت تھا، عجلی نے کہا کہ ثقہ تھا اس سے نضر بن محمد نے ایک ہزار حدیث روایت کی ہے اور آجری نے کہا کہ ابو داؤد سے روایت لینے میں ثقہ ہے اور جب یحییٰ بن کثیر سے

روایت لیتا ہے تو اس میں اضطراب ہے۔ امام نسائی نے کہا لیس بہ بأس ہے یعنی اس میں کوئی برائی نہیں ہے مگر جب یحییٰ بن کثیر سے روایت کرے اور ابو حاتم نے کہا کہ صدوق ہے لیکن بعض دفعہ اس کو وہم ہوتا ہے اور بعض دفعہ تدلیس کرتا ہے اور جب یحییٰ بن کثیر سے روایت کرتا ہے تو غلطیاں کرتا ہے۔ علامہ ساجی نے کہا کہ صدوق ہے۔ امام احمد اور یحییٰ بن معین نے اس کی توثیق کی ہے۔ اور یحییٰ بن سعد نے اس کی وہ احادیث جو یحییٰ بن کثیر سے روایت کی ہیں ان کو ضعیف کہا ہے اور کہا کہ اس کے پاس یمامہ کا شیخ ملازم نامی آتا تھا اور کہا کہ عکرمہ بن عمار ان کے نزدیک ثقہ ہے اور ابن مہدی نے اس سے روایت کی اور کہا کہ میں نے اس سے اچھی کلام ہی سنی ہے ایک اور موقعہ پر کہا یہ اہل یمامہ کے شیخ ملازم سے بھی ثقہ ہے اور علی بن طنافسی نے کہا کہ ہم کو وکیع نے عکرمہ بن عمار سے حدیث بیان کی ہے اور وہ ثقہ ہے اسحاق بن احمد بن خلف بخاری نے کہا کہ یہ ثقہ تھا اس سے سفیان ثوری بھی روایت کرتا تھا اور اس کی فضیلت ذکر کرتا تھا۔ ابن خراش نے کہا یہ صدوق تھا اس کی حدیث میں نکارت تھی، دار قطنی نے کہا کہ ثقہ تھا۔ ابن عدی نے کہا کہ مستقیم الحدیث تھا جبکہ اس سے ثقہ روایت کرے۔ عاصم بن علی نے کہا کہ مستجاب الدعوات تھا یعقوب بن ابی شیبہ نے کہا کہ یہ ثقہ ثبت تھا ابن شاہین نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ ابن صالح نے کہا کہ میں کہتا ہوں کہ یہ بے شک ثقہ ہے اور اس کے قول کے ساتھ احتجاج کیا جاتا ہے۔ ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور کہا کہ جب یہ یحییٰ بن کثیر سے روایت کرے تو اس میں اضطراب ہے (تہذیب التہذیب صہ ۲۶۳ ج ۷) اب اس سے ثابت ہوا کہ عکرمہ بن عمار بن عقبہ بن حبیب بن

شہاب بن ذباب بن الحارث بن حمضانہ بن سعد بن جذیمہ بن سعد بن عجل التوفی ۱۵۹ھ ثقہ صدوق، حافظ تھا اور ایک خاص سند میں اس کے بارے میں کلام کی گئی ہے یہ اس کے ثقہ اور صدوق ہونے کے منافی نہیں ہے۔ اسی طرح جو بعض نے کہا ہے یہ غلطی کرتا ہے یا اس کو وہم ہوتا ہے یا اس کی حدیث میں نکارت ہے یہ ثقہ ہونے کے منافی نہیں ہے کیونکہ ایسے راوی بخاری اور مسلم میں بکثرت موجود ہیں جیسے کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ جب حدیث کے راوی ثقہ اور صدوق ہیں تو حدیث صحیح ہے نیز اس حدیث کا شاہد موجود ہے جس کو طبرانی نے معجم صغیر میں اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوایوب انصاری سے روایت کیا ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لفاطمۃ نبینا خیر الانبیاء وھو ابوک وشہیدنا خیر الشہداء وھو عم ابیک حمزۃ ومنا من لہ جناحان یطیر بھما فی الجنۃ حیث یشاء وھو ابن عم ابیک جعفر ومنا سبطا ھذہ الامۃ الحسن والحسین وھما ابناک ومنا المھدی۔

جب یہ حدیث جو ابوایوب انصاری سے مروی ہے اس کا شاہد ہے تو حضرت انس بن مالک سے جو امام ابن ماجہ نے حدیث روایت کی ہے وہ بھی صحیح اور قابل استدلال ہے اور ثابت ہوا کہ امام مہدی علیہ السلام قرب قیامت تشریف لائیں گے اور خاتون جنت فاطمۃ الزہرا کی اولاد سے ہوں گے۔

سوال:۔

آپ نے کہا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام خاتون جنت فاطمۃ الزہرا کی اولاد

سے ہوں گے حالانکہ سنن ابن ماجہ میں ایک حدیث ہے جس میں ہے کہ مہدی موعود حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے۔ چنانچہ امام ابن ماجہ نے اپنی سند کے ساتھ بطریق محمد بن خالد جندی حضرت انس بن مالک سے روایت کی ہے جس میں ہے ولا تقوم الساعۃ الا علیٰ شرار الناس ولا مھدی الا عیسیٰ بن مریم کہ قیامت قائم نہ ہوگی مگر شریر لوگوں پر اور کوئی مہدی نہیں مگر عیسیٰ بن مریم اب اس سے ثابت ہوا کہ مہدی موعود حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور کوئی مہدی وغیرہ نہیں آئے گا۔

جواب:۔

یہ حدیث موضوع (من گھڑت) ہے اس میں راوی محمد بن خالد جندی کذاب اور وضاع ہے چنانچہ ابن ماجہ کی تمام سند ملاحظہ کیجیے حدثنا یونس بن عبد الاعلیٰ الصدفی حدثنا محمد بن ادریس الشافعی حدثنی محمد بن خالد الجندی عن ابان بن صالح عن الحسن عن انس بن مالک عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال ولا تقوم الساعۃ الا علیٰ شرار الناس ولا مھدی الا عیسیٰ بن مریم۔ اب محمد بن خالد جندی اس روایت میں منفرد ہے۔ امام ابوحاتم نے کہا کہ یہ مجہول ہے۔ امام حاکم اور ابوالحسین الآبری نے بھی کہا کہ یہ مجہول ہے اور حافظ ابن الصلاح نے امالی میں کہا کہ یہ مجہول ہے۔ علامہ ابن عبدالبر نے کہا کہ یہ متروک ہے۔ علامہ ازدی نے کہا کہ یہ منکر الحدیث ہے۔ علامہ احمد بن محمد الشافعی المغربی نے کہا کہ یہ وضاع اور کذاب ہے۔

❖

سوال :۔

یحیٰی بن معین نے اس کو ثقہ کہا ہے جب ثقہ ہے تو اس کی مروی روایت بھی صحیح ہے۔

جواب :۔

اصحاب جرح و تعدیل نے اس حدیث میں یحیٰی بن معین کی توثیق معتبر نہیں سمجھی۔ چنانچہ علامہ ابو الحسین الآبری نے کہا ہے اگرچہ اس کی یحیٰی بن معین نے توثیق کی ہے لیکن یہ علمائے فن جرح و تعدیل کے نزدیک مجہول ہے اسی وجہ سے انہوں نے اس حدیث کی سند میں اختلاف ثابت کیا ہے اور ابن خلدون نے جو ذکر کیا ہے کہ جرح تعدیل پر مقدم ہوتی ہے وہ ایسے مقام پر ہی جرح مقدم ہوتی ہے تعدیل پر جبکہ غیر ثقہ راوی ثقہ راوی کی مخالفت کرے اور قطعی روایات میں منفرد ہو نیز مجہول بھی ہو۔ یحیٰی بن معین نے اس کے بارے میں کوئی ایسی بات ذکر نہیں کی جس کے ساتھ اس کی جہالت ختم ہوتی ہو جب یہ مجہول ہے اور ثقہ راویوں کی مخالفت کر رہا ہے اور وضع و کذب کی طرف منسوب ہے تو ایسی صورت میں جرح تعدیل کے قاعدہ کے پیش نظر کہا جائے گا کہ یہاں جرح مقدم ہے تعدیل پر تو اس کی یہ مذکورہ مروی روایت لا مھدی الا عیسٰی بن مریم موضوع اور متروک ہوگی نیز اس کے موضوع اور متروک ہونے پر یہ بات واضح طور پر دلالت کرتی ہے کہ یہی روایت جس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اسی کو امام حاکم نے مستدرک میں اور طبرانی نے معجم صغیر میں انس بن مالک سے روایت کیا ولا تقوم الساعۃ الا علیٰ شرار الناس کہ قیامت شریر لوگوں پر قائم ہوگی لیکن اس کے آگے یہ زیادتی لا مھدی الا عیسٰی بن مریم نہیں ہے

جب مستدرک حاکم میں اور معجم صغیر میں یہ جملہ لا مهدی الا عیسٰے بن مریم نہیں ہے تو ثابت ہوا کہ اس حدیث میں محمد بن خالد جندی نے یہ جملہ داخل کر دیا ہے اور محمد بن خالد جندی کی یہ عادت قبیحہ ہے کہ وہ ایسی حرکتیں کرتا رہتا ہے چنانچہ حافظ ابن عبدالبر نے تمہید میں یزید بن الهاد کے ترجمہ میں ذکر کیا ہے کہ محمد بن خالد جندی نے مثنٰی بن صباح عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ مرفوعاً روایت کی ہے کہ سفر چار مساجد کی طرف مشروع ہے۔

(۱) مسجد حرام (۲) مسجد نبوی (۳) مسجد اقصیٰ (۴) مسجد جند اب صحیح احادیث میں مسجد الجند کی زیادتی کا نام و نشان نہیں ہے لیکن محمد بن خالد جندی نے یہ الفاظ مسجد الجند اپنی طرف سے حدیث میں جوڑ دیے ہیں۔ بایں وجہ حافظ ابن عبدالبر نے کہا محمد بن خالد متروک ہے اور یہ حدیث اس زیادتی کے ساتھ ثابت نہیں ہے۔ اب جبکہ محمد بن خالد جندی کی یہ عادت قبیحہ ہے کہ وہ صحیح احادیث میں زیادتی کر دیتا ہے تو یہاں بھی صحیح حدیث میں اس نے یہ الفاظ لا مهدی الا عیسٰے بن مریم زیادہ کر دیے لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ روایت ان الفاظ لا مهدی الا عیسٰے بن مریم کے ساتھ موضوع (من گھڑت) ہے نیز محمد بن خالد جندی کی حدیث میں اضطراب اور اختلاف ہے کہ کبھی محمد بن خالد جندی اس کو ابان بن صالح عن الحسن عن انس (رضی) متصل روایت کرتا ہے جیسے کہ ابن ماجہ کی روایت میں ہوا ہے اور کبھی عن ابان بن عیاش عن الحسن مرسل روایت کرتا ہے۔ امام بیہقی نے کہا کہ امام حاکم نے کہا ہے کہ محمد بن خالد جندی مجہول ہے اور محدثین نے اس کی اسناد میں اختلاف ثابت کیا ہے چنانچہ جو صامت بن معاذ نے اس سے روایت کی ہے وہ یہ ہے حدثنا محمد بن خالد الجندی عن ابان

بن صالح عن الحسن عن انس بن مالک، صامت نے کہا کہ میں جند شہر میں گیا وہ صنعاء یمن سے دو دن کا سفر ہے وہاں ایک محدث کے پاس پہنچا اس محدث نے مجھے یہ حدیث سنائی محمد بن خالد عن ابان عیاش بن عیاش عن الحسن، حافظ بیہقی نے کہا کہ عیاش متروک ہے اور حدیث منقطع ہے (عطر الوردی صہ۴۵) اور ابرازالوھم المکنون میں ہے کہ محمد بن خالد کی روایت لا مھدی الا عیسیٰ بن مریم منقطع ہے کیونکہ ابان بن صالح کا سماع حسن بصری سے ثابت نہیں ہے چنانچہ حافظ ابن صلاح نے اپنی امالی میں ذکر کیا ہے کہ ابان بن صالح حسن بصری سے نہیں سنتا نیز یونس بن عبدالاعلیٰ الصدفی امام شافعی سے نہیں سنتا لہٰذا یہ روایت اس وجہ سے بھی منقطع ہے اور حافظ ذہبی نے میزان میں جندی کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ روایت لا مھدی الا عیسیٰ بن مریم منکر ہے اور یونس بن عبدالاعلیٰ اگرچہ رجال صحیح مسلم سے ہے لیکن اصحاب جرح وتعدیل نے یونس بن عبدالاعلیٰ پر حدیث لا مھدی الا عیسیٰ بن مریم میں امام شافعی سے روایت کرنے میں متفرد ہونے کی وجہ سے سخت کلام کی ہے۔ چنانچہ حافظ ذہبی نے یونس بن عبدالاعلیٰ کو ضعفاء میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اگرچہ ابو حاتم وغیرہ نے اس کو ثقہ کہا ہے اور اس کے حفظ کی تعریف کی ہے لیکن حدیث مھدی میں امام شافعی سے منفرد ہونے کی بنا پر یہ حدیث (لا مھدی الا عیسیٰ بن مریم) شدید منکر ہے نیز حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں یونس بن عبدالاعلیٰ کی توثیق نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث منکر عن الشافعی ہے حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں کہا ہے کہ مسلم بن قاسم نے کہا کہ یونس بن عبدالاعلیٰ حافظ تھا لیکن یہ روایت لا مھدی الا عیسیٰ بن مریم

روایت کرنے میں امام شافعی سے منفرد ہے لہٰذا اصحاب جرح و تعدیل نے اس پر انکار کیا ہے حافظ مزی نے تھذیب میں اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں ذکر کیا ہے کہ ابوالحسن واسطی نے امام شافعی کو خواب میں دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ یونس بن عبدالاعلیٰ نے مجھ پر جھوٹ باندھا ہے حدیث "لا مھدی الا عیسٰے بن مریم" میری نہیں ہے (ابراز الوھم ص۸۸ ۵، عطر الوردی ص۴۵)

اس سے ثابت ہوا کہ محمد بن خالد جندی کذاب اور وضاع ہے اور اس کی یہ روایت لا مھدی الا عیسٰی بن مریم موضوع (من گھڑت) اور متروک ہے حضرت عیسٰے علیہ السلام نبی اور رسول ہیں آپ مہدی موعود نہیں ہیں آپ جس زمانہ میں آسمان سے نزول فرمائیں گے اسی زمانہ میں ہی امام مہدی علیہ السلام جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذریت اور اولاد سے ہوں گے مکہ مکرمہ میں ظہور فرمائیں گے اور آپ کا نام محمد ہوگا اور آپ کے والد پاک کا نام عبداللہ ہوگا اور آپ کی اقتداء میں حضرت عیسٰی علیہ السلام نماز فجر ادا فرمائیں گے پھر حضرت عیسٰی علیہ السلام جب دجال کو قتل کرنے کے لیے نکلیں گے تو امام مہدی آپ کی مدد کریں گے پھر کچھ مدت کے بعد حضرت امام مہدی علیہ السلام کی وفات ہو جائے گی حضرت عیسٰی علیہ السلام مسلمانوں کو ساتھ لے کر امام مہدی علیہ السلام کی تجہیز و تکفین کا انتظام کریں گے اور حضرت امام مہدی علیہ السلام پر نماز جنازہ پڑھیں گے اور بیت المقدس میں آپ کو دفن کریں گے اور حضرت عیسٰی علیہ السلام امام مہدی علیہ السلام کے بعد زندہ رہیں گے اور حکومت کریں گے اور جب فوت ہوں گے تو آپ کو مدینہ منورہ میں روضہ رسول میں دفن کیا جائے گا۔

اس سے ثابت ہوا کہ عیسٰی علیہ السلام مہدی موعود نہیں ہیں بلکہ امام مہدی

علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہل بیت اطہار سے ہوں گے۔

مسند احمد بن حنبل کی حدیث:

امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ بطریق یاسین عجلی حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا المھدی منا اھل البیت یصلحہ اللہ فی لیلۃ کہ مہدی ہم اہل بیت سے ہوگا۔ اللہ تعالٰی (اس کے سبب) ایک رات میں اصلاح کرے گا اور امام ابن ماجہ نے عثمان بن ابی شیبہ سے بطریق یاسین عجلی حضرت علی بن ابی طالب سے روایت کی ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم المھدی منا اھل البیت یصلحہ اللہ فی لیلۃ (سنن ابن ماجہ کتاب الفتن) اس سے ثابت ہوا کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام تشریف لائیں گے اور آپ کے سبب دنیا کی اصلاح ہوگی۔

سوال:۔

حدیث کے ظاہر الفاظ یصلحہ اللہ فی لیلۃ (اللہ مہدی کی اصلاح ایک رات میں کرے گا) دلالت کرتے ہیں کہ امام مہدی پہلے اصلاح پر نہ ہوں گے اللہ تعالٰی ان کی ایک رات میں اصلاح کردے گا۔

جواب:۔

یہ ترجمہ خلاف واقع اور غلط ہے بلکہ اس روایت کے الفاظ میں راوی سے کچھ کمی دبیشی ہوگئی ہے کیونکہ آپ کا نام محمد ہے اور مہدی آپ کا لقب ہے اور احادیث میں آپ کو مہدی کہا گیا ہے اور جو مہدی ہوتا ہے وہ قابل

اصلاح نہیں ہوتا بلکہ وہ لوگوں کی اصلاح کرتا ہے مہدی کا معنے ہے من هداہ اللہ للحق ثم غلبت علیہ الاسمیۃ وبہ سمی المهدی الذی بشر بہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہ یخرج آخر الزمان قالہ فی النہایہ (عطر الوردی ص۲۴) اب معنے یہ ہے کہ ایک رات میں اللہ تعالےٰ امام مہدی علیہ السلام کے لیے ایسے حالات پیدا کر دے گا جس کے ساتھ وہ دنیا کی اصلاح کریں گے چنانچہ امام مہدی کے بارے میں جو احادیث مذکور و منقول ہیں ان تمام کا مضمون یہ ہے کہ دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے تو ان الفاظ کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اللہ ایک رات میں خود مہدی کی اصلاح کرے گا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی اصلاح کے لیے اللہ تعالےٰ امام مہدی کے لیے ایسے حالات پیدا کر دے گا کہ امام مہدی علیہ السلام لوگوں کی اصلاح کر سکیں گے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خاں قنوجی اپنی کتاب الاذاعۃ لما کان وما یکون بین یدی الساعۃ ص۱۱۵ میں لکھتے ہیں وفی روایۃ یصلح اللہ بہ فی لیلۃ کہ ایک روایت میں ہے کہ اللہ مہدی کے سبب ایک رات میں اصلاح کر دے گا اب یہ روایت صحیح ہے اور یہی ظاہر اور واقع بلکہ سیاق و سباق کے مطابق ہے کہ امام مہدی کے سبب اللہ تعالےٰ اصلاح فرمائے گا۔

سوال :۔

اس حدیث کی سند میں راوی یاسین العجلی کے بارے میں امام بخاری نے کہا ہے فیہ نظر اور بخاری کے نزدیک یہ الفاظ قابل ضعف ہیں۔ ابن عدی نے کامل میں کہا ہے کہ اس کی روایت منکر ہے۔ حافظ ذہبی نے کہا کہ اس کی روایت میں نکارت ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ حدیث یاسین عجلی

کی وجہ سے ضعیف ہے۔

جواب :۔

اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے اور امام احمد اس سے روایت نہیں لیتے جو ثقہ نہیں ہوتا جیسا کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے ذکر کیا ہے (فتاویٰ رضویہ ص۲۴۴ ج ۲) نیز اس روایت کو ابن ماجہ نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہ حدیث حسن کے مرتبہ سے کم نہیں ہے جیسا کہ سیوطی نے اس کو جامع صغیر میں حسن کہا ہے اور یاسین ثقہ اور صدوق ہے۔ بعض لوگوں نے سمجھا کہ یہ یاسین بیٹا معاذ زیات کا ہے کیونکہ ابن ماجہ میں یہ منسوب مذکور نہیں ہوا چنانچہ ابن ماجہ کی تمام سند اس طرح ہے

حدثنا عثمان بن ابی شیبہ حدثنا ابو داؤد الحضرمی ثنا یاسین عن ابراھیم بن محمد بن الحنفیہ عن ابیہ عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم المھدی منا اھل البیت، اس سند میں صرف یاسین ہے اس کی نسبت وغیرہ مذکور نہیں ہے لہٰذا بعض لوگوں نے خیال کیا کہ یہ یاسین بن زیات ہے جو کہ ضعیف ہے حالانکہ ابن ماجہ کی روایت میں یاسین کی روایت میں یاسین بن زیات نہیں تھا بلکہ لیسین عجلی تھا جو کہ ثقہ ہے چنانچہ علامہ دوری نے کہا کہ یحییٰ بن معین نے کہا ہے کہ لیسین لیس بہ باس ہے اسحاق بن منصور نے یحییٰ بن معین سے روایت کی کہ یہ صالح ہے اور ابو زرعہ نے کہا کہ لا باس بہ ہے اور ابن ابی حاتم نے کہا کہ لاباس بہ ہے اور یحییٰ بن یمان نے کہا کہ میں نے سفیان ثوری کو دیکھا وہ اس حدیث کو لیسین سے دریافت کر رہے تھے۔ حافظ

ابن حجر عسقلانی نے تقریب میں کہا کہ لاباس بہ ہے جب سنن ابن ماجہ میں یاسین عجلی ہے جو کہ ثقہ ہے تو حدیث صحیح ہوئی اور امام بخاری نے جو یاسین کے بارے میں کہا ہے اس میں نظر اور ضعف ہے اس کے بارے میں حافظ بن حجر عسقلانی لکھتے ہیں و قال البخاری فیہ نظر ولا اعلم لہ حدیثا غیر ھذا یعنی ہذا الحدیث اور امام بخاری نے کہا کہ اس میں نظر ہے اور میں اس (یاسین) کے لیے اس حدیث کے علاوہ کوئی اور حدیث نہیں جانتا (تہذیب التہذیب ص۱۷۳ ج ۱۱)

اصل بات یہ ہے کہ امام بخاری نے کتاب الضعفاء میں یاسین کا ترجمہ ذکر نہیں کیا البتہ تاریخ کبیر میں اس کا ترجمہ ذکر کیا ہے اس ترجمہ میں فیہ نظر نہیں کہا اور امام بخاری نے ابراہیم بن محمد بن حنفیہ کے ترجمہ میں احمد بن حنبل کی سند سے اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی اسناد میں نظر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام بخاری یاسین پر جرح صرف فیہ نظر سے کرتا ہے لیکن اس کا ذکر کتاب الضعفاء میں نہیں کرتا اور نہ ہی تاریخ کبیر میں اس کے ترجمہ میں جرح کرتا ہے بلکہ جب ابراہیم بن محمد بن حنفیہ کا ترجمہ ذکر کرتا ہے اور اس ترجمہ میں اس حدیث احمد بن حنبل کا ذکر کرتا ہے تو اس کی اسناد میں کہتا ہے فیہ نظر اور وجہ نظر کی یہ ہے کہ یاسین عجلی سے صرف یہ ہی حدیث مروی ہے اور کوئی نہیں لیکن ایسی نظر حدیث کی صحت کو مجروح نہیں کرتی اور حافظ ذہبی اور عدی نے یہ نہیں کہا کہ یاسین حدیث منکر لایا ہے بلکہ انہوں نے تو کہا ہے کہ اس حدیث کے ساتھ ہی وہ پہچانا گیا ہے یعنی یہی حدیث اس مروی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ جرح نہیں ہے نیز حدیث

ہیں لکارت اس کے ثقہ ہونے کے خلاف نہیں جیسے کہ ہم نے پہلے فتاویٰ رضویہ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے نیز علامہ عجلی اور دیگر محدثین نے یاسین عجلی کی توثیق ذکر کی ہے جب یاسین عجلی ثقہ اور صدوق ہوا تو پھر یہ حدیث صحیح اور قابل استدلال ہوئی۔

معجم طبرانی کی حدیث :

امام طبرانی نے اپنی سند کے ساتھ بطریق ابن لھیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عرض کیا امنا المھدی ام من غیرنا یارسول اللہ فقال بل منا: یارسول اللہ کیا مہدی ہم سے ہوگا یا ہمارے غیر سے ہوگا فرمایا ہم سے ہوگا۔ اس سے ثابت ہوا کہ امام مہدی ضرور تشریف لائیں گے اور بنو فاطمہ سے ہوں گے۔

سوال :۔

یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کے دو بڑے راوی ضعیف ہیں جن میں سے ایک عبداللہ بن لھیعہ ہے۔ چنانچہ امام نسائی نے کہا ہے کہ ابن لھیعہ ضعیف ہے اور دوسرا راوی عمرو بن جابر الحضرمی ہے اور یہ ابن لھیعہ سے بھی ضعیف ہے، احمد بن حنبل نے کہا کہ یہ جابر سے منکر روایت کرتا ہے اور مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ یہ جھوٹ بولتا ہے اور امام نسائی نے کہا کہ یہ ثقہ نہیں ہے جب اس سند کے دو بڑے راوی ضعیف ہیں تو یہ حدیث ضعیف ہے۔

جواب:۔

ابن لھیعہ المتوفی ۱۷۴ھ ثقہ اور صدوق ہے اور بڑے بڑے حفاظ حدیث نے اس کی تعریف بیان کی ہے جیسے کہ نورالدین ہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ نے مجمع الزوائد میں ذکر کیا ہے نیز اس کے ساتھ متقدمین نے بھی احتجاج کیا ہے، ابو داؤد نے امام احمد سے روایت ذکر کی ہے کہ امام احمد نے فرمایا کہ کثرت حدیث اور ضبط اور اتقان میں ابن لھیعہ جیسا مصر میں کوئی نہیں ہے۔ حسن بن علی خلال نے زید بن حباب سے روایت کی ہے کہ زید نے کہا کہ میں نے سفیان ثوری سے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ ابن لھیعہ کے پاس اصول ہیں اور ہمارے پاس فروع ہیں اور ابو طاہر بن سرح نے کہا کہ میں نے ابن وہب کو سنا وہ کہہ رہا تھا کہ اللہ کی قسم مجھے سچے نیکوکار عبداللہ بن لھیعہ نے حدیث بیان کی ہے یعقوب بن سفیان نے کہا کہ میں نے احمد بن صالح سے سنا اس نے کہا ابن لھیعہ بہت بڑا متقی تھا، امام حاکم نے کہا کہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں دو جگہ پر ابن لھیعہ سے استشہاد کیا ہے اسی طرح امام بخاری نے ابن لھیعہ سے مقرون بغیرہ روایت کی ہے اگرچہ امام بخاری نے اس کے نام کی تصریح نہیں کی، علامہ ابن عبدالبر سے منقول ہے کہ موطا میں جو یہ روایت ہے عن مالک عن الثقۃ عندہ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ آخر تک یہ ثقہ راوی امام مالک کے نزدیک ابن لھیعہ ہے (تہذیب التہذیب صفحہ ۳۷۸ ج ۵) جب امام احمد بن حنبل، سفیان ثوری، احمد بن صالح، امام مالک وغیرہ ابن لھیعہ کی توثیق ذکر کر رہے ہیں اور امام بخاری اور امام مسلم اپنی کتابوں میں ابن لھیعہ سے روایت لے رہے ہیں

تو ثابت ہوا کہ ابن لہیعہ ثقہ ہے اور اس کی تعدیل جرح پر مقدم ہے اور امام نسائی وغیرہ نے جو اس کی تضعیف ذکر کی ہے وہ غیر معتبر ہے اور دوسرا راوی عمرو بن جابر الحضرمی المتوفی سنہ ۱۲۱ھ وہ بھی ثقہ ہے اور جو اس پر جرح کی گئی وہ تشیع کے سبب کی گئی جو کہ غیر معتبر ہے جیسے کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے نیز امام ترمذی اور ابن ماجہ نے اس سے روایت کی ہے اور امام ترمذی نے اس کی حدیث کی تحسین ذکر کی ہے اور ابو حاتم نے اس کو صالح الحدیث کہا ہے۔ یعقوب بن سفیان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے (میزان الاعتدال صہ ۲۵ ج ۳۔ تہذیب التہذیب صلا ج ۸)۔

اس سے ثابت ہوا کہ اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں اور حدیث صحیح اور قابل استدلال ہے۔

سنن ترمذی کی حدیث:

امام ابو عیسے محمد بن عیسے ترمذی المتوفی سنہ ۲۹۷ھ نے اپنی سند کے ساتھ بطریق زید عمی، ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ ابو سعید خدری نے کہا کہ ہمیں اس بات کا ڈر ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نیا امر پیدا نہ ہو چنانچہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے (اس بارے میں) دریافت کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ان فی امتی المھدی یخرج یعیش خمسا او سبعا او تسعا زید الشاک قال قلنا وما ذالک قال سنین قال فیجیئ الیہ رجل فیقول یا مھدی اعطنی اعطنی قال فیحثی لہ فی ثوبہ ما استطاع ان یحملہ قال ابو عیسٰی ھذا حدیث حسن (سنن ترمذی کتاب الفتن)

س سے ثابت ہے کہ امام مہدی قرب قیامت ظہور فرمائیں گے۔ پانچ یا سات یا نو سال حکومت کریں گے راوی کو اس میں شک ہے امام مہدی کے پاس سائل آئے گا کہے گا مہدی مجھے دیجیے فرمایا آپ اس کے کپڑے میں بھر کر ڈالتے رہیں گے جس قدر وہ اٹھانے کی طاقت رکھے گا۔

سوال :۔

یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس حدیث کی سند میں راوی زید عمی ہے جو کہ ضعیف ہے چنانچہ ابو حاتم نے کہا ہے کہ عمی ضعیف ہے اس کی حدیث لکھی جائے اور اس کے ساتھ احتجاج نہ کیا جائے اور یحییٰ بن معین نے کہا کہ ضعیف ہے جوزجانی نے کہا کہ اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے اور ابوزرعہ نے کہا کہ لیس بالقوی ہے اور واھی الحدیث اور ضعیف ہے۔ ابو حاتم نے کہا کہ لیس بذاک ہے۔ امام نسائی نے کہا کہ ضعیف ہے۔ ابن عدی نے کہا کہ عام طور پر جو اس سے روایت کرتے ہیں یا جس سے یہ روایت کرتا ہے وہ ضعفاء ہیں جب اس سند میں زید عمی ضعیف ہے تو اس بنا پر یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔

جواب :۔

امام ترمذی نے اس حدیث کے بارے میں تصریح کر دی ہے کہ یہ حدیث حسن ہے نیز اس کے تمام راوی ثقہ ہیں البتہ زید عمی میں اختلاف ہے چنانچہ ابو حاتم نے کہا ہے کہ امام شعبہ اس سے روایت لیتے ہیں، عدی نے بھی کہا ہے کہ شعبہ اس سے روایت اخذ کرتے ہیں۔ یحییٰ بن معین نے کہا ہے کہ اس کی حدیث لکھی جائے دار قطنی، یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل نے کہا کہ یہ صالح ہے نیز امام احمد نے کہا ہے کہ یہ یزید رقاشی اور فضل

بن عیسیٰ سے اعلیٰ ہے (تہذیب التہذیب ص۴۸ ج ۳) زید بن الحواری ابو الحواری العمی البصری قاضی ہراۃ وھو مولیٰ زیاد بن ابیہ اس کو عمی اس لیے کہتے ہیں یہ ابن عم کی طرف منسوب ہے جو کہ قبیلہ بنو تمیم سے ہیں۔ بہر صورت زید عمی میں اصحاب جرح و تعدیل کا اختلاف ہے لیکن زید عمی یہاں منفرد نہیں ہے بلکہ درج ذیل محدثین نے اس کی حدیث کی متابعت کی ہے، معاویہ بن قرہ، عوف بن ابی جمیلہ، سلیمان عبیبی، مطر بن طہمان الوراق، ابی ہارون العبدی، مطرف بن طریف، علاء بن بشیر المزنی، عبدالحمید بن واصل، یہ متابعات مسند احمد بن حنبل، مستدرک حاکم اور معجم طبرانی میں موجود ہیں جب اس حدیث کے کثرت کے ساتھ متابعات ہیں تو یہ حدیث صحیح ہوئی۔

ان احادیث مذکورہ سے ثابت ہوا کہ امام مہدی علیہ السلام قرب قیامت تشریف لائیں گے اور آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد پاک سے ہوں گے۔

ان محدثین کے علاوہ دیگر محدثین نے حدیث "مہدی" کو اپنی اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ ان کے اسماء گرامی بمع کتابوں کے درج ذیل ذکر ہیں۔

(۱) ابو سلیمان محمد بن محمد بن ابراہیم الخطابی المتوفی ۳۸۸ھ، معالم السنن شرح ابو داؤد۔

(۲) الحسین بن مسعود بن محمد الفراء البغوی المتوفی ۵۱۰ھ، مصابیح السنۃ۔

(۳) مجد الدین المبارک بن محمد بن عبدالکریم ابن اثیر جزری المتوفی ۶۰۶ھ جامع الاصول۔

(۴) محمد بن علی بن محمد بن احمد محی الدین ابن عربی شیخ المتوفی ۶۳۸ھ

فتوحات مکیہ۔

(۵) کمال الدین محمد بن طلحہ بن محمد بن الحسن القرشی المتوفی سنہ ۶۵۲ھ مطالب السئول۔

(۶) علامہ سبط ابن جوزی المتوفی سنہ ۶۵۴ھ تذکرۃ الخواص۔

(۷) ذکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری المتوفی سنہ ۶۵۶ھ، مختصر سنن ابوداؤد۔

(۸) محمد بن احمد بن ابوبکر ابوعبداللہ قرطبی المتوفی سنہ ۶۷۱ھ تذکرۃ القرطبی۔

(۹) شمس الدین احمد بن محمد بن ابراہیم ابن خلکان المتوفی سنہ ۶۸۱ھ وفیات الاعیان۔

(۱۰) محب الدین احمد بن عبداللہ بن محمد طبری المتوفی سنہ ۶۹۴ھ، ذخائر العقبیٰ۔

(۱۱) شیخ الاسلام ابراہیم بن سعدالدین الحموئی الخراسانی المتوفی سنہ ۷۲۲ھ فرائد السمطین۔

(۱۲) شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی المتوفی سنہ ۷۴۱ھ مشکوٰۃ۔

(۱۳) سراج الدین عمر بن مظفر الحلبی الشافعی ابن الوردی المتوفی سنہ ۷۴۹ھ خریدۃ العجائب۔

(۱۴) شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر بن ایوب ابن القیم الدمشقی جوزی المتوفی سنہ ۷۵۱ھ، المنار المنیف۔

(۱۵) ابوالفداء اسماعیل بن کثیر المتوفی سنہ ۷۷۴ھ، کتاب النہایہ۔

(۱۶) سید علی بن شہاب بن محمد الحسینی نزیل ہمدان المتوفی سنہ ۷۸۶ھ مودۃ القربیٰ۔

(۱۷) مسعود بن عمر بن عبداللہ سعدالدین تفتازانی المتوفی ۷۹۳ھ، شرح مقاصد
(۱۸) حافظ نورالدین علی بن ابوبکر الہیتمی المتوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد۔ موارد الظمآن۔
(۱۹) نورالدین علی بن محمد بن احمد بن صباغ مالکی المتوفی ۸۵۵ھ، الفصول المہمہ۔
(۲۰) جلال الدین عبدالرحمان بن کمال الدین ابوبکر مصری سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ العرف الوردی۔
(۲۱) شمس الدین محمد بن علی بن محمد ابن طولون دمشقی حنفی المتوفی ۹۵۳ھ ائمہ اثنا عشر۔
(۲۲) عبدالوہاب شعرانی المتوفی ۹۷۳ھ، الیواقیت والجواہر۔
(۲۳) شہاب الدین احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیتمی مکی المتوفی ۹۷۴ھ، صواعق محرقہ۔ الفتاویٰ الحدیثیہ۔
(۲۴) علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی البرہان پوری المتوفی ۹۷۵ھ، کنز العمال۔
(۲۵) ابوالعباس احمد بن یوسف بن احمد دمشقی القرمانی المتوفی ۱۰۱۹ھ، اخبار الدول۔
(۲۶) علی بن سلطان محمد الہروی القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ، مرقات شرح مشکوٰۃ۔
(۲۷) محمد بن عبدالرسول بن عبدالسید الحسنی البرزنجی الشافعی المتوفی ۱۱۰۳ھ، الاشاعۃ فی اشراط الساعۃ۔
(۲۸) احمد بن علی بن عمر بن صالح شہاب الدین ابوالنجاح الحنفی المتوفی

۱۱۷۳ھ، فتح المنان شرح العزو المنان۔

(۲۹) شمس الدین محمد بن احمد سالم السفارینی النابلسی المتوفی ۱۱۸۸ھ، لوائح الانوار الالھیہ۔

(۳۰) محمد علی الصبان الشافعی المصری المتوفی ۱۲۰۶ھ اسعاف الراغبین۔

(۳۱) مومن الشبلنجی المتوفی ۱۲۹۰ھ، نور الابصار۔

(۳۲) عبدالروف المناوی المتوفی ۱۰۳۱ھ، فیض القدیر۔

(۳۳) حسن عدوی حمزاوی مصری مالکی المتوفی ۱۳۰۳ھ، مشارق الانوار۔

(۳۴) محمد صدیق بن حسن بن علی قنوجی ہندی المتوفی ۱۳۰۷ھ، الاذاعتہ لما کان وما یکون بین یدی الساعتہ۔

(۳۵) علامہ شہاب الدین احمد بن محمد اسماعیل الحلوانی الخلیجی الشافعی المتوفی ۱۳۰۸ھ، القطر الشہدی فی اوصاف المہدی۔

(۳۶) محمد البلبیسی بن محمد بن احمد الحسینی المصری الشافعی المتوفی ۱۳۰۸ھ، العطر الوردی۔

(۳۷) السید خیر الدین ابو البرکات نعمان آفندی الحنفی المتوفی ۱۳۱۷ھ، غایتہ المواعظ۔

(۳۸) شمس الحق عظیم آبادی ہندی المتوفی ۱۳۲۳ھ، عون المعبود شرح ابوداؤد۔

(۳۹) ابو عبداللہ محمد بن جعفر بن ادریس بن محمد الکتانی الفاسی المالکی المتوفی ۱۳۴۵ھ، نظم المتناثر۔

(۴۰) ابو العلی محمد عبدالرحمان بن عبدالرحیم زین الدین مبارکپوری المتوفی ۱۳۵۳ھ، تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی۔

(۴۱) محمد الخضر حسین المصری المتوفی ۱۳۷۷ھ، نظرۃ فی احادیث المہدی۔
(۴۲) الشیخ منصور علی المتوفی ۱۳۷۱ھ، التاج الجامع الاصول۔
(۴۳) احمد بن محمد الصدیق الحسنی الازہری المغربی المتوفی ۱۳۸۰ھ، ابراز الوہم المکنون من کلام ابن خلدون۔
(۴۴) الشیخ ناصر الدین البانی حول المہدی۔
(۴۵) امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد بن حنبل۔
(۴۶) ابن حبان المتوفی ۳۵۴ھ، صحیح ابن حبان۔
(۴۷) ابوبکر بن ابی شیبہ المتوفی ۲۳۵ھ، مصنف ابن ابی شیبہ۔
(۴۸) نعیم بن حماد المتوفی ۲۲۹ھ، کتاب الفتن۔
(۴۹) الشیخ الباوردی المتوفی ۳۰۱ھ، معرفۃ الصحابہ۔
(۵۰) امام دارقطنی المتوفی ۳۸۵ھ، افراد۔
(۵۱) ابویعلیٰ موصلی المتوفی ۳۰۷ھ، مسند ابویعلیٰ۔
(۵۲) ابوبکر بزار المتوفی ۲۹۲ھ، مسند بزار۔
(۵۳) خطیب بغدادی المتوفی ۴۶۳ھ، المتفق والمفترق۔
(۵۴) علامہ ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ، تاریخ ابن عساکر۔
(۵۵) علامہ ابن مندہ المتوفی ۵۱۱ھ، تاریخ اصبہان۔
(۵۶) علامہ ابوالحسن الحربی المتوفی ــــھ، حربیات۔
(۵۷) علامہ تمام رازی المتوفی ۴۱۴ھ، فوائد۔
(۵۸) ابن جریر المتوفی ۳۱۰ھ، تہذیب۔
(۵۹) ابوبکر بن المقری المتوفی ۳۸۱ھ، معجم مقری۔
(۶۰) ابوبکر دانی المتوفی ــــھ، سنن۔

۶) ابوغنم الکوفی المتوفی سـ ھ، کتاب الفتن۔

۶) علامہ دیلمی المتوفی ۵۵۸ھ، مسند فردوس۔

۶) ابوبکر اسکاف المتوفی ۲۷۳ھ، فوائد الاخبار۔

(۶۴) ابوالحسین بن المنادی المتوفی سـ ھ، کتاب الملاحم۔

(۶۵) حافظ بیہقی المتوفی ۵۵۸ھ، دلائل النبوت۔

(۶۶) ابوعمرو المقری المتوفی سـ ھ، سنن۔

(۶۷) ابن جوزی المتوفی ۵۹۷ھ، تاریخ۔

(۶۸) یحییٰ بن عبدالحمید الحمانی المتوفی ۲۲۸ھ، مسند۔

(۶۹) علامہ الرویانی المتوفی ۳۰۷ھ، مسند۔

(۷۰) علامہ محمد بن سعد المتوفی ۲۳۰ھ، طبقات ابن سعد۔

(۷۱) ابوبکر بن خیثمہ زہیر بن حرب المتوفی ۲۳۴ھ، ان کا ذکر ابنِ خلدون نے کیا ہے۔

(۷۲) ابنِ خزیمہ المتوفی ۳۱۱ھ۔

(۷۳) الحسن بن سفیان المتوفی ۳۰۳ھ۔

(۷۴) محدث ابوعوانہ المتوفی ۳۱۶ھ۔

(۷۵) عمر بن شعبہ المتوفی ۲۶۲ھ۔

ان چاروں محدثین کے بارے میں علامہ سیوطی نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے حدیث مہدی کو ذکر کیا ہے۔ ان مذکورہ بالا محدثین کے علاوہ بھی دیگر محدثین اور علماء کرام نے امام مہدی علیہ السلام کے بارے میں اپنی اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے اور حضرت امام مہدی علیہ السلام کے قبل از قیامت ظہور کے بارے متواتر احادیث ہیں۔ چنانچہ جن محدثین نے ان کو

متواتر ہونا ثابت ہوتا ہے ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

(۱) حافظ ابوالحسن محمد بن الحسین آبری المتوفی سنہ ۳۶۳ھ، مناقب امام شافعی میں۔

(۲) شیخ محمد سفارینی المتوفی سنہ ۱۱۸۸ھ، لوامع الانوار میں۔

(۳) شیخ محمد برزنجی المتوفی سنہ ۱۱۰۳ھ، الاشاعۃ میں۔

(۴) قاضی محمد بن علی الشوکانی المتوفی سنہ ۱۲۵۰ھ، توضیح میں۔

(۵) شیخ صدیق حسن قنوجی المتوفی سنہ ۱۳۰۷ھ، الاذاعۃ میں۔

(۶) شیخ محمد بن جعفر کتانی المتوفی سنہ ۱۳۴۰ھ۔ نظم المتناثر میں۔

(۷) علامہ سخاوی المتوفی سنہ ۹۰۲ھ۔ فتح المغیث میں۔

(۸) علامہ جلال الدین سیوطی المتوفی سنہ ۹۱۱ھ، الفوائد المتکاثرہ میں۔

(۹) علامہ ابن حجر مکی المتوفی سنہ ۹۷۴ھ، صواعق محرقہ میں۔

(۱۰) احمد بن محمد صدیق ابوالفیض الغماری الشافعی المتوفی سنہ ۱۳۸۰ھ، ابراز الوھم میں۔

(۱۱) علامہ زرقانی المتوفی سنہ ۱۱۲۲ھ، شرح مواہب لدنیہ میں۔

(۱۲) ابو عبدالسلام عمر الشبراوی المتوفی سنہ ھ، نیز اس حدیث مہدی کو متعدد صحابہ کرام روایت کیا ہے۔ ان کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

(۱) حضرت علی بن ابی طالب المتوفی سنہ ۴۰ھ۔

(۲) حضرت عثمان بن عفان المتوفی سنہ ۳۵ھ۔

(۳) طلحہ بن عبیداللہ سنہ ۳۶ھ۔

(۴) عبدالرحمان بن عوف المتوفی سنہ ۳۲ھ۔

(۵) حسین بن علی الشہید ۶۱ھ۔

(۶) ام المومنین ام سلمہ المتوفاۃ ۶۲ھ

(۷) ام المومنین ام حبیبہ المتوفاۃ ۴۲ھ

(۸) عبداللہ بن عباس المتوفی ۶۸ھ

(۹) عبداللہ بن عمر بن الخطاب المتوفی ۷۳ھ

(۱۰) عبداللہ بن عمرو بن عاص المتوفی ۶۳ھ

(۱۱) ابوسعید خدری المتوفی ۷۴ھ

(۱۲) عبداللہ بن مسعود المتوفی ۳۲ھ

(۱۳) جابر بن عبداللہ المتوفی ۷۸ھ

(۱۴) ابوہریرہ المتوفی ۵۸ھ

(۱۵) انس بن مالک المتوفی ۹۳ھ

(۱۶) عمار بن یاسر المتوفی ۳۷ھ

(۱۷) عوف بن مالک المتوفی ۷۳ھ

(۱۸) ثوبان المتوفی ۵۴ھ (مولی رسول اللہ)

(۱۹) قرہ بن ایاس المتوفی ۶۴ھ

(۲۰) حذیفہ بن یمان المتوفی ۳۶ھ

(۲۱) عبداللہ بن حارث بن حمزہ المتوفی ســھ

(۲۲) عمران بن حصین المتوفی ۵۲ھ

(۲۳) ابوالطفیل المتوفی ۱۱۰ھ

(۲۴) وغیرہم رضی اللہ عنہم۔

جب صحابہ کرام اور ائمہ محدثین اور علماء ذکر کر رہے ہیں کہ امام مہدی

علیہ السلام قرب قیامت تشریف لائیں گے تو آپ کے ظہور میں کسی قسم کا شک نہ رہا۔

سوال :۔

علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ جو احادیث امام مہدی کی آمد کے بارے میں مروی ہیں وہ ضعیف ہیں۔ چنانچہ ابن خلدون ان احادیث کے راویوں پر جرح کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ احادیث ضعیف ہیں۔

جواب :۔

علامہ ابن خلدون مورّخ ہے۔ علماء جرح و تعدیل سے نہیں ہے اور نہ ہی نقد احادیث میں اس پر اعتماد ہے، جرح و تعدیل کے بارے میں علماء جرح و تعدیل کا اعتبار ہے جو کہ درجہ اختصاص رکھتے ہیں جیسے کہ امام احمد بن حنبل، یحیٰی بن معین، امام نسائی، ابو حاتم، ابن حبان، ابن ابی حاتم، ابن عدی، وغیر ہم، ابن خلدون نے احادیث مہدی کو ضعیف ثابت کرنے کے لیے راوی عاصم بن ابی النجود کو بنیاد بنایا ہے حالانکہ وہ راوی ثقہ اور صدوق ہے جیسے کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے جب ابن خلدون تاریخی اور اخباری آدمی ہے، علماء جرح و تعدیل سے نہیں ہے اور نہ ہی اس کو درجہ اختصاص حاصل ہے تو اس کی جرح درست نہیں ہے بلکہ حدیث مہدی کو علماء محدثین نے متواترات سے بتایا ہے لہٰذا اس کے ضعیف ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

سوال :۔

علامہ شاطبی صاحب کتاب الاعتصام نے کہا ہے کہ امام مہدی کے بارے میں جو احادیث مروی ہیں وہ ضعیف ہیں۔

جواب :۔

شاطبی نے احادیث مہدی کو ضعیف نہیں کہا بلکہ انہوں نے فرقہ مہدیہ کا رد کیا ہے جنہوں نے اپنے خود ساختہ مہدی کی تشہیر کے لیے احادیث کو اس پر صادق کرنے کی ناجائز کوشش کی ہے۔ علامہ شاطبی نے امام مہدی علیہ السلام جو قربِ قیامت تشریف لائیں گے۔ ان کے بارے میں جو احادیث مروی ہیں ان کو ضعیف نہیں کہا اور نہ ہی وہ مہدی موعود کے منکر ہیں کیونکہ ان کے بارے میں نصوص صریحہ اور احادیث متواترہ موجود ہیں ان کا انکار وہ کیسے کر سکتے ہیں چنانچہ علامہ سفارینی نے عقیدہ اہل سنت وجماعت بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ ظہور امام مہدی علیہ السلام کے ساتھ ایمان رکھنا واجب ہے اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (من کذب بالمهدی فقد کفر اخرجہ ابوبکر الاسکاف فی فوائد الاخبار وکذا رواہ ابوالقاسم السہیلی رحمہ اللہ فی شرح السیرۃ (عطر الوردی ص۴۴) کہ جس نے امام مہدی کی تکذیب کی پس بے شک وہ کافر ہوا۔

سوال :۔

اگر احادیث مہدی صحیح ہیں تو پھر ان کو امام بخاری اور امام مسلم اپنی کتابوں میں کیوں نہیں لائے۔ اس سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ احادیث مہدی صحیح نہیں ہیں۔

جواب :۔

وہ احادیث جن کو امام بخاری اور امام مسلم نے ذکر نہیں کیا وہ ضعیف نہیں ہیں بلکہ وہ بھی صحیح ہیں کیونکہ امام بخاری اور امام مسلم سے یہ منقول نہیں ہوا

کہ انہوں نے تمام صحیح احادیث کو جمع کر لیا ہے اور باقی جو ہیں وہ ضعیف ہیں
بلکہ ان سے تو اس کے خلاف تصریح منقول ہے چنانچہ علامہ ابو عمرو نے اپنی
کتاب علوم الحدیث میں کہا ہے کہ بخاری اور مسلم اپنی کتابوں میں تمام احادیث
صحیحہ کو جمع نہیں کر لیا اور نہ ہی انہوں نے یہ التزام کیا ہے بلکہ بخاری سے
روایت کی گئی ہے کہ بخاری نے کہا کہ میں اپنی کتاب جامع میں وہی احادیث
لایا ہوں جو صحیح ہیں اور میں باقی صحیح احادیث کو بھی چھوڑ دیا ہے۔ اسی طرح
امام مسلم سے بھی روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے تمام احادیث
صحیحہ کو جمع نہیں کیا، اسماعیلی محدث نے بھی امام بخاری سے روایت کی
ہے کہ میں نے اپنی اس جامع میں صحیح احادیث کی تخریج کی ہے اور جو
میں نے صحیح احادیث چھوڑی ہیں اور ان کی تخریج نہیں کی وہ بہت زیادہ
ہیں۔ امام نووی شافعی نے بھی کہا ہے کہ امام بخاری اور امام مسلم نے اس
بات کا التزام نہیں کیا کہ انہوں نے اپنی ان دو کتابوں میں تمام صحیح احادیث
کو جمع کر لیا ہے جب امام بخاری اور امام مسلم نے تمام صحیح احادیث کو ان
دو کتابوں میں جمع نہیں کیا تو اس سے ظاہر ہیں جن احادیث کی انہوں نے
تخریج نہیں کی وہ بھی صحیح ہیں اور خود امام بخاری نے فرمایا کہ مجھے ایک لاکھ
صحیح احادیث یاد ہے اور دو لاکھ وہ یاد ہے جن کا صحیح سے مرتبہ کم ہے
(الرد علی من کذب ص۲۲) اور بعض روایات میں آتا ہے کہ امام بخاری کو چار
لاکھ احادیث یاد تھیں اور صحیح بخاری کو دیکھا جائے تو اس میں تمام حدیثیں مع
تعلیقات و شواہد و متابعات و مکررات کے (۹۸۸۲) نو ہزار آٹھ سو بیاسی
ہیں مکررات کو حذف کر کے احادیث مرفوعہ (۲۶۶۳) ہیں اور (۲۲) حدیثیں
مع مکررات ثلاثیات ہیں اور بعد حذف مکررات (۱۶) ثلاثیات ہیں اسی طرح

صحیح مسلم تین لاکھ حدیثوں کا انتخاب ہے لیکن اس میں بحذف مکررات کل ۴۰۰۰ احادیث ہیں بلکہ ان دو کتابوں کے علاوہ کتب حدیث سے سنن اربعہ (ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) میں صحیح احادیث ہیں۔ یہی وجہ ان چھ کتابوں کو صحاح ستہ کہا جاتا ہے اور حدیث امام مہدی کو امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں اور امام ترمذی نے اپنی جامع میں اور ابن ماجہ نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے جب حدیث مہدی صحاح ستہ میں سے تین کتابوں میں موجود ہے تو ظاہر ہے کہ حدیث مہدی صحیح ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ احادیث مہدی کے راوی صدوق اور ثقہ ہیں اور حدیث مہدی کو متعدد محدثین نے متواتر کہا ہے نیز پچیس کے قریب صحابہ نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور محدثین نے سو سے زیادہ احادیث مہدی ذکر کی ہیں جس سے ثابت ہے کہ احادیث صحیح ہیں اور امام مہدی علیہ السلام قرب قیامت تشریف لائیں گے البتہ شیعہ اور اہل سنت کے درمیان امام مہدی علیہ السلام کے بارے میں اختلاف ہے۔

شیعہ کا عقیدہ:

شیعہ حضرات کہتے ہیں امام مہدی علیہ السلام حضرت امام حسن عسکری کے بیٹے ہیں جو پیدا ہو چکے ہیں اور غائب ہو گئے ہیں قریب قیامت تشریف لائیں گے آپ کا نسب نامہ یہ ہے محمد بن حسن (عسکری) بن علی بن محمد بن علی بن موسیٰ (کاظم) بن جعفر (صادق) بن محمد (باقر) بن علی (زین العابدین) بن حسین بن فاطمۃ الزہراء (زوجہ علی بن ابی طالب) بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی ولادت باسعادت ۱۵ شعبان ۲۵۵ھ بروز جمعہ بوقت صبح صادق ہوئی آپکی

والدہ ماجدہ کا اسم گرامی نرجس تھا شیعہ علماء کے قول کے مطابق نرجس خاتون یشوعا کی بیٹی تھیں جو روم کے بادشاہ قیصر کے فرزند تھے جن کا سلسلہ نسب وصی حضرت عیسےٰ علیہ السلام جناب شمعون تک پہنچتا ہے امام مہدی کا اسم گرامی محمد ہے۔ آپ کے متعدد القاب ہیں، مہدی، حجۃ اللہ، صاحب العصر، صاحب الامر، الباقی، القائم، المنتظر، زیادہ مشہور مہدی ہے۔ آپ کی کنیت ابوالقاسم اور ابوعبداللہ ہے مہدی کی جب عمر پانچ سال ہوئی تھی تو بادشاہ معتمد بن متوکل عباسی نے امام حسن عسکری کو زہر دے دیا جس کی وجہ سے آپ بتاریخ ۸ ربیع الاول سنہ ۲۶۰ھ میں رحلت فرما گئے آپ نے اپنے بعد صرف محمد کو چھوڑا اور امام حسن عسکری نے نص کر دی تھی کہ میرے بعد میرا بیٹا امام ہوگا۔ چنانچہ یعقوب بن منقوش اور محمد بن عثمان اور ابوہاشم جعفری اور موسیٰ بن جعفر بن وہب بغدادی کا بیان ہے کہ ہم امام حسن عسکری کی خدمت میں حاضر ہوئے ہم نے عرض کیا حضور آپ کے بعد امر امامت کس کے سپرد ہوگا تو آپ نے فرمایا میرا فرزند محمد میرے بعد امام ہوگا ہم نے عرض کیا ہمیں ان کی زیارت کرا دیجیے۔ اس وقت محمد کی عمر پانچ سال تھی آپ آئے اور امام حسن عسکری کی آغوش میں آکر بیٹھ گئے امام حسن عسکری نے فرمایا یہی میرا فرزند میرے بعد امام ہوگا۔ علماء شیعہ لکھتے ہیں معتمد بن متوکل چونکہ اہل بیت کا دشمن تھا پہلے اس نے امام حسن عسکری کو قید میں رکھا اور ان کو زہر دیا جس سے ان کی وفات ہوگئی ان کی وفات کے بعد اس نے چاہا کہ محمد مہدی کو گرفتار کرلے اور ان کو شہید کر دے لیکن محمد مہدی ۲۳ رمضان المبارک سنہ ۲۶۰ھ میں سرداب سرمن راسے میں جا کر غائب ہو گئے سرداب مقام سرمن راسے میں واقع ہے جسے اصل میں سامرا کہتے ہیں سامرا کی آبادی بہت ہی قدیمی ہے اور دنیا کے

قدیم ترین شہروں میں سے ایک شہر ہے اسے سام بن نوح نے آباد کیا تھا اس کی اصل سام راہ تھی بعد میں سامرا ہو گیا۔ آب و ہوا کی عمدگی کی وجہ سے خلیفہ معتصم نے یہاں فوجی چھاؤنی بنائی تھی پھر اس کو دارالسلطنت بھی بنا لیا اس کی آبادی آٹھ فرسخ لمبی تھی اس نے اس شہر کو نہایت خوبصورت بنایا اس لیے اس کا نام سر من رائے رکھ دیا تھا یعنی وہ شہر ہے جسے جو بھی دیکھے خوش ہو جائے عسکر اسی کا محلہ ہے جس میں امام علی نقی علیہ السلام نظر بند تھے بعد میں اپنے یہاں ایک مکان خرید لیا تھا جس میں امام علی نقی علیہ السلام کا مزار مقدس ہے۔ امام مہدی کے غائب ہونے کا سرداب وہ بھی مسجد کے کنارے واقع ہے جہاں امام حسن عسکری کا مزار مقدس ہے شیعہ علماء نے امام مہدی علیہ السلام کے غائب ہونے کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ کی غیبت دو قسم پر ہے ایک صغریٰ اور دوسری کبریٰ اور غیبت صغریٰ کی مدت ۷۵ سال تھی۔ اس کے بعد غیبت کبریٰ شروع ہو جاتی ہے اور غیبت صغریٰ کے زمانہ میں امام مہدی کا ایک نائب خاص ہوتا تھا جس کے زیر اہتمام ہر قسم کا نظام چلتا تھا۔ سوال و جواب، خمس و زکوٰۃ اور دیگر مراحل اسی کے واسطے سے طے ہوتے تھے مخصوص مقامات محروسہ میں اسی کے ذریعے اور اسی کی سفارش سے سفراء مقرر کیے جاتے تھے اور غیبت صغریٰ میں چار نائب خاص ہوئے ہیں۔

اول۔ عثمان بن سعید عمری۔

دوم۔ محمد بن عثمان بن سعید عمری۔

سوم۔ حسین بن روح ابو القاسم۔

چہارم۔ علی بن محمد السمری۔

اور یہ علی بن محمد السمری ۳۲۹ھ میں فوت ہوا ہے اور اس کے بعد کوئی خصوصی نائب مقرر نہیں کیا گیا اور یہاں سے ہی غیبت کبریٰ شروع ہو گئی اس کے بعد امام مہدی نے بلا واسطہ اسلام کی خدمت کرنا شروع کر دی اور قیامت تک کرتے رہیں گے اور شیعہ علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ غیبت کبریٰ کے زمانہ میں جو قیامت تک ہے آپ کا مرکزی مقام جزیرہ خضرا ہے جو سرزمین ولایت بربر میں درمیان دریائے اندلس واقع ہے یہ جزیرہ آباد ہے اور اس دریا کے ساحل ایک موضع ہے جو بشکل جزیرہ ہے اسے اندلس والے جزیرہ رافضہ کہتے ہیں کیونکہ اس کی ساری آبادی شیعہ کی ہے (یعنی ائمہ اثنا عشر) چونکہ شیعہ حضرات رجعت کے قائل ہیں اور امام مہدی کے عہد ظہور میں قیامت سے پہلے زندہ ہونے کو رجعت کہتے ہیں۔ اس عہد ظہور میں امام حسین علیہ السلام بھی زندہ ہوں گے اور امام مہدی جب فوت ہوں گے تو آپ کی تجہیز و تکفین کا انتظام امام حسین علیہ السلام ہی کریں گے آپ ہی نماز جنازہ پڑھیں گے اور آپ کو دفن کریں گے غرضیکہ شیعہ کے نزدیک امام مہدی علیہ السلام امام حسن عسکری کے بیٹے ہیں اور پیدا ہو چکے ہیں اور آپ جب پانچ سال کے تھے تو دشمن کے خوف کی وجہ سے غار سر من رائے میں غائب ہو گئے تھے اور قریب قیامت ظہور فرمائیں گے۔

اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ:

اہل سنت والجماعت کے نزدیک امام مہدی قرب قیامت پیدا ہوں گے امام حسن عسکری کے بیٹے جو محمد تھے جب وہ پانچ سال کے ہو کے فوت

ہو گئے تھے چنانچہ اس کی تائید امام حسن عسکری کے بھائی امام جعفر ثانی (کذاب) کا یہ قول کرتا ہے آپ نے فرمایا کہ امام حسن عسکری کے بعد میں امامت کا مستحق ہوں اگر امام حسن عسکری کے بیٹے محمد زندہ ہوتے تو میں دعویٰ امامت کا نہ کرتا اور نہ ہی وراثت لیتا، اب اس قول سے صاف ظاہر ہے کہ امام حسن عسکری کے بیٹے محمد فوت ہو گئے تھے امام مہدی قرب قیامت تشریف لائیں گے حضرت فاطمۃ الزہراء کی اولاد اور ذریت امام حسن مجتبیٰ بن علی بن ابی طالب سے ہوں گے چنانچہ یہ حدیث گذر چکی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ نے اپنے بیٹے امام حسن علیہ السلام کی طرف دیکھا اور فرمایا ان ابنی ھذا سید کما سماہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وسیخرج من صلبہ رجل یسمی باسم نبیکم یشبہہ فی الخلق ولا یشبہہ فی الخلق اب اس سے ثابت ہے کہ امام مہدی حضرت حسن علیہ السلام کی اولاد سے ہوں گے اور امام حسن عسکری کی اولاد سے نہیں ہیں۔

سوال:۔

مذکورہ بالا حدیث سے تو ثابت ہے کہ امام مہدی علیہ السلام امام حسن مجتبیٰ کی اولاد سے ہوں گے لیکن ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہراء کو ارشاد فرمایا کہ امام مہدی حسن اور حسین دونوں کی اولاد سے ہوں گے۔

جواب:۔

چونکہ اولاد کی نسبت باپ کی طرف ہوتی ہے لہٰذا مولا علی شیر خدا نے فرمایا کہ امام مہدی میرے بیٹے حسن کی اولاد سے ہو گا اور امام مہدی کی والدہ ماجدہ امام حسین کی اولاد سے ہوں گی لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے امام حسن اور امام حسین دونوں کا ذکر فرمایا۔

خلاصہ یہ کہ امام مہدی علیہ السلام دونوں نسبتوں کے جامع ہوں گے آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ امام حسن مجتبیٰ بن علی بن ابی طالب کی اولاد سے ہوں گے اور آپ کی والدہ ماجدہ حضرت امام حسین بن علی بن ابی طالبؓ کی اولاد سے ہوں گی (عطر الوردی ص۵، مرقات شرح مشکوٰۃ ص۱۷۹ ج۵)۔

غرضیکہ امام مہدی علیہ السلام حسنی اور حسینی سادات سے ہوں گے اور قرب قیامت پیدا ہوں گے اور ظہور فرمائیں گے اور آپ قیامت کے شرائط سے ایک ہیں۔ اسی لیے محدثین نے اشراط الساعۃ یعنی قیامت کی شرطوں کے باب میں امام مہدی علیہ السلام کا ذکر کیا ہے کہ جیسے دیگر قیامت کے علامات ہیں اسی طرح امام مہدی علیہ السلام بھی قیامت کے علامات سے ہیں علامہ خیرالدین آفندی حنفی المتوفی سنہ ۱۳۱۰ھ لکھتے ہیں کہ امام مہدی علیہ السلام قرب قیامت مدینہ منورہ میں پیدا ہوں گے اور بیت المقدس کی طرف ہجرت کریں گے اور لوگ آپ کی بیعت مکہ مکرمہ میں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان یعنی حطیم میں عاشورہ کی رات میں کریں گے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ امام مہدی کی امداد کے لیے تین ہزار فرشتے آئیں گے اور آپ کے پاس ملک شام سے ابدال اور مصر سے نجبا اور مشرق سے جماعتوں کی جماعتیں آئیں گی اور آپ سے بیعت کریں گے پھر امام مہدی علیہ السلام اپنے اسلامی لشکر کو لے کر ملک شام کی طرف روانہ ہوں گے اور آپ کے لشکر کے مقدمہ پر جبریل علیہ السلام ہوں گے اور میمنہ اور میسرہ پر بھی ملائکہ مقربین سے ہوں گے اور اصحاب کہف بھی آپ کے لشکر میں شمولیت کریں گے جب امام مہدی لشکر لے کر روانہ ہوں گے تو آپ کے مقابلے کے لیے

اہلِ شام سے ایک لشکر نکلے گا اس لشکر کا نام سفیانی لشکر ہوگا یہ لوگ خالد
بن یزید بن ابی سفیان کی اولاد سے ہوں گے اور یہ خالد لمبے سر والا چیچک
کے چہرے والا اور سفید آنکھوں والا تھا۔ یہ لشکر ایک چٹیل میدان میں زمین
میں غرق ہوجائے گا۔ ملا علی القاری حنفی نے بحوالہ محدث تورپشتی ذکر کیا ہے
کہ یہ میدان حرمین شریفین کے درمیان ہے (مرقات شرح مشکوٰۃ صہ ۱۸۱
ج ۵) جب یہ لشکر غرق ہوجائے گا اور صرف ایک آدمی ان سے بچے گا
جس ان کی ہلاکت کی خبر لوگوں تک پہنچائے گا۔ اس لشکر کا تباہ ہونا امام مہدی
علیہ السلام کی کرامت ہوگی جب لوگوں کو اس کرامت کا علم ہوگا اور لوگ بھی
آپ کے لشکر میں شامل ہوتے جائیں گے نیز ابدال واولیاء کی جماعت جن
کی تعداد ستر ہے چالیس ۴۰ شام میں رہتے ہیں اور تیس ۳۰ دوسرے مقامات
میں جب ان سے کوئی وفات پاتا ہے تو دوسرے مسلمانوں میں سے کسی
کو اس کی جگہ مقرر کیا جاتا ہے اس لیے ان کو ابدال کہتے ہیں یہ بھی لشکر میں
شامل ہوں گے جیسے کہ پہلے ذکر ہوچکا ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ
فرماتے ہیں کہ جس شخص میں رضا بالقضاء بری باتوں سے زبان کو روکنا اور اللہ
تعالیٰ کے لیے غصہ کرنا پایا جائے وہ ان شاء اللہ ابدال ہوگا۔ امام غزالی
احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ جو شخص روزانہ تین بار یہ دعا پڑھے اللّٰھم
اغفر لامۃ محمد اللّٰھم ارحم امۃ محمد اللّٰھم تجاوز
عن امۃ محمد تو ان شاء اللہ ابدالوں سے ہوگا ہم نے ابدال، اوتاد،
اور نجباء وغیرہ کا فرق فتاویٰ جامعیہ حصہ دوم میں ذکر کیا ہے۔ تفصیل وہاں
دیکھیے امام مہدی علیہ السلام کے لشکر میں دنیا کے حاکم، بادشاہ اطاعت
قبول کرلیں گے اور آپ جب دمشق میں پہنچیں گے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام

آپ کی اقتداء میں نماز ادا کریں گے پھر عیسیٰ علیہ السلام دجال کے قتل کے لیے نکلیں گے تو امام مہدی بھی آپ کا ساتھ دیں گے اور دجال کو قتل کرنے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مدد کریں گے اور امام مہدی علیہ السلام جب فوت ہوں گے تو عیسیٰ علیہ السلام آپ کی نماز جنازہ پڑھیں گے اور بیت المقدس میں آپ کو دفن کریں گے (غایۃ المواعظ ص۲۷) اور امام مہدی علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام چالیس سال زندہ رہیں گے اور ابن جوزی نے کتاب الوفاء میں عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نکاح فرمائیں گے سیرت حلبیہ میں ہے کہ یمن کے قبیلہ جذام کی عورت سے شادی کریں گے دو لڑکے ہوں گے ایک کا نام محمد ہوگا اور دوسرے کا نام موسیٰ ہوگا اور آپ جب فوت ہوں گے تو آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ انور میں دفن کیا جائے گا (عطر الوردی ص۳۷) امام مہدی علیہ السلام کا قرب قیامت پیدا ہونا اور آپ کا ظاہر ہونا چونکہ احادیث متواترہ سے ثابت ہے لہٰذا اہل سنت وجماعت کے نزدیک آپ کے ظہور پر عقیدہ رکھنا واجب اور ضروری ہے۔ علامہ ابوالقاسم سہیلی نے شرح سیرت حلبیہ میں ذکر کیا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کا انکار کفر ہے نیز علامہ سفارینی نے لکھا ہے فالایمان بخروج المھدی واجب کما ھو مقرر عند اھل العلم و مدون فی عقائد اھل السنۃ والجماعۃ (الرد علی من کذب ص۱۵) کہ امام مہدی علیہ السلام کے ظہور پر ایمان لانا واجب ہے جیسے کہ اہل علم کے نزدیک ثابت ہے اور اہل سنت وجماعت کے عقائد میں موجود ہے اس سے ثابت ہوا کہ امام محمد مہدی علیہ السلام کے ظہور پر ایمان رکھنا واجب اور ضروری ہے۔

ہم نے دوسرے باب میں ذکر کیا ہے کہ مولیٰ علی شیر خدا کی جو اولاد حضرت فاطمۃ الزہراء سے ہوئی اس کو اولاد رسول کہا جاتا ہے وہ امام حسن، امام حسین، سیدہ زینب، سیدہ ام کلثوم ہیں ان میں سے امام حسن اور امام حسین اور ان کی اولاد امجاد کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں اور سیدہ زینب کا ذکر بالاختصار ہم نے اپنی کتاب "امام زین العابدین" میں کیا ہے اور سیدہ ام کلثوم کا ذکر ہم نے حسب ونسب کے پہلے حصوں میں کیا ہے لیکن جب ام کلثوم کا کہیں بھی ذکر آتا ہے تو منکرین کفو کہتے ہیں کہ ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا جو کہ حضرت علی کی حقیقی صاحبزادی تھیں اور حضرات حسنین کریمین کی سگی بہن تھیں اور جناب عمر فاروق سید نہیں ہیں وہ تو ہاشمی بھی نہیں تھے بلکہ قریشی تھے ان کے ساتھ یہ نکاح کیا گیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سیدزادی کے ساتھ غیر سید کا نکاح ہو سکتا ہے تو ہم نے اس نکاح ام کلثوم کے بارے میں حسب ونسب کے پہلے حصوں میں ذکر کیا ہے کہ اس نکاح کے جتنے متعلقہ روایات ہیں وہ موضوع (من گھڑت) بالدرایت اور موضوع بالروایۃ ہیں اور وہ کسی طرح بھی صحیح نہیں ہیں نیز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ام کلثوم بنت علی کے ساتھ نکاح نہیں کیا بلکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ایک اور بیوی تھی جس کا نام ام کلثوم تھا جو کہ جرول کی لڑکی تھی چنانچہ حافظ ابن کثیر حضرت فاروق کی بیویوں اور ازواج کی تعداد سات لکھی ہے جن میں سے دو ام کلثوم کا ذکر کیا ہے ایک ام کلثوم بنت جرول اور ایک ام کلثوم بنت علی اور حضرت عمر فاروق کی بیوی ام کلثوم بنت جرول تھی ام کلثوم بنت علی نہیں تھی اور نہ ہی حضرت عمر فاروق نے ام کلثوم بنت علی سے نکاح کیا تھا یہ تو راوی نے ام کلثوم بنت جرول کی جگہ ام کلثوم بنت علی جڑ دیا۔ بایں وجہ یہ روایت

جیسے کہ کتب اہل سنت وجماعت میں پائی جاتی ہے اسی طرح کتب شیعہ پائی جاتی ہے اور اس واقعہ کا بنیادی راوی سفیان بن وکیع المتوفی سنہ ۲۴۷ھ کذا اور جھوٹا ہے جب یہ روایت موضوع اور جھوٹی ہے تو پھر ظاہر ہے کہ حضرت عمر فاروق کے نکاح کا یہ واقعہ غلط اور بے بنیاد ہے اصل آپ کی بیوی ام کلثوم بنت جرول تھی راویوں نے بنت جرول کی جگہ بنت علی کہہ دیا کتب اہلِ سنت میں یہ روایت خوارج اور نواصب راویوں کی وجہ سے آگئی انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ حضرت عمر فاروق اور اہل بیت اطہار کے باہمی نسبی تعلقات جانبین سے تھے اور شیعہ نے اس لیے اس روایت کو اجاگر کیا تاکہ یہ ثابت کیا جائے کہ حضرت عمر فاروق نے اہل بیت اطہار پر تشدد اور جبر کر کے ایک پانچ سالہ نابالغہ بچی کو نکاح میں لے لیا بایں وجہ یہ جھوٹی روایت فریقین کے کتب میں پھیل گئی اور اس کلثوم بنت جرول سے حضرت عمر فاروق کے دو بیٹے تھے، عبیداللہ بن عمر بن الخطاب ا زید اصغر بن عمر بن الخطاب اور یہ دونوں جنگِ صفین میں حضرت معاویہ کے ساتھ تھے اور دونوں اسی جنگ میں قتل کیے گئے (البدایہ والنہایہ صہ ۲۶۶ ج، تاریخ طبری صہ ۴۶ ج ۳) اب اس سے ظاہر ہوا کہ زید بن عمر بن الخطاب اس ام کلثوم بنت جرول کے بطن سے تھا یہ جنگِ صفین میں حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کی فوج کے ہاتھوں مارا گیا تھا اب زید کو ام کلثوم بنت علی کا بیٹا بنا کر اس کی موت کا ذکر کر کے اور اس کے جنازے کے بارے میں مؤرخین کے جو متضاد اقوال ذکر کیے جاتے ہیں یہ تمام غلط ثابت ہو جاتے ہیں اور ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ زید جس کے جنازے کے بارے میں متضاد اقوال ذکر کیے گئے ہیں وہ ام کلثوم بنت جرول کا بیٹا ہے نیز

مورخین نے حضرت عمر فاروق کے نو بیٹے ذکر کیے ہیں ان میں سے زید ایک ہی تھا۔ زید کے ساتھ اصغر اور اکبر کا اضافہ یوں ہی ہے جیسے کہ ام کلثوم بنت جرول کی جگہ بنت علی لگایا گیا ہے ورنہ حضرت عمر فاروق کا بیٹا زید ایک ہی تھا جو اپنے بھائی عبید اللہ بن عمر کے ساتھ جنگ صفین میں مارا گیا تھا اور منکرین کفو جو ام کلثوم بنت علی کا نکاح ثابت کر کے ان سے ایک زید نامی لڑکا ثابت کرتے ہیں اسی طرح ایک لڑکی رقیہ ثابت کرتے ہیں یہ رقیہ بھی ام کلثوم بنت جرول کے بطن سے پیدا ہوئی یا کسی اور بیوی کے بطن سے ہوئی۔ ام کلثوم بنت علی کی بیٹی نہیں تھی اور نہ ہی ام کلثوم بنت علی کا حضرت عمر فاروق سے نکاح ہوا تھا بعض مورخین کے قول کے مطابق حضرت عمر فاروق نے اپنی بیٹی رقیہ کا نکاح ابراہیم بن نعیم بن عبداللہ بن نحام کے ساتھ کر دیا لیکن وضاع راویوں نے اس رقیہ کو بھی ام کلثوم بنت علی کی بیٹی بنانے کی کوشش کی ہے حالانکہ یہ کلثوم بنت جرول کے بطن سے تھی۔ بہر صورت حضرت عمر فاروق کے ازواج سے جو ام کلثوم نامی عورت تھی وہ ام کلثوم بنت جرول تھی اور اس کے بطن سے ہی حضرت عمر فاروق کے بیٹے زید اور بیٹی رقیہ پیدا ہوئے اور ام کلثوم بنت علی والی روایت بعض علماء اہل سنت نے بھی بلا تامل اپنی کتابوں میں ذکر کر دی حالانکہ اس کے وضع کرنے والے ناصبی اور خارجی تھے اور شیعہ حضرات نے اپنے مطلب کے لیے اس روایت کو اپنی کتابوں میں جگہ دے دی حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ حضرت عمر فاروق نے حضرت ام کلثوم بنت علی کا نہ حضرت علی شیر خدا سے رشتہ مانگا اور نہ ہی نکاح کیا تھا اور نہ ہی ام کلثوم بنت علی کا کوئی زید نامی بیٹا اور نہ رقیہ نامی بیٹی تھی بلکہ آپ کی زوجہ اور بیوی ام کلثوم بنت جرول تھی نیز منکرین کفو حافظ عطا محمد بندیالوی اور حافظ محمد یونس

چکڑالوی وغیرہ ایک طرف کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق نے حضرت ام کلثوم بنت علی کے ساتھ اس لیے نکاح کیا تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب کے ساتھ رشتہ جوڑنا چاہتے تھے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب کامل تھا اور دوسری طرف کہتے ہیں کہ اسلام میں نسب کا کوئی اعتبار نہیں ہے سارے مسلمان برابر ہیں ہم ان سے دریافت کرتے ہیں اگر تمام نسب برابر ہیں تو حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت کے ساتھ اپنا نسب جوڑنے کی کوشش کیوں کی کسی اور سے جوڑ لیتے اور اگر حضور اور حضور کی اہل بیت کا نسب دوسرے لوگوں سے ممتاز اور جدا ہے تو پھر تمام مسلمانوں کے نسب برابر کیسے ہوئے بلکہ ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب تمام سے اعلیٰ و برتر ہے۔ غرضیکہ حضرت عمر فاروق کی بیوی ام کلثوم بنت جرول تھی۔ ام کلثوم بنت علی نہیں تھی لہٰذا منکرین کفو کا ام کلثوم بنت علی کے جعلی اور وہمی نکاح کو بنیاد بنا کر یہ کہنا کہ غیر سید کا سیدزادی کے ساتھ نکاح ہو سکتا ہے غلط ٹھہرا۔



اختتامیہ

ہم پہلے متعدد مرتبہ لکھ چکے ہیں کہ سیدزادی کا نکاح غیر سید کے ساتھ بنیادی طور پر نہیں ہو سکتا خواہ اس کا ولی وارث راضی ہو یا نہ ہو کیونکہ غیر سید، سیدزادی کا کفو نہیں ہے اور سادات کا نسب دوسرے لوگوں سے ممتاز اور جدا ہے کیونکہ سادات کرام کا نسب حضرت سیدہ خاتون جنت کی طرف منسوب ہے چنانچہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی بھی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے امام حسن اور امام حسین کو یہ فضیلت عطا فرمائی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے ٹھہرے پھر حسنین کریمین کی جو اولاد ہے ان میں بھی وہی قاعدہ جاری ہوا کہ اپنے باپ کی طرف منسوب ہو یعنی حسنین کریمین رسول اللہ کے بیٹے ہیں۔ آگے ان کی اولاد بھی رسول اللہ کی اولاد ہے اس لیے حسنین کریمین کی اولاد ہی صرف سید ہے اور حضرت فاطمۃ الزہرا خاتون جنت کی جو بیٹیاں ہیں ان کی آگے اولاد سید نہیں ہے جیسے کہ ہم نے بحث تقدیم میں ذکر کیا ہے جب حضرت خاتون جنت کی بیٹیوں کی آگے اولاد سید نہیں ہے اسی طرح حضرت مولیٰ علی شیر خدا کی دوسری بیویوں سے جو اولاد ہے وہ بھی سید نہیں ہیں

بلکہ سیّد صرف اور صرف امام حسن اور امام حسین کی اولاد ہے اور ان کا نسب خصوصی طور پر سیّدہ فاطمۃ الزہرا کی طرف منسوب ہے اور دوسرے لوگوں کے بنیادی نسب اپنے باپوں کی طرف منسوب ہیں جب یہ دونوں بنیادی طور پر متغائر ہو گئے تو ایک دوسرے کے کفو نہ ہوں گے نیز امام زین العابدین کے پوتے امام عیسٰی الموتم الاشبال سے نص موجود ہے کہ انہوں نے فرمایا بان ذالک غیر جائز ولا ھو بکفو لہا کہ سیّد زادی کا نکاح غیر سیّد کے ساتھ جائز نہیں ہے اور نہ ہی غیر سیّد سیّد زادی کا کفو ہے جیسے کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ امام عیسٰی بن زید الشہید بن امام زین العابدین نے اپنی بیٹی کا رشتہ غیر سیّد کو نہیں دیا اور فرمایا تھا کہ یہ نکاح ہرگز جائز نہیں ہے اور نہ اس سیّد زادی کا وہ غیر سیّد ہم کفو ہے۔ جب امام سے نص موجود ہے کہ سیّد زادی کا نکاح غیر سیّد کے ساتھ نہیں ہو سکتا اور نہ ہی غیر سیّد سادات کا کفو ہے تو اب منکرین کفو یعنی حافظ محمد یونس چکوالوی اور اس کے حواریوں کا یہ کہنا کہ غیر سیّد بھی سادات کا کفو ہیں اور سیّد زادی کا نکاح ہر کسی کے ساتھ ہو سکتا ہے، باطل اور مردود ہے۔ امام کی نص کے مقابلہ میں ان نام نہاد جاہل، بد باطن، ملاؤں کا قول کوئی حیثیت نہیں رکھتا اور نہ ہی فقہا حنفیہ سے یہ کسی کا قول ہے کہ سیّد زادی موچی اور جولاہا کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے بلکہ اس کے برعکس اعلٰی حضرت فاضل بریلوی نے لکھا ہے کہ جو ملاں یہ کہے کہ سیّد زادی کے ساتھ ہر شخص نکاح کر سکتا ہے وہ جھوٹا، کذاب، گستاخ بے ادب، بے ایمان ہے۔ اگر غیر سیّد نے سیّد زادی کے ساتھ نکاح کیا تو بنیادی طور پر منعقد نہیں ہو گا کیونکہ یہ نکاح غیر کفو میں ہے۔ چنانچہ فقہاء کرام سے صاحب تنویر الابصار لکھتے ہیں ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ

اصلا وھوا لمختار للفتوی لفساد الزمان (تنویر الابصار مع درمختار ص۱۶۵ ج ۲) اور صاحب ہدایہ لکھتے ہیں انہ لا یجوز فی غیر الکفوء لانہ کم من واقع لا یرفع (ہدایہ ص۲۹۴ ج ۲) اور صاحب شرح وقایہ لکھتے ہیں وروی الحسن عن ابی حنیفۃ عدم جوازہ ای عدم جواز النکاح من غیر کفوء وعلیہ فتوی قاضی خان (شرح وقایہ ص۱۵ ج ۲) اور فتاوی قاضی خان میں ہے والمختار فی زماننا للفتوی روایۃ الحسن رحمہ اللہ تعالی (فتاوی قاضی خان ص۳۲۹) صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں وتعتبر الکفاءۃ للزوم النکاح ای علی ظاھر الروایۃ ولصحتہ علی روایۃ الحسن المختارۃ للفتوی (فتح القدیر ص۲۹۲ ج ۳) اور فتاوی رضویہ میں ہے اور ظاہر روایت کے مطابق نکاح کے لزوم میں کفاءت معتبر ہے اور حسن بن زیاد کی روایت یہ ہے کہ کفاءت نکاح کے لیے صحت شرط ہے (فتاوی رضویہ ص۲۹۸) یعنی حسن بن زیاد سے مروی ہے کہ صحت نکاح کے لیے کفو شرط ہے اور اسی پر فتوی ہے غیر کفو میں نکاح صحیح نہیں۔ اب اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے کہ اگر ولی وارث راضی ہو جائے تو نکاح ہو جائے گا۔ اگر ولی وارث راضی نہ ہو تو نہیں ہوگا اور یہ روایت متون میں ہے اور یہ امر ظاہر ہے کہ متون کو شروح اور حواشی پر ترجیح ہوتی ہے لہٰذا اس اعتبار سے اگر عورت نے غیر کفو میں نکاح کیا تو نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ یہی وجہ حضرت خواجہ خواجگان قبلہ پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی المتوفی ۱۳۵۶ھ نے فتوی متن پر دیا ہے کہ یہ نکاح جائز نہیں ہے۔ چنانچہ فتاوی مہریہ میں ہے متون فقہ مملو اند و مشحون از عدم این چنیں نکاح ویفتی فی غیر الکفوء بعدم جوازہ اصلا وھوا لمختار للفتوی لفساد الزمان (فتاوی مہریہ ص۳۲)

کو فقہ کے متن بھرے پڑے ہیں کہ ایسا نکاح جائز نہیں ہے اور غیر کفو میں نکاح کے عدم جواز کا بالکلیہ فتویٰ دیا گیا ہے اور یہی فساد زمان کی وجہ سے فتویٰ کے لیے مختار ہے اور قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین پیر سید حافظ جماعت علی محدث علی پوری نے بھی فرمایا کہ کتب فقہ میں ایسے نکاح کو ناجائز کہا گیا ہے۔ غرضیکہ اگر کسی غیر سید نے سیدزادی کے ساتھ نکاح کیا تو ہرگز منعقد نہیں ہوگا۔

اور آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب حسب ونسب کو اہلِ حق کے لیے باعث نفع بنائے اور مخالفین کے لیے باعث ہدایت بنائے اور میری یہ کتاب بطفیل اہلِ بیت اطہار تاقیام قیامت باقی رکھے اور اہلِ بیت اطہار کے صدقے اللہ تعالیٰ مجھے دونوں جہانوں میں عزت سے نوازے اور میرے لیے سعادتوں اور برکتوں کو مقدر کرے اور میری تمام امیدوں کو پورا کردے اور جن لوگوں نے حسب ونسب کی اشاعت میں حصہ لیا ہے یا مالی تعاون کیا ہے ان کو اہلِ بیت اطہار کی شفاعت سے مالا مال کر دے۔ آمین!

وانی اسئال من اللہ تعالیٰ بحرمۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان یعصمنی من سہام الطعن ویحفظنی من آفات الزمن وان یجعلہ (ای الحسب والنسب) مقبولا فی الآفاق والاطراف والامصار والاکناف والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ نبی الرحمۃ محمد وآلہ واصحابہ وازواجہ وعترتہ الیٰ

یوم الدین ۔

مفتی غلام رسول
والتھم سٹو لندن

مندرجہ ذیل کتب سے "حسب ونسب" جلد پنجم کی ترتیب میں بالواسطہ یا بلاواسطہ استفادہ کیا گیا ہے۔

(۱) قرآن کریم

نمبر شمار	کتاب	مصنف کا نام
(۲)	ابن ماجہ	ابن ماجہ قزوینی المتوفی سنہ ۲۷۳ھ ،
(۳)	ابراز الوھم	احمد بن محمد بن الصدیق المغربی المتوفی سنہ ۱۳۸۰ھ
(۴)	سلسلہ آباء النبی	السید احمد واحدی
(۵)	ابوبکر صدیق	محمد رضا
(۶)	سنن ابی داؤد	ابوداؤد السجستانی المتوفی سنہ ۲۷۵ھ
(۷)	احکام القرآن	ابوبکر جصاص المتوفی سنہ ۳۷۰ھ
(۸)	اخبار الدول وآثار	احمد بن یوسف بن احمد القرمانی الدمشقی المتوفی سنہ ۱۰۰۹ھ ۔
(۹)	ازالتہ الخفار	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی المتوفی سنہ ۱۱۷۶ھ
(۱۰)	اسد الغابہ	علامہ ابن اثیر المتوفی سنہ ۶۳۰ھ
(۱۱)	اسعاف الراغبین	محمد الصبان الشافعی المتوفی سنہ ۱۲۰۶ھ

کتب	مصنف کا نام
۱۲- اشعۃ اللمعات	شاہ عبدالحق محدث دہلوی المتوفی سنہ ۱۰۵۲ھ
۱۳- اکمال فی اسماء الرجال	علامہ ولی الدین خطیب المتوفی سنہ ۷۴۲ھ
۱۴- الائمۃ اثنا عشر	ابن طولون الدمشقی الحنفی المتوفی سنہ ۹۵۳ھ
۱۵- الاذاعۃ	سید محمد صدیق قنوجی المتوفی سنہ ۱۳۰۷ھ
۱۶- الاشاعۃ	محمد بن عبدالرسول البرزنجی المتوفی سنہ ۱۱۰۳ھ
۱۷- الاستیعاب	حافظ ابن عبدالبر المتوفی سنہ ۴۶۳ھ
۱۸- الاصابہ	حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی سنہ ۸۵۲ھ
۱۹- البدایہ والنہایہ	حافظ ابن کثیر المتوفی سنہ ۷۷۴ھ
۲۰- البدء والتاریخ	علامہ مقدسی المتوفی سنہ ۳۵ھ
۲۱- التاج الجامع الاصول	شیخ منصور علی ناصف ازہری المتوفی سنہ ۱۳۷۱ھ
۲۲- التعظیم والمنۃ	جلال الدین سیوطی المتوفی سنہ ۹۱۱ھ
۲۳- الروض الانف	عبدالرحمان سہیلی المتوفی سنہ ۵۸۱ھ
۲۴- السبل الجلیۃ	جلال الدین السیوطی المتوفی سنہ ۹۱۱ھ
۲۵- السراج الوہاج	نواب صدیق حسن خان قنوجی المتوفی سنہ ۱۳۰۷ھ
۲۶- الصارم المسلول	ابن تیمیہ المتوفی سنہ ۷۲۸ھ
۲۷- الصواعق المحرقہ	ابن حجر مکی المتوفی سنہ ۹۷۳ھ
۲۸- الطرق الحکمیہ	ابن قیم جوزی المتوفی سنہ ۷۵۱ھ
۲۹- العرف الوردی	جلال الدین سیوطی المتوفی سنہ ۹۱۱ھ
۳۰- العطر الوردی	سید محمد بلبیسی الشافعی المتوفی سنہ ۱۳۰۸ھ
۳۱- الفتاوی الحدیثیہ	ابن حجر مکی الشافعی المتوفی سنہ ۹۷۳ھ

کتاب	مصنف کا نام
۳۲۔ الفتن والملاحم	حافظ ابن کثیر المتوفی سنہ ۷۷۴ھ
۳۳۔ الفصول المہمہ	ابن صباغ المالکی المتوفی سنہ ۸۵۵ھ
۳۴۔ القطر الشہدی	شہاب الدین حلوانی شافعی المتوفی سنہ ۱۳۰۸ھ
۳۵۔ المنار المنیف	ابن قیم المتوفی سنہ ۷۵۱ھ
۳۶۔ المنجد	معلوف لیسوعی المتوفی سنہ ھ
۳۷۔ اشراف الانساب	علامہ بلاذری المتوفی سنہ ۲۷۹ھ
۳۸۔ بحر الرائق	علامہ ابن نجیم المتوفی سنہ ۹۷۰ھ
۳۹۔ تاریخ ابو الفداء	اسماعیل بن علی ایوبی المتوفی سنہ ۷۳۲ھ
۴۰۔ تاریخ الخلفاء	علامہ سیوطی المتوفی سنہ ۹۱۱ھ
۴۱۔ تاریخ طبری	ابن جریر طبری المتوفی سنہ ۳۱۰ھ
۴۲۔ تاریخ فخری	ابو جعفر محمد بن تاج الدین المتوفی سنہ ھ
۴۳۔ تاریخ کامل	علامہ ابن اثیر المتوفی سنہ ۶۳۰ھ
۴۴۔ تحفۃ الاحوذی	عبدالرحمان بن عبدالرحیم مبارکپوری المتوفی سنہ ۱۳۵۳ھ
۴۵۔ تذکرۃ الحفاظ	حافظ ذہبی المتوفی سنہ ۶۵۵ھ
۴۶۔ تذکرۃ الخواص	سبط ابن جوزی المتوفی سنہ ۶۵۵ھ
۴۷۔ تذکرہ مشائخ نقشبند	مولانا نور بخش توکلی المتوفی سنہ ھ
۴۸۔ تصفیہ مابین سنی وشیعہ	سید مہر علی شاہ گولڑوی المتوفی سنہ ۱۳۵۶ھ
۴۹۔ تفسیر ابن کثیر	حافظ ابن کثیر المتوفی سنہ ۷۷۴ھ
۵۰۔ تفسیر احمدی	ملا جیون صدیقی المتوفی سنہ ۱۱۳۰ھ
۵۱۔ تفسیر جلالین	جلال الدین محلی المتوفی سنہ ۸۶۴ھ

کتاب	مصنف کا نام
۵۲۔ تفسیر روح المعانی	علامہ آلوسی بغدادی المتوفی سنہ ۱۲۷۰ھ
۵۳۔ تفسیر کبیر	علامہ فخر الدین رازی المتوفی سنہ ۶۰۶ھ
۵۴۔ تفسیر کشاف	جار اللہ زمخشری المتوفی سنہ ۵۳۸ھ
۵۵۔ تفسیر مظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتی المتوفی سنہ ۱۲۲۵ھ
۵۶۔ تفسیر مواہب الرحمان	سید امیر علی المتوفی سنہ ھ
۵۷۔ تفسیر نعیمی	مفتی احمد یار خان گجراتی المتوفی سنہ ۱۳۹۱ھ
۵۸۔ تقریب	حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی سنہ ۸۵۲ھ
۵۹۔ تلخیص	حافظ شمس الدین ذہبی المتوفی سنہ ۷۴۷ھ
۶۰۔ تہذیب التہذیب	حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی سنہ ۸۵۲ھ
۶۱۔ تنویر الابصار	علامہ تمرتاشی المتوفی سنہ ۱۰۰۴ھ
۶۲۔ جمہرۃ انساب العرب	ابن حزم اندلسی المتوفی سنہ ۴۵۶ھ
۶۳۔ حاشیہ نبراس	مولانا برخوردار ملتانی المتوفی سنہ ھ
۶۴۔ حکایات صحابہ	علامہ زکریا دیوبندی المتوفی سنہ ھ
۶۵۔ حیاۃ الحیوان	علامہ دمیری المتوفی سنہ ۸۰۸ھ
۶۶۔ خریدۃ العجائب	سراج الدین ابن الوردی شافعی المتوفی سنہ ۷۴۹ھ
۶۷۔ خصائص کبریٰ	علامہ سیوطی المتوفی سنہ ۹۱۱ھ
۶۸۔ خلافت وملوکیت	ابو الاعلیٰ مودودی المتوفی سنہ ۱۳۹۹ھ
۶۹۔ خیرات الحسان	ابن حجر مکی المتوفی سنہ ۹۷۳ھ
۷۰۔ دارقطنی	علی بن عمر بن احمد دارقطنی المتوفی سنہ ۳۸۵ھ
۷۱۔ رد المحتار	علامہ ابن عابدین شامی المتوفی سنہ ۱۲۵۲ھ

کتاب	مصنف کا نام
۷۲۔ رحمۃ للعالمین	قاضی محمد سلیمان منصور پوری المتوفی سنہ ھ
۷۳۔ زرقانی شرح مواہب	علامہ عبدالباقی المتوفی سنہ ۱۱۲۸ھ
۷۴۔ سعادت الکونین	علامہ مفتی محمد اکرم الدین دہلوی نبیرہ عبدالحق محدث دہلوی
۷۵۔ سبائک الذہب	علامہ محمد امین بغدادی سویدی المتوفی سنہ ھ
۷۶۔ سنن ترمذی	امام ترمذی المتوفی سنہ ۲۹۷ھ
۷۷۔ سیرت ابن ہشام	ابن ہشام المتوفی سنہ ۲۱۳ھ
۷۸۔ سیرت حلبیہ	برہان الدین حلبی المتوفی سنہ ۱۰۴۴ھ
۷۹۔ سیرت رسول عربی	علامہ نور بخش توکلی
۸۰۔ سیرت مصطفےٰ	علامہ عبدالمصطفےٰ اعظمی
۸۱۔ شرح عقائد	علامہ تفتازانی المتوفی سنہ ۷۹۲ھ
۸۲۔ شرح وقایہ	عبیداللہ بن مسعود بن تاج الشریعۃ المتوفی سنہ ۷۴۷ھ
۸۳۔ شرح مقاصد	مسعود بن عمر تفتازانی المتوفی سنہ ۷۹۲ھ
۸۴۔ شرح شفا	ملا علی القاری الحنفی المتوفی سنہ ۱۰۱۴ھ
۸۵۔ شرح نخبۃ الفکر	ابن حجر عسقلانی المتوفی سنہ ۸۵۳ھ
۸۶۔ شذرات الذہب	ابن عماد حنبلی المتوفی سنہ ۱۰۸۹ھ
۸۷۔ شفا شریف	قاضی عیاض المتوفی سنہ ۵۴۴ھ
۸۸۔ شمول الاسلام	احمد رضا خان فاضل بریلوی المتوفی سنہ ۱۳۴۰ھ
۸۹۔ شواہد النبوت	علامہ عبدالرحمان جامی المتوفی سنہ ۸۹۸ھ

مصنف کا نام	کتاب
اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی المتوفی سنہ ۱۳۴۰ھ	۹۰۔ صلوٰۃ الصفار
محمد بن اسماعیل بخاری المتوفی سنہ ۲۵۶ھ	۹۱۔ صحیح بخاری
مسلم بن حجاج قشیری المتوفی سنہ ۲۶۱ھ	۹۲۔ صحیح مسلم
علامہ محمد بن سعد المتوفی سنہ ۲۳۰ھ	۹۳۔ طبقات ابن سعد
علامہ شعرانی المتوفی سنہ ۹۷۳ھ	۹۴۔ طبقاتِ کبریٰ
علامہ ابن عتبہ المتوفی سنہ ۸۲۸ھ	۹۵۔ عمدۃ الطالب
اکمل الدین محمد بن محمود المتوفی سنہ ۷۸۶ھ	۹۶۔ عنایہ شرح ہدایہ
شمس الحق عظیم آبادی المتوفی سنہ ۱۲۷۳ھ	۹۷۔ عون المعبود
خیر الدین آلوسی حنفی المتوفی سنہ ۱۳۶۸ھ	۹۸۔ غایۃ المواعظ
اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی المتوفی سنہ ۱۳۴۰ھ	۹۹۔ فتاویٰ رضویہ
فخر الدین قاضی خان المتوفی سنہ ۵۹۳ھ	۱۰۰۔ فتاویٰ قاضی خان
سید مہر علی شاہ گولڑوی المتوفی سنہ ۱۳۵۶ھ	۱۰۱۔ فتاویٰ مہریہ
حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی سنہ ۸۵۲ھ	۱۰۲۔ فتح الباری
علامہ ابن ہمام المتوفی سنہ ۸۶۱ھ	۱۰۳۔ فتح القدیر
سید انور شاہ کاشمیری المتوفی سنہ ھ	۱۰۴۔ فیض الباری
عبد الرؤف مناوی المتوفی سنہ ۱۰۳۰ھ	۱۰۵۔ فیض القدیر
علامہ حمیدی المتوفی سنہ ۴۸۸ھ	۱۰۶۔ کتاب الجمع بین الصحیحین
شمس الائمہ سرخسی المتوفی	۱۰۷۔ کتاب المبسوط
داتا گنج بخش ہجویری المتوفی سنہ ۴۶۵ھ	۱۰۸۔ کشف المحجوب
حافظ ابن جوزی المتوفی سنہ ۵۹۷ھ	۱۰۹۔ کتاب الوفاء

مصنف کا نام	کتاب
علی المتقی الہندی المتوفی سنہ ۹۷۵ھ	۱۱۰۔ کنز العمال
محمد بن احمد السفارینی المتوفی سنہ ۱۱۸۸ھ	۱۱۱۔ لوامع الانوار البہیہ
حافظ نور الدین ہیثمی المتوفی سنہ ۸۰۷ھ	۱۱۲۔ مجمع الزوائد
معلم بطرس البستانی م سنہ ۱۳۰۰ھ	۱۱۳۔ محیط المحیط
حافظ منذری المتوفی سنہ ۶۵۲ھ	۱۱۴۔ مختصر سنن ابو داؤد
شاہ عبد الحق محدث دہلوی المتوفی سنہ ۱۰۵۲ھ	۱۱۵۔ مدارج النبوت
ملا علی القاری المتوفی سنہ ۱۰۱۴ھ	۱۱۶۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ
ولی الدین خطیب المتوفی سنہ ۷۳۷ھ	۱۱۷۔ مشکوٰۃ
شمس الدین ذہبی المتوفی سنہ ۷۴۸ھ	۱۱۸۔ میزان الاعتدال
مفتی محمد شفیع دیوبندی المتوفی سنہ ۱۳۹۶ھ	۱۱۹۔ معارف القرآن
ابو الفرج اصفہانی المتوفی سنہ ۳۵۶ھ	۱۲۰۔ مقاتل الطالبین
علامہ قسطلانی المتوفی سنہ ۹۲۳ھ	۱۲۱۔ مواہب لدنیہ
محمد بن طلحہ القرشی المتوفی سنہ ۶۵۲ھ	۱۲۲۔ مطالب السئول
علامہ مسعودی المتوفی سنہ ۳۴۶ھ	۱۲۳۔ مروج الذہب
علامہ ابن خلدون المتوفی سنہ ۸۰۸ھ	۱۲۴۔ مقدمہ ابن خلدون
امام حاکم المتوفی سنہ ۴۰۵ھ	۱۲۵۔ مستدرک
ابو القاسم طبرانی المتوفی سنہ ۳۶۰ھ	۱۲۶۔ معجم طبرانی
امام احمد بن حنبل المتوفی سنہ ۲۴۱ھ	۱۲۷۔ مسند احمد بن حنبل
شرف الدین نووی المتوفی سنہ ۶۷۶ھ	۱۲۸۔ نووی شرح مسلم
مومن شبلنجی المتوفی سنہ ۱۲۹۰ھ	۱۲۹۔ نور الابصار

مصنف کا نام	کتاب
علامہ عبدالعزیز المتوفی ۱۲۲۹ھ	۱۳۰۔ نبراس شرح شرح عقائد
علامہ ابن خلکان المتوفی ۶۸۱ھ	۱۳۱۔ وفیات الاعیان
برہان الدین مرغینانی المتوفی ۵۹۳ھ	۱۳۲۔ ہدایہ
شیخ سلیمان قندوزی المتوفی ۱۲۹۴ھ	۱۳۳۔ ینابیع المودۃ

نوٹ:۔ بعض مضامین کے ماخذ کتابوں کے نام فہرست بالا مذکور میں درج نہیں ہیں۔

مفتی غلام رسول
(لندن)

مصنّف کی دیگر تصانیف

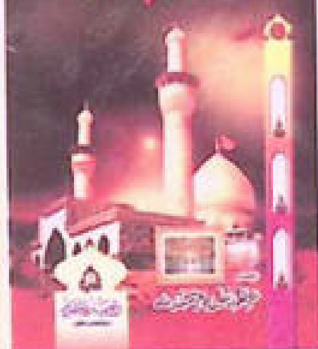
(۱) فتاویٰ جماعتیہ جلد اول
(۲) فتاویٰ جماعتیہ جلد دوم
(۳) فتاویٰ برطانیہ
(۴) نور الفرقدین علی رفع الیدین
(۵) سنت سید الانام علی القرأۃ خلف الامام
(۶) انوارِ شریعت
(۷) السلطان القوی
(۸) القول المسعود
(۹) القول التنقیح علی العمل باالتلقیح
(۱۰) القول علی المقالہ
(۱۱) التعاقب علی التعاقب
(۱۲) سیرت النور
(۱۳) مجدد دین وملت
(۱۴) السہم الحق فی کبد مختار الحق
(۱۵) الصاعقۃ الوہاب

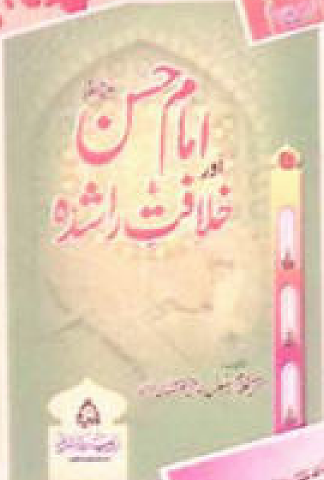
(۱۶) الصدقات حرام علی السادات
(۱۷) فعل اندازی نماز کے متعلق فتویٰ
(۱۸) معراج النبی
(۱۹) حسب ونسب جلد اول
(۲۰) حسب ونسب جلد دوم
(۲۱) حسب ونسب جلد سوم
(۲۲) حسب ونسب جلد چہارم
(۲۳) امام زین العابدین
(۲۴) التعاقب علی النواصب
(۲۵) افادات

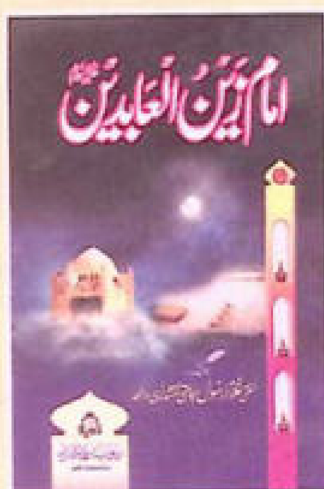
(انجمن فاطمیہ یو کے)





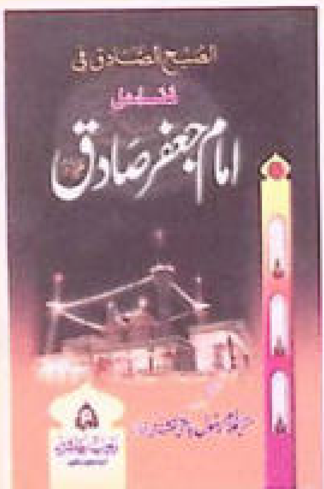

تذکرہ امام حسین


امام حسن
اور
خلافت راشدہ


امام زین العابدین






امام جعفر صادق